فمنهم من قضی نحبه و منهم من ینتظر

تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے

(جلد سوم)

تالیف:

محمد طاہر جمال ندوی

ناشر:

دار البحوث و المناصرة الاسلامیة

چاٹگام، بنگلادیش۔

کتاب	:	تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے جلد سوم۔
مؤلف	:	محمد طاہر جمال ندوی، فاضل دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، انڈیا۔
باراول	:	دسمبر: ۲۰۲۳ء
باردوم	:	۱۰ / ۰٦ / ۲۰۲٦ء
تعداد	:	۱۰۰۰ (ایک ہزار)
قیمت	:	۵۰۰ر ٹاکا، بنگلہ دیشی۔ ۳۰ر ریال سعودی
کمپوز	:	محمود العالم (اندرقلعہ، چاٹگام، بنگلادیش)
ناشر	:	دار البحوث والمناصرة الاسلامیة چاٹگام، بنگلادیش
ملنے کے پتے	:	0088-01533091784
Email	:	tahernadwi@gmail.com

انتساب

میں اپنی اس حقیر کاوش کو سرزمین ارکان کے مایۂ ناز فرزندِ ارجمند، قائدِ ملت وقوم اور مجددِ تحریکِ آزادیٔ ارکان محمد جعفر حبیب رحمۃ اللہ علیہ کے نام انتساب کرنے کو اپنی سعادت محسوس کررہا ہوں، جن کی ان تھک کوشش وکاوش اور پیہم سعی وجستجو سے ارکان میں تحریکِ آزادی کی تجدید ہوئی اور آئے دن اس کی آبیاری ہوئی ہے، اللہ تعالی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے درجات کو بلند فرمائے، آمین یارب العالمین۔



خاکسار:

محمد طاہر جمال ندوی

۲۲/نومبر/ ۱۹۲۳ء

چاٹگام، بنگلادیش۔

سرزمین ارکان کی جغرافیائی حدود



عرض ناشر

برادرمحترم مولانا محمد طاہر جمال ندوی (فاضل جامعہ دارالعلوم ندوۃ العلماءلکھنؤ، ہند، وتلمیذ خاص مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ) کی شخصیت ہمارے دینی وروحانی، علمی وثقافتی ،فکری وسیاسی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں، آپ ایک قابل القدر عالم دین ،معروف ادیب و قلم کار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نامور مفکر مورخ بھی ہیں،جن کی چند تصانیف ماشاء اللہ چھپ کر منظر عام پر آ چکی ہیں،اور بہت ساری تصانیف اب تک زیرِ طبع وزیرِ نظر بھی ہیں۔

مولانا محمد طاہر جمال ندوی بن الحاج مولانا حافظ جمال الدین احمد کی ولادت ۵/ ۵/ ۱۹۶۶ء میں بستی باغگونہ علی چنگ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب اور سرکاری پرائمری اسکول سے پا کر جامعہ اسلامیہ عالیہ بوسیدنگ میں داخلہ لیا، یہاں سے آپ نے ثانویہ تک تعلیم پا کر دارالمعارف الاسلامیہ چاٹگام میں ایک سال حضرت مولانا محمد سلطان ذوقؔ ندوی اور حضرت مولانا فرقان اللہ خلیل صاحب سے پڑھا، اس کے بعد جامعہ اسلامیہ پٹیہ میں پڑھ کر دارالعلوم ندوۃ العلماءلکھنؤ میں داخلہ لیا، یہاں سے کلیۃ الادب العربی سے ماجستر کر کے ۱۹۹۱ء میں سندفراغت حاصل کی تھی۔

مولانا محترم فراغت تعلیم کے معا بعد بنگلا دیش آئے اور یہاں کے مختلف مدارس میں پڑھاتے رہے تھے،جن میں دارالانصار چاٹگام قابل ذکر اور ناقابل فراموش درسگاہ ہے، پھر چند سال پڑھانے بعد آپ نے حجاز مقدس کا سفر کیا، جہاں آپ نے چند سال گزارے، اس کے بعد دوبارہ بنگلا دیش آئے ہوئے ہیں، حالیا تصنیف وتالیف میں مصروف اور سرگرم عمل ہیں، الحمد للہ مولانا کی چند مطبوعہ اوغیر مطبوعہ گرانمایہ تصانیف ہیں، جن میں سے کچھ یہ ہیں:

☆ سرزمین ارکان کی تحریکِ آزادی تاریخی پس منظر میں۔
☆ سازش کا طوفان عقلیت ومادیت کے روپ میں۔

☆ روہنگیا مسلمانوں کے جانگسل المیے۔
☆ تذکرۂ علامہ سید الامینؒ۔
☆ تذکرۂ حضرت مولانا شاہ عبدالسلام ارکانیؒ۔
☆ روہنگیا مسلمان اور ان کی ہجرت کے اسباب۔
☆ ارکان کے عظیم شاعر علاول، حیات وکارنامے۔
☆ ارکان روہنگیا یونین، ماضی اور حال کے تناظر میں۔
☆ روہنگیا چیخ وپکار اور مطالبات (ترجمہ)۔
☆ وادئ پر خار کے گمنام مسافر۔
☆ سالارِ کارواں محمد جعفر حبیبؒ۔
☆ سرخیل کارواں۔
☆ علماء اور جمعیۃ علمائے اسلام ارکان۔
☆ روہنگیا رسم الخط کا ایک علمی اور فکری جائزہ۔
☆ ارکان کے دو بڑے ستارے۔
☆ نقوش خیال۔
☆ حیاتِ نور۔
☆ حیاتِ ڈاکٹر محمد یونس۔
☆ سرزمین ارکان کے درخشان ستارے (جلد ۱)۔
☆ سرزمین ارکان کے درخشان ستارے (جلد ۲)۔
☆ سرزمین ارکان کے درخشان ستارے (جلد ۳)۔
☆ سرزمین ارکان کے درخشان ستارے (جلد ۴)۔
☆ سرزمین ارکان کے درخشان ستارے (جلد ۵)۔
☆ سرزمین ارکان کے درخشان ستارے (جلد ۶)۔
☆ سرزمین ارکان کے درخشان ستارے (جلد ۷)۔
☆ سرزمین ارکان کے درخشان ستارے (جلد ۸)۔

☆سرزمین ارکان کے درخشان ستارے (جلد ۹)۔

☆سرزمین ارکان کے درخشان ستارے (جلد ۱۰)۔

☆سرزمین ارکان کے درخشان ستارے (جلد ۱۱)۔

☆سرزمین ارکان کے درخشان ستارے (جلد ۱۲)۔

مولانا کی ان تمام تصانیف میں سے سب سے مقبول ترین تصنیف ’’سرزمین ارکان کی تحریکِ آزادی تاریخی پس منظر میں‘‘ جو دسمبر ۱۹۹۹ء میں پہلی مرتبہ چھپ کر منظر عام پر آئی، اور دوسرا ایڈیشن زیر طبع ہے، جس کے متعلق مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے لکھا ہے کہ: ’’فاضلِ عزیز مولوی محمد طاہر جمال ندوی شکر وسپاس کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بڑی محنت ولیاقت کے ساتھ اس فرض کو انجام دیا، اپنے وطن کا حق ادا کیا، اور تاریخ کے خلا کو پر کیا، جو عرصہ سے پایا جاتا تھا‘‘۔

مولانا کی زیر نظر تصنیف ’’تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے جلد سوم‘‘ بھی ہمارے نزدیک ایک شاہکار تصنیف ہے، جسے آپ نے بڑی محنت، لیاقت اور عرق ریزی سے کام لیتے ہوئے پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے، اس میں کسی قسم کی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ آپ نے اپنی دیگر تصانیف کی طرح اس سوانحی تصنیف کو بھی ایک ملی فریضہ اور قومی خدمت کے بطور اور بقول آپ کے ایک سعادت سمجھ کر لکھا ہے، اور اس کی تکمیل کی راہ میں آپ نے جو تکلیفیں، صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کی ہیں ان کے اجر ومعاوضے صرف اور صرف ذاتِ خداوندی کی طرف سے ممکن اور امید ہیں۔

تاہم اس قوم کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے ہم اپنی قوم کی طرف سے عصر حاضر کے ہمارے اس عظیم مصنف وقلم کار کو خراجِ تحسین وگل دستۂ عقیدت پیش کرتے ہیں، اور اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اپنی خاص رحمت اور فضل وعنایات سے مصنف کی زندگی اور قلمی کاوشوں کو مزید شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین یارب العالمین

محمد طارق جمال

سکریٹری برائے نشر واشاعت

دار البحوث والمناصرة الاسلامية

چاٹگام، بنگلادیش۔

فہرست

تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے جلد سوم۔

خاکسار:

محمد طاہر جمال ندوی

۲۶؍جولائی؍۲۰۲۲ء

حرفِ آغاز

الحمد للہ رب العالمین، و الصلاۃ و السلام علی سید المرسلین، و علی آلہ و صحبہ اجمعین، و لا عدوان الا علی الظالمین۔اما بعد:

شک نہیں ہے کہ تاریخ قوم کا آئینہ ہے، آئینے میں جس طرح دیکھنے والوں کو اپنا عکس نظر آتا ہے، ٹھیک اسی طرح قوم اپنی تاریخ میں اپنی قومی زندگی کو دیکھ لیتی ہے، جس کے ذریعے وہ اپنی قومی زندگی کے حال اور مستقبل کو سنور لیتی اور لے سکتی ہے۔

ہمارے بعض لوگوں کا یہ خیال کبھی بھی سچائیت اور زمینی حقائق پر مبنی نہیں ہے کہ روہنگیا قوم کے بزرگوں نے اپنی قوم کے لئے کچھ بھی نہیں کیا ہے، جیسا کہ بعض نادان ہمارے بزرگوں پر آئے دن الزام لگاتے پھرتے ہیں، دانشوران کے علی الرغم علمائے دین متین پر بطور خاص الزامات لگاتے نہیں تھکتے ہیں کہ انہوں نے صرف اور صرف دین اور دین داری کے بہانے لوگوں کو لوٹا ہے، مذہب کے لبادے میں اپنے عوام سے عموما اور نئی نسل سے خصوصا دھوکہ اور فریب کیا ہے، اگر یہ لوگ قوم کے لئے کچھ کئے ہوتے تو روہنگیا مسلمانوں کا حال آج ایسا نہیں ہوتا، جیسا آج ہم دیکھ رہے ہیں، اور ڈھنڈورا پیٹتے پھرتے ہیں کہ ہمارے آج کے علماء قومی خدمات کے حوالے سے کسی کام کے نہیں ہیں، اگر یہ کام کے ہوتے تو روہنگیا مسلمانوں کی تقدیر کب بدل گئی ہوتی۔

دراصل بات یہ ہے کہ نہ قومی خدمات کے حوالے سے ہمارے دانشوران غافل تھے اور نہ علمائے کرام بے خبر، کھلی آنکھ سے مطالعہ کیا جائے تو رات کے اندھیرے میں بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ نہ صرف قومی خدمات کے میدان میں ان دونوں طبقوں نے بساط بھر خدمات کیں بلکہ ہمارے روشن ضمیر عوام بھی کسی طرح پیچھے نہیں رہے تھے، اس حوالے سے ہماری خدمات کی تاریخ میں اور تو اور ۱۹۴۲ء کے

بعد سے آج تک دیکھا جاسکتا ہے، کہ ہماری اس طویل تاریخ میں علماء اور دانشوروں کے ساتھ ہمارے عوام نے بھی لازوال قومی خدمات انجام دی ہیں، اس حوالے سے ہزاروں نے جام شہادت پی کر جنت کے اعلی درجات کے مستحق بنے، کوئی غازی بن کر رہتی زندگی میں مزید خدمات انجام دیتے ہوئے راہی ملک بقاء ہوئے، جس کا روشن سلسلہ تا حال الحمد للہ جاری ہے، **فمنھم من قضی نحبہ و منھم من ینتظر و ما بدلو اتبدیلا۔**

اور اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ سرزمین اسلام ارکان علماء وصلحاء، درویش اور خدارسیدہ بزرگوں کی سرزمین ہے، جس کے چپے چپے اور گوشے گوشے میں ہمارے ان بزرگوں کی ان گنت خواب گاہیں موجود ہیں، جنہوں نے اس کو اسلام کی روشنی اور تابانی سے روشن اور تاباں کیا اور اس گلشن اسلام کی آبیاری اور پاسبانی کی ہے، اور اس کار خیر کے لئے اپنی زندگیاں کھپائیں اور اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے تھے، ویسے ہم آج فخر سے سر بلند کر کے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے اسلاف اور ان کی روشن اور گراں قدر خدمات اور ان کے انگنت کارنامے دنیا کی دیگر زندہ دل قوموں کے اسلاف اور ان کی گراں مایہ خدمات اور کارناموں سے کسی بھی معنی میں کم نہیں ہیں، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اپنے خاص فضل وکرم سے ان کی زندگیاں اور ان کی تمام خدمات اور کارناموں کو شرفِ قبولیت بخشے، اور ان کی بال بال مغفرت کر کے انہیں جنت الخلد میں جگہ عطا فرمائے، پھر ہمیں اپنے ان زندہ دل اسلاف اور بزرگوں کے نقوش قدم پر چلتے ہوئے اسلام اور امتِ مسلمہ بشمول تمام بنی نوع انسان کی خدمات انجام دینے کی توفیق سے نوازے، آمین یارب العالمین۔

لیکن ہمارے لئے یہاں ایک افسوس اور حسرت کا مقام ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کے حالات چاہے اجمالی ہی سہی اپنی آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ نہیں رکھ سکے، آج کل جو حالات ہماری بھولی بسری تاریخ اور سوانحی دستاویزات میں بکھرے ہوئے ملتے ہیں ان کے متعلق ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ دراصل وہ سب ہمارے ان روشن ضمیر بزرگوں کی خدماتِ جلیلہ کا دسواں حصہ بھی نہیں ہیں، حقیقت یہ کہ ہمارے اسلاف سمیت ہماری ماضی کے بزرگانِ دین اتنے مخلص تھے کہ انہوں نے جو کچھ بھی کیا، اللہ تعالی کی رضا جوئی اور خوش نودی کے لئے کیا، اور دکھاوے سے ان کے دل ودماغ کوسوں دور تھے، شاید ان کے نزدیک ان کی خدمات اور سرگرمیوں کو آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ رکھنے کی کوئی بھی

کوشش ان کے اخلاص وللّٰہیت کی منافی تھی، اور شاید اس لئے بھی ہو کہ انہوں نے اپنی کسی بھی خدمات، کارناموں اور سرگرمیوں کی کسی بھی روداد اپنی آنے والی نسلوں کے لئے کہیں بھی محفوظ نہیں رکھی، کہیں آنے والی نسلیں ان کی ریکارڈ کردہ چیزوں کو دیکھ کر یہ خیال نہ کریں کہ انہوں نے جو کچھ بھی کیا اللہ تعالی کی خوش نودی اور رضا جوئی کے بجائے لوگوں کو دکھانے اور داد حاصل کرنے کے لئے کیا ہے۔

دراصل بات یہی ہے کہ ہمارے لوگوں کو چاہے ان کا تعلق ماضی سے ہو یا حال سے ریکارڈ رکھنے کی عادت ہی بہت کم ہے، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارے اسلاف اور بزرگوں کے تاباں اور درخشاں کارناموں کے حوالے سے آج کل جتنی بھی چیزیں ملتی ہیں، ان کا تقریبا نوے فیصد حصہ میرے علم کے مطابق ہماری برادری ''روہنگیا'' کا نہیں بلکہ غیروں کا محفوظ کردہ ہے۔

الا یہ کہ سولہویں صدی سے لے کر انیسویں صدی کے ابتدائی سالوں تک ہمارے اسلاف اور بزرگوں کی کچھ تحریریں اور کچھ ریکارڈ کردہ دستاویزات برصغیر ہند کے بعض کتب خانوں میں محفوظ ہیں، جن میں کلکتہ نیشنل لائبریری میرے نزدیک ناقابل فراموش ہے، علاوہ ازیں شنید ہے کہ یہاں کے کتب خانوں کے علاوہ برطانیہ کے دیگر کتب خانوں میں ہماری اس نوعیت کی چیزیں محفوظ ہیں، بر طانیہ سمیت یوروپ والے جن کو علم وہنر کے حوالے سے ضروری چیزوں کو محفوظ رکھنے کی گویا لت لگی ہوئی ہے، مگر افسوس ہے کہ وہاں کی ساری چیزیں ہم جیسوں کی دسترس سے کوسوں دور اور باہر ہیں۔

بہر حال ۱۹۹۸ء کے دوران میں نے کلکتہ نیشنل لائبریری میں چند دن مطالعے ومراجعے میں گزارے، وہاں سے اپنی بساط بھر استفادہ کیا، اگر ہماری تاریخ، ثقافت اور تہذیب وتمدن کے حوالے سے وہاں پائی جانے والی چیزوں پر مزید مطالعہ کیا جائے (جو بہت اہم اور نہایت ضروری ہے) تو کام کی ایک بڑی بات ہوگی، اللہ کرے کہ ہمارے کسی اہل نظر لکھاری کو اس کی توفیق ہو جائے۔

بطور خاص ۱۹۹۲ء سے لے کر ۱۹۹۸ء تک پھر رہ رہ کر اس کے بعد کے عرصے میں سرزمین ارکان کی تاریخ اور ثقافت کے علاوہ اس علاقے کے حوالے سے دیگر ضروری موضوعات پر بساط بھر مطالعہ کی توفیق ہوئی تھی، اس طویل مطالعہ کے دوران کوشش کی گئی تھی کہ سرزمین ارکان بشمول دیگر علاقہ جات اور خطوں میں مدفون ہمارے اسلاف کی بھولی بسری زندگیاں اور ان کی خدمات وکارناموں کو کسی بھی طریقے سے محفوظ کرلیا جائے، اس حوالے سے ابھی کوشش شروع کی تو اشہب قلم مسلسل آگے بڑھنے

کے بجائے چند قدم چل کر رک سا گیا، اور آگے بڑھنے کے بجائے ہچکولے پر ہچکولے کھاتا رہا تھا، اس حالت میں اللہ تعالی کی طرف رجوع کیا گیا، الحمدللہ جس کی توفیق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین کے صدقے پھر اساتذۂ کرام اور بزرگوں کی بااثر دعا اور نیک تمناؤں کی برکت سے اس پر کٹھن اور سنگلاخ میدان میں اگرچہ رک رک کر سہی قدم آگے بڑھنے لگا تھا، اور اپنی مستعار نجی زندگی کے کچھ نجی مصروفیات کے علی الرغم دیگر علمی وقلمی مشغولیات کے ساتھ ہی ساتھ چند سال گزرتے نہ گزرتے ''سرزمین ارکان کے درخشاں ستارے'' کے عنوان سے دس ضخیم جلدوں پر مشتمل ایک کام کی چیز مسودہ سے آگے بڑھ کر مبیضہ کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ یہاں ایک اور بات جو میرے نزدیک بہت اہم اور قابلِ تذکرہ ہے کہ ان مذکورہ دس مجلدات (جن میں ہمارے تقریبا ساڑھے چھ سو سے زائد اعیان کرام کی زندگیاں کسی کی اجمالی اور کسی کی تفصیلی شکل میں محفوظ ہو چکی ہیں) کے علاوہ اس سلسلے اور اسی موضوع کی کچھ اور کوششیں (جن میں سے کچھ چھپ کر منظرِ عام پر آ چکی ہیں اور کچھ زیر طبع اور زیر نظر ہیں) ہو چکی ہیں۔ هذا وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وآله وصحبه اجمعيم۔

محمد طاہر جمال ندوی

چاٹگام، بنگلا دیش۔

۰۶/ ۱۰/ ۲۰۲۳ء

حضرت مولانا بیرسٹر ثناء اللہ صاحب، رنگیا دنگی، بوسیدنگی، عظیم داعی ورہنما، سیاسی ومفکر اسلامی:

بار یٹ لاء حضرت مولانا ڈاکٹر ثناء اللہ بن انور علی سوداگر کی ولادت ۱۹۰۰ء میں ایک باوثوق روایت کے مطابق بوسیدنگ کی مردم خیز بستی رنگیا دنگ میں ہوئی، جب کہ دوسری روایت کے مطابق ہاٹھزاری چاٹگام کی بستی مادارشاہ میں ہوئی تھی، برطانوی دور میں آپ کے والد مجسٹریٹ رہ چکے تھے، بعض لوگوں کا بیان ہے کہ مرحوم انور علی صاحب کبھی برطانوی جہاز کے کپتان بھی رہ چکے تھے، بیرسٹر صاحب کی والدہ کا نام رابعہ خاتون تھا، جو ایک نیک صفات خاتون اسلام تھی۔

مولانا کی ابتدائی ومتوسطہ کی دینی تعلیم اپنے علاقے کے معروف مدرسہ معین الاسلام ہاٹھزاری سے میں ہوئی (۱) اس کے بعد دار العلوم دیوبند گئے، جہاں سے آپ نے سند فراغت حاصل کی تھی، آپ نے دینی تعلیم کے ساتھ عصری علوم کی طرف بھی خاص توجہ دے رکھی تھی اور کلکتہ یونیورسیٹی سے عربی میں ماجسٹر (MA) پھر ڈاکٹریٹ (PHD) کی ڈگریاں حاصل کیں، اس کے بعد لندن (برطانیہ) گئے، جہاں کی لنگن یونیورسیٹی سے قانون میں باریٹ لاء کی ڈگری حاصل کر کے وطن واپس آ گئے تھے۔

مولانا ثناء اللہ صاحب عرصۂ دراز تک چاٹگام ضلع پریشد اور چاٹگام اسکول بورڈ کے چیرمن رہے تھے، وہ پاکستان کرائم کمیشن اور ڈھاکہ ہائی کورٹ کے اڈمنسٹریٹو جنرل بھی رہے تھے (۲) علاوہ ازیں کچھ عرصہ آپ نے کلکتہ سپریم کورٹ کے بحیثیت باریسٹر خدمات بھی انجام دی تھیں۔ مولانا ۱۹۳۷ء میں کریشک پروجا پارٹی کی ٹکٹ پر چاٹگام سے انتخاب لڑے تھے، جس میں آپ کامیاب بھی ہوئے تھے، عرصۂ دراز تک آپ چاٹگام ضلع بورڈ کے صدر بھی رہ چکے تھے، آپ کانگریسی نقطۂ فکر کے سیاست دان تھے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد بیرسٹر صاحب نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی کی دینی

---

(۱) ملاحظہ ہو: ڈاکٹر محمد عبد اللہ، بنگلا دیش کے چند عربی ادباء۔

(۲) ڈاکٹر ہلال الدین محمد نعمان، چاٹگام کے علماء سماج، حیات وکارنامے، از چاٹگام اسلامی فکر وریسرج سنٹر، ۲۰۱۶، ص: ۲۹۸۔

اور تبلیغی جماعت سے رشتہ استوار کرلیا تھا،اس سلسلے میں ہندوستان سمیت کئے ملکوں کا سفر بھی کیا تھا،جن میں برطانیہ، امریکہ، فرانس، عرب امارات، سعودی عرب، مصر، شام قابل ذکر ممالک ہیں، آپ مشرقی پاکستان میں اس دینی جماعت کے اعلی ذمے دار تھے، تبلیغی مرکز کاکرائل ڈھاکہ والی مسجد کے آپ بانیوں میں سے ایک تھے، جہاں بھی گئے آپ نے اللہ کے بھولے بھٹکے بندوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی تھی، آپ کئی زبانوں کے ماہر تھے، عربی گویا آپ کی اپنی زبان تھی، جو کچھ بھی ہو کہ مولانا نے ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کی ہر اعتبار سے قابل قدر خدمات کی تھیں، کبھی کبھار اپنی زندگی کو اس حوالے سے داؤ پر بھی لگایا تھا، ہمارے بعض لوگوں کا دعوی ہے کہ سرزمین ارکان میں تبلیغی جماعت کی دعوت کا آغاز بھی حضرت مولانا کے مبارک ہاتھوں سے ہوا تھا۔

ادھر جن لوگوں نے یہ دعوی کیا ان کی اس دعوے میں کہاں تک حقیقت ہے وہ الگ بات ہے، تاہم اس میں شک نہیں ہے کہ اس تبلیغی جماعت کے حوالے سے حضرت مولانا مرحوم سرزمین ارکان کے اوّلین میں سے ایک تھے، بعد میں پتہ چلا کہ حضرت کا خاندان ارکان سے ہجرت کر کے چاٹگام چلا آیا تھا، کہتے ہیں کہ آپ کا ایک نواسہ جنرل حسین محمد ارشاد مرحوم کے دور حکومت میں وزیر برائے امور خارجہ رہ چکا تھا۔

آپ جمعیت علمائے اسلام ارکان کے سرکردہ لیڈروں میں سے ایک تھے، چناں چہ ۱۹۴۷ء میں آپ نے ایک وفد کی قیادت کرتے ہوئے برطانیہ سے آئے ہوئے کمیشن سے ملاقات کی اور کمیشن کے سامنے ارکانی مسلمانوں کی طرف سے ایک میمورنڈم بھی پیش کیا تھا، جس کی تفصیلات راقم کی تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی پس منظر میں'' میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

شک نہیں ہے کہ مولانا ثناء اللہ بیرسٹر صاحب ایک جلیل القدر عالم دین اور مایۂ ناز دانشور ہونے کے ساتھ ایک بلند پایہ کے سیاسی لیڈر اور اسلامی مفکر و رہنما تھے، آپ اپنی زندگی کو دعوت دین اور خدمت خلق پر لگا کر آخر کار ۱۸/ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ۔ ۱۹۶۳ء میں انتقال کر کے چاٹگام میں آسودۂ خاک ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جناب محمد اسماعیل داؤد شاہ مارکن، معروف بہ تنبیہ صاحب، انقلابی قائد، ومجاہد فی سبیل اللہ:

جناب محمد اسماعیل داؤد شاہ مارکن معروف بہ تنبیہ صاحب ۱۸۹۶ء میں ارکان کے دار الحکومت اکیاب میں پیدا ہوئے، آپ کا خاندان قدیم زمانے میں ہندوستان سے آ کر ارکان میں آباد ہوا، چوں کہ آپ کے خاندان ایک تجارت پیشہ خاندان تھا اس لئے اس خاندان کے اکثر لوگ تجارت پیشہ تھے، یوں آپ کے والد بھی پورے ارکان میں ایک تاجر کی حیثیت سے مشہور و معروف تھے، کہا جاتا ہے کہ برطانوی دور حکومت میں آپ کے خاندان کے دیگر لوگوں میں بھی آپ کے والد صاحب سب سے بڑے تاجر ہونے کی حیثیت سے ایک بڑا مقام رکھتے تھے، یوں جناب اسماعیل صاحب کو تجارت کا پیشہ اپنے خاندان سے ورثہ میں ملا تھا۔

مارکن صاحب کی ابتدائی اور متوسطہ کی تعلیم اکیاب میں اور ثانویہ کی تعلیم رنگون میں ہوئی تھی، اس کے بعد آپ اعلی تعلیم کے لئے بنگال گئے اور کلکتہ یونیورسیٹی سے اعلی تعلیم حاصل کی تھی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد مارکن صاحب نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا، والد کے انتقال کے بعد آپ اپنے گھرانہ کے مختار کل بنے، اور کروڑوں مالیت کے راس المال سے تجارت کرتے رہے تھے، یاد رہے کہ آپ ایک سیاست دان اور مجاہد بھی تھے، یوں دوران تعلیم بھی آپ نے مجاہدین آزادی کی سرگرمیوں میں حصہ لیا تھا۔

۱۹۴۲ء میں ارکان میں قتل عام کے دوران مارکن صاحب مسلمانان ارکان کے ایک عظیم لیڈر کی حیثیت سے سامنے آئے، اور یہاں کے مسلمانوں کی بڑی خوبی سے قیادت کی تھی۔

مارکن صاحب نے ایک مسلم فوج کی تشکیل دی، جس کے رہنما آپ اور سپہ سالار کرنل نور احمد صاحب علی تانجوی تھے، آپ نے ارکان کے شمالی مغربی علاقوں میں تاکن اور مگھ درندوں کی درندگی اور دہشت گردی سے مسلمانوں کو بچایا تھا، چوں کہ اکیاب میں رہ کر یہ کام نہیں ہوسکا تھا اس لئے آپ بذات خود شمالی مغربی ارکان آئے اور یہاں کے مسلمانوں کو ایک ہی جھنڈا تلے جمع کرلیا تھا، آپ نے جنوبی منگڈو کو مرکز بنا کر جہاد کا علم بلند کیا، کرنل نور احمد صاحب نے آپ کا بھرپور ساتھ دیا تو آپ کی

قوت میں بڑا اضافہ ہوگیا تھا، اس کے بعد آپ کو اس فیصلہ کن جنگ میں کامیابی ملی تھی۔

۱۹۴۲ء کی اس جنگ میں فتح یابی کے بعد مارکن صاحب علی تانجو آئے اور شانتی کمیٹی کی تشکیل دی، اور یہاں کے لوگوں نے آپ کو امیر المومنین یا امیر المجاہدین کا خطاب دیا تھا، اس کے بعد آپ نے شمالی ارکان کے علاقہ جات پر مشتمل ایک اسلامی جمہوریہ کی تشکیل کی ٹھان لی، جس میں بھی آپ کو خاصی کامیابی ملی تھی۔

لیکن قدرت کو اور منظور تھا کہ ۱۹۴۳ء کے اواخر میں برطانوی حکومت ارکان گھس آئی، جس نے یہاں کی اسلامی حکومت کو دھوکے کے ذریعے ختم کر دیا تھا، اس کے بعد آپ اکیاب چلے گئے، جہاں آپ کا انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

محمد اسماعیل داؤد شاہ مارکن صاحب ایک اعلی درجہ کے سیاست دان اور مرد مجاہد ہونے کے علاوہ بڑے ثقافتی خیال کے بزرگ تھے، آپ نے ارکانی مسلمانوں کو جہالت سے نکالنے کی حد درجہ کوششیں کی تھیں، جگہ جگہ اپنے پیسے سے مدارس اور اسکول قائم کئے تھے، اکیاب شہر میں آپ نے ایک اسکول بنام ''انگلو اردو ورنیکولر مڈل اسکول'' قائم کر کے مسلمانان ارکان پر بہت بڑا احسان کیا تھا، اس حوالے سے آپ نے بڑی فیاضی اور عالی ظرفی کا مظاہرہ کیا تھا، اس کے انگریزی ڈیپارٹمنٹ کو گورنمنٹ ہائی اسکول سے ملحق کر کے اس اسکول کی قانونی حیثیت دی تھی، آپ کے انتقال کے بعد بھی آپ کے لائق فرزندوں نے اس اسکول کی خدمات انجام دی تھیں، لیکن افسوس ہے کہ بعد میں حکومت برما نے اسے بند کر دیا، اللہ تعالی مارکن صاحب اور ان کی اولاد کی جمیع خدمات کو قبول فرمائے۔

☆☆☆

جناب اڈووکٹ عبدالسبحان صاحب اکیابی، ایم پی، سیاسی لیڈر و رہنما برائے امور قومی:

جناب اڈووکٹ عبدالسبحان صاحب ارکان کے دارالحکومت اکیاب میں پیدا ہوئے، ارکان کے عام بچوں کی طرح ان کی تعلیم کی ابتدا محلے کے مکتب اور سرکاری اسکول سے شروع ہوئی، بڑے ہوئے تو ہائی اسکول میں بھرتی ہوئے، مٹرک پاس کرنے کے بعد اعلی تعلیم کے لئے رنگون اور بنگال کا سفر کیا، ایک روایت کے مطابق ڈھاکہ یونیورسیٹی سے بی اے (BA) اور رنگون یونیورسیٹی سے ایل ایل بی (LLB) کی ڈگریاں حاصل کیں۔ تعلیم سے فراغت کے بعد وکالت کے ساتھ سیاست سے دلچسپی لینی شروع کی، جناب عبدالسبحان صاحب شروع ہی سے جناب اڈووکٹ سلطان محمود اکیابی (سابق وزیر صحت آف برما) کے حامی رہے تھے، ۱۹۴۲ء کے واقعہ کرب و بلا میں ارکانی مظلوم مسلمانوں کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں، اڈووکٹ صاحب نے ۱۹۴۲ء میں رنگپور میں ہجرت کر جانے والے مہاجرین کے حق میں زوردار آواز اٹھائی تھی، برطانوی حکومت سے ان مہاجرین کی امداد کے لئے مطالبہ کیا تھا، جس میں وکیل صاحب کامیاب رہے تھے، رنگپور میں ہجرت کر جانے والوں کی خدمات کے حوالے سے وکیل صاحب کے کارناموں پر مشتمل صدیق مکرم مولانا حافظ محمد صدیق صاحب لکھتے ہیں کہ:

> ''مسٹر یوٹن کی جہالت، کم فہمی اور تعصب کا ایک عجیب واقعہ یوں پیش آیا کہ جس وقت یوٹن صاحب مہاجرین کی رنگپور میں انکوائری کر رہے تھے اس وقت اکیاب کے مشہور وکیل مسٹر عبدالسبحان بھی مہاجرین کے حالات دیکھنے کے لئے رنگپور آئے ہوئے تھے، اس وقت بہت سے لوگوں کو بغرض انکوائری یوٹن کے سامنے لایا گیا تھا، ان میں محمد حسین نامی ایک شخص بھی تھا، جو پتھری قلعہ کی ایک مشہور بستی ''چاؤں سر'' کا رہنے والا تھا، اور برمی لباس پہن کر یوٹن کے سامنے حاضر ہو گیا تھا، یوٹن نے اس سے کچھ سوالات کئے جن کا اس نے برمی زبان میں جواب دیا، اب یوٹن نے کہا کہ یہ برمی باشی ہے اور بقیہ سب انڈین ہیں''۔

پھر حافظ صاحب آگے لکھتے ہیں کہ:

''جب یہ عجیب وغریب صورت حال مسٹر عبدالسبحان نے دیکھی تو مجمع میں آواز دے کر محمد حسین کے چھوٹے بھائی کو بلا کر حاضر کیا، وکیل صاحب نے اس کو یوٹن کے سامنے پیش کر کے کہا کہ یہ برمی باشی ہے یا پردیسی؟ مسٹر یوٹن نے اس سے کچھ سوالات کئے وہ ان کے جوابات برمی زبان میں نہ دے سکا، اس لئے یوٹن نے کہا کہ یہ انڈین ہے، اب وکیل صاحب بول پڑے کہ عجیب بات ہے کہ بڑے بھائی تو برما کا ہے اور چھوٹا بھائی انڈیا کا، ذرا محمد حسین سے پوچھئے یہ تو اس کا بھائی ہے، یوٹن نے محمد حسین سے پوچھا تو اس نے چھوٹا بھائی ہونے کا اقرار کیا''۔ (اشک مسلمانان ارکان برما ص: ۴۶۔۴۷)۔

اس سلسلے میں مسلمان اور ہندوؤں کے پانچ افراد پر مشتمل ایک وفد ارکان سے رنگپور پہنچا، جس کی قیادت جناب وکیل عبدالسبحان صاحب کر رہے تھے، اس وفد میں آپ کا بھائی محمد شاہ بھی شامل تھا، اس وفد نے مہاجرین رنگپور کے کیمپ میں پہنچ کر ایک دفتر کھولا، اور تقریبا یہاں دو مہینے رہ کر ان مہاجرین کے جائزے کے ساتھ انکوائری کی تھی، جس کے بعد ایک رپورٹ تیار کی، جس میں درج تھا کہ:

''پچیس ہزار مہاجرین میں سے صرف دو ہزار چاٹگامی مسلمان ہیں، باقی سارے کے سارے ارکان و برما کے باشندے ہیں، اس لئے جو ارکانی ہیں ان کو وطنی شناختی کارڈ دیا گیا، اور لکھا کہ یہ انکوائری فروری/۱۹۴۵ء تا مارچ/۱۹۴۵ء ہوئی، جس میں ارکان اور برما کے جن اضلاع کے باشندے یہاں ملے وہ یہ ہیں:

۱۔ کیوکتو: ۷۴۲۲۔

۲۔ مروہانگ: ۳۴۶۰۔

۳۔ ممبیا: ۲۵۵۱۔

۴۔ چوکپرو: ۱۶۴۲۔

۵۔ راسیدنگ: ۲۲۷۶۔

۶۔ پکتو: ۱۲۳۵۔

۷۔ پکتو: ۱۲۳۵۔

۸۔ اکیاب: ۱۶۰۔

۹۔ منگڈو اور بوسیدنگ: ۳۱۳۵۔

۱۰۔ ۴۱۴۔

غرضیکہ ان مہاجرین کے حوالے سے وکیل عبدالسبحان صاحب کی خدمات نا قابل فراموش ہیں، یوں انہوں نے ان مہاجرین کو ارکان میں لا کر دوبارہ آباد کرنے کے لئے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی۔

برما برطانوی استعمار سے آزاد ہوا تو وکیل عبدالسبحان صاحب سیاست میں کمر کس کے کود پڑے تھے، چند مرتبہ پارلیمانی انتخابات میں بھی حصے لئے تھے، ۱۹۶۱ء میں آپ منگڈو بوسیدنگ سے ایوان بالا کے ممبر منتخب ہوئے تھے، آپ کے مقابلے میں مشہور ارکانی سیاست دان عبدالغفار صاحب کی ہار ہوئی تھی، لیکن ۱۹۶۲ء میں مرکزی اقتدار پر برمی فوج کا قبضہ ہو گیا تو آپ کو قوم کی مزید خدمات انجام دینے کا موقع نہیں ملا تھا۔

جس طرح پچھلی سطور میں عرض کی گئی ہے کہ جناب عبدالسبحان صاحب جناب اڈووکٹ سلطان محمود صاحب کے بڑے حامی رہے تھے، ارکان میں مگھوں کے ہونے والی شرارت کے خلاف آپ نے زندگی بھر مزاحمت کی، آپ سلطان محمود صاحب کی طرح ارکانی مسلمانوں کی قومی نام کو روہنگیا کہنے کے بجائے ''بنگالی'' کہنے کو حسب حال اور مناسب سمجھا کرتے تھے، اس سلسلے میں آپ نے سلطان محمود صاحب کے ساتھ مل کر بہت ہی کوشش کی تھی، لیکن روہنگیا مسلمان اپنے قومی نام کی بقاء پر ڈھٹے ہوئے تھے، یوں آج دنیا بھی ارنی مسلمانوں کو روہنگیا کی حیثیت سے جانتی اور پہنچانتی ہے، تاہم میں نہیں کہہ سکتا کہ اس حوالے سے آیا اڈووکٹ عبدالسبحان اور اڈووکٹ سلطان محمود صاحب کی کوشش حق بجانب تھی یا ان کے خلاف جناب عبدالغفار اور سلطان احمد صاحب حق بجانب، البتہ یہ ضرور سچ ہے کہ ہم ارکانی مسلمانوں نے اپنے علیحدہ قومی نام کو دنیا کے سامنے لا کر بنگال کے کروڑوں مسلمان بنگالی بھائیوں سے رشتہ ایک حیثیت سے کٹ ہی لیا ہے، جس کا خمیازہ

اب ہمیں بھگتنا پڑ رہا ہے، جب کہ یہ بھی سچ ہے کہ اسلام رنگ ونسل اور کسی بھی عصبیت کو اتنی قیمت نہیں دیتا جتنی ایمانی اور اسلامی رشتے کو دیتا ہے۔

بہر حال جناب اڈووکٹ عبدالسبحان صاحب ایک بڑے ارکانی مسلم سیاست دان تھے، دل درد منداور فکر ارجمند کے مالک بڑے ہشیار اور روہنگیا قوم کے ہم درد تھے، آپ نے ایک طویل مدت تک قومی خدمات انجام دے کر ارکان ہی میں انتقال کیا، اللہ تعالی آپ کی مغفرت فرمائے۔

☆☆☆

جناب اڈووکٹ سلطان محمود اکیابی،
وفاقی وزیر برائے امور صحت برما، وعظیم سیاست دان ولیڈر:

جناب اڈووکٹ سلطان محمود صاحب ۱۹۰۰ء میں ارکان کے دارالحکومت اکیاب میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ایک ذی فہم اور دوراندیش ہونے کے علاوہ صاحب ثروت بزرگ تھے، اور سنا تھا کہ آپ کی والدہ بھی ایک دین دار، پرہیز گار اور خداترس خاتون تھی۔

سلطان محمود صاحب کی ابتدائی تعلیم اکیاب میں ہوئی، اور اسی طرح ایک روایت کے مطابق متوسطہ اور ثانویہ کی تعلیم بھی اکیاب ہی میں ہوئی تھی، اس کے بعد اعلی تعلیم کے لئے ہندوستان کا سفر کیا، اور کلکتہ یونیورسیٹی سے بی اے (BA) پھر ایل ایل بی (LLB) کے امتحانات امتیازی شان سے پاس کر کے وطن واپس آ گیا تھا۔

دوران تعلیم سلطان محمود صاحب نے ہندوستان میں جنگ آزادی میں بھر پور حصہ لیا، اس کے بعد ارکان میں آ کر ارکانی مسلمانوں کی فلاح و بہبودی کی خاطر زندگی کے آخری سانس تک مشغول و مصروف رہ چکے تھے۔

سلطان محمود صاحب عالمی جنگ ثانی کے دوران رنگون میں تشریف فرما تھے، یہاں آپ ہمیشہ ارکان اور برما کے مسلمانوں کے مستقبل کی فکر میں مگن تھے، عالمی جنگ ثانی کے اختتام پر برطانوی حکومت نے برما کو دوبارہ اپنی تحویل میں لے لیا تو سلطان محمود صاحب رنگون میں رہتے ہوئے تحریک آزادی برما میں شریک رہے تھے، اس بات میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ آپ تحریک آزادی برما کے ایک معمر لیکن ذی فہم دانشور سیاست دان اور جلیل القدر رہنماء تھے، جس کا اعتراف ارکانی مسلمان نہیں بلکہ برما کی تمام اقوام کے علاوہ برطانویوں نے بھی کیا تھا۔

برما کی آزادی سے پہلے اور بعد میں بھی سلطان محمود صاحب ارکان کے حلقے سے چند مرتبہ پارلیمان کے ممبر منتخب ہوئے، ۱۹۵۸ء میں برمی وزیر اعظم مسٹر اونو کی کیبینٹ میں آپ مرکزی وزیر برائے امور صحت بنے تھے، لیکن مسٹر اونو نے ارکانی مسلمانوں کے بنیادی حقوق کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تو ۲۱ رفروری ر۱۹۵۹ء میں جناب سلطان محمود اور ابوالبشر صاحب (MP) نے ایک پریس

کانفرس سے خطاب کرتے ہوئے اونو کے ''نوٹن پھاسا پالا گروپ'' سے علیحدگی اختیار کی، جس کے بعد اونو کے مخالف اوباسوے کی زیر قیادت چلنے والا ''سوئین گروپ'' میں شامل ہو گئے تھے۔

جون ۱۹۶۰ء میں شمالی مغربی ارکانی مسلمانوں کو ''مایوفرنٹیر'' کا علاقہ ملا تو ارکانی مگھوں نے اس کی زبردست مخالفت کی تھی اور بھرپور مطالبہ کیا کہ پورے ارکان کو ایک رکھتے ہوئے ایک مگھ ریاست کی شکل دی جائے، اب ایسے حالات میں سلطان محمود صاحب کا موقف یہ تھا کہ مایوفرنٹیر اڈمنسٹریشن پر ارکانی مسلمان راضی ہو جائیں جب کہ بقیہ ارکان کو ایک مگھ ریاست میں تبدیل کر دیا جائے، لیکن مگھوں کی طرح مسلمانوں نے بھی آپ کے موقف کی حمایت نہیں کی بلکہ آپ کی توہین کی تھی۔

جناب اڈووکٹ سلطان محمود صاحب ارکانی مسلمانوں کے قومی نام لفظ ''روہنگیا'' کے سخت مخالف تھے، اس حوالے سے آپ کا موقف یہی تھا کہ ارکانی مسلمانوں کو روہنگیا کہنے کے بجائے ''بنگالی'' کہنا چاہئے، تا کہ بنگال کے کروڑوں مسلمانوں سے ان کا رشتہ استوار رہے اور کٹ نہ جائے، اس سلسلے میں آپ نے شمالی مغربی ارکان کا دورہ کیا اور منگڈو میں ایک جلسہ سے خطاب بھی کیا تھا، لیکن منگڈو اور بوسیدنگ کے مسلمانوں نے آپ کی سخت مخالفت کی اور سر اجلاس آپ کی توہین کی تھی، جس سے آپ دل برداشتہ ہو گئے تھے۔

۱۹۶۲ء میں برمی اقتدار پر جنرل نیون نے قبضہ کر لیا تو سلطان محمود صاحب نے ترک وطن کر کے مشرقی پاکستان میں پناہ لی تھی، بعد میں آپ وطن واپس تو ہوئے لیکن کسی معنی کی سیاست سے وابستہ نہیں ہو سکے تھے، ایسے حالات میں آپ نے ۱۹۸۲ء میں انتقال کیا اور اکیاب میں آسودۂ خاک ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شک نہیں ہے کہ جناب سلطان محمود صاحب ایک زیرک، ہشیار، دوربین و دور اندیش قومی رہنماء اور ملت وقوم پر فدا لیڈر تھے، جنہوں نے اپنی مستعار زندگی میں نہ صرف ارکان بلکہ برما بھر کے مسلمانوں اور انسانوں کی قابل قدر خدمات انجام دی تھیں، اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر دے۔

☆☆☆

جناب اڈووکٹ سلطان احمد صاحب بالوخالوی، ایم پی، پارلیمنٹری سکریٹری، وسیاسی لیڈر ورہنما:

جناب اڈووکٹ سلطان احمد بن حضرت مولانا اکرام الدین صاحب ۱۹۰۱ء میں شمالی منگڈو کی معروف بستی مولوی فارہ/ بالوخالی میں پیدا ہوئے، آپ کے والد مولانا اکرام الدین صاحب ایک جہاں دیدہ عالم دین اور درویش صفت بزرگ تھے، جو ہر حال میں انسان اور انسانیت کی خدمات میں مگن رہا کرتے اور ساتھ ہی ساتھ وعظ ونصیحت کے ذریعے بھولے بھٹکے ہووں کو راہ راست پر لانے کی کوششیں کیا کرتے تھے۔

سلطان احمد صاحب نے ابتدائی دینی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب میں پائی، اس کے بعد سرکاری اسکول میں داخل ہوئے اور ابتدائی اور متوسطہ کی عصری تعلیم وہیں پائی، ۱۹۱۹ء میں چاٹگام کے مسلم ہائی اسکول میں داخل ہوئے، یہاں چند سال پڑھ کر مٹرک کا امتحان امتیازی نمبرات کے ساتھ پاس کیا تھا، اس کے بعد ۱۹۲۴ء میں کلکتہ یونیورسیٹی سے بی اے (BA) پھر ۱۹۲۹ء میں رنگون یونیورسیٹی سے ایل ایل بی (LLB) کی ڈگریاں حاصل کیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۳۰ء سے اکیاب اور رنگون کورٹ میں وکالت کرنا شروع کر دیا تھا، ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۶ء تک منگڈو ٹاؤن شپ کے اسسٹنٹ افسر (ATO) کے منصب پر رہتے ہوئے خدمات انجام دیں، ظاہر ہے کہ زمانہ برطانوی دور حکومت کا تھا، اس دوران سلطان احمد صاحب بحیثیت مجسٹریٹ کے شعبۂ قانون سے ملحق ہو گئے تھے، اس کے بعد آپ جمعیت علماء منگڈو ٹاؤن شپ کے صدر منتخب ہوئے تھے، جمعیت کی طرف سے انتخابی ٹکٹ ملا تو آپ ۱۹۴۷ء میں برمی قانون ساز اسمبلی کے رکن ہوئے تھے، اور برمی پارلیمنٹ میں چمبر آف ڈپوٹس کے دوران رنگون ہائی کورٹ میں وکالت بھی کرتے رہے تھے۔

پھر اکتوبر/ ۱۹۴۶ء تا دسمبر/ ۱۹۵۹ء بحیثیت برمی پارلیمنٹری سکریٹری وزارت برائے اقلیت اور وزارت برائے فلاح و بہبود اور وزارت برائے معاشرتی امور میں خدمات انجام دیتے رہے تھے، آپ ۱۹۵۲ء میں برمی مرکزی پارلیمنٹ کے ایوان زیرین کے شمالی منگڈو کے ممبر منتخب ہوئے، ۱۹۶۱ء

کے عام انتخابات میں اسی حلقے سے آپ کا مقابلہ جناب رشید احمد صاحب قاضی آبادی سے ہوا تو آپ کی ہار کے ساتھ قاضی آبادی کی جیت ہوئی تھی، اس دوران جناب سلطان احمد صاحب کونسل برائے اسلامی امور کے رکن بھی رہے تھے۔

۱۹۶۲ء میں برمی اقتدار پر جنرل نیون کا مکمل قبضہ ہو گیا تو جناب سلطان احمد صاحب کے لئے وطن کی زمین تنگ کر دی گئی تھی، جس کی وجہ سے آپ کو ترک وطن کر کے مشرقی پاکستان میں پناہ لینی پڑی، ایک زمانے کے بعد اگر چہ آپ وطن واپس جا پائے تھے لیکن ۱۹۷۸ء میں دوبارہ ہجرت کر کے بنگلا دیش میں پناہ لینی پڑی، آپ نے اس پناہ گزینی کے زمانے میں ایک تنظیم بنام ''تنظیم برائے بہبود روہنگیا مہاجرین'' قائم کی تھی، اس دوران روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی بھی خدمات انجام دیتے رہے تھے، ایسی حالت میں اللہ کے اس مخلص بندہ نے ۲/ مارچ/ ۱۹۸۱ء میں چاٹگام میں انتقال کیا اور یہاں کی معروف قبرستان ''ستوئنہ گلی'' میں آسودۂ خاک ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم ماسٹر شبیر حسین صاحب فوئمالوی کے ہاتھوں جناب سلطان احمد صاحب بالوخالوی کے ۱۹۶۰ء/۱۹۶۱ء والے انتخابات کا ایک منشور ملا ہے، جس میں آپ نے اپنی سیاسی زندگی اور قومی خدمات کے میدان پر اپنے کارناموں پر خاصی روشنی ڈالی ہے، جس کے بعض مندرجات سے بعض لوگوں کو سخت اختلاف ہو سکتا ہے کیوں کہ:

جناب سلطان احمد صاحب نے اس انتخابی منشور میں ''جہاد کونسل'' کی سرگرمیوں کو بغاوت اور مجاہدین اسلام کو باغی قرار دیا ہے، جب کہ ظاہر ہے کہ نہ جہاد کونسل کی سرگرمی کوئی بغاوت تھی اور نہ مجاہدین اسلام کوئی باغی تھے، دراصل بات یہ ہے کہ یہ ایک انتخابی منشور تھا، یہاں اس قسم کی باتیں لکھنا آپ کی سیاسی مجبوری تھی، جب کہ آپ اندر سے نہ جہاد کونسل کی سرگرمیوں کو بغاوت اور نہ مجاہدین کو باغی سمجھتے تھے، جس کا بین ثبوت آپ کی ۱۹۷۸ء والی ہجرت کی زندگی کے دوران آپ کی سرگرمیاں ہیں، جس میں آپ نے بذات خود ان مجاہدین اسلام کا بھرپور تعاون کیا تھا، بہر حال جناب سلطان احمد صاحب نے اپنی سیاسی زندگی میں روہنگیا مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے حوالے سے جو کوششیں کیں اور ان کو جتنی کامیابیاں ملیں، ان کا تذکرہ اپنے اس انتخابی منشور میں اجمالا کیا گیا ہے، جن میں سے کچھ چیزیں

ناظرین کرام بھی ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ ایک طرف جنگ عظیم دوم کی تباہی اور دوسری طرف باغی عناصر کی شرانگیز حرکتیں اور انسانیت سوز مظالم سے تنگ آنے کے باعث روہنگیا مسلمان اپنے وطن، اپنے گھر بار اور مال واسباب کو خیر باد کہہ کر پاکستان ہجرت کر گئے تھے، ہم نے ان کو اپنی سابق بستیوں میں دوبارہ بسانے اور آباد کرنے کے لئے رات ودن خون پسینہ ایک کر کے کوششیں کیں، آخر کار برمی حکومت کی مدد سے ان لوگوں کو دوبارہ ان کی بستیوں میں آباد کرانے میں ہماری کامیابی ہوئی تھی۔

۲۔ برما میں پہلی بار منگڈو اور بوسیدنگ میں نیشنل رجسٹریشن کی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی گئی، جس میں ہماری انتہائی کامیابی ہوئی، نیشنل رجسٹریشن کے دوران پردہ نشین خواتین کا مسئلہ بھی ایک پیچیدہ مسئلہ تھا، چنانچہ اس پیچیدہ مسئلہ کو حل کر کے رجسٹریشن کے دوران انہیں پردے کے اندر رکھے جانے کے سلسلے میں ہر ممکن انتظام کیا گیا تھا، سابق پارلیمانی ممبر محترمہ زہرہ بیگم صاحبہ عرف ڈوائینون نے اس سلسلے میں نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ خدمات انجام دی ہیں، جسے مسلمان کبھی نہیں بھول سکتے، میں اور میری اہلیہ (محترمہ زہرہ بیگم (MP) جناب سلطان احمد صاحب بالوخالوی کی اہلیہ تھیں) کی متفقہ اور مشفقانہ کوششوں سے روہنگیا مسلمانوں کے لئے نیشنل رجسٹریشن کارڈ آج ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہو رہے ہیں، اور اس کی قدر و قیمت بھی آج ایک انمول جوہر کی صورت میں نمایاں ہو رہے ہیں۔

۳۔ تعلیم یافتہ بعض نوجوانوں کو حکومت کے چھوٹے بڑے عہدوں میں جگہیں دلائی گئی ہیں۔

۴۔ کم تعلیم یافتہ مسلم نوجوانوں کو بے کاری سے نکال کر پی آر کی حیثیت سے برمی بحریہ، آرمی اور دیگر کاموں میں لگا دیا گیا ہے۔

۵۔ باغی عناصر کے خاتمے کر کے قوم کی جان و مال کو محفوظ کرنے کے ساتھ ساتھ امن وامان کو بحال کر دیا گیا ہے۔

۶۔ موسم برسات میں اکثر مسلمانوں کو قحط اور فاقہ کشی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، چنانچہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے حکومت کے نمائندوں کے ذریعے دھان، چاول، کپڑے وغیرہ سستے داموں پر عوام کے

ہاتھوں تک پہنچانے کا انتظام کر دیا گیا ہے۔

۷۔حج بیت اللہ کے متعلق ضروری سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے اضلاع کے حاجیوں کی ترجیح دی جاتی ہے۔

۹۔ امن وامان کی بحالی کے بعد شمالی منگڈو کے فقیرہ وغیرہ اور بوسیدنگ نارتھ پر مشتمل ایک پارلیمانی انتخابی حلقہ کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

۱۰۔ کاشتکار، مزدور پیشہ اور پردہ نشین خواتین کو کام پر لگانے کے لئے نکھویا (نکھورہ) اور چوک پاؤک (کیانگ بنگ) وغیرہ میں بیڑی تیار کرنے کی فکٹریاں قائم کر دی گئی ہیں، نیز دیگر چھوٹی بڑی فکٹریوں کے لئے بیڑی کی پتیاں درآمد کرنے کے لئے درآمدی لائسنس بھی جاری کروا دیا گیا ہے۔

تاہم ایک افسوس کا مقام ہے کہ ۱۹۵۶ء سے ۱۹۵۹ء تک کے جو پانچ مسلم پالیمانی ممبران شمالی ارکان سے منتخب ہوئے تھے، ان کے مابین نہ اصولی اتفاق تھا اور نہ طریقۂ کار میں اشتراک، جس کی وجہ سے روہنگیا قوم کا بہت بھاری نقصان ہوا تھا، بطور مثال ملاحظہ ہو کہ پھاسا پھالا میں پھوٹ پڑ جانے کے دوران جناب سلطان محمود صاحب اکیابی اور جناب ابوالبشر صاحب فوئما لوی نے مسٹر اونو کا ساتھ دیا، جب کہ جناب سلطان احمد صاحب بالوخالوی اور جناب عبدالغفار صاحب رنگیا دنگی سوئنن گروپ میں شامل ہو گئے تھے۔

متحدہ پھاسا پھالا میں پھوٹ پڑ جانے کے بعد جناب سلطان احمد صاحب نے اپنا ووٹ مندرجہ مطالبات کے عوض سوئنن گروپ کے حق میں ڈالا تھا:

۱۔ارکانی مسلمانوں کو ایک اقلیت کے لحاظ سے سرکاری طور پر تسلیم کیا جائے۔

۲۔منگڈو، بوسیدنگ اور راسیدنگ پر مشتمل ایک علیحدہ ڈسٹرک قائم کر دیا جائے۔

۳۔امیگریشن کے متعلق تمام مسائل کو فوری طور پر حل کر دیا جائے۔

جناب سلطان احمد صاحب کی شکایت تھی کہ پالیمانی رنگ برنگی مسلم ممبران کی غلطی کی وجہ سے مسائل بھی آخرکار حل نہیں ہو پائے، پھاسا پھالا نے ارکانی مسلمانوں کو جو ایک وزارت دی تھی، یہ یہاں کے مسلمانوں کے مسائل کا حل نہیں تھا، آں جناب کے مطابق یہ وزارت یہاں کے مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے دی گئی تھی، پھاسا پھالا میں پھوٹ پڑ جانے کے بعد مستحکم پھاسا

پھالا کے نمائندہ کی حیثیت سے جناب سلطان احمد صاحب نے شمالی منگڈو کے حلقے سے انتخاب لڑا، لیکن اس میں آپ کی ناکامی اور جناب رشید احمد صاحب قاضی آبادی کی جیت ہوئی تھی۔

جناب سلطان احمد صاحب برمی پارلیمان میں ارکانی مسلمانوں کے حق شہریت کی پامالی کے خلاف ہمیشہ لڑتے رہے، اور یہاں کے مسلمانوں کی سیاسی، ثقافتی، دینی اور روحانی غرض تمام امور میں فلاح و کامرانی کے لئے مردانہ وار کام کرتے رہے تھے، لیکن خدا کی مرضی تھی آپ ۱۹۶۱ء کے انتخابات میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے، اس کے بعد ۱۹۶۲ء میں برمی اقتدار پر فوج کے قبضے کے بعد برما بھر کے دوسری قومی اور عوامی لیڈروں کی طرح آپ کی زبان پر بھی تالے لگا دیئے گئے تھے، جس کی وجہ سے آپ کی سیاسی زندگی بھی ایک گونہ اختتام کو پہنچی تھی۔

لیکن قدرت کو آپ سے ایک اور خدمت منظور تھی کہ ۱۹۷۸ء میں آپ نے روہنگیا مہاجرین کے ساتھ ہجرت کر کے بنگلا دیش میں پناہ لی، اور یہاں آپ کی قیادت میں ایک تنظیم قائم کی گئی تھی، جس کا تذکرہ سطور بالا میں کیا جا چکا ہے، جس میں آپ نے نمایاں خدمات انجام دیں، اور ساتھ ہی ساتھ روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں بھی آپ نے کافی سرگرمیاں دکھاتے ہوئے آخرکار ۲/ مارچ/ ۱۹۸۲ء کو چاٹگام میں انتقال کیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

☆☆☆

جناب ابوالبشر صاحب فوئمالوی،

ایم پی، سیاسی لیڈر ورہنما برائے امور قومی:

جناب ابوالبشر بن رمضان علی (معروف بہ بانور باپ) کی ولادت بوسیدنگ کے جنوبی مشرقی قصبہ فوئمالی میں ۱۹۰۱ء میں ہوئی، آپ کے والد جناب رمضان علی صاحب ایک کاشتکار تھے، اللہ تعالی کو منظور تھا ایک روایت کے مطابق آپ کے ہاتھ کچھ غیبی دولت آئی تو آپ مالا مال ہو گئے تھے، اور دیکھتے ہی دیکھتے آپ علاقے میں ایک بڑے زمیندار ہونے کی شکل میں سامنے آئے، علاوہ ازیں کہتے ہیں کہ جناب رمضان علی صاحب بڑے ذہین، معاملہ فہم، ذکی الحس اور بردبار انسان تھے۔

جناب ابوالبشر صاحب کی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب اور سرکاری اسکول سے شروع ہوئی، کچھ بڑے ہوئے تو اعلی تعلیم کے لئے بنگال کا سفر کیا، یہاں کے مختلف اسکولوں میں پڑھنے بعد ڈھاکہ یونیورسیٹی سے انٹرمیڈیٹ اور اس کے بعد کلکتہ یونیورسیٹی سے بی اے (BA) کی ڈگری حاصل کی۔

یہاں ایک بات یاد رہے کہ جناب ابوالبشر فوئمالوی اور ابوالبشر قاضی آبادی منگڈوی آپس میں گہرے دوست تھے، کہتے ہیں کہ ان دونوں کی یہ دوستی ان کے تعلیمی زمانے سے شروع ہوئی اور زندگی بھر بحال رہی تھی۔

جناب ابوالبشر صاحب تعلیم سے فراغت کے معا بعد وطن واپس آئے، اور سیاست سے دلچسپی لینے لگے، ۱۹۴۲ء کے معرکۂ کرب وبلا میں آپ نے مسلمانوں کی اپنے علاقے سے قیادت کی، مسلمانوں کی فتح کے بعد پیس کمیٹی بنی تو آپ اس میں بھی بطور لیڈر پیش پیش رہے تھے۔

برما برطانیہ سے آزاد ہوا تو جناب ابوالبشر صاحب نے مختلف پارلیمانی انتخابات میں حصہ لیا، اور جنوبی بوسیدنگ کے حلقے سے درج ذیل انتخابات میں کامیاب ہوئے تھے:

۱۔۱۹۵۱ء میں ایوان زیرین کے لئے۔

۲۔۱۹۵۶ء میں ایوان زیرین کے لئے۔

۳۔۱۹۶۱ء میں ایوان زیرین کے لئے۔

جناب ابوالبشر صاحب بڑے حلیم الطبع اور وضع وقطع میں عالم دین جیسے بزرگ تھے، بڑے ذہین اور

مدبر انسان کی حیثیت سے جانے مانے جاتے تھے، آپ کی سیاست اور سیاسی زندگی مسلمانوں کے لئے قابل اتباع سمجھی جاتی رہی تھی، آپ نے بطور خاص تین تین مرتبہ انتخابات میں جیتنے کے بعد جو خدمات مسلمانان ارکان کے سامنے پیش کیں وہ یقینا کبھی بھولے سے بھلائی جانے والی نہیں ہیں، آپ سیاست کے حوالے سے جو بھی فیصلہ کرتے بڑی باریک بینی سے کیا کرتے تھے، آپ نے ۱۹۵۹ء میں اونو پھا سا پھالا سے مستعفی ہو کر اوسوے نن گروپ میں شامل ہو کے جو کام کئے اس پر تنقیدیں کی جانے لگی تھیں، لیکن آپ اپنے فیصلہ پر اٹل تھے، آپ نے کسی کی تنقید اور گرفت کا کوئی پرواہ نہیں کیا تھا، بایں ہمہ آپ نے اس گروپ میں شامل ہو کے روہنگیا مسلمانوں کی خدمات کرنے کی کوششیں کی تھیں۔

جناب ابوالبشر صاحب روہنگیا سیاست میں بڑے نام کمائے، ۱۹۵۳ء میں برمی پارلیمان میں طلاق کے خلاف جو بل لایا گیا تھا آپ نے اپنے سیاسی رفقائے کار سے مل کر اس بل کے خلاف سخت مزاحمت کی تھی، بعد میں اس بل کے حوالے سے ایک سلکٹ کمیٹی کی تشکیل ہوئی جس میں آپ بھی شامل تھے، اس بل اور دیگر امور سیاست جو آپ سے متعلق تھے اس کے متعلق جناب مولانا عبد الغفار (MP) والے مقالہ جو زیر نظر کتاب میں شامل ہے کی طرف رجوع کیا جائے۔

جناب ابوالبشر صاحب نے شمالی ارکان کو مسلم ریاست بنانے کے سلسلے میں بڑی بڑی سیاسی خدمات انجام دیں اور ارکانی مسلمانوں کو برما کی آزادی کے بعد مگھ شر پسندوں کی شر پسندی سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنے پارلیمانی دوستوں کے تعاون سے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے تھے، جن میں آپ خاصے کامیاب بھی رہے تھے۔

۱۹۶۲ء میں برمی اقتدار پر جنرل نیون کا قبضہ ہو گیا تو جناب ابوالبشر صاحب کو مجبورا سیاست و قیادت سے ہاتھ دھونا پڑا، اس حالت میں سرزمین ارکان کے اس عظیم سیاست دان نے ۱۹۹۱ء میں اپنے وطن میں انتقال کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جناب ابوالبشر صاحب ایک مذہبی اور قوم کے ہمدرد انسان تھے، سخاوت اور دریا دلی میں یکتائے روزگار بھی، کسی انسان کا دل توڑنا آپ کو آتا ہی نہیں تھا، میں نے آپ کو بہتوں مرتبہ بوسیدنگ میں

دیکھا، آپ اونچی ٹوپی پہنے وضع و قطع میں ایک شریف اور مدبر انسان لگتے تھے، کوئی مشورہ چاہتے تو اپنی دانست میں جو اچھا تھا وہ دیا کرتے تھے، اللہ تعالی آپ کی مغفرت فرمائے، آمین۔

☆☆☆

حضرت مولانا ڈپٹی عبد الغفار صاحب رنگیا دنگی، ایم پی، پارلیمنٹری سکریٹری، سیاسی، لیڈر و رہنما:

جناب عبد الغفار بن اولی میاں ۱۹۱۰ء میں بوسیدنگ کی معروف اور مردم خیز بستی رنگیا دنگ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد جناب مرحوم اولی میاں صاحب ایک دین دار اور پرہیز گار بزرگ تھے، اور ارکان کے مسلم طلباء کے بڑے خیر خواہ بھی، اور آپ کی والدہ بھی مشہور روایت کے مطابق ایک پردہ نشین ہونے کے ساتھ دینی تعلیم پر زور دینے والی خاتون تھی۔

عبد الغفار صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی سے شروع ہوئی تھی، بعد میں سرکاری اسکول میں داخلہ کرایا گیا تو تعلیم بڑھنے لگی، کہتے ہیں کہ آپ اسی تعلیمی زمانے سے ہی قومی سیاست سے دل چسپی لینے لگے تھے، اسی زمانے میں بھی قوم کے فکر مند تھے۔

جناب عبد الغفار صاحب تعلیم کے سلسلے میں چاٹگام آئے اور مدرسہ محسنیہ چاٹگام (جو آج کل محسن کالج کے نام سے نہ صرف چاٹگام بلکہ پورے بنگلا دیش میں مشہور ہے) میں داخل ہوئے، یہاں سے ۱۹۲۴ء میں جماعت اولی کی سند حاصل کر کے ڈھاکہ تشریف لے گئے، اور ڈھاکہ یونیورسیٹی سے ۱۹۳۰ء میں بی اے (BA) کی ڈگری حاصل کی تھی۔

فراغت کے بعد ۱۹۳۱ء میں جناب عبد الغفار صاحب وطن واپس آئے اور ڈپٹی انسپکٹر جیسے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہو گئے، اور ساتھ ساتھ آپ نے اپنی تعلیم کو آگے بڑھاتے ہوئے ۱۹۴۲ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسیٹی سے بی ٹی (BT) کی سند بھی حاصل کر لی، پھر ۱۹۴۲ء تک ڈپٹی انسپکٹر آف اسکالرز کے عہدہ پر برابر قائم رہے تھے، اسی مختصر عرصے میں قوم وملت کی بہبودی کے لئے بڑی بڑی جد و جہد کے ساتھ ارکان کی بستیوں میں اردو اور برمیز اسکولز قائم کئے تھے، آپ کی یہ خدمات روہنگیا قوم اور اس کی اگلی نسل کبھی بھول نہیں سکتی، آپ کی اس پر خلوص جد و جہد کی بدولت ہزاروں کی تعداد میں فضلاء اور دانشوران قوم وملت کی خدمات کے میدانوں میں دیکھے گئے تھے، چوں کہ پہلے پہلے ارکانی مسلمانوں میں تعلیم سے گویا نفرت تھی تو ایسے حالات میں آپ نے بذاتِ خود ارکان کے مختلف مقامات میں اپنے خرچ اور اپنی کفالت میں اسکول قائم کر کے مسلم بچوں کی تعلیم دی تھی، اس سلسلے

۱۹۳۱ء میں اپنی بستی رنگیا دنگ میں ایک اسکول قائم کر کے مسلم بچوں کی خوب تعلیم دی تھی، پھر ۱۹۳۶ء میں ماسٹر محمد اسماعیل کے ذریعے ایک انگریزی اسکول بھی قائم کیا تھا، جس کے تمام مصارف ۱۹۴۲ء تک خود آپ نے برداشت کئے تھے، اسی طرح ۱۹۳۶ء میں ماسٹر عمرہ میاں کو سامنے لاکر شقدار فارہ منگڈو میں ایک اسکول قائم کیا، جس سے ہزاروں مسلم طلباء نے فائدہ اٹھایا اور اب بھی اٹھا رہے ہیں، جس سے فائدہ اٹھا کر سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مسلم طلباء نے ملت وقوم کی خدمات انجام دیں اور اب بھی دے رہے ہیں۔

دوسری عالمی جنگ کے دوران ارکان میں جب قتل و غارت کا بازار گرم ہوا تو جناب عبد الغفار صاحب ایک شیر دل مجاہد کی شکل میں میدان میں کود پڑے اور وطن کے مسلمانوں کی جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی، پھر شمالی مغربی ارکان کا علاقہ مگھ برمی شر پسند اور فتنہ پردازوں سے آزاد ہوا تو آپ شانتی کمیٹی میں بھی پیش پیش رہے تھے، اس زمانے میں آپ بوسیدنگ ٹاؤن شپ کے افسر رہے، پھر اسی قتل وخون سے جان بچا کر جن مسلمانوں نے ارکان سے بنگال کو ہجرت کی تھی ان کو ہر ممکن سہولتیں بہم پہنچائی تھیں، اسی طرح جنگ عظیم دوم کے دوران جاپانی افواج ارکان پہنچیں تو ان کے تعاون سے یہاں کے مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت کا آپ نے بیڑا اٹھایا تھا، اس دوران آپ نے دوطرفہ سیاست کھیلی، ظاہر ہے کہ ایک طرف جاپانی افواج تھیں تو دوسری طرف برطانوی افواج، جناب عبد الغفار صاحب نے اپنے انداز میں دونوں سے رابطے رکھے، چوں کہ آپ کا ہدف ارکانی مسلمانوں کی حفاظت تھا، اس لئے اس نازک حالات میں آپ کو دوطرفہ سیا ست کھیلنا پڑا تھا، جس میں آپ بڑے کامیاب رہے تھے۔

۱۹۴۲ء کے قتل عام کے دوران ارکان کے تمام اسکول برباد ہو گئے تو آپ بڑے پریشان ہو گئے تھے، کیوں کہ ظاہر ہے کہ اب تک کے آپ کے سارے کئے کرائے پر پانی پھر چکا تھا، آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ ارکان کے تمام مسلم بچے ناخوندگی کے شکار مارے مارے پھر رہے ہیں، ایسے حالات میں آپ نے ٹاؤن شپ افسری کو خطرے میں ڈال کر قومی اسکول فنڈ جمع کرنے میں مصروف عمل ہو گئے، تو آپ کی ان کوششوں کے ذریعے بوسیدنگ ہائی اسکول، یونگ چنگ اور ننگ

بازار میڈل اسکول قائم ہو گئے، اور ساتھ ہی ساتھ آپ نے منگڈو ہائی اسکول کے فنڈ جمع کرنے میں بھی بھرپور تعاون کیا تھا، ویسے آپ کی تعلیم سے دل چسپی کی وجہ سے منگڈو اور بوسیدنگ کے علاقے میں ایک سو پچیس پرائمری کے ساتھ پانچ میڈل اور دو ہائی اسکول قائم ہو گئے تھے، یوں آپ کا یہ احسان کیا کبھی بھولے سے بھلائے جانے کے قابل ہے؟۔

۱۹۴۷ء میں منگڈو ٹاؤن شپ ایس ڈی او(SDO) کے پاس اکیاب کے کمشنر نے ایک تار بھیجا، جس میں صراحت سے کہا گیا تھا ''کہ ارکان کے مسلمان برما کے باشندے تب تک نہیں ہو سکتے جب تک تیس کیات فیس داخل کر کے شہریت کی درخواست نہ دیں، اور حکم عدولی کرنے والوں کو ووٹر لسٹ میں داخل نہ کیا جائے'' ایسے حالات میں ارکانی مسلمانوں کی موت وحیات کا سوال آن پڑا تھا، اب جناب عبد الغفار صاحب کی مدبرانہ پالیسی اور کوہ ہمالہ جیسے استقلال نے اپنا رنگ دکھایا، اس حکم کے فوراً بعد منگڈو میں آپ کی زیر صدارت ایک عام اجلاس بلایا گیا اور ایک تجویز/قرارداد پاس کر کے شہنشاہ برطانیہ اور برمی گورنر سمیت مسٹر اونگ سان کے پاس تار بھیجا گیا، اور متعلقہ حکام کے خلاف ایک قسم کی جنگ کا اعلان بھی کر دیا گیا تھا، جس کا نتیجہ یا ثمرہ بہت خوب نکلا کہ ۱۹۴۷ء کے برمی دستور/قانون ساز اسمبلی کے عام انتخابات میں ارکان کے تمام مسلمانوں کو حق رائے دہی کے مستحق ٹھہرا کر ووٹ دلوایا گیا تھا۔

مسلمانان ارکان کی علمی ترقی کے لئے جناب عبد الغفار صاحب نے ایک قومی پریس کے قیام پر زور دیا تھا، چنانچہ اس کے قیام کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے رہے، لیکن افسوس ہے کہ آپ اس جدوجہد میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔

۱۹۴۷ء میں ارکانی مسلمانوں کی ایک بھاری اکثریت کے ووٹ سے جناب عبد الغفار صاحب برمی دستور ساز اسمبلی کے ممبر بنے، دستور ساز اسمبلی منعقد ہوئی تو آپ نے برمی مسلمانوں کے عموماً اور ارکانی مسلمانوں کے خصوصاً حق شہریت کی بحالی پر زور دیا تھا، چنانچہ آپ کی جہد مسلسل کے نتیجے میں برما اور ارکان کے تمام مسلم باشندے برما کے اصلی باشندے قرار پائے، آپ نے اس قانون ساز اسمبلی سے ایسے ایسے قوانین پاس کرائے جن سے مسلمانوں کے حقوق شہریت پوری اور مستقل طور پر

بحال ہو چکے تھے، اور تو اور برما کی آزادی کے بعد ارکانی مسلمانوں کو ’’روہنگیا‘‘ قوم کے نام سے موسوم کرتے ہوئے یہ مسلمان ارکان برما میں ایک علیحدہ قوم ہونے کی حیثیت سے ان کا حق بھی تسلیم کرلیا گیا تھا، چنانچہ جمہوریہ برما کے وزیر اعظم مسٹر اونو اور نائب وزیر اعظم مسٹر او باسوے کے مختلف بیانات سے ظاہر ہے کہ اس وقت ارکانی مسلمانوں کو ’’روہنگیا‘‘ قوم کی حیثیت سے تسلیم کرلی گئی تھی۔

۱۹۴۸ء میں جناب عبدالغفار اور جناب سلطان احمد صاحب بالوخالوی نے زوردار کوشش کی کہ شمالی مغربی ارکان یعنی منگڈو، بوسیدنگ اور راسیدنگ پر مشتمل علاقے کو مرکزی برمی حکومت کے ماتحت ایک علیحدہ ریاست قرار دیا جائے، جس کے نتیجے میں بعد میں ’’مایو فرنٹیر اڈمنسٹریشن‘‘ کا قیام عمل میں آیا تھا، علاوہ ازیں ان دونوں لیڈروں نے یہ بھی کوشش کی تھی کہ یہاں کے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کو وزیر اعظم اونو خود اپنی آنکھوں سے معاینہ کریں، چنانچہ یہ لیڈران اس کوشش میں بھی کامیاب ہوئے تھے، جس کی تفصیلات تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔

یہاں ایک واقعہ یہ بھی ہوا تھا کہ برمی پارلیمنٹ میں طلاق کا مسئلہ زیر غور آیا، چنانچہ بہت سارے علمائے کرام نے اس طلاق بل کے حق میں رائے بھی ظاہر کی، لیکن جناب عبدالغفار صاحب نے اس طلاق بل کی سخت مخالفت کی اور شرعی نقطۂ نظر سے برمی پارلیمنٹ میں بحث کرتے ہوئے اس بل کو مسترد کردیا تھا، آں جناب کی اس تقریر کا خلاصہ سامنے آرہا ہے۔

برما کی آزادی کے بعد ۱۹۵۱ء میں پھر سے عام انتخابات ہوئے، جس میں عبدالغفار صاحب اپنے حلقے سے بھاری اکثریت کے ووٹ سے جیت گئے، اس بار آپ نے اپنی قوم کی جو خدمات انجام دیں وہ کبھی بھلائی نہیں جاسکتیں۔

اسی طرح ۱۹۵۶ء میں عام انتخابات ہوئے تو اس میں بھی آپ کی جیت ہوئی، لیکن ۱۹۶۱ء کے عام انتخابات میں جناب اڈووکٹ عبدالسبحان کے مقابلے میں جناب عبدالغفار صاحب ہار گئے تھے، یاد رہے کہ ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۵۹ء تک جناب عبدالغفار صاحب برمی پالیمانی سکریٹری رہ چکے تھے، آپ نے اس طویل عرصے میں ملت وقوم کے مفاد کی خاطر ایسی ایسی کوششیں کیں جنہیں کبھی بھی بھلایا نہیں جاسکتا، جن میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ جناب عبدالغفار صاحب نے منگڈو میں ایک ہوائی اڈہ کی تعمیر کی کوشش کی۔

۲۔ منگڈو، بوسیدنگ اور راسیدنگ کی تحصیلوں میں سڑکوں کی تعمیر اور مرمت کی کوشش کی۔

۳۔ اکیاب سے لے کر منگڈو تک جمیع مواصلات کی اصلاح کی کوشش کی۔

۴۔ منگڈو اور بوسیدنگ وغیرہ علاقہ جات میں سول سپلائی کے محکمے کے قیام کی کوشش کی۔

۵۔ شمالی مغربی ارکان کے مسلم پنشروں کو پنشن دلانے کی کوشش کی، جو ایک طویل عرصے سے نہیں مل رہی تھی۔

۶۔ شمالی مغربی ارکان میں دھان خریدنے کے محکمے کھولنے کی کوشش کی، یاد رہے کہ آپ نے یہ کوشش اس لئے کی کہ یہاں سے دھان اسمگل ہو رہے تھے۔

۷۔ منگڈو میں ایک پبلک لائبریری کے قیام کی کوشش کی۔

۸۔ منگڈو اور بوسیدنگ کے علاقے میں بی ٹی ایف (BTF) کے مظالم کی روک تھام کی کوشش کی، آپ نے اس حوالے سے مگھوں کی جگہ چھن اور کاچن دستوں کی تعینات کی کوشش کی تھی۔

۹۔ منگڈو اور بوسیدنگ میں پائے جانے والے ہسپتالو میں ڈاکٹر اور اسسٹنٹ ڈاکٹروں کے علاوہ بڑے پیمانے میں نرسوں کی تقرری کی کوشش کی تھی۔

۱۰۔ ضلع اکیاب میں رجسٹرڈ پرائمری اور اَپر پرائمری اسکولوں کی تعداد بڑھانے کی کوشش کی تھی۔

۱۱۔ شمالی مغربی ارکان میں بی ٹی ایف (BTF) کے ہاتھوں ہلاک ہونے والے مسلمانوں کے اعداد و شمار کرانے کی کوششوں کے ساتھ ظالموں کو گرفتار کرکے سزا دینے کی بھی کوشش کی تھی۔

۱۲۔ شمالی مغربی ارکان میں غیر قانونی گرفتار شدگان کو رہائی دلانے کی کوشش کی تھی۔

۱۳۔ بی ٹی ایف کے مظالم سے تنگ ہو کے پاکستان میں پناہ لینے والوں کو دوبارہ وطن لا کر انہیں اپنے اپنے علاقے میں بسانے کی کوشش کی تھی۔

۱۴۔ منگڈو اور بوسیدنگ کے سرکاری اسکولوں میں قابل معلمین کی تعیین کرنے کی کوشش کی تھی۔

۱۵۔ سرکاری اسکولوں میں مذہبی تعلیم دلانے کی خاطر مدرسین کی تعیین کی کوشش کی تھی۔

۱۶۔ منگڈو کے سرکاری ہسپتال کی بوسیدہ عمارت کو پختہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

۱۷۔ بطور خاص منگڈو، بوسیدنگ اور راسیدنگ یعنی شمالی مغربی ارکان کی سڑکوں کو مرمت کرنے کی کوشش کی تھی۔

۱۸۔ مشرقی پاکستان میں پناہ لینے والے روہنگیا مسلمانوں کو امداد پہنچانے کی کوشش کی تھی۔

۱۹۔ منگڈو اور بوسیدنگ کے کسانوں سے مگھ برمی حکام جو دھان کم قیمت پر وصول کرتے تھے اس پر احتجاج کر کے انہیں واجبی قیمت دلانے کی کوشش کی تھی۔

۲۰۔ ۱۹۵۳ء میں طلاق بل کے خلاف برمی پارلیمنٹ میں جناب عبدالغفار صاحب نے سخت سے سخت ترین احتجاجی بیان دیا تھا۔

۲۱۔ ۱۹۵۲ء میں ضلع اکیاب کی زرعی اراضی کی تقسیم کرنے والی کمیٹی کے فیصلے سمیت متنازعہ فیہ مقدمات کی تفصیلی شمارے پارلیمان کے پیش نظر لانے کی کوشش کی تھی۔

۲۲۔ ضلع اکیاب میں زرعی اراضی تقسیم کرنے والی کمیٹی کی ازسرنو تشکیل دینے کو کوشش کی، کیوں کہ اس سے پہلی والی کمیٹی کی بدعنوانی نے یہاں کے عوام کو پریشان کر رکھا تھا۔

۲۳۔ ضلع اکیاب میں تناسب کے لحاظ سے عہدیداروں کی تقرری کی کوشش کی تھی۔

۲۴۔ ضلع اکیاب میں تین سالوں تک ملازمت کے بعد عہدیداروں کو مختلف علاقوں میں تبدیل کرنے کی کوشش کی تھی۔

۲۵۔ منگڈو اور تمبرو کے درمیان دریائی سفر سروس دوبارہ کھول دینے کی کوشش کی تھی۔

۲۶۔ ۱۹۵۳ء میں ضلع اکیاب کے مسلمانوں سے یونین آف برما کے ہتھیار بند دستوں نے جو بلا معاوضہ بیگار کے بطور کام کرا رہا تھا اس سے رہائی دلانے کی کوشش کی تھی۔

۲۷۔ ارکانی مسلمانوں کو فوج اور پولیس سروس میں بھرتی کرانے کی کوشش کی تھی۔

۲۸۔ بی ٹی ایف کے مظالم سے تنگ آ کر پاکستان ہجرت کر جانے والوں کی مردم شماری کے علاوہ ان کے لئے نیشنل رجسٹریشن کارڈ کی اجرا کی کوشش کی تھی۔

۲۹۔ ارکانی مسلمانوں کی زرعی اراضی پر جو ناجائز قبضہ ہو گیا تھا انہیں واپس دلانے کی کوشش کی تھی۔

۳۰۔ ضلع اکیاب میں ایک ٹیچرز ٹریننگ اسکول قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔

۳۱۔ حجاج کرام کے لئے پاسپورٹ کے اجراء کی کوشش کے ساتھ زائرین حجاز مقدس کے لئے ویزہ کی سہولیات کی کوششیں بھی جاری رکھی تھیں۔

۳۲۔ ضلع اکیاب سے حاصل شدہ محاصل کو بدعنوانیوں سے بچانے کی کوشش کی تھی۔

۳۳۔ بلی بازار اور تنگ بازار میں ایک ایک سرکاری ہسپتال قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔

۳۴۔ شمالی مغربی ارکان کی عام سڑکوں کی تعمیر اور مرمت کے علاوہ داخلی سڑکوں کی تعمیر کی کوشش کی تھی۔

۳۵۔ مگھوں کی طرف سے ارکانی مسلمانوں کے خلاف آئے دن کی جانے والی سازشوں اور پروپیگنڈوں کی روک تھام کی کوشش کی تھی۔

۳۶۔ ارکان میں امیگریشن حکام جو روہنگیا مسلمانوں کے خلاف متعصّبانہ اقدامات کرتے رہے تھے، جن کی وجہ سے لاکھوں مسلمانوں کو وطن چھوڑنا پڑا تھا اور ہزاروں کو جیل خانے کے ادھیرے میں غرق ہونا پڑا تھا تو جناب عبدالغفار صاحب نے اس قسم کے غیر انسانی سلوک کی روک تھام کی کوشش کی تھی۔

۳۷۔ شمالی مغربی ارکان میں مگھ شر پسندوں کو ان کی شرارت اور متعصّبانہ حرکات سے باز رکھنے کی کوشش کے ساتھ ان کو سزا دلانے کی کوشش کی تھی۔

۳۸۔ منگڈو اور بوسیدنگ کے علاقوں میں مڈل اسکول، ہائی اسکول، پوسٹ آفس، تار آفس، دیگر انفارمیشن کے دفاتر، نیشنل رجسٹریشن کارڈ کے دفاتر، سول اور پولیس کورٹ، ڈسٹرک کونسل اور عوامی لائبریریاں قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔

۳۹۔ ارکان کے مسلم عوام کو برمیز کی تعلیم دلانے کی کوشش کی تھی، جس سے انہیں ایک قسم کی نفرت تھی۔

۴۰۔ برمیز میڈیا کے علاوہ دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعے ارکان کے مسلم عوام کے خلاف جو زہر پھیلایا جا رہا تھا اسے روکنے کی کوشش کی تھی۔

۴۱۔ آپ نے ۱۹۵۰ء میں پارلیمان میں منگڈو سے اکیاب تک ریلوے لائن بچانے کی اپیل کی تھی۔

۴۲۔ بوسیدنگ کے قید خانے کو مرمت کرانے کی کوشش کی تھی، جس میں اکثر مسلمان قیدی ہوتے تھے۔

۴۳۔ تمام ارکانی مسلمانوں کے لئے نیشنل رجسٹریشن کارڈ کی اجراء کی کوشش کی تھی۔

۴۴۔ منگڈو شہر میں مکان خرید کر بسنے والوں کو لائسنس دلانے کی کوشش کی تھی۔

۴۵۔ جناب محترم عبدالغفار صاحب اور جناب محترم سلطان احمد صاحب بالوخالوی وغیرہ نے ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۵۹ء تک یہ کوشش جاری رکھی تھی کہ منگڈو، بوسیڈنگ اور راسیدنگ کے علاقوں پر مشتمل ارکانی مسلمانوں کے لئے ایک جداگانہ ریاست تشکیل دی جائے، تاکہ یہاں کے مسلمانوں کو مگھ برمی مظالم سے نجات مل جائے، لیکن نہایت افسوس کا مقام ہے کہ جناب اڈووکٹ سلطان محمود اکیابی صاحب نے ۹/جون/۱۹۵۹ء کے پارلیمانی اجلاس میں اس کوشش کی شدید مخالفت کی، جس کی قدرے تفصیلات سامنے آرہی ہے، اب طلاق بل کے خلاف آپ کی تقریر ملاحظہ فرمائیں:

''۔۔۔جناب صدر پارلیمان کو اچھی طرح معلوم ہو کہ میں حکومت کے کاموں کے ساتھ پھاسا پھالا کی حمایت ہمیشہ کرتا آیا ہوں، اور اعلان کرتا ہوں کہ آئندہ بھی حمایت کرتا رہوں گا، لیکن مذہبی معاملات میں ہمیں یقین ہے کہ ہمیں آزادانہ تقریر کی اجازت ہوگی، اس یقین کے پیش نظر کہتا ہوں کہ مذہبی معاملات میں ہمیں کہنے کی اجازت دی جائے، اگرچہ میں اس بل (طلاق بل) کی مخالفت کئے بغیر رہنا چاہتا تھا لیکن پارلیمان کو حقیقت حال سے واقف کرانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔

جناب صدر! میں سب سے پہلے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے ایم اے (MA) کی تعلیم حاصل کرتے وقت عربی کو فاضل زبان کی حیثیت سے حاصل کیا تھا، یہی وجہ ہے کہ اسلام کے متعلق مجھے پوری معلومات حاصل ہیں، مجھے دوسرے حضرات علمائے کرام کے بیانات کی چنداں ضرورت نہیں، دراصل سلکٹ کمیٹی نے جن لوگوں کی شہادتیں قلم بند کی ہیں ان تمام لوگوں نے اس بل کو تنفیذ نہ کرنے کا مطالبہ کیا ہے، اسلامی شریعت کے مخالف اس طرح کے ایک بل کے نفاذ کے لئے میں نے کئی بار ارادہ کیا لیکن قرآن مجید اس کی اجازت نہیں دیتا ہے، اس لئے اسے ترک کر دیا گیا ہے، اس لئے آپ اس طرح کا بل نافذ کر دیں گے تو یہ بل شریعت کا خلاف ہوگا، چنانچہ میرے اس بیان کے بعد پالیمان سے مجھے یقین ہے کہ اس بل کو ترک کر دیا جائے گا''۔

اس سلسلے میں جناب عبدالغفار صاحب آگے فرماتے ہیں:

''برما کے دستور اساسی میں مذہب کی پوری پوری آزادی رکھی گئی ہے، اس لئے پارلیمان کو مذہبی معاملات میں مداخلت کا حق نہیں پہنچتا ہے، اگر پارلیمان نے مذہبی معاملات میں مداخلت کی تو دستور اساسی کے دفعات کی خلاف ورزی ہوگی، اگر ایسا کیا گیا تو برمی عوام کے جذبات عموماً اور بطور خاص مسلمانوں کے جذبات بری طرح مجروح ہونے کا خطرہ ہے۔

جناب صدر! اسلام نے مسلم خواتین کو مسلم مردوں کے برابر اور مساویانہ حق دے رکھا ہے، قرآن کریم میں نکاح اور طلاق کے قوانین مکمل طور پر موجود ہیں، پالیمان نہیں بلکہ پوری دنیا بھی مل کر قرآن کریم میں موجود کسی بل کو ترمیم نہیں کرسکتی، فقہ اسلامی قرآن کے معانی کی تفاسیر پیش کرسکتا ہے، دنیا کے کوئی بھی انسان کسی محکمۂ قرآنی کی اصلاح نہیں کرسکتا، کیوں کہ قرآن کریم خدا کا کلام ہے اور اس کلام کو ماننے والے مسلمان ہیں، اسلامی تعلیم کی رو سے اگر کوئی انسان قرآنی تعلیم کو نامکمل سمجھے یا قرآن کے کسی لفظ پر یقین نہ کرے یا قرآن کریم کو مہمل سمجھے تو ظاہر ہے کہ وہ مسلمان نہیں رہ سکتا، اور نہ ایسے انسان کو مسلمان سمجھا جاسکتا ہے، اس لئے قرآن کے معانی واضح کرنے کے لئے پارلیمان اس بل کو تنفیذ نہیں کرسکتا، میں صاف طور پر اعلان کرتا ہوں کہ قرآن کریم نے ایک خاتون کو اس بل سے کئی ہزار گنا حق عطا کیا ہے، اس بل سے دراصل مسلم خواتین کے حقوق کو نقصان پہنچے گا، اس لئے اس طرح کے معاملات پر پالیمان مطلقاً غور نہ کرے، بلکہ اسے مسلم بورڈ کا حوالہ کر دیا جائے، قرآن کریم اور شریعت اسلامیہ جو دراصل ایک ہی چیز ہے، ان میں پورے پورے احکام موجود ہیں، جو کابین نامہ سے کئی گنا سودمند ہو سکتے ہیں، تاہم کابین نامہ میں اس بل کے دفعات کے علاوہ دوسری ضروری چیزیں داخل کی جاسکتی ہیں، اور یاد رہے کہ کابین نامہ دراصل نکاح کا ایک معاہدہ ہوتا ہے''۔

پھر جناب عبدالغفار صاحب نے آگے فرمایا ہے کہ:

"قرآن کریم میں نکاح اور طلاق کے قانون اس بل کی طرح نہیں ہے، اس لئے اس میں موجود احکات کو عملی شکل دینے کے لئے مسلم بورڈ کی ضرورت ہے، جو رضا کارانہ طور پر قرآنی آئین بل پیش کرکے پالیمان کا حوالہ کرے اور اسے پارلیمان منظور کرلے۔

اس بل کے انتخاب کے لئے ایک سلکٹ کمیٹی تشکیل کی گئی ہے، جس میں پارلیمان کے ممبر جناب ابوالبشر صاحب شامل ہیں، ممبر موصوف نے پالیمان کے اندر ۲۰/فروری/۱۹۵۳ء کے اجلاس میں بتایا ہے کہ سلکٹ کمیٹی کا اقدام درست نہیں ہے، وہ اپنی مرضی سے رپورٹ پیش کررہی ہے، اس لئے ممبر موصوف نے سلکٹ کمیٹی کی غلطیوں کی سخت مذمت کرتے ہوئے اس کمیٹی کو چیلنج کیا ہے، مگر کسی نے بھی ممبر موصوف کے اعتراضات کا جواب نہیں دیا ہے، ادھر فرنٹیر انکوائری کمیشن کی تحقیقاتی روداد طبع کرکے عوام کی آگہی کے لئے تقسیم کی جا سکتی ہے، جب کہ اہم مذہبی معاملات میں سلکٹ کمیٹی کی تحقیقاتی روداد ممبروں کی آگہی کے لئے بھی تقسیم نہیں کی گئی ہے، جناب ابوالبشر صاحب نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ سلکٹ کمیٹی نے عوام کے پیسے خرچ کرکے گواہوں کے بیانات کے مطابق روداد نہیں لکھی ہے، اور موصوف نے مطالبہ کیا تھا کہ مذہبی معاملات اگلے پارلیمانی اجلاس میں پیش کیا جائے، مگر سوال یہ ہے کہ کیوں اس بل کی اچھی طرح تحقیق نہیں کی گئی ہے؟ جناب ابوابشر صاحب نے مزید بتایا کہ ان کی مخالفت کے باوجود سلکٹ کمیٹی کی روداد قبول کرلی گئی ہے، چوں کہ معاملہ مذہبی ہے اسی لئے ضروری ہے کہ ان کی مخالفت کی تمام چیزیں قلم بند کرکے روداد میں شامل کردی جائیں، اور اسے عوام میں تقسیم بھی کردیا جائے، دراصل بات یہ ہے کہ روداد میں جناب ابوالبشر کا دستخط نہ لینا اور ان کی مخالفت کو اس روداد میں شامل نہ کرنا درست نہیں ہوا، اور یہ الگ بات ہے کہ سلکٹ کمیٹی کے سامنے

بیان دینے والوں نے اس بل کی کلی طور پر مخالفت کی ہے، اگر جناب ابوالبشر صاحب کا بیان صحیح تھا تو سلکٹ کمیٹی کو چاہئے تھا کہ ان کے تمام بیانات کو پیش کرکے اپنی سچائی کا ثبوت پیش کرتے، اب سوال آتا ہے کہ مسلم عوام کی مخالفت کے باوجود یہ بل عوام کے سر پر کیوں تھوپا جارہا ہے؟"۔

جناب عبدالغفار صاحب نے اس پارلیمانی اجلاس میں آگے فرمایا کہ:

پچھلی سطور میں عرض کی گئی ہے کہ جناب عبدالغفار صاحب اور جناب سلطان احمد صاحب بالوخالوی وغیرہ نے ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۵۹ء تک برمی پارلیمنٹ میں یہ کوشش جاری رکھی تھی کہ منگڈو، بوسیدنگ اور راسیدنگ کے علاقوں پر مشتمل ارکانی مسلمانوں کے لئے ایک جداگانہ ریاست تشکیل دی جائے، تاکہ یہاں کے مسلمانوں کو مگھ برمی مظالم سے نجات مل جائے، لیکن نہایت افسوس کا مقام ہے کہ مرکزی وزیر صحت جناب اڈووکٹ سلطان محمود اکیابی صاحب نے ۹/جون/۱۹۵۹ء کے پارلیمانی اجلاس میں اس کوشش کی شدید مخالفت کی تھی، اس کے بعد انہوں نے ۲۹/اپریل/۱۹۵۹ء میں انگریزی اخبار نیشن (THE NATION) کو انٹرویو دیتے ہوئے بتایا کہ:

"ہم نے جو ارکانی مسلم ریاست کی تشکیل کی مخالفت کی ہے وہ حقیقت پر مبنی مخالفت ہے، اس حوالے سے ہم حق بجانب ہیں، اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے، سچ تو یہ ہے کہ ارکانی مسلمان کوئی علیحدہ ریاست کا مطالبہ نہیں کرتے ہیں"۔

لیکن اس کے تھوڑے عرصہ بعد ۱۹۶۰ء میں جناب سلطان محمود صاحب بھی علیحدہ ارکانی مسلم ریاست کی تشکیل کے حامی ہوگئے تھے، لیکن ظاہر ہے کہ ایک علیحدہ ارکانی مسلم ریاست کی تشکیل کی جو کوششیں ہوئی تھیں وہ جناب عبدالغفار اور جناب سلطان احمد صاحب کے سر تھیں، اس حوالے سے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی تصنیف "سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی پس منظر میں"۔

ارکانی مسلمانوں کی بستیوں کی بستیوں کو اکھاڑتے ہوئے یہاں پاکستانی مگھوں کو دعوت دے دے کر ان کو ان مسلمانوں کی جگہیں پر جو بسایا جارہا تھا اس کے خلاف جناب عبدالغفار صاحب نے شدید مخالفت کی، اس ضمن میں ایک روز آپ نے کہا تھا کہ:

'' دوسری عالمی جنگ کے دوران ارکان کے روہنگیا مسلمان جاپانی افواج کے سامنے چٹان بن کر کھڑے تھے، انہوں نے ان جاپانی افواج کو ہندوستان کی طرف بڑھنے سے روک دیا تھا، اگر برما اور پاکستان کے مابین جنگ چھڑ گئی تو ارکان کے یہ روہنگیا مسلمان وہی رول ادا کریں گے جس طرح ماضی میں انہوں نے جاپانی افواج کے خلاف کیا تھا بشرطیکہ:

۱۔ یہاں مجاہد باغیوں کو فوری طور پر کچل دیا جائے۔

۲۔ تاہم ان کو موقع دیا جائے کہ یہ احساس کر سکیں کہ ارکان ان کا مادری وطن اور جنم استھان ہے۔

۳۔ ان کے ساتھ برما کے دیگر شہریوں جیسا سلوک کیا جائے۔

۴۔ ان سے نپٹتے وقت آئین وقانون کی سختی سے پابندی کی جائے۔

۵۔ ان پر ہونے والے مظالم کو ہمیشہ کے لئے روک دیا جائے۔

۶۔ زندگی اور زندہ روی سے لطف اندوز ہونے کے لئے ان کو موقع دیا جائے۔

ارکانی مگھ لیڈروں نے ارکانی مسلمان اور ان کے لیڈروں پر ہمیشہ یہ الزام لگا تا رہا تھا کہ وہ ارکان کو پاکستان کے ساتھ ملحق کرنا چاہتے ہیں، اس کے جواب میں جناب عبدالغفار صاحب کا کہنا تھا کہ:

'' بعض لوگ ارکان کے مسلمانوں پر یہ الزام لگاتے پھرتے ہیں کہ وہ ارکان کو پاکستان کے ساتھ ملحق کرنا چاہتے ہیں، ان کا یہ الزام بس ایک ناروا الزام ہی ہے، میرے خیال میں ارکان کو پاکستان کے ساتھ الحاق کرنا بھوک اور پیاس کو دعوت دینے کا مترادف ہے، ارکانی مسلمان اتنے بے وقوف نہیں ہیں، یہاں دین اور مذہب کا سوال نہیں ہے، در اصل حب الوطنی اسلامی عقیدے کا ایک جزو ہے، ارکان کو پاکستان سے ملانے کا سوال ہی نہیں آتا''۔

اس سلسلے میں جناب عبدالغفار صاحب نے بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ:

'' ہمارے بعض رہنما اور حکام اسلام اور اس کے قوانین اور احکام اور اس کی تہذیب سے بالکل نا آشنا ہیں، اب اندازہ لگا سکتے ہیں کہ عوام کا درجہ کہاں ہے؟ بد

قسمتی سے وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اسلامی نام کے ساتھ داڑھی بڑھا لے تو وہ ہندوستانی یا پاکستانی بن جاتا ہے، اسی وجہ سے ہمارے بہت سارے شہریوں کو ملازمت سے محروم رکھا گیا اور اب بھی جاتا ہے، ملایا کے تنکو عبدالرحمن، انڈونیشیا کے احمد سوکارنو، افغانستان کے ظاہر شاہ، مصر کے جمال عبدالناصر، ترکی کے جلال بایار ان میں سے کوئی بھی ہندوستانی یا پاکستانی نہیں ہے، حالانکہ وہ لوگ اسلامی نام رکھے ہوئے ہیں''۔

ارکان کے بعض مگھ لیڈروں نے اپنا یہ شیوہ بنا رکھا تھا کہ مختلف سازش اور پروپیگنڈوں کے ذریعے ارکانی مسلمانوں کو بدنام کیا جائے، جن کا دعوی تھا کہ ارکانی مسلمان پاکستان سے ملحق ایک ریاست کے خواہاں ہیں، اس سلسلے میں ان دشنام طرازوں نے برمی لیڈروں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ ارکانی مسلمان غدار اور ناوفا شناس ہیں، یہ برمی حکومت کے لئے خطرہ بنے ہوئے ہیں، برمی حکومت کو چاہئے کہ یا ان کو یہاں سے نکال دے یا ان کو ختم کردے، اس سلسلے میں متعدد آپریشن اور دیگر ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے یہاں کے مسلمانوں پر مظالم کی چکی چلائی گئی، علاوہ ازیں متعدد ایسے الزامات لگائے گئے کہ جس کی کوئی بنیاد اور حیثیت نہیں تھی۔

ادھر اور ایک بات بڑی قابل غور ہے کہ ۱۹۴۷ء سے ارکان کے روہنگیا مجاہدین کی کوشش یہی رہی تھی کہ کسی بھی طرح ارکان کے مسلمان مگھ اور برمی درندوں کے پنجے سے آزاد ہو جائیں، انہوں نے اپنے اس ہدف کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جدوجہد شروع کر رکھی تھی، اور انہوں نے بڑی شدت کے ساتھ شمالی مغربی ارکان کی خودمختاری کا مطالبہ کیا تھا۔

ادھر جب کہ ارکان کے مسلم پارلیمانی ممبران جن میں جناب عبدالغفار، جناب ابوالبشر اور جناب سلطان احمد پیش پیش تھے نے بھی پارلیمان کے اندر اس کا پرزور مطالبہ کیا تھا، حتی کہ او نو حکومت نے ایک زمانے میں ان کے اس مطالبہ کی منظوری کا وعدہ بھی کیا تھا، یاد رہے کہ اصولی طور پر دیکھا جائے تو مجاہدین کے مطالبہ اور ان پارلیمنٹ ممبران کے مطالبے میں فرق بہت کم تھا، البتہ مجاہدین طاقت کے استعمال سے اپنے مطالبات کو منوانا چاہتے تھے جب کہ پارلیمنٹ ممبران سیاسی قوت کے استعمال سے

اسے ممکن سمجھتے تھے۔

مجاہدین اسلام اور حضرات پارلیمنٹ ممبران کے پرزور مطالبات کے پیش نظر اونو حکومت نے ایک تجویز یہ نکالی کہ شمالی مغربی ارکان کو ''مایوفرنٹیر اڈمنسٹریشن'' کا درجہ دیا جائے، ویسے دیا بھی گیا تھا، گوکہ اس اڈمنسٹریشن کا عرصہ بہت ہی مختصر تھا لیکن یہ سچ ہے کہ ارکان کے عام مسلمانوں نے اسے نعمت غیر مترقبہ تصور کیا تھا، اور تو اور اس اڈمنسٹریشن کے اعلان کے بعد مجاہدین کی ایک بڑی جماعت نے جناب راغب اللہ اور جناب مستفیض الرحمن کی قیادت میں ہتھیار بھی ڈال دیا تھا، جس کی تفصیلات تاریخ کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔

چوں کہ ارکانی مگھ پورے ارکان کو ایک مگھ ریاست بنانے کے خواہاں تھے، اس حوالے سے برمی پارلیمان میں ایک طویل عرصہ تک سیاسی تناؤ اور افراتفری مچی ہوئی تھی، یاد رہے کہ اس دوران ارکان کے عظیم مسلم سیاست دان جناب سلطان محمود صاحب شمالی مغربی ارکان کی خودمختاری کے حق میں نہیں تھے، تاہم یہ ایک الگ بات ہے کہ بعد میں ان کو بھی یہ بات سمجھ آگئی تھی کہ شمالی ارکان کے مسلمانوں کا مطالبہ حق بجانب تھا، اسی لئے بعد میں انہوں نے بھی اس کی حمایت کرتے ہوئے مسٹر اونو کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ شمالی مغربی ارکان کو خودمختاری دینے کے بجائے ''مایوفرنٹیر اڈمنسٹریشن'' کا درجہ دیا جائے، چنانچہ ان کی اس تجویز کو وزیر اعظم اونو نے قبول کیا تھا، ویسے اونو یہاں کے عام مسلمانوں کے دل جیتنے میں ایک مختصر زمانے کے لئے سہی کامیاب ہو گئے تھے۔

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ جناب سلطان محمود صاحب کی رائے یہی تھی کہ ارکانی مسلمان مایو فرنٹیر اڈمنسٹریشن پر راضی ہو جائیں اور منگڈو بوسیڈنگ اور راسیدنگ کے علاوہ بقیہ ارکان کو مگھ ریاست میں تبدیل کر دیا جائے، لیکن ان کی اس تجویز پر جناب عبدالغفار اور سلطان احمد کا کہنا تھا کہ اگر شمالی مغربی ارکان کو چھوڑ کر بقیہ ارکان کو مگھ ریاست بنایا جائے تو شمالی ارکان کو خودمختار کر دیا جانا اہم اور ضروری ہے، ورنہ یہاں ہنگامہ ہوسکتا ہے۔

ادھر مجاہدین کی ایک بھاری اکثریت اس بات پر راضی نہیں تھی کہ شمالی مغربی ارکان کو ایک مایوفرنٹیر اڈمنسٹریشن کا درجہ دے کر بس کیا جائے، اب یہ مجاہدین اس بات پر ڈٹ کر واویلا مچا رہے تھے کہ مایو

فرنٹیر اڈمنسٹریشن یہ ایک جھانسہ ہے، جس میں یہاں کے مسلمانوں کو پھنسایا گیا ہے، اور انہوں نے اپنے پرانے مطالبہ کو دہراتے ہوئے اعلان کیا کہ ''ہم خودمختاری کے بغیر کسی چیز پر راضی نہیں ہیں''۔

۱۹۶۰ء میں مایوفرنٹیر اڈمنسٹریشن کا اعلان ہوا تو مگھ شرپسندوں نے اس اڈمنسٹریشن کے خلاف طرح طرح کے پروپیگنڈوں اور سازشوں کا جال پھیلانا شروع کر دیا تھا، اور تو اور وزیر اعظم اونو کو بھی گالم گلوج کرنے پر اتر آئے تھے، تب ارکان کے شیر دل لیڈر جناب عبدالغفار صاحب گرج اٹھے اور ایک پریس کانفرس سے خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ:

> ''مگھ لیڈروں کے ایک طبقہ نے برمی مسلمانوں کو عموماً اور ارکان کے روہنگیا مسلمانوں کو خصوصاً غلط رنگ میں پیش کرنے کا اپنا شیوہ بنا رکھا ہے، دوسری عالمی جنگ کے اختتام پر جب برما پر برطانیہ کا دوبارہ قبضہ ہو گیا تو مگھوں کے ایک خاص طبقہ اور اس میں بھی مگھوں کے سرکاری ملازمین نے یہ دعوی کر دیا تھا کہ روہنگیا مسلمان پاکستان کی طرف مائل ہیں، یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ارکان کو پاکستان سے ملحق کر دیا جائے، اس سے ان کا مقصد روہنگیا مسلمانوں کو بدنام کرنا تھا، چنانچہ عرصہ دراز تک یہ پروپیگنڈہ ہوتا رہا تھا، جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے تمام پروپیگنڈے خاک میں ملے جا رہے تھے تو انہوں نے مسلمانوں کو برمی عوام کے سامنے ذلیل وخوار بنانے کی سازش شروع کر دی ہے۔
>
> ارکان میں جب مگھوں نے علم بغاوت بلند کیا تھا تو ۱۹۴۷ء میں بولٹ یاجو جو اس زمانے میں وزیر دفاع تھے معاینہ کے لئے منگڈو آئے تھے، انہوں نے اپنے سفر کے دوران روہنگیا مسلمانوں کی سچائی اور وفاداری کی تعریف کی تھی، اور یونین آف برما کے حق میں ان کی عقیدت کو زبردست الفاظ میں سراہا تھا، کیوں کہ منگڈو اور بوسیڈنگ کے علاقے میں روہنگیا باغی (ان کے مطابق) نہیں تھے، جب کہ برما کے دیگر حصوں میں جن میں ارکان بھی شامل تھا مگھ باغیوں نے شور مچا رکھی تھی۔
>
> بولٹ یاجو کی تعریف اور روہنگیا کی وفاداری نے فرقہ پرست لیڈروں کو مضطرب کر دیا تھا، یوں انہوں نے ایک شخص کی خدمات حاصل کیں، جس کو روہنگیا زبان آتی تھی، جس کا نام ٹن اونگ پھروتھا، وہ مگھ باغیوں بلکہ کسی حد تک روہنگیا باغیوں کا لیڈر بن

گیا تھا، اوران باغیوں نے محمد جعفر قوال کو اپنی سازش کے جال میں پھنسالیا تھا، اس کو پھسلا کر اس بات پر آمادہ کرلیا تھا کہ پھاسا پھالا حکومت کی بربادی کے بعد ارکان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، دریائے کلاڈان سے ناف تک کے علاقے پر مشتمل ایک مسلم ریاست ہوگی اور بقیہ ارکان پر مشتمل ایک مگھ ریاست وجود میں آجائے گی، چوں کہ جعفر قوال علم وفن سے نا آشنا تھے، یوں وہ بہک گیا اور بآسانی ان سازش کاروں کی سازش کا شکار ہوگیا تھا، یہاں سے مجاہد تحریک کی ابتدا ہوئی تھی‘‘۔

جناب عبدالغفار صاحب نے خطاب کرتے ہوئے مزید کہا کہ:

جناب عبدالغفار صاحب نے اس سلسلے میں مزید فرمایا کہ:

’’۱۹۴۸ء میں جب مجاہد تحریک جڑ پکڑ رہی تھی تو ہم لوگوں نے عالی مآب وزیر اعظم اونو سے درخواست کی تھی کہ وہ ہم لوگوں کو مجاہدین کے خلاف لڑنے کے لئے ہتھیار دیں، ہم لوگ اپنی جائداد اور اپنی اہل وعیال کو ضمانت پر رکھنے کے لئے تیار ہیں، لیکن انہوں نے ہماری درخواست پر مطلقا توجہ نہیں دی، اور ہم لوگوں پر اعتماد نہیں کیا، علاوہ ازیں سرکاری عملے کے ایک طبقہ نے ان کو ہمارے خلاف ایک رپورٹ دی تھی، اسی طرح ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۱ء کے دوران جو وزیر دفاع تھے، اس کی معیت میں میں نے بوسیدنگ پھاساپھالا کے صدر اوسان ٹنگ اونگ سے ملاقات کی تھی، اور وہی درخواست ان کے سامنے بھی دہرائی گئی تھی، انہوں نے بھی ہماری درخواست کو منظور نہیں کیا تھا، اگر حکومت نے ہم پر بھروسہ کیا ہوتا تو بہت ہی آسانی سے اس مجاہد تحریک کو ہم کچل کر رکھ دیتے۔

اور یہ الزام کہ مسلمان مجاہد تحریک کو تعاون کرتے ہیں، جس سے بعض بھولے بھالے سرکاری اہل کار اور لیڈران متأثر ہورہے ہیں، لیکن یہ الزام ایک بے بنیاد الزام ہے، جب کہ مسلمان ان مجاہدین سے نبرد آزما ہیں، واقعہ یہ ہے کہ مگھ حضرات مگھوں کی تحریک کی حمایت کررہے ہیں، مجاہدین نے روہنگیا دہقانوں سے چندے کا مطالبہ کیا تھا، جس کے انکار پر یونگ چنگ اور نائن چنگ کی بستیوں کو نذر آتش کردیا گیا تھا، ان دونوں بستیوں کے علاوہ اور بھی بستیاں انہوں نے جلاکر راکھ کا ڈھیر کردیا تھا اور

مجاہدین سے تعاون کے انکار پر بہتوں کو قتل کردیا گیا تھا، ایسی حالت میں حکومت سے روہنگیا مسلمانوں نے مدد مانگی لیکن ان کی کوئی مدد نہیں کی گئی، تو یہ مسلمان ان مجاہدین کے سامنے سر جھکا دینے مجبور ہوگیا ہے، ادھر مگھ حضرات اپنے مگھ شرپسندوں کے تعاون کرتے ہیں، اب برمی عوام فیصلہ کریں کہ آیا روہنگیا مسلمان برمی حکومت کے وفادار ہیں یا مگھ؟

بدقسمتی سے ارکانی مسلمانوں کو بدنام کیا جارہا ہے، صرف اس جرم میں کہ وہ لوگ مسلمان ہیں۔۔۔۔۔جب سے برما آزاد ہوا، تب سے روہنگیا اقلیت ایک طرف مجاہدین کے تو دوسری طرف مگھ باغیوں کے ظلم وستم سے محفوظ نہیں ہے‘‘۔

جناب عبدالغفار صاحب نے آگے فرمایا ہے کہ:

’’برمی حکومت خود اپنے حکام کے ظلم وستم سے روہنگیا مسلمانوں کو نجات دینے میں بری طرح ناکام ہے، حال میں اکیاب ڈسٹرک سے بہتوں مسلمان ہجرت کرکے سعودی عرب جا پہنچے ہیں، جن کی ہجرت کی وجہ یہ تھی کہ ان پر مختلف جانب سے ظلم و ستم ہورہا تھا، یہ لوگ اقلیت کے افراد تھے، اور اقلیت ہونا بھی ایک جرم ہے، آخر مظالم کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔

یہاں بعض انتہاء پسند لیڈروں نے یہی فیصلہ کرلیا ہے کہ اب وہ اکیاب ڈسٹرک سے روہنگیا مسلمانوں کو مٹاکر دم لیں گے، ان لوگوں کو ایک بار ۱۹۴۲ء میں ختم کرنے کی کوشش کی گئی تھی، ان کو تہ تیغ کیا گیا اور بہتوں کو جلاوطن کیا گیا تھا، لیکن پھر بھی باقی ہیں۔دراصل بات یہ ہے کہ اس ناپاک کوشش میں یہ لوگ ایک حد تک کامیاب ہیں، انہوں نے دوبارہ ۱۹۴۹ء اور ۱۹۵۰ء کے دوران تیس ہزار روہنگیا مسلمانوں کو مشرقی پاکستان میں ہجرت کرنے پر مجبور کردیا تھا، ان مذکورہ کوششوں میں مجموعی طور یہ لوگ اپنی سازشی کاروائیوں میں ناکام تھے، اسی وجہ سے اب کی بار کوشش چل رہی ہے کہ وہ اپنی سازش میں کامیاب ہوجائیں، انہوں نے نعرہ بلند کررکھا ہے کہ بہت سے

پاکستانی غیر قانونی طریقے سے ارکان میں داخل ہو گئے ہیں، مگھ اپنی چال اور سازش کے ذریعے کامیابی سے ہم کنار ہونا چاہتے ہیں، اسی طرح امیگریشن حکام نے گزشتہ جولائی اور اگست کے دوران منگڈو سے تین ہزار اور بوسیدنگ سے ایک ہزار روہنگیا مسلم باشندوں کو مشرقی پاکستان کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کیا ہے، اب یہ لوگ اپنے وطن واپس آنے کے منتظر ہیں، وزیر اعظم اونو پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ان کو دوبارہ اپنے وطن لائیں، اور ان کو اپنی قدیمی بستیوں میں آباد کریں، اور ان کے ہونے والے نقصانات کا معاوضہ پیش کریں۔ادھر مسٹر اونو نے کہا تھا کہ وہ ارکانی مسلمانوں کو خود مختاری سے سرفراز کریں گے، یاد رہے کہ اس کے خلاف میرا سخت اعتراض تھا''۔

برمی پارلیمنٹ ممبر جناب عبد الغفار صاحب نے اس تقریر کے دوران یہ بھی کہا تھا کہ:

''اگر مجموعی ارکان کو ایک علیحدہ مگھ ریاست بنا دیا گیا تو دریائے کلاڈان اور دریائے ناف تک کے درمیانی علاقے کو ایک مسلم اسٹیٹ کا درجہ دینا لازم ہے، جسے ریاست شمالی ارکان سے موسوم کرنا ہوگا، اس وقت مسلمانوں کی بقاء اور تحفظ ہوگا، ورنہ نہیں، اگر مجموعی ارکان کو ایک علیحدہ خود مختاری دی گئی تو تنازعہ بڑا سنگین ہوگا، ویسے کوئی خون ریزی ہوئی تو اس کی ذمے داری اونو پر عائد ہوگی۔

اور بعض لوگ روہنگیا لیڈروں پر یہ الزام لگاتے نہیں تھکتے کہ پھاسا پھالا ایف ٹی او(FTO) اور پھاسا پھالا اے بی پی او(ABPO) کے عہدے مسلمانوں کو دیے گئے ہیں، یہ عہدیداران اپنے مناصب کو غلط طور پر استعمال میں لا کر مجاہدین کی مدد کرتے ہیں، لیکن یہ ایک سفید جھوٹ ہے، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ ان تمام عہدوں پر مگھ ہی فائز ہیں۔

ہمیں اس بات کی قطعی طور پر اطلاع نہیں ہے کہ مجاہدین نے کسی بھی بودھ ٹیمپل کو تباہ کیا تھا، جب کہ بعض انتہاء پسند لیڈروں نے سازش سے کام لیتے ہوئے افواہیں پھیلائی ہیں، یوں فرقہ وارانہ اور عصبیت پسندانہ آگ سلگائی ہے، برمی حکومت سے میری شکایت ہے کہ وہ ان کو اس طرح کی جھوٹی افواہیں اڑانے کی اجازت کیوں دے رکھی ہے؟۔

اب ہم ۱۹۴۱ء اور ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کو صرف نظر کر کے اس سے پہلے کی جانے والی

۱۹۲۱ء کی مردم شماری پر نظر ڈالتے ہیں، اس مردم شماری کی رپورٹ میں ضلع اکیاب کی نو تحصیلوں میں مسلمانوں کی مجموعی آبادی ۲۰۸۹۶۱ / اور مگھوں کی مجموعی آبادی ۳۱۵۱۴۰ / بتائی گئی ہے، جب کہ یہ ایک قابل غور بات ہے کہ ظاہر ہے کہ بعض مسلمان ایک سے زیادہ شادیاں کرتے ہیں اور ان میں کم سنی میں شادیاں کرنے کا بھی رواج ہے، یوں نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ اس طرح مسلمانوں کی شرح پیدائش زیادہ ہوتی ہے، اور یہ بھی ایک قابل ذکر بات ہے کہ جو مسلمان ۱۹۴۲ء میں جان سے بچ گئے تھے انہوں نے منگڈو اور بوسیدنگ کے علاوہ بنگال کے علاقوں میں پناہ لی تھی، اور لاکھوں افراد یہاں سے بھی ہجرت کر گئے تھے''۔

بہر حال مسلمانوں میں سے ارکانی سیاست دان تو بہت گزرے ہیں لیکن ان تمام سیاست دانوں میں سے جناب عبد الغفار صاحب کی دلاویز شخصیت اور ان کے کارنامے بالکل منفرد اور نمایاں نظر آتے ہیں، آپ نے اپنی سیاسی زندگی میں جس ہمت اور بہادری کا مظاہرہ کیا تھا ایسی بہادری اور بلند حوصلگی کسی دوسرے کی ذات میں نہیں دیکھی جا رہی ہے، ماشاء اللہ آپ ایک ذہین وفطین ارکانی مسلم لیڈر تھے، جہاں تک اندازہ ہوا ہے کہ آپ کی قوت حافظہ بہت ہی مضبوط تھی، چنانچہ ۱۹۴۲ء کے قتل عام کے دوران ارکانی مسلمانوں کی درگت اور پریشان حالی کے حوالے سے آپ نے دار الحکومت رنگون میں پریس بریفنگ دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

''روہنگیا آبادی پر اندازہ لگانے کے لئے ۱۹۴۷ء اور ۱۹۵۶ء ووٹر لسٹ مفید ہو سکتی ہے، اور یہ ایک واقعہ ہے کہ ۱۹۴۲ء میں ارکان کے نو شہروں سے تین سو سات مسلم بستیاں اجھاڑ دی گئی تھیں جن کے اعداد و شمار یہ ہیں:

تعداد	مقامات	تعداد	بستیاں
۱	مرے بونگ	۳۰	بستیاں
۲	ممبیا	۲۷	بستیاں
۳	پکتو	۲۵	بستیاں

۴	مروہانگ	۵۸	بستیاں
۵	کیوکتو	۷۵	بستیاں
۶	راسیدنگ	۲۱	بستیاں
۷	پوناجونگ	۵	بستیاں
۸	بوسیدنگ	۵۵	بستیاں
۹	منگڈو	۸	بستیاں

یہ اعداد وشمارے حاضر کرتے ہوئے جناب عبدالغفار صاحب نے آگے فرمایا کہ:

''ان بستیوں میں سے صرف منگڈو اور بوسیدنگ کے سوا عدم تحفظ اور بدامنی کی وجہ سے دوبارہ کوئی بھی بستی نہیں بس سکی، سب سے افسوس کی بات یہ ہے کہ ان مسلمانوں کی جائدادوں پر مگھوں نے قبضہ کرلیا ہے، اب اتنے عرصے گزرجانے کے باوجود وہاں مسلمان دوبارہ آباد نہیں ہوسکے ہیں، اب بھی ان کی تمام جائدادوں پر مگھوں کا قبضہ ہے، وہ لوگ ان سے مفت فائدے اٹھارہے ہیں۔

اب ہم ان لیڈروں سے جن کی عادت ہی شور مچانا، واویلا کرنا، پروپیگنڈہ کرنا اورسازش کرنا ہوتی ہے سے پوچھتے ہیں کہ ۱۹۴۲ء میں اجاڑی گئی ان بستیوں کے مسلمان اب کہاں ہیں؟ ان لوگوں کی تمام جائدادوں پر کن لوگوں کے قبضے ہیں؟؟ دراصل واقعہ یہ ہے کہ یہ مگھ حضرات مگھوں کے ناجائز قبضے کو یقینی بنانا چاہتے ہیں، یوں انہوں نے مسلمانوں کو دوبارہ آباد کرنے کی مخالفت شروع کررکھی ہے۔

شاید حکومت یہی سوچ رہی ہے کہ روہنگیا مسلمانوں کو منگڈو سے ہٹا کر ان کے مقامات پر مگھوں کو آباد کردیا جائے، اگر حکومت کا ایسا خیال ہے تو ہم کہتے ہیں کہ حکومت غلطی پر ہے، اور وہ ایک ایسا اقدام کرنا چاہتی ہے تو یہ ایک مجرمانہ حرکت ہوگی، جس کی تلافی کبھی بھی نہیں ہوسکے گی''۔

جناب عبدالغفار صاحب کی پریس کانفرنس میں کی جانے والی تقریر بہت ہی طویل ہے، یوں ہم

نے جابجا سے چند اقتباسات یہاں پیش کئے ہیں، اس تقریر میں کچھ ایسی ایسی باتیں اور حقائق موجود ہیں جو ایک مورخ کے علاوہ بھی ارکانی مسلمانوں کے ماضی کے حالات سے آگہی چاہنے والوں کے لئے بہت ہی مفید ہوسکتے ہیں، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو عبدالغفار صاحب کے حالات اور کارناموں پر مشتمل ۱۹۶۰ء کا الکشن منشور۔

مذکورہ الکشن منشور میں جناب عبدالغفار صاحب نے قوم سے وعدہ کیا تھا کہ اگر آپ اس عام انتخابات میں کامیابی سے ہم کنار ہوسکیں گے تو درج ذیل امور پر کام کریں گے:

۱۔مجاہدین کو نابود کرنے کی کوشش کے ساتھ عوام کو ان کے مظالم سے نجات دلائیں گے۔

۲۔روہنگیا مسلمانوں کی ترجمانی کے لئے ایک برمیز اور دوسرا ایک اردو اخبار جاری کریں گے۔

۳۔ارکانی مسلمانوں کو''روہنگیا'' قوم تسلیم کرائیں گے۔

۴۔منگڈو، بوسیدنگ اور راسیدنگ پر مشتمل ایک علیحدہ ضلع منظور کرائیں گے۔

۵۔مجموعی ارکان کو ایک مگھ اسٹیٹ بنانے کے خلاف سخت احتجاج کریں گے۔

۶۔تمام شرپسندوں سے یہاں کے عوام کو نجات دلائیں گے۔

۷۔تمام روہنگیا گرفتارشدگان کو رہائی دلائیں گے۔

۸۔۱۹۴۹ءاور ۱۹۵۰ء کے دوران جو مسلمان پاکستان ہجرت کر گئے تھے ان کو اپنے آبائی وطن میں لاکر دوبارہ آباد کریں گے۔

۹۔ضلع اکیاب اور چوکپروسے ۱۹۴۲ء میں جو مسلمان ہجرت کر گئے تھے ان کو اپنی آبائی بستیوں میں لاکر دوبارہ بسائیں گے۔

۱۰۔ہر بستی میں پنچائیت قائم کریں گے اور جن کے ذریعے متنازعہ امور کو فیصلہ کرانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔

۱۱۔شہروں میں پنچائیتوں کے مراکز قائم کرکے ان کے ذریعے اہم معاملات کو فیصلہ کرائیں گے۔

۱۲۔مسلمانوں کے مابین جبریہ تعلیم کا اجراء کریں گے۔

۱۳۔منگڈو، بوسیدنگ اور راسیدنگ کے علاقوں میں وسیع پیمانے پر سرکاری اسکول قائم کریں گے۔

۱۴۔پندوفرانگ، سندی فرانگ، نکھورہ، شجاع فارہ، علی تانجو، مرنگلوا میں میڈل اسکول قائم کریں گے۔

۱۵۔منگڈ واور بوسیدنگ کے میڈل اسکولوں اور ہائی اسکولوں کو پختہ کر دیں گے۔

۱۶۔تنگ بازاراور بلی بازار میں ہائی اسکول قائم کریں گے۔

۱۷۔منگڈ و، بوسیدنگ، راسیدنگ اور کیوکتو سمیت دیگر مقامات میں پائے جانے والے عربی مدارس کو ایک ہی نصاب میں پروکرانہیں ایک ہی انجمن کے تحت کر دیں گے۔

۱۸۔صرف اکیاب سے جوتجارتی پارمٹ ملتی ہےاسے منسوخ کر کے تجارت کے لئےسہولیات پیدا کردیں گے۔

۱۹۔کاشتکاروں کومعقول امداد دے کرزراعت کوترقی اور فروغ دیں گے،اور نا قابل کاشت زمینوں کو سرکاری امداداور تعاون کے ذریعے قابل کاشت بنائیں گے۔

۲۰۔منگڈ واور بوسیدنگ میں ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں تک چاول لے جانے کے لئے جونا جائز پارمٹ سسٹم جاری کیا گیا ہےاسے منسوخ کرائیں گے۔

۲۱۔سرکاری اسکولوں میں جہاں مسلمانوں کے بچے زیر تعلیم ہیں وہاں اسلامی تعلیم کابندوبست کردیں گے۔

۲۲۔مسلمانوں کو مذہبی تعلیم کی طرف رغبت دلائیں گےاور مذہبی حقوق کی حفاظت کریں گے۔

۲۳۔ بوسیدنگ کی شہید شدہ جامسجد کودوبارہ تعمیر کریں گے۔

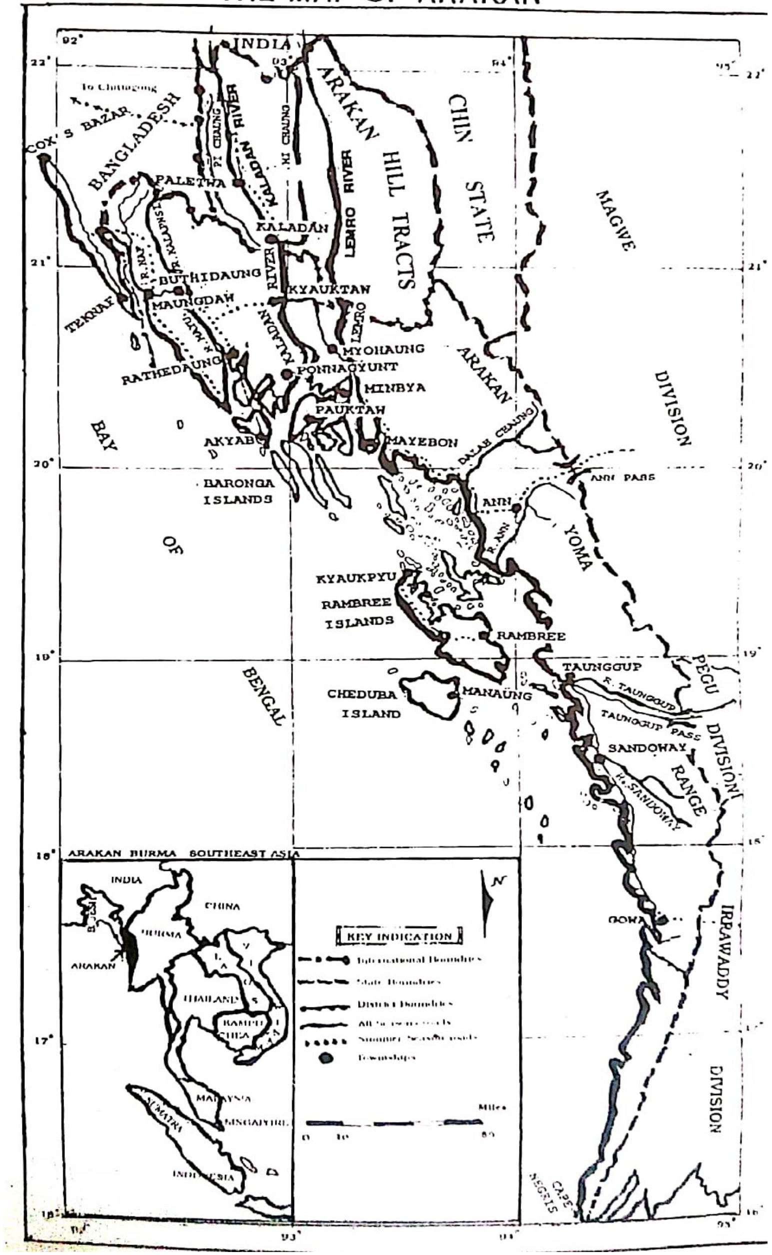
۲۴۔منگڈ واور بوسیدنگ کےمسلمانوں کی آمدورفت کی سہولت کے لئےایک ہوائی اڈہ کی تعمیر کی کوشش کریں گے۔

۲۵۔منگڈ واور بوسیدنگ کی داخلی سڑکوں کی تعمیر کروائیں گے۔

شک نہیں ہے کہ جناب عبدالغفار صاحب ایک عالم دین ہونے کے علاوہ ایک دل دردمند اور فکر ارجمند کے مالک روہنگیا مسلم لیڈراور دانشور تھے،آپ کے مزاج میں سختی اور ترشی بالکل نہیں تھی، بڑے بردباراور حلیم الطبع انسان تھے، دین داری، دیانت وامانت داری، خدا ترسی کے ساتھ قومی ہمدردی آپ کی ذات میں رسی بسی تھی، اللہ تعالی نے آپ کی ذات میں اعتدال اور انصاف پسندی کی صفات کوٹ کوٹ کر بھر دی تھیں، اوراس میں بھی کوئی شک نہیں کہ آپ ایک شریف ونجیب انسان ہونے کے ساتھ قوم کے حالات پر بڑے متفکر بزرگ تھے، اللہ تعالی آپ کے مرتبہ کو بلند فرمائے، آمین۔

☆☆☆

THE MAP OF ARAKAN



جناب ماسٹر عمرہ میاں صاحب شقدارفاروی،

صدرریاست اسلامیٔ ارکان، ورہنماوسیاسی لیڈروقائد:

جناب عمرہ میاں بن فرحت علی صاحب ایک اطلاع کے مطابق ۱۸۹۰ء میں شقدارفارامنگڈو میں پیدا ہوئے، آپ کے والد مرحوم فرحت علی صاحب قوم کے ایک دردمند ہونے کے علاوہ ایک دیندار اور پرہیزگار بزرگ تھے، ہرکسی کو مصیبت کی حالت میں آسرا دینا گویا ان کا شیوہ تھا، ان کی زندگی عبادت الٰہی اور انسانوں کی بھلائی اور خیرخواہی میں گزرگئی تھی، کہتے ہیں کہ جناب فرحت علی صاحب کفروضلالت کے خلاف ایک توحید خالص کے داعی بزرگ تھے۔

جناب عمرہ میاں صاحب کی ابتدائی تعلیم منگڈو میں ہوئی اور متوسطہ وثانویہ کی تعلیم اکیاب میں، اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں بنگال کا سفر کیا اور ڈھاکہ یونیورسیٹی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی، دوران تعلیم مسلم لیگی انداز سیاست سے وابستہ ہوگئے تھے، اور ہرکہیں مسلمانوں کی فلاح اور بہبودی کے لئے عموما اور ارکانی مسلمانوں کی کامرانی کے لئے خصوصا کوشاں اور سرگرداں تھے، یوں برصغیر کے ساتھ ارکان اور برما کی جنگ آزادی میں شامل ہوئے تھے۔

فراغت تعلیم کے بعد آپ وطن واپس آئے اور منگڈو کے بریٹش سرکاری اسکول میں استاد مقرر ہوئے تھے، کہتے ہیں کہ آپ شقدارفارہ ہائی اسکول میں عرصۂ درازتک استاد رہنے بعد میں رنگون گئے، وہاں انگلو برمن ہائی اسکول آف بوٹا ٹاؤنگ میں استاد مقرر ہوئے تھے، جہاں آپ نے ریاضی اور فلسفہ کے موضوعات پر پڑھاتے رہے تھے، جناب انجینئر عبدالوحید صاحب شجاع فاروی (جوآپ کے نامور شاگرد ہیں) کے بیان کے مطابق یہاں جناب عمرہ میاں صاحب نے بحیثیت استاد بڑا ہی نام پیدا کیا تھا اور تلامذہ کی آنکھوں کا تارہ بنے ہوئے تھے۔

۱۹۴۱ء کے آواخر میں جناب عمرہ میاں صاحب منگڈو چلے آئے اور قومی وملی سیاست سے پوری طرح وابستہ ہوگئے تھے، چوں کہ قوم کو آپ پر بڑا اعتماد تھا، اور ارکانی سیاست دانوں کی بھی نظریں آپ پر جمی ہوئی تھیں، یوں آپ نے قوم کو ایک ہی پلیٹ فارم میں جمع کرنے کی خاصی کوشش کی تھی۔

۱۹۴۲ء کے قتل عام کے دوران جناب عمرہ میاں صاحب نے قوم کی ایسی ایسی خدمات کیں جو

سنہرے قلم سے لکھے جانے کی قابل ہیں، روہنگیا قوم کو ایک خطرناک حالات سے بچانے کی جوتگ ودو آپ کی طرف سے ہوئی یہ کبھی بھی بھلائی جانے والی چیز نہیں ہے، جنوبی مشرقی ارکان میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا تو آپ نے شمالی مغربی ارکان کے مسلمانوں کو مگھ برمی ظلم وعدوان کے خلاف اکٹھا کیا اور دشمنوں کو ایسا سبق سکھایا کہ اسے ان کی نسلیں بھی نہیں بھلا سکیں گی۔

۱۹۴۳ء میں شمالی مغربی ارکان کو آزاد کرنے کے بعد جناب عمرہ صاحب ''پیس کمیٹی'' نامی انجمن کے صدر بنے، ساتھ ہی ساتھ آپ نے یہاں اسلامی ریاست کی بنیاد ڈالی، جس کے آپ صدر منتخب ہوئے تھے، آپ نے یہاں اسلامی نظام کی ترتیب کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا تھا، اور جناب ماسٹر ظہیر الدین بی اے علیگ کے تعاون سے عدلیہ کو مضبوط سے مضبوط ترین کرنے کی ہر امکانی کوشش کی تھی، جس میں آپ کسی قدر کامیاب رہے تھے۔

۱۹۴۵ء میں عالمی جنگ دوم کے اختتام پر برطانوی حکومت یہاں دوبارہ آگئی تو پہلے پہل اس کو ارکان اور یہاں کی اسلامی حکومت سے واسطہ پڑا تھا، پیس کمیٹی نے اس کی راہ روکی تو برطانوی حکومت نے ایک چال چلتے ہوئے یہاں کی اسلامی حکومت کو اپنے حق میں منوانے کی کوشش کی، اور ایک معاہدہ پر دستخط کیا تھا، اس معاہدہ پر ایک طرف صدر اسلامی مملکت ارکان جناب عمرہ میاں صاحب کا دستخط تو دوسری طرف برطانوی فیلڈ کمانڈر مسٹر فلپ کا دستخط تھا، جس میں دیگر باتوں کے ساتھ یہ بھی لکھا گیا تھا کہ منگڈو، بوسیدنگ اور راسیدنگ کے علاقہ جات پر مشتمل بنام ''مسلم ایریا'' یہاں ارکانی مسلمانوں کی حکومت رہے گی، جس میں یہاں کے مسلمان حکمرانی کے فرائض انجام دیں گے، البتہ یہ الگ بات ہے کہ برطانوی سامراجی حکومت نے بعد میں اس وعدہ کی کلی طور پر خلاف ورزی کرتے ہوئے اس معاہدہ کو کالعدم کردیا تھا۔

پیس کمیٹی کی صدارت کے زمانے میں جناب عمرہ میاں صاحب نے ارکانی مسلمانوں کو ایک مضبوط اور قانونی خطوط پر ڈالنے کی بڑی کوشش کی تھی اور یہاں کے پڑھے لکھے مسلمانوں کو حکومت اور حکمرانی کے اصول وضوابط سے آشنا کرنے کی جدوجہد میں کوئی بھی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

۱۹۴۶ء میں جناب عمرہ صاحب نے برطانوی حکومت کے ماتحتی افسر کی حیثیت سے مسلمانان ارکان کی

خدمات انجام دیں، لیکن ۱۹۴۷ء میں جب آپ نے دیکھا کہ یہاں کے مسلمانوں کے لئے جہاد کے علاوہ کوئی بھی راستہ بچا نہیں ہے، تو آپ بھی محمد جعفر حسین قوال کی زیر قیادت اٹھنے والی تحریک ''جہاد کونسل'' میں شامل ہو گئے تھے، جس میں آپ ہر حال میں سرپرست اعلی تھے ہی پھر کبھی نائب صدر اور کبھی قائم مقام صدر جب کہ کبھی صدر کی حیثیت سے فریضے انجام دیتے رہے تھے، (ان سارے حقائق کی تفصیلات راقم کی حقیر کاوش ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی پس منظر میں'' میں دیکھی جاسکتی ہیں)۔

۱۹۵۰ء میں محمد جعفر حسین قوال کی شہادت کے کچھ دن بعد عمرہ میاں صاحب جہاد کونسل سے مستعفی ہو گئے، اس کے بعد آپ مستقل طور پر جنوبی مشرقی چاٹگام کے معروف علاقہ پدوا (ساتکانیہ) میں مقیم ہو گئے تھے، جہاں آپ کا انتقال ہو گیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

☆☆☆

جناب ظہیر الدین شجاع فاروی (بی اے بی ٹی علیگ)
چیف جسٹس آف ارکان، ورہنمائے قومی وملی:

جناب ظہیر الدین بی اے بی ٹی (علیگ) کا خاندان چودھویں صدی عیسوی میں غور (افغانستان) سے ہندوستان ہوتے ہوئے بنگال پہنچا اور پندرھویں صدی عیسوی میں ارکان جا بسا تھا، یہاں اس خاندان کے بزرگوں نے ارکانی مسلمانوں کی دینی، روحانی اور ثقافتی خدمات کے علی الرغم فکری اور سیاسی خدمات بھی انجام دی تھیں۔

سترھویں صدی عیسوی کے اواخر میں ارکان کے مگھوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک بڑے پیمانے پر فتنہ وفساد کا آغاز کیا، اس کی دیگر وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ۱۶۶۶ء میں مغلیہ حکومت نے چاٹگام کا پورا علاقہ مگھوں سے چھین لیا تھا، اس فساد کے زمانے میں بھی تقریبا چالیس سالوں تک جناب ظہیر الدین صاحب کے خاندان کے بزرگوں نے ارکانی مسلمانوں کی دینی، علمی، سیاسی اور فکری رہنمائی کی تھی، لیکن اس کے بعد ارکانی مگھوں کی آئے دن بڑھتی ہوئی شرارت سے تنگ آ کر یہ خاندان سمیت مسلمانوں کی ایک بھاری تعداد نے جنوبی چاٹگام میں پناہ لی تھی، یہاں مغلیہ حکومت کے منصب دار نے ان کو بسانے میں کافی تعاون کیا تھا، ویسے جناب ظہیر الدین صاحب کا گھرانہ یا خاندان ساتکانہ کے معروف علاقہ پدوا میں سکونت پذیر ہو گیا تھا۔

یہاں ایک بات قابل تذکرہ ہے کہ اسی مذکورہ زمانے میں جن ارکانی مسلمانوں نے جنوبی چاٹگام کے بعض علاقہ جات میں پناہ لی تھی، اور جن کو یہاں کی مقامی زبان میں ''روہائی'' یا ''روائی'' کہا جاتا ہے وہ دراصل ارکان کے روہنگیا مسلمان ہیں، جن کی اکثریت مرور زمانے میں چاٹگامیوں سے گھل مل گئی ہے، لیکن جبھی ارکان پر برطانیہ کا قبضہ ہوا تو اگرچہ ان مسلمانوں کی ایک بھاری اکثریت ارکان یعنی اپنے وطن چلی گئی تھی تاہم ان میں سے کچھ یہاں کے علاقہ جات میں رہ بھی گئے تھے، لیکن جناب ظہیر الدین صاحب کا گھرانہ ارکان میں واپس جا کر اپنے آبائی علاقہ بستی شجاع فارہ منگڈو میں دوبارہ آباد ہو گیا تھا، اس حوالے سے ظہیر الدین صاحب خود لکھتے ہیں کہ:

''میرے خاندان والے تعلیم یافتہ اور صوفی منش تھے، انہیں اپنی اولاد کو تعلیم دینے کی ضرورت تھی، لیکن حکومت کی طرف سے ان پناہ گزینوں کو تعلیم دینے کا کوئی بندوبست نہیں تھا، اس لئے انہیں خود اپنی اولاد کی تعلیم کا بندوبست کرنا پڑا، بندوبست بھی پناہ گزینوں کی شایان شان تھا، جو دلچسپی سے خالی نہیں ہے، خاندان کے بڑے افراد کھیت میں کام کرنے جاتے، اور بچے خاندانی پنجگانہ میں پڑھتے تھے، کچھ دیر بعد کوئی بزرگ آتے اور ان نوعمروں کو جو سبق یاد کر چکے ہوتے اگلا سبق دیتے تھے، پھر وہ کھیت چلے جاتے تھے، تھوڑی دیر بعد کوئی اور بزرگ آتے اور دوسروں کو سبق دے کر چلے جاتے تھے، اس طرح سلسلہ وار نوعمروں کو سبق ملتا تھا، ان سخت جان صوفیوں نے جہاں اپنی آمد اور خرچ کے توازن کو ٹھیک رکھا وہیں اپنی اولاد کی تعلیم کا بار بھی خود سنبھالا، بعد میں ارکان جب انگریزوں کے قبضے میں آیا اور بنگال کا ایک حصہ بنا تو میرے خاندان کے بزرگ وہیں گئے، کوئی مدرسوں کے استاد بنے اور کوئی کوئی جامع مسجد کے امام بن کر زندگی گزارنے لگے، میرے والد مرحوم نے ارکان میں سکونت اختیار کر لی، جہاں میری پیدائش ہوئی، والد مرحوم نے ارکان میں چاٹگامی بولنے والوں میں اردو کی تعلیم نہایت کامیابی سے پھیلائی، جو آگے چل کر جنگ عظیم دوم میں ارکانی مسلمانوں کی ثابت قدمی کی باعث بنی تھی''۔ ''ملاحظہ ہو: ''زبان مشرقی بنگال وارکان'' از ظہیر الدین بی اے بی ٹی علیگ)

جہاں تک معلوم ہوا ہے کہ جناب ظہیر الدین صاحب کے خاندان کے بزرگوں نے تصوف سے لولگا رکھا تھا، ساتکانیہ کی معروف بستی مرزا کیل میں ایک خانقاہ آباد ہے، اس خانقاہ کے سلسلہ کو سلسلۂ ابوالعلائیہ چشتیہ جہانگیریہ کہا جاتا ہے، مزامیر، قوالی، سماع وسجدۂ تعظیمی کے علاوہ فقہ میں اس سلسلہ کے بزرگان دین امت کے مسلم فقہ سے اختلاف رکھتے ہیں، تو جناب ظہیر الدین صاحب اور آپ کے خاندان کے لوگ اس سلسلہ سے نسبت رکھتے تھے، میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آں جناب کا چھوٹا بھائی جناب انجینئر عبدالوحید صاحب اس سلسلہ کا حالیہ سجادہ نشین شیخ کمال

صاحب کا مرید تھے، اور خود جناب ظہیر الدین صاحب نے اپنی بعض تحریروں کے علاوہ مذکورہ تصنیف میں اس سلسلہ کے بزرگوں کی مدح سرائی کی ہے، اور خود بھی اپنے آپ کو صوفی کہنے کہلانے میں مسرت کا اظہار کرتے تھے۔

جناب ظہیر الدین صاحب کی پیدائش ۱۱؍دسمبر؍۱۹۰۸ء میں شجاع فارہ منگڈو میں ہوئی، آپ کے والد حضرت مولانا صوفی عبدالحکیم صاحب ایک جلیل القدر عالم دین اور صاحب ثروت سخی تھے، اور آپ کے بڑے بھائی صوفی ڈپٹی فیاض الدین احمد صاحب بی اے علیگ ایک قابل قدر قومی رہنما اور تعلیمی امور کے ماہر انسان تھے، یاد رہے کہ آپ کی والدہ بوسیدنگ والی تھی۔

جناب ظہیر الدین صاحب کی تاریخ پیدائش کے متعلق ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) سے شائع شدہ میگزین ۲۰۰۰ء میں لکھا گیا ہے کہ آپ کے سن پیدائش ۱۹۱۰ء ہے، لیکن یہاں کالم نگار کو تسامح ہو گیا ہے، کیوں کہ آپ نے اپنی ایک خاص ذاتی ڈائری جو ۱۹۳۷ء میں رنگون اور مانڈلائی میں لکھی تھی میں صراحت سے لکھا ہے کہ آپ کی تاریخ پیدائش ۱۱؍دسمبر؍۱۹۰۸ء ہے، چنانچہ آپ رقم طراز ہیں کہ:

''آج میری پیدائش کا دن ہے، ۱۱؍دسمبر؍۱۹۰۸ء کو میری ولادت ہوئی، آج میری عمر انتیس سال ختم کل سے تیسواں سال شروع ہونے والا ہے، دن بدن طبیعت اداس سے اداس تر ہوتی جارہی ہے، کچھ دنوں کے بعد میری عمر تیس سال ہو جائے گی، زیادہ سے زیادہ اور بیس سال رہنا ہے، ذریعۂ آمدنی بالکل نہیں ہے، اور ہونے کی امید بھی نہیں، میں دنیا نہیں بنا سکا، پر آخرت کی خبر خدا کو معلوم ہے، مولوی صاحبوں سے لے کر مولانا اشرف علی صاحب قبلہ تک اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ میں ایک روحانی مریض ہوں، جب دنیا سے مایوس ہو چکا ہوں تو کیا بہتر نہیں ہوگا کہ روح کا معالجہ کراؤں؟ گھر بار چھوڑ کر پہاڑوں کا راستہ لوں، وہاں روح کا معالجہ بھی ہوگا اور اس برباد شدہ زندگی سے نجات بھی مل جائے گی، کوئی درندہ شاید مجھے خودکشی سے بچالے گا، ادھر میرے ساتھ پڑھے لکھے لوگ ہزاروں روپیہ کمارہے ہیں، اور میں دوسرے کے ٹکڑے پر زندگی گزار رہا ہوں''۔

جناب ظہیر الدین صاحب کی ابتدائی تعلیم شجاع فارہ منگڈو اور متوسط کی تعلیم ڈھاکہ بنگلا دیش میں ہوئی، آپ نے اعلی تعلیم کے لئے ہندوستان کا سفر کیا اور علی گڑھ یونیورسیٹی سے بی اے اور بی ٹی (BA.BT) کی ڈگریاں حاصل کر کے وطن واپس آئے، اس کے بعد آپ رنگون گئے اور ایک برمی استاد سے با ضابطہ طور پر برمی زبان سیکھی، آپ نے اپنی مذکورہ ڈائری میں اپنے سسر کے نام بھیجے جانے والے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

''میں آج کل آپ جیسے پر بوجھ ہو گیا ہوں، اسی طرح بھائی صاحب (ڈپٹی فیاض الدین فیضیؔ) پر بوجھ ہوتا آیا تھا، ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۸ء تک تقریبا سات سال کے دوران میری تعلیم پر والد مرحوم روحی فداہ نے پانچ چھ ہزار روپیہ خرچ کر ڈلا، پھر ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۱ء تک میں نے نوابوں کے بچوں کو پڑھا کر اور خود وظیفہ حاصل کر کے اپنی پڑھائی جاری رکھی، صرف وظیفے کی رقم حساب کی جائے گی تو ایک ہزار روپیہ سے زیادہ بنتی ہے، وسط ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۶ء تک میں اپنے بڑے بھائی فیضی صاحب پر بوجھ بنے رہا تھا، اس عرصے میں انہوں نے میرے ذمہ اندازا ڈیڑھ ہزار روپیہ صرف کر ڈالا، اور کبھی اف تک نہیں کیا''۔

جناب ظہیر الدین صاحب نے پڑھائی ختم کر کے تقریبا ۱۹۳۷ء میں رنگون کی راہ لی تھی، وہاں نوکری حاصل کرنے کے لئے رشوت کی ضرورت تھی، اس لئے آپ نے سسر کے پاس خط بھیجا تھا کہ روپیہ بھیج دیں، تاکہ رشوت دے کر سہی ایک نوکری مل جائے، لیکن سسر صاحب کے انکار پر آپ کو بڑا دکھ ہوا، یوں نوکری بھی نہیں ہو سکی تھی۔

اسی زمانے میں جناب عمرہ میاں صاحب بھی رنگون میں موجود تھے، جو ایک اسکول کے استاد تھے، ۴/جون/۱۹۳۷ء میں جناب ظہیر الدین صاحب نے عمرہ میاں صاحب کو سلیکٹ کمیٹی ممبر او شان شوے سے سفارش کرنے کی درخواست کی (یاد رہے کہ شان شوے جناب عمرہ میاں صاحب کو اپنا استاد مانتے تھے) آپ کی سفارش کرنے پر بھی جناب ظہیر الدین صاحب کو نوکری نہیں دی گئی تھی۔

جہاں تک معلوم ہوا ہے کہ اسی زمانے میں جناب عمرہ میاں صاحب باوجود ایک سرکاری اسکول کے استاد ہونے کے بڑے تنگ دست تھے، ایک واقعہ ایسا پیش آیا تھا کہ جناب ظہیر الدین صاحب کے پاس کہیں سے کچھ پیسے آئے تو ان میں سے پچیس روپیہ جناب عمرہ صاحب نے قرض لیا، وعدہ یہی تھا کہ ۲۵/مئی/۱۹۳۷ء کو واپس کر دیا جائے گا، مقررہ تاریخ پر جناب ظہیر الدین صاحب عمرہ میاں صاحب کے پاس گئے تو پندرہ روپیہ تو واپس کیا اور بقیہ دس روپیہ چار جولائی کو دینے کا وعدہ کیا تھا، اور فرمایا کہ ۳/جولائی کو تنخواہ ملے گی تو دس روپیے واپس کر دیے جائیں گے، اب ۴/جولائی کو ظہیر الدین صاحب پیسہ لینے پہنچے تو عمرہ صاحب بستر پر ایسے لیٹے ہوئے تھے کہ گویا گہری نیند کی حالت میں ہیں، اس حوالے سے جناب ظہیر الدین صاحب لکھتے ہیں کہ:

''میں دوبارہ ۱۲/جولائی/۱۹۳۷ء کو جناب عمرہ صاحب (BA) کے پاس روپیہ لینے گیا تھا، لیکن وہ رہائش گاہ پر نہیں تھے، ان جیسے کو روپیہ قرض میں دے کر میں نے بڑی غلطی کی تھی، مجھے کسی سے بھی مدد اور ہمدردی نہیں ملی، لیکن میں اپنے آپ کو تکلیف میں ڈال کر ہمیشہ دوسروں کو تعاون کرتا رہا تھا، جس کو بھی کبھی تعاون کیا گیا وہ مجھے بھول جاتا ہے، لوگ پیسے تو کماتے ہیں لیکن دوسروں کے پیسے واپس نہیں کرتے، آج کل میں بہت تکلیف میں ہوں، ان لوگوں پر مہربانی کرنے کی پاداش میں سسر محترم بھی مجھ سے بد دل ہو چکے ہیں، یوں مزید روپیہ نہیں بھیجتے، یہ لوگ بھی قرض واپس نہیں کرتے ہیں، حالاں کہ ان کے پاس پیسے موجود ہیں، تو بہ میں آئندہ ایسی غلطی کبھی بھی نہیں کروں گا''۔

یاد رہے کہ میں یہاں ان دونوں عظماء کے مابین ہونے والے نجی معاملات کو لکھ کر کسی کی مدح سرائی اور کسی کی توہین نہیں کر رہا ہوں، ظاہر ہے کہ یہ دونوں آپس میں دوست تھے، بس یہاں ان دونوں کی آپس کی دوستی کا تذکرہ میرا مقصد ہے، باوجودیکہ سیاسی میدان میں بعد میں ان دونوں کے مابین تناؤ اور خاصی رسہ کشی ہو گئی تھی، لیکن شک نہیں ہے کہ دونوں آپس میں گہرے دوست تھے، یہ تو بڑے بڑوں کی بات ہے، ان کی نجی زندگی کے معاملات کے متعلق کچھ لکھ کر ان کو یاد کرنا مقصد ہے۔

جناب ظہیر الدین صاحب خاصے ایک دینی خیال کے انسان تھے، کمیونزم اور مارکس ازم سے آپ کو شدید نفرت تھی، اس حوالے سے رنگون میں ایک واقعہ یوں پیش آیا کہ بروز اتوار ۶/جون/۱۹۳۷ء کو آپ کے پاس ایک دعوت نامہ آیا، جس میں لکھا گیا کہ دوپہر کو او ماؤنگ ماؤنگ کے باغ میں وزیر برائے امور تعلیم اوٹونگ اؤ نگ جیا کی زیر صدارت ایک جلسہ ہونے والا ہے، جس میں تمام ارکانی رہنماء اور لیڈروں کو بلایا گیا ہے، جہاں کارل مارکس کا تعارف کرایا جائے گا، اب دوپہر سے قبل جناب ماسٹر عمرہ میاں اور ماسٹر محمد لقمان فقیرہ بازاری (اسی زمانے میں آپ زینت الاسلام ہائی اسکول رنگون کے استاد تھے) بشمول چھ سات ارکانیوں کے جناب ظہیر الدین صاحب کی رہائش گاہ آئے اور آپ کو ان کے ساتھ اس اجلاس کو جانے کی درخواست کی، ان کی درخواست پر آپ وہاں گئے تھے، کھانے سے فراغت کے بعد وہاں کافی گفتگو ہوئی، جس میں جناب ظہیر الدین صاحب نے کارل مارکس اور اس کے نظریات کے خلاف کافی باتیں کیں، جس کی وجہ سے حالات خراب ہو گئے تھے، آپ کے اس سلسلے کے دیگر بیانات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو کارل ماکس سے شدید نفرت تھی۔

اس زمانے میں رنگون سے ایک روزنامہ ''مجاہد برما'' نکلتا تھا، جس کا ایڈیٹر ایک ہندوستانی نژاد ادیب وقلم کار مسٹر زمان معروف بہ دمدار صاحب تھے، جناب ایڈیٹر صاحب نے جناب ظہیر الدین صاحب کو اس اخبار میں کام کرنے کی دعوت دی تو آپ نے اس دعوت کو قبول کیا، آپ کے ذمے یہ کام تھا کہ انگریزی اور برمی زبانوں میں نکلنے والے اخبارات، مقالات اور خبرناموں سے ضروری چیزیں اردو میں ترجمہ کر کے مجاہد برما کی زینت بنائیں، آپ نے کام شروع کیا، لیکن اس دوران جناب ظہیر الدین صاحب کا ایک مضمون ہفتہ وار ''فاروق'' میں چھپ نکلا تو دمدار صاحب آپ پر خفا ہو گئے اور کہا کہ جناب ظہیر صاحب! تمہارے اندر کافی خامیاں ہیں، اگر تم ان کی تلافی فوراً نہ کرلو گے تو تمہیں میرے کام سے دستبردار ہونا پڑے گا، اب جناب ظہیر الدین صاحب نے یوں جواب دیا کہ جناب من! میں خود جانتا ہوں کہ میں خامیوں کا ایک پتلی ہوں، لیکن بتا تو دیجئے کہ میرے اندر وہ کون سی خامیاں ہیں جو آپ کو اتنی ستا رہی ہیں؟ اس کے بعد آپ نے اس روزنامہ سے مستعفی ہو کر ان ایڈیٹر

صاحب کے خلاف ایک مضمون ''جدید مجاہدانہ زندگی'' لکھا تھا، لیکن بعض دوستوں، خیر اندیشوں کے علاوہ ''فاروق'' کے ایڈیٹر صاحب کی گزارش پر آپ نے اسے منظر عام پر لانے سے گریز کیا، اس کے بعد آپ چند مہینے ''فاروق'' میں مضامین لکھتے رہے تھے، اس دوران اور ایک اردو اخبار ''شیر'' سے بھی آپ کا تعلق رہا، جس میں آپ نے ایک مضمون لکھا تھا، جس کا عنوان تھا ''برما میں بین الملی شادیاں'' جو بہت ہی پسند کیا گیا تھا، بعد میں یہ مضمون ''فاروق'' نے بھی چھاپ کر منظر عام پر لایا تھا۔

ظہیر الدین صاحب رنگون کے سفر کے دوران ۱۹۳۷ء میں ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کے حوالے سے مختلف شخصیات سے مشورے اور تبادلۂ خیالات کرتے رہے تھے، جن میں حضرت مولانا سعید علی، ماسٹر عمرہ میاں اور ماسٹر محمد لقمان فقیرہ بازاری صاحبان ناقابل فراموش ہیں، ساتھ ہی ساتھ رنگون سے نکلنے والے اردو اخبارات میں مضامین بھی لکھتے رہے تھے

جناب ظہیر الدین صاحب نے رنگون کے سفر کے دوران قانون بھی پڑھنا شروع کردیا تھا، لیکن امتحان میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے، جس سے آپ کو بڑی ذہنی تکلیف پہنچی تھی، اس کے بعد آپ نے وطن لوٹنے کا فیصلہ کیا، اسی زمانے میں برما اسٹیم نیوی کمپنی کا اسٹیمر ''جلا گوپال'' رنگون سے اکیاب آتا جاتا تھا، چنانچہ آپ بذریعۂ اس اسٹیمر ۱۰/آگست/۱۹۳۷ء کو اکیاب آگئے تھے، یہاں آپ کی ملاقات ڈپٹی عبد الغفار صاحب رنگیا دنگی سے ہوئی تو آپ نے ڈپٹی صاحب سے ایک اسکول ٹیچری کے لئے سفارش کرائی، لیکن اس میں بھی آپ کو کامیابی نہیں ملی، اس کے بعد آپ بوسیدنگ آگئے، بوسیدنگ میں آپ کی اہلیہ میکے میں رہتی تھی، آپ کی آمد پر آپ کی والدہ محترمہ بھی بوسیدنگ آئیں اور بڑی خوش ہوئی تھیں۔

۱۸/آگست/۱۹۳۷ء کو آپ مع اہلیہ اور والدہ منگڈو چلے آئے، یہاں پچھلے دنوں ایک ہنگامہ ہوا تھا، واقعہ یہ تھا کہ منگڈو کے بازار میں مگھ شرپسندوں نے کچھ شرارت کی تھی، مگھ لونڈوں نے بازار کو لوٹنا چاہا تو مسلمانوں نے منگڈو بازار کے مقابلے میں نلبنیہ میں ایک متبادل بازار بسالیا تھا، جس کی وجہ سے منگڈو کا بازار ماند پڑ گیا تھا، جس پر ایک مقدمہ دائر ہو گیا تھا، اس حوالے سے جناب ظہیر الدین صاحب نے اپنی مذکورہ ڈائری میں یہ لکھا ہے کہ:

''مقدمہ باز امیر حمزہ اور دودومیاں (حبانز باپ) نے علبنیہ بازار کے متعلق مقدمہ کے بارے میں اپنے اپنے تاثرات بیان کئے، گزشتہ موسم گرما میں منگڈو بازار میں حاجی قاسم علی، کالو بلی اور مولوی فضل الرحمن کو مگھوں نے پیٹا تھا، اس پر مسلمانوں نے متحد ہو کر منگڈو کے بازار میں آنا ترک کر دیا اور بستی علبنیہ میں پل کے قریب ایک نئے بازار کی بنیاد ڈالی، جس کی وجہ سے منگڈو کا بازار اجڑ گیا، حکومت وقت نے بھی مگھوں کا ساتھ دیا اور اس نئے بازار کو منتشر کرنے کے لئے حیلے تراشے، لوگوں کو سبز باغ دکھانا شروع کیا، لیکن مسلمان ان کی سازش میں پھنسنے والے نہیں تھے، اس حوالے سے چند مسلمان لیڈروں پر الزام لگایا گیا کہ انہوں نے یہاں بد امنی پھیلا رکھی ہے، چنانچہ ان کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا گیا، اب حکومت مسلمانوں کو ہر طرح سے تنگ کر رہی ہے، حالات ایسے ہو گئے کہ مسلمانان منگڈو مگھ اور حکومت کے خلاف اعلان جنگ پر تلے ہوئے ہیں''۔

جناب ظہیر الدین صاحب کی بعض تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی اہلیہ اور سسرال والوں سے بڑے پریشان تھے، آپ کی ڈائری کا ایک معتد بہ حصہ اپنی اہلیہ اور سسرال والوں کی شکایات پر صرف ہوا ہے، آپ کے ازدواجی تعلقات کی طول طویل داستان سے صرف نظر ایک بات کا تذکرہ کر دیتا ہوں، جس سے آپ کی ازدواجی زندگی کے ساتھ سرزمین ارکان کے ایک مایۂ ناز عالم دین اور دنیا کا ایک آٹھواں عجوبہ حضرت مولانا عبد الستار صاحب رنگابالوی کی زندگی کی جھلک آسکتی ہے، چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ:

''آج بروز منگل مورخہ ۵/اکتوبر/۱۹۳۷ء کو مولانا عبد الستار صاحب تشریف لائے اور چائے پی کر چلے گئے ہیں، آپ کچھ مجذوب سے لگتے ہیں، یا ممکن ہے کہ میری طرح گھرانہ تعلقات سے برگشتہ خاطر ہیں، اسی لئے مسافرت کے دن گزار رہے ہیں''۔

بات ۱۹۳۷ء کی تھی، جناب ظہیر الدین صاحب اپنی مذکورہ ڈائری میں ارکان میں مگھوں کی

شرارت پر تفصیلی تبصرہ کیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ ۱۹۴۲ء کے قتل عام سے پہلی والی باتیں ہیں، منگڈو، بوسیدنگ اور راسیدنگ کے علاوہ بھی ارکان بھر میں مگھ شر پسند مسلمانوں کے خلاف دندناتے پھرتے تھے، دراصل بات یہ ہے کہ ارکانی مگھوں کا وحشیانہ پن ایک تاریخی چیز ہے، اس میں کمی بیشی ہر زمانے میں ہوتی آئی ہے، جو تاریخ کے ریکارڈ میں موجود ہے۔

۱۹۳۷ء میں جناب ظہیر الدین صاحب منگڈو میں مقیم تھے، کبھی کبھار بوسیدنگ کو بذریعۂ سائکل جایا کرتے تھے، ان دنوں آپ کی کوشش ایک انگریزی اسکول کی تاسیس پر صرف ہو رہی تھی، اس سلسلے میں آپ بذریعۂ سائکل منگڈو سے بوسیدنگ کو چند مرتبہ گئے تھے، آپ منگڈو و بوسیدنگ کو ملانے والی سڑک کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''ابھی منگڈو کو بوسیدنگ سے ملانے والے راستہ کی مرمت چل رہی ہے، بس ایک انگریز ہزاروں کی تعداد میں کام کرنے والے مسلمان مزدوروں کی نگرانی کر رہا ہے، ایک طرف اس سے تکلیف ہو رہی تو دوسری طرف راستے پر ہر جگہ پتھر پڑے ہوئے تھے، ایک جگہ میرا سائکل پتھروں کے ڈھیر پر چڑھ دوڑا تو میں گر گیا اور سر پر چوٹ لگی، جس سے بڑی تکلیف پہنچی ہے''۔

۱۹۳۷ء کے اواخر میں جناب ظہیر الدین صاحب نے بلی بازار، فقیرہ بازار، صاحب بازار اور تنگ بازار وغیرہ مقامات کا تفصیلی دورہ کیا، مقصد یہ تھا کہ ان علاقہ جات میں انگریزی اور اردو اسکولوں میں اضافہ کیا جائے، اس تنگ ودو میں آپ نے یہاں کے بڑے بڑوں سے ملاقاتیں کیں، اور ان کے ساتھ تبادلۂ خیال کیا، جن میں سے ماسٹر عظیم الدین فقیرہ بازاری، ماسٹر ابوالفیض، ماسٹر زاہد حسین، ماسٹر خلیل الرحمن اور عبد الکریم رواسوگری کا تذکرہ آپ نے اپنی ڈائری میں کیا ہے، اس سلسلے میں آپ نے فقیرہ بازار کے مقام پر ایک اجلاس بلایا، جس میں قوم کی علمی، ثقافتی، معاشی، معاشرتی اور فکری ترقی کے موضوع پر گفتگو کی گئی تھی، جہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ جناب ظہیر الدین صاحب اس زمانے میں قوم کے حالات پر کافی فکر مند تھے، بطور خاص مگھوں کے آئے دن بڑھتے ہوئے مظالم کے ساتھ برطانوی حکومت کی طرف سے ارکانی مسلمانوں کے معاملات سے عدم دلچسپی آپ کو بڑی حد تک

ستاتی رہی تھی، بہرحال اس دورے کے متعلق آپ لکھتے ہیں کہ:

''آج بروز جمعہ ۲۹ را کتوبر ر ۱۹۳۷ء کی صبح سویرے جناب امام حسین صاحب کی رفاقت میں میں عبدالعزیز کے پاس گیا، آپ نینو با سابستی میں احمد میاں رواسوگری کے ایک خالی مکان میں مقیم ہیں، جمعہ کے وقت مولوی واعظ الدین صاحب اسکول منیجر سے ملاقات ہوئی، آپ ماسٹر لقمان صاحب کے سسر ہیں، بعد نماز جمعہ لوگ تھامنچہ کے اسکول میں جمع ہوئے، جس میں ایک انجمن کی ضرورت کا اظہار کیا گیا، میں نے حکومت کے مظالم پر روشنی ڈالی، بعد میں اس اجلاس میں ''انجمن اسلامیہ صاحب بازار'' کے نام سے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی گئی، جس کی اغراض ومقاصد میں یہ بھی تھے کی (۱) اشاعت دین اسلام (۲) تبلیغی اتحاد (۳) اقتصادی اور معاشی ومعاشرتی اصلاح (۴) ترویج اور فروغ تجارت (۵) انسداد رسومات قبیحہ (۶) قومی مشکلات اور مصائب کی استیصال (۷) ایک بیت المال کا قیام۔ اس اجلاس میں مذکورہ ساری قردادیں منظور ہوئیں، یہاں اس حوالے سے جناب عبدالخالق چوہدری نامی ایک نوجوان کو کافی سرگرم اور جوشیلا دیکھا گیا، میں نے ان علاقہ جات کے مسلم رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں اور مسلم رہنماؤں کو قومی وملی ذمے داریوں کا احساس دلایا، یہاں مسلمانوں کی ترقی اور خوش حالی پر زور دیا گیا''۔

جناب ظہیرالدین صاحب اس دورے سے واپس آئے تو سیدنگ سے ایک دعوت آئی، یوں آپ یکم رمضان المبارک ۵ رنومبر ر ۱۹۳۷ء کو بوسیدنگ پہنچے، جہاں آپ نے ایک اجلاس سے خطاب کیا، جس میں ''انجمن اشاعت اسلام بوسیدنگ'' کی خوب اشاعت کی گئی تھی، چوں کہ آپ پر ایک الزام یہ بھی تھا کہ آپ اپنی تقریروں میں مسلمانوں کو مگھ، برما اور انگریزوں کے خلاف بھڑکاتے اور مشتعل کرتے رہتے ہیں، اس لئے آپ کو اپنے اس خطاب میں سنبھل سنبھل کر باتیں کرنی پڑی تھیں۔

جناب ظہیرالدین صاحب ۱۲ رنومبر ر ۱۹۳۷ء کو اکیاب گئے، یہاں آپ نے تجارت میں اترنے کی بڑی کوشش کی، لیکن کام نہیں ہو پایا، اس کے بعد آپ نے ماندلائی جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

جناب ظہیرالدین صاحب رنگون سے ہوتے ہوئے ۱۲ ردسمبر ر ۱۹۳۷ء کو ماندلائی پہنچے، یہاں آپ کو ''مسلم نیشنل انسٹی ٹیوٹ'' میں بحیثیت استاد نوکری ملی، اور ساتھ ہی ساتھ آپ نے ایک انگریز صوبے دار (سکنڈ بر مارائفل) کی ایک لڑکی اور لڑکا کو پڑھانا بھی شروع کیا تھا، اس سے پہلے ان دونوں کو آپ کے بڑے بھائی جناب فیاض الدین فیضی صاحب پڑھایا کرتے تھے، جو اکیاب منتقل ہو چکے تھے، جناب ظہیرالدین صاحب نے اس انگریز صوبے دار کی مدد سے ایک تنظیم بنام ''بنگالی مسلم ایسوسی ایشن'' کی بنیاد رکھی، جس میں آپ روح رواں تھے۔

جناب ظہیرالدین صاحب کی اس مذکورہ ڈائری میں بہت ساری مفید چیزیں پائی جاتی ہیں، آپ نے اس میں ارکان، رنگون اور ماندلائی کے مسلمانوں کے دینی، مذہبی، علمی، ثقافتی، سماجی، معاشرتی، سیاسی، فکری اور معاشی حالات کو بڑی خوبی سے لکھا ہے، اور ساتھ ساتھ اس زمانے کے ارکان اور برما کے بعض سرکردہ مسلم لیڈروں اور جانی مانی شخصیات کے حالات زندگی پر بھی روشنی ڈالی ہے، اس ڈائری سے مجھے اس زمانے کے بعض مسلم رہنماؤں کے حالات سے آگہی ملی ہے، واقعہ یہ ہے کہ آپ کی یہ انمول ڈائری اس زمانے کی روداد پر مشتمل ایک قابل قدر دستاویز ہے۔

جناب ظہیرالدین صاحب کو ماندلائی میں دیگر علمی اور سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ ذاتی مطالعہ پر زور دیتے ہوئے دیکھا گیا ہے، آپ نے اپنی ذاتی مطالعہ سے ایک خاصی لائبریری اپنے دماغ میں اتار لی تھی، آپ کے بیان سے جہاں تک معلوم ہوا کہ سماجیات، جغرافیہ، تاریخ اور لسانیات سے آپ کی دل چسپی رہی تھی، ان میں بھی تاریخ اور لسانیات آپ کا خاص موضوع رہا تھا، ماندلائی کے دوران قیام آپ نے وہاں پائے جانے والے آثار قدیمہ سے خاصی دل چسپی لی تھی، صرف آثار قدیمہ کے متعلق آپ کی مذکورہ اس ڈائری میں پائی جانے والی تحریریں کو یک جا کر دیا جائے تو اس موضوع کے متعلق ایک خوب صورت کتابچہ سامنے آسکتا ہے، آپ کا انداز بیان بڑا برجستہ اور لکھنے کا ملکہ بھی آپ کو اللہ تعالی کی طرف سے ملا ہوا تھا۔

جناب ظہیرالدین صاحب حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیت علمائے ہند کے بڑے مداح تھے، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۳۸ء میں رنگون اور ماندلائی کا دورہ کیا اور

۲۵ / مارچ / ۱۹۳۸ء کو ماندلائی کی سورتی مسجد میں آپ نے ایک زوردار خطاب بھی کیا تھا، جسے سننے کے لئے جناب ظہیر الدین صاحب بھی وہاں گئے تھے، اس حوالے سے آپ لکھتے ہیں کہ:

''جبھی معلوم ہوا کہ صدر جمعیت علمائے ہند حضرت مولانا مفتی کفات اللہ صاحب ماندلائی کی سورتی مسجد میں خطاب کریں گے، میں وہاں پہنچا، آپ کے وعظ یوں تو مذہبی قسم کا تھا، لیکن آپ نے قرآن حکیم کی بعض آیات سے نکات بیان کرنے کے دوران سائنس اور فلسفہ کے حوالے سے وہی نکات بیان فرمائے جو میرے خیالات کے عین موافق تھے، یوں دن ساڑھے تین بجے آپ کا وعظ ختم ہوگیا تھا، رنگون کے مشہور شاعر جناب انجم صاحب حضرت مفتی صاحب کے چہیتے تھے، جناب انجم صاحب ایک بڑے شاعر ہونے کے ساتھ ایک منجھے ہوئے صحافی بھی تھے، ''مجاہد برما'' نامی اخبار سے جڑے ہوئے تھے، ۱۹۳۸ء کے اس روز آپ ماندلائی میں اخبار کی اشاعت کے سلسلے میں آئے ہوئے تھے۔ اگرچہ اس اخبار کے ایڈیٹر صاحب سے میں سخت نالاں تھا، لیکن میں نے جناب انجم صاحب کا بھرپور تعاون کیا تھا''۔

ظہیر صاحب کی ڈائری سے معلوم ہوا کہ ۱۹۳۸ء کے دوران منگڈو جمعیت علماء کے جنرل سکریٹری مولانا محمد نعیم صاحب تھے، آپ مولانا کو بہت ہی پسند کرتے تھے، ہمیشہ ان دونوں کے مابین خط وکتابت جاری تھی، آپ نے اس زمانے میں جمعیت علماء کی طرف سے کی جانے والی کوششوں کو بہت اچھے الفاظ میں سراہا، اور بطور خاص مولانا نعیم صاحب کو عقیدت کا گلدستہ پیش کیا، تاہم افسوس ہے کہ کوشش کے باوجود مولانا کے حالات آج تک معلوم نہیں ہوسکے۔

جناب ظہیر الدین صاحب کے دوستوں میں ایک عبد الحکیم ظفر بھی تھے، آپ کی ڈائری سے معلوم ہوا ہے کہ جناب ظفر صاحب اردو کے بڑے شاعر تھے، آپس کی شناسائی کے متعلق معلوم ہوا کہ ایک دن ظہیر الدین صاحب سے کہیں ظفر صاحب کی ملاقات ہوگئی تھی، اس سے پہلے ظفر صاحب ظہیر الدین صاحب کے بعض مقالات اخباروں میں پڑھ چکے تھے، اور اسی طرح ظہیر الدین صاحب نے

بھی ظفر صاحب کا ایک نظم ''برما مسلم'' پڑھ چکے تھے، ایڈیٹر نے اس نظم میں اصلاح کی تو ظفر صاحب نالاں ہوگئے تھے، اور بولا کہ ایڈیٹر صاحب کو میرے نظم میں اصلاح کرنے کا کوئی حق نہیں تھا، اس کے جواب میں جناب ظہیر الدین صاحب نے فرمایا کہ یہی تو اہل زبان کہنے کہلانے والوں کی کمزوری ہے، یہ لوگ دوسروں کی عبارت کو غلط خیال کرتے رہتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظفر صاحب اردو کے اہل زبان میں سے نہیں تھے، واللہ اعلم۔

جون / ۱۹۳۸ء میں جناب ظہیر الدین صاحب نے مسٹر قمر الدین بے اے علیگ کے تعاون سے ان مسلم بچوں کو جو غیر مسلم اسکولوں میں زیر تعلیم تھے وہاں سے نکال کر ''مسلم نیشنل انسٹی ٹیوٹ'' میں داخل کرانے کی کوشش کی تھی، اس حوالے سے آپ کو خاصی کامیابی ملی تھی، آپ نے بنگالی اور زیربادی نامی مسلم بچوں کو اسی ادارہ میں داخل کرواکے بڑا احسان کیا تھا، جس سے دین کی بڑی حفاظت ہوئی تھی، اس سلسلے میں آپ لکھتے ہیں کہ:

''اس وقت کرسچن مشنریوں کی ساری توجہ کارین سمیت دوسری جنگلی قبائل کی طرف تھی، ان کی کوشش یہی تھی کہ کسی بھی حیلے بہانے سے ان کو عیسائی بنایا جائے''۔

آپ کے اس بیان سے سمجھنا آسان ہے کہ آپ بڑے حساس اور حاذق انسان تھے، اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے بڑے کوشاں بھی، اللہ تعالی آپ کی اس کوشش کو قبول فرمائے۔

جناب ظہیر الدین صاحب نے اپنی ڈائری میں اس وقت منڈلائی میں ہونے والے قومی فسادات کا تذکرہ بھی کیا ہے، جہاں تک معلوم ہوا ہے کہ ۱۹۳۸ء کے دوران منڈلائی شہر میں جو قومی فسادات رونما ہوئے ان میں صرف اور صرف برمی بودھ بھکشوؤں کے ہاتھ تھے، شرپسند تقریبا سب کے سب بودھ بھکشو تھے، بھکشوؤں نے مسلمانوں کے گھروں کو لوٹا، سینکڑوں مسلمانوں کو شہید کردیا، مسلم خواتین کی آبروریزی کی، بہتوں مساجد شہید کی گئیں اور درجنوں دینی مدرسوں کو تہ وبالا کردیا گیا تھا، ڈائری کا ایک بڑا حصہ ان فسادات کی تفصیلات میں صرف کیا گیا ہے، اگر ان کو ایک جا جمع کردیا جائے تو اس زمانے کے حالات اور برمی شرپسند بھکشوؤں کی شرارت پر مشتمل دستاویزات محفوظ ہوسکتی ہیں۔

اس ڈائری کے آخری حصے میں جناب سلطان محمود صاحب اکیابی مرحوم (سابق وفاقی وزیر برائے امور صحت) کے متعلق ایک واقعہ ملتا ہے، چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ:

"کونسل میں جس روز سلطان محمود اکیابی اور اوساؤ اور اوباموکے درمیان کشمکش ہوئی اسی روز اوباتھی نے سلطان محمود صاحب کی بڑی بےعزتی کی تھی، چوں کہ یہ کونسل کے اندرونی معاملہ تھا، اس لئے سلطان محمود نے انتقام لئے بغیر صدر کونسل سے شکایت کی تھی، صدر کونسل او چیت لائن کے استفسار پر اوباتھی نے اسے بےاحترامی کے ساتھ جواب دیا تھا، اور اوباموکی جماعت نے صدر سے اپیل کی کہ وہ اس معاملہ کی تحقیق کے لئے ایک آزاد کمیشن کی تشکیل دیں، لیکن حزب اختلاف نے کہا کہ آزاد کمیشن کی تشکیل کے بجائے اس معاملہ کی تحقیق خود صدر کونسل کے ہاتھ میں رہے، اور اوباموکی جماعت نے بالآخر اس پر اتفاق کرلیا تھا، صدر نے معاملہ کی تحقیق کی اور اوباتھی کو بھری مجلس میں جناب سلطان محمود صاحب سے معافی مانگنے کا حکم دیا تھا، اب اوباتھی نے بھری مجلس میں ان الفاظ کے ساتھ معافی مانگی کہ "مجھ سے ایک بڑا جرم سرزد ہوا، میں صدر صاحب کے حکم پر جناب سلطان محمود صاحب سے اس بھری محفل میں معافی کا خواستگار ہوں"۔

جناب ظہیر الدین صاحب کی یہ ڈائری ایک عجیب قسم کی ڈائری ہے، اس میں کبھی اپنے حالات سناتے ہیں اور کبھی ملک وملت کی داستان، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ کے انداز تحریر بڑا شوخ اور نرالا ہے، کبھی سفرنامہ لکھتے اور کبھی کبھار رومانی قسم کی باتیں لکھتے ہیں، آپ اردو کے ادیب تھے، اردو بامحاورہ لکھتے جاتے تھے، جس میں برجستگی اور بےساختگی نمایاں ہے، اگر اس ڈائری کی ایک سفرنامہ کے انداز میں ترتیب دی جائے تو ایک اچھا سفرنامہ معرض وجود میں آجائے گا، اس ڈائری میں کہیں کہیں انگریزی اور برمی زبان بھی نظر آتی ہے، میں آپ کی انگریزی اور برمیز سے تو مستفید بہت کم ہوسکا لیکن اردو سے جتنا بھی مستفید ہوسکا اس پر اتنا کہنا بالکل بجا ہوگا کہ آپ ایک جہاں دیدہ

سیاست دان تھے، اور لسانیات اور سماجیات پر بھی آپ کو کافی عبور حاصل تھا۔

جنگ عظیم دوم کے دوران ۱۹۴۲ میں ارکان میں وہ المناک حادثہ ہوا تھا، جس کا تذکرہ ہمارے ریکارڈ میں پائے جاتے ہیں، جناب ظہیر الدین صاحب اس دوران برما سے ارکان تشریف لائے تھے، اور ارکانی مجاہدین کی رہنمائی کی تھی، بعد ازاں شمالی مغربی ارکان میں ایک اسلامی جمہوریہ کی بنیاد پڑی تو اس میں ایک "انجمن اسلامی عدالت" کی تشکیل ہوئی، جس میں آپ حاکم اعلی مقرر ہوئے تھے، ۱۹۴۵ء میں برطانوی حکومت دوبارہ یہاں آئی تو آپ کو حراست میں لیا گیا تھا، جس کی قدرے تفصیلات خود آپ ہی کے بیان سے سنئے:

"عرض ہے کہ میری ابتدائی تعلیم ارکان میں، ثانویہ کی تعلیم ڈھاکہ اور اعلی تعلیم علی گڑھ میں ہوئی، میں ۱۹۴۱ء تک ملک برما کے انگریزی اسکولوں میں مدرسی کرتا رہا، جنگ عظیم دوم کے دوران میں نے ۱۹۴۲ء کی شروع میں شمالی ارکان میں اسلامی جمہوریہ کی بنیاد ڈالی، اور اس جمہوریہ کے ساتھ مسلمانان ارکان کو انگریزوں اور جاپانیوں کی مسلح ٹکر سے محفوظ رکھا، جاپانیوں نے میری خدمات کو سراہا، لیکن ۱۹۴۳ء میں جب انگریز دوبارہ یہاں آئے تو انہوں نے مجھے دہلی لے جاکر لال قلعہ میں بند کردیا، اور اسی کے ساتھ اسلامی جمہوریہ کو بھی ختم کردیا، جون ر ۱۹۴۵ء میں مجھے قید فرنگ سے رہائی ملی تو میں ۱۹۴۸ء تک رنگپور میں ارکانی مہاجرین کی خدمت کرتا رہا تھا، اس دوران حکومت برما نے اردو کو برما سے خارج کردیا، میں نے اردو کی حمایت میں انگریزی میں چند مقالات لکھے، جن کے اردو ترجمے اس کتاب "زبان مشرقی بنگال وارکان" میں دیے جارہے ہیں، ۱۹۴۸ء کی ابتدا میں برمیوں کو آزادی ملی اور اسی سال کے آواخر میں مجھے وہاں (ارکان) سے ہجرت کرکے چاٹگام آنا پڑا"۔

۱۹۴۸ء میں محمد جعفر حسین قوال کی قیادت میں تحریک مجاہدین کی بنیاد پڑی تو جناب ظہیر الدین صاحب نے اس کی بھرپور حمایت کرتے ہوئے اس میں شامل ہوگئے، لیکن جناب محمد جعفر حسین کی شہادت

۱۹۵۰ء کے بعد آپ اس سے مستعفی ہو گئے تھے، اس کے بعد آپ نے محمد ابوالقاسم راجا کے گروپ میں شمولیت اختیار کی، جس میں آپ نے نمایاں خدمات انجام دی تھیں، محمد قاسم راجا نے ۱۹۵۱ء میں علی تانجو کے مقام پر ہزاروں مسلمانوں کو جمع کیا تھا، اور ''ارکان مسلم کانفرس'' کی بنیاد رکھی تھی، جس میں صالح احمد فقیروی صدر اور جناب ظہیر الدین بی اے علیگ سکریٹری جنرل مقرر ہوئے تھے، اس کانفرس کی منظور شدہ قرارداد کے بطور جناب ظہیر الدین صاحب نے انگریزی میں ایک رسالہ بنام ''نسل کشی بند کرو'' لکھا ہے، جو میرے سامنے اب بھی موجود ہے، اس رسالہ سے پتہ چلا کہ آپ انگریزی کے ادیب ہونے کے ساتھ ایک منجھے ہوئے مبصر سیاست دان تھے، اس رسالہ میں مسلم اسٹیٹ کے لئے زوردار مطالبہ کیا گیا، اور برمی حکام کو ارکان کے مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرنے کی اپیل کی گئی تھی، یاد رہے کہ اس سے قبل جہاد کونسل اور انجمن مہاجرین ارکان وغیرہ کا بھی یہی مطالبہ تھا کہ شمالی مغربی ارکان کو ایک علیحدہ مسلم اسٹیٹ تسلیم کر کے ارکانی مسلمانوں کو مگھ برمی مظالم سے نجات دی جائے۔

اگرچہ جناب ظہیر الدین صاحب قاسمی پارٹی سے بعض وجوہات کی وجہ سے مستعفی ہو گئے تھے، لیکن ۱۹۶۱ء میں جناب صالح احمد صاحب کی قیادت میں چلنے والی جماعت ''جہاد کونسل'' میں شامل ہوئے گئے تھے، یہاں آپ نے بڑی بڑی خدمات انجام دی تھیں، جن کا اجمال میری دیگر تحریریں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد سے جناب ظہیر الدین صاحب نے مختلف اردو اور انگریزی اخبارات اور بعض مجلّات میں ارکان کے مسائل پر مختلف مضامین اور مقالات لکھے ہیں، یہ سارے مقالات اور مضامین تو میری نظر سے نہیں گزرے، تاہم آپ نے اردو کی حمایت میں ایک کتابچہ ''زبان مشرقی بنگال و ارکان'' لکھا ہے، جس کا ایک نسخہ میرے سامنے ہے، یہ ارکان اور حالیہ بنگلا دیش کی تاریخ کے حوالے سے ایک اچھی خاصی دستاویز ہے، اس میں آپ نے بنگال اور ارکان کی زبان کے حوالے سے خاصی تحقیقی چیزیں لکھ چھوڑی ہیں، سرزمین ارکان میں بیسویں صدی کی دوسری دہائیوں سے ایک کشمکش زبان کے معاملہ میں چل رہی تھی، ارکان کے کچھ لیڈران جن میں مرحوم زین العابدین بی اے صاحب پیش پیش تھے کی خواہش یہی تھی ارکانی مسلمان اردو کو چھوڑ کر سرکاری طور پر انگریزی اور برمیز کو اپنالیں، لیکن جناب ظہیر الدین اور آپ کے ہم خیال وہم نواؤں کی چاہت یہی تھی کہ ارکانی مسلمان سرکاری طور

پر اردو کو اپنا کر اسے قومی زبان بنالیں، شاید مذکورہ رسالہ آپ نے اسی وقت تصنیف کی ہو کہ جب مسٹر زین الدین نے اپنے موقف کی حمایت میں ایک بیان دیا تھا، جس کا خلاصہ یہاں نقل کیا جارہا ہے:

''میرا ہمیشہ یہی خیال رہا ہے کہ جو لوگ برمی نیشنل کہلانا چاہتے ہیں، ان کے لئے ضروری ہے کہ دوسری زبانوں کو چھوڑ کر برمی زبان میں تعلیم حاصل کریں، متعدد اور مختلف نسلوں اور مذہبوں کے پیروکاروں کو متحد کرنے میں ایک مشترکہ زبان ہی ممد اور معاون ثابت ہوسکتی ہے، کیوں کہ مشترکہ زبان کے ذریعے ایک نسل کے لوگ دوسری نسل کی رسم ورواج اور آداب واخلاق کے اختلافات کو سمجھ سکتے ہیں، اور باہمی عزت و احترام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اس طرح ایک پردیسی زبان شکوک وشبہات کو جنم دیتی ہے، اور مختلف فرقوں کے درمیان اختلافات کے خلیجوں کو وسیع کر دیتی ہے، میرے اس ایقان کے ماتحت میں نے ۱۹۲۱ء میں اردو کو خارج کر کے اس کی جگہ برمی کو رائج کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا، اگر اس وقت میری بات مان لی گئی ہوتی تو ۱۹۴۲ء کا فرقہ وارانہ فساد پیدا ہی نہیں ہوتا، جس میں ہزاروں آدمی قتل کئے گئے، گھر بار لٹے گئے، اور لوگوں کو مفلس اور قلاش بنایا گیا، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حکومت نے میری نقطۂ نظر کی تائید کی تھی، لیکن خود غرض لوگوں کی رہبری میں شمالی ارکان والوں نے میری شدید مخالفت کی، یہاں تک کہ حکومت نے اسلامی تعلیم کے مروجہ نظام میں مداخلت نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا، اب میں جہاں کہیں گیا لوگوں کو برمی زبان کے بیحد شائق پایا، یہ تبدیلی دیکھ کر میرے سرور و انبساط کی کوئی حد نہیں رہی، یہ تبدیلی دیر میں ہوئی ہے، لیکن چوں کہ یہ ایک بہتر اور مفید تبدیلی ہے اس لئے میں سفارش کرتا ہوں کہ ان لوگوں کو امکان بھر تعاون کیا جائے، تاکہ وہ اس اسکیم کے مطابق تعلیمی کارروائیاں کامیابی کے ساتھ کر سکیں''۔

مسٹر زین العابدین عرف زین الدین کے مرقومہ بیان کے جواب میں جناب ظہیر الدین صاحب نے اردو کی حمایت میں ایک تفصیلی مقالہ لکھا، جس میں مسٹر زین الدین پر کڑی تنقید کی گئی تھی، آپ نے اپنے دلائل اور براہین سے یہ ثابت کر دیا کہ ارکان کے مسلمان طلباء کے لئے برمی

زبان کے مقابلے میں اردو ہی بہتر ہے، اور اردو زبان کا حصول ان کے دینی، مذہبی، ایمانی اور وطنی مفاد کے لئے بے حد ضروری ہے، صرف یہی نہیں بلکہ پاکستان بننے کے بعد مشرقی پاکستان والوں کی اردو زبان پر عدم حمایت اور بنگالی زبان کی حمایت پر بھی آپ نے شدید تنقید کی ہے، اور بنگال والوں کو مشورہ دیا کہ بنگالی زبان کو چھوڑ کر وہ بھی اردو کو اپنالیں، لیکن ان دونوں ملکوں کے حوالے سے آپ نے جو خواب دیکھا تھا وہ ظاہر ہے کہ شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکا، آپ کی یہ کوشش ایک دانشمندانہ کوشش تھی یا نہیں یہ تو تاریخ ہی فیصلہ کرے گی، لیکن آپ کی یہ کوشش جو اردو کی شکل میں قرآنی رسم الخط کی حمایت میں رہی تھی، وہ ایک زندہ جاوید دستاویزی کوشش ہے، اس سے جہاں تک پتہ چلا کہ قرآنی رسم الخط جو مسلمانوں کے ایک بین الاقوامی رسم الخط ہے، اس کی حمایت دراصل جناب ظہیر الدین صاحب کی فرزانگی کی دلیل ہے۔

۱۹۷۱ء کے آگے پیچھے جناب ظہیر الدین صاحب چاٹگام کے مختلف سرکاری اسکولوں میں پڑھاتے رہے تھے، آپ کے متعلق مجھے اپنے ایک بزرگ نے ۱۹۴۳ء کا ایک واقعہ بتایا کہ آپ بوسیدنگ بازار میں کسی ایک دکان کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے، ادھر سے کسی جاپانی افسر نے ایک بنگالی کو اس الزام میں پکڑا کہ وہ برطانویوں کا جاسوس ہے، دراں حالیکہ ظہیر الدین صاحب جاپانیوں کے حامی تھے، اب بنگالی پکڑا گیا تو اس نے جان بچانے کی خاطر کہا کہ میں بےقصور ہوں میرا کسی قسم کا تعلق انگریزوں سے نہیں ہے، مجھے جناب ظہیر صاحب اچھی طرح جانتے ہیں، اب جاپانی افسر نے اس کو آپ کے پاس لایا اور کہا کہ جناب من! آپ اس کو جانتے ہیں؟ تو آپ نے اس کی طرف دیکھے بغیر فوراً کہہ دیا کہ ہاں میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں، وہ بےقصور ہے، بس آپ کی اتنی سی بات پر اس بنگالی مسلمان کی جان بچ گئی، پھر ۱۹۷۳ء کے بعد ایک روز ظہیر صاحب چاٹگام میں کسی ایک دوست کے یہاں حصول قرض کے لئے گئے اور ناکام ہو کے اپنی رہائش گاہ واپس آرہے تھے، راستہ چوک بازار کا تھا، یکایک ایک شخص نے آپ کو دھکہ لگایا تو آپ گر گئے، لیکن آپ اس دھکہ دینے والے کی طرف دیکھے بغیر اٹھے اور چل دیئے تھے، چند دن بعد آپ اس زمانے میں جس اسکول میں پڑھاتے تھے وہاں آپ کے نام ایک لفافہ آیا، جس میں پانچ سوٹاکے کے ساتھ بھیجنے والے کا پتہ

تھا، آپ نے پیسے تو لے لیا لیکن ہزار دماغ خرچی کے باوجود بھیجنے والے کو نہیں پہنچان پا رہا تھا، یوں اگلے چند دن کے بعد آپ اس پتے کے مطابق پیسے بھیجنے والے کے مکان پہنچے تو آپ کی بڑی اوبھگت ہوئی، لیکن اب بھی اسے پہنچان نہیں پا رہے تھے، اور پہنچانے بھی کیسے کہ آپ ظاہر ہے کہ اس کی طرف دیکھے بھی نہیں تھے، اس شخص نے آپ کو اچھی طرح کھلایا پلایا، اور دو چار دن اپنے پاس رکھا، یوں مہمان نوازی میں کسی قسم کی کسر نہیں چھوڑی، آپ نے اسے جاننے پہنچاننے کی بڑی کوشش کی لیکن وہ اپنے تعارف یا حال بیان کرنے سے گریز کرتا رہا، دو چار دن کی مہمان نوازی کے بعد مزید تحائف کے ساتھ اس نے بتایا کہ جناب من! آپ نے میری جان بچائی تھی، حالانکہ آپ نہ مجھے جانتے تھے اور نہ اس دن میری طرف دیکھے تھے، بس صرف ایک مسلمان ہونے کے ناطے آپ نے میری جان بچائی تھی، جب کہ میں حکومت برطانیہ کا ایک مخبر تھا، آج کل میں بنگلادیش میں ایک اعلی منصب پر فائز ہوں، اور مزید بتایا کہ میں نے چوک بازار کے راستے پر آپ کو پہنچان کر دھکہ دیا تھا لیکن آپ نے میری طرف نظر نہیں اٹھائی تھی، پھر میں نے آپ کا پیچھا کیا، اور آپ کے اسکول جاکر پرنسپل سے آپ کا حال پوچھا، یوں آپ کی پریشان حالی سن کر آپ کے لئے پانچ سوٹاکے بھیجے تھے۔

یاد رہے کہ جناب ظہیر الدین صاحب ۱۹۴۷ء کو شملہ کانفرس میں شرکت کے لئے ایک وفد کی قیادت کرتے ہوئے شملہ پہنچے تھے، وہاں مسائل ارکان کے حوالے سے آپ نے قائداعظم مسٹر محمد علی جناح سے ملاقات کی، اور عرض کی تھی کہ ارکان بھی تو ایک مسلم اکثریتی علاقہ ہے، کیوں نہ اس سرزمین کو پاکستان کے ساتھ الحاق کیا جائے، چوں کہ اس وقت بہت سے مسلم لیگیوں کی طرح ارکانی مسلم لیڈروں کا خیال تھا کہ مسلم اکثریتی علاقہ ہونے کی وجہ سے ارکان کو بھی پاکستان کے ساتھ الحاق کیا جائے گا، لیکن مسٹر محمد علی جناح کے اس جواب نے کہ ''برما ۱۹۳۶ء سے ہندوستان سے ایک علیحدہ ملک بنا ہوا ہے، میں آپ حضرات کو بس اتنی سی بات بتا دیتا ہوں کہ آپ حضرات ارکان کے حوالے سے رنگون جائیں، ارکان کے مسائل وہاں جاکر حل کر لیں'' ظاہر ہے کہ ارکانیوں کا یہ وفد نامراد واپس آیا تھا۔

جناب ظہیر الدین صاحب ایک دین دار اور خدا ترس انسان تھے،تصوف سے آپ کو خاصی دل چسپی تھی، آپ مرزا کیل والے حضرت شمس العارفین کے مرید خاص تھے،آپ نے ۱۹۸۲ء میں چاٹگام میں انتقال کیا،اناللہ وانا الیہ راجعون،اللہ تعالی آپ کے مراتب بلند فرمائے،آمین۔

☆☆☆

جناب ماسٹر سلطان احمد صاحب خائندہ فاروی، سیاسی رہنما و مفکر (معروف بہ جناح سلطان)

جناب سلطان احمد بن مولانا سعید علی صاحب ۱۸۹۸ء میں مشرقی منگڈو کی معروف بستی خائندہ فارہ میں پیدا ہوئے ،آپ کے والد ایک بڑے پائے کے عالم، داعی، عابد وفقیہ ہونے کے علاوہ ایک زمیندار انسان تھے اور والدہ بھی بعض لوگوں کے بیان کے مطابق عابدہ و پارسا خاتون تھی،شاید ان والدین کی تربیت کا نتیجہ ہو کہ جناب سلطان احمد صاحب بھی ایک دین دار،تقوی شعار اور قوم وملت کے بڑے خادم انسان ہو پائے تھے۔

جناب سلطان احمد صاحب کی ابتدائی تعلیم بستی کے مکتب کے ساتھ اپنے بزرگ والد صاحب کے ہاتھ میں ہوئی، بعد میں منگڈو کے ہائی اسکول سے مٹرک تک کی تعلیم پائی، چوں کہ آپ نے اردو میڈیم اسکول میں تعلیم پائی تھی اس لئے اردو گو یا کہ آپ کی اپنی زبان بن چکی تھی، آپ مرزا اسد اللہ خان غالب، داغ دہلوی، ذوق دہلوی اور مولانا الطاف حسین حالی کے علاوہ علامہ اقبال مرحوم کے بڑے شیدائی تھے، آپ تیز وطرار ہونے کے ساتھ بڑے حاضر جواب بزرگ تھے، سیاسیات اور تاریخ آپ کا خاص موضوع تھا، نیک اور پرہیز گار علمائے کرام کو بہت ہی پسند کرتے تھے،لیکن بعض تند مزاج، حدڈھرم، ناعاقبت اندیش اور ناسمت شناس علماء نما حضرات پر کڑی تنقید بھی کیا کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ اگر علمائے کرام بیدار ہو جائیں تو قوم کی قیادت ان کے ہاتھ میں ہو سکتی ہے، جو وقت کی ضرورت بھی ہے اور مطالبہ بھی۔

جناب سلطان احمد صاحب نے ۱۹۴۲ء کے قتل عام کے دوران قوم کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں، ظالموں کے خلاف آواز اٹھانے اور جہاد کرنے کے لئے علاقے کے لوگوں کو تیار کیا تھا، خود بھی جہاد کیا اور دوسروں کو جہاد کی طرف دعوت دی تھی، بعد میں مسلمانوں کو جنگ آزادی میں حصہ لینے کے لئے بھی تیار کیا اور آواز اٹھائی کہ ارکانی مسلمانوں کو آزادی ملنی چاہئے۔

۱۹۴۵ء کے بعد آپ نے جب یہ دیکھا کہ مسلمانان ارکان کو دھوکے کے جال میں پھنسایا جا چکا ہے، تو آپ نے اندر ہی اندر میں مسلمانان ارکان کو جہاد کے لئے تیار کیا، پھر ۱۹۴۷ء میں جب محمد

جعفر حسین قوال کی قیادت میں مجاہدین آزادی جہاد کے لئے تیار ہو گئے تو آپ بھی اپنے رفقاء سمیت جہاد کونسل میں شامل ہو گئے، یہاں آپ کو نائب صدارت کا عہدہ سونپا گیا تھا۔

میدان جہاد میں آپ کی خدمات اور بڑے بڑے کارناموں کی داستان سننے میں آئی، آپ پاکستانی سرحدی سکیوریٹی افواج پر بڑے نالاں تھے، آپ کے مطابق مشرقی پاکستان کی سرحد کے رکھوالے بڑے ناسمت شناس اور بدطینت تھے، اور کہتے تھے سرحد کے ان رکھوالوں نے پاکستان بننے بنانے کا مقصد نہیں پایا ہے، ورنہ یہاں ہمارے قدم کو آگے بڑھایا جاسکتا تھا۔

جناب سلطان احمد صاحب عرصۂ دراز تک سرکاری اسکولوں کے استاد بھی رہ چکے تھے، آپ برطانوی دور حکومت میں قاضی آباد منگڈو کے اسکول کے استاد الاساتذہ رہ چکے تھے، ویسے آپ کے بے شمار تلامذہ پائے جاتے تھے، جس نے بھی آپ سے پڑھا وہ آپ کا مداح تھا، آپ نے منگڈو میں انتقال کیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

☆☆☆

جناب ماسٹر سلطان احمد شقد ارفاروی، منگڈوی (GR)، سیاسی ولیڈر
(معروف بہ گاندھی سلطان)

سلطان احمد بن الحاج ابوالحسین بن الحاج مشرف علی بن الحاج عبدالکریم صاحب ایک روایت کے مطابق ۱۹۳۲ء میں شقد ارفارہ منگڈو میں پیدا ہوئے، آپ کی مکتب نشینی شقد ارفارہ میں ہوئی، جہاں آپ نے قرآن کریم کے ناظرہ کے علاوہ کچھ دینی تعلیم بھی پائی، اس کے بعد اردو اسکول میں پڑھے تو اردو زبان کی کچھ مہارت بھی پیدا ہوگئی، اس کے بعد شقد ارفارہ کے سرکاری اسکول میں داخلہ لیا، جہاں سے ابتدائی، متوسطہ اور ثانویہ کی تعلیم پائی تھی۔

آپ اسکول میں پڑھائی کے دوران طلبہ لیڈر رہے تھے، آپ نے روہنگیا طلبہ کو اس دوران مستقبل کی راہیں دکھائیں، آپ بڑے غیرت مند اور خوددار ہونے کے ساتھ قوم کے ایک بڑے خیر خواہ انسان تھے۔

ثانویہ کے امتحان پاس کرنے کے بعد آپ نے ماسٹر محمد سراج چوہدری کیلا ڈنگی کی بیٹی نور النہار سے شادی کی، ویسے آپ کی دوسری شادی ساجدہ بیگم خیر فاروی سے ہوئی، اللہ تعالی نے آپ کی اولاد میں بڑی برکت دی ہے۔

ماسٹر سلطان احمد صاحب تعلیم سے فراغت کے بعد عرصۂ دراز تک شقد ارفارہ ہائی اسکول کا ماسٹر رہے، ویسے اندرون اور بیرون وطن آپ کے سینکڑوں تلامذہ پائے جاتے ہیں۔

۱۹۶۴ء میں آپ کی سربراہی میں ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) کی تاسیس ہوئی، جس کے آپ صدر چنے گئے تھے، جسے اس تنظیم کی زبان میں (GR) کہا جاتا تھا، عرصۂ دراز تک آپ ہی کی سربراہی میں یہ قومی تنظیم نہایت عروج پر رہی تھی، جس میں ۱۹۶۷ء تک چھ ہزار سے زائد علماء اور دانشوران قوم شامل ہو چکے تھے، اور اس کے سارے کام بڑی رازداری سے انجام پاتے تھے۔

۱۹۶۷ء میں آپ نے محمد جعفر حبیب کے تعاون کے لئے ایک وفد کو مشرقی پاکستان بھیجا، اور پیغام بھیجا کہ محمد جعفر حبیب کسی بھی طریقے سے صدر محمد ایوب خان سے ملاقات کو یقینی بنائیں، اس کے بعد آپ بنفس نفیس بھی مشرقی پاکستان گئے تھے۔

۱۹۶۶ء کے دوران محمد جعفر ثانی کی قیادت میں ارکان آزاد فوج نے ارکان کے اندر مسلح جدوجہد شروع کی تو آپ نے اس جماعت سے رابطہ کیا، اور ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) کے بہت سارے کارکنان کو اس تنظیم کے تعاون کے لئے بھیجا تھا۔

۱۹۶۷ء میں ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) کے سرکردہ لیڈروں کو ترک وطن کرنا پڑا تو اس دوران آپ کو روپوشی کی زندگی اپنانی پڑی تھی، پھر ۱۹۷۱ء کے دوران آپ بنگلا دیش آئے، یہاں بھی آپ نے نمایاں قومی خدمات انجام دیں، لیکن آپ کو یہاں سے دوبارہ وطن واپس جانا پڑا تھا۔

بنگلا دیش سے واپسی کے بعد آپ کو منگڈو کی زمین راس نہیں آئی، یوں آپ کو اکیاب میں گمنامی کی زندگی اختیار کرنی پڑی، جہاں آپ مدتوں روپوش رہے تھے۔

۱۹۷۲ء کے اواخر میں آپ سعودی عرب پہنچے، جہاں بھی آپ نے مقدور بھر قومی خدمات انجام دیں، ۲۰۰۳ء میں راقم سطور سعودی عرب پہنچا تو آپ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) میں شامل ہو گئے، اس کے سائے تلے آپ نے نمایاں خدمت انجام دی، اسی حالت میں آپ نے ۲۰۰۹ء میں مکہ مکرمہ میں انتقال کیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

☆☆☆

جناب ماسٹر وجیہ اللہ صاحب کیلادنگی،
سیاسی وانقلابی، رہنما ولیڈر ومجاہد فی سبیل اللہ:

محترم جناب ماسٹر وجیہ اللہ بن مولانا عبدالرحمن صاحب ۱۹۱۹ء میں جنوبی منگڈو کی بستی کیلا دنگ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد بڑے پائے کے عالم دین تھے، ماسٹر صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی کے علاوہ بستی کے مکتب میں ہوئی، دوسری عالمی جنگ سے پہلے آپ نے ہائی اسکول فائنل/ مٹرک کا امتحان منگڈو سے پاس کیا، دوسری عالمی جنگ کے دوران آپ برطانوی فرنٹ لائن میجر اور نامور مصنف مسٹر انٹونی ارون کے مترجم اور دست راس رہے تھے، میجر صاحب نے اپنی تصنیف ''برمیز اوٹ پوسٹ'' میں آپ کا تذکرہ مختلف جگہوں میں کیا ہے، اس سے پتہ چلا کہ جناب وجیہ اللہ صاحب نہایت ذہین، تیز وطرار اور بڑے مبصر سیاست دان تھے، اور حاضر جوابی کا ملکہ بھی رکھتے تھے، آپ دوسری عالمی جنگ کے دوران انگریزوں کے ساتھ رہتے ہوئے ارکانی مسلمانوں کی بہبودی کے لئے کام کرتے رہے تھے۔

جنگ عظیم دوم کے اختتام کے بعد جناب وجیہ اللہ صاحب نے کلکتہ یونیورسیٹی میں داخلہ لیا، اور یہاں رہتے ہوئے ہندوستان کے بڑے بڑے سیاست دانوں سے ملاقاتیں کیں، ارکانی مسلمانوں کے مسائل پر ان سے تبادلۂ خیالات کرتے رہے تھے، یاد رہے کہ آپ کے بڑے بھائی جناب حبیب اللہ صاحب بھی ارکانی سیاست دانوں میں پیش پیش تھے، جن کی خدمات اور سرگرمیوں کی ایک الگ داستان ہے۔

محمد جعفر حسین قوال کی قیادت میں جہاد کونسل کا اعلان ہوا تو عام ارکانی علمائے کرام اور دانشوران عظام کی طرح جناب وجیہ اللہ صاحب بھی اس میں شامل ہو گئے تھے، مجاہدین اسلام نے آپ کا بھرپور طریقے سے خیر مقدم کیا تھا، بعد میں آپ کو جنرل سکریٹری کے عہدے پر فائز کیا گیا تھا، یہاں آپ نے بڑی بڑی اور نمایاں خدمات انجام دی تھیں، اس دوران آپ نے تنگ بازار کے مقام پر برما کمیونسٹ پارٹی (سفید پرچم) کے لیڈر راوٹونگ اونگ پرو سے ملاقات کی، دونوں لیڈران نے ارکانی قوموں کو رواداری اور بقائے باہمی کے اصولوں کی بنیاد پر کام کرنے پر زور دیا تھا، اور کہا کہ ارکان کی

آزادی اور خودمختاری کے لئے یہاں کی تمام قوموں کو متحد ہو کر لڑنا چاہئے۔

۱۹۵۸ء میں جناب وجیہ اللہ صاحب منگڈو آ گئے، برمی امیگریشن حکام نے آپ کو قتل کرنے کی بڑی کوشش کی لیکن اللہ تعالی نے جناب سلطان محمود اکیابی کے وسیلے سے آپ کی جان بچائی، مایوفرنٹیر اڈمنسٹریشن کے دوران جناب وجیہ اللہ صاحب پولیس افسر بنے، لیکن یہاں آپ کا کچھ نہیں بنا، اس کے بعد روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) سامنے آئی تو آپ اس میں شامل ہو گئے تھے۔

۱۹۷۱ء میں بنگلا دیش بننے کے بعد جناب وجیہ اللہ صاحب بنگلا دیش آ گئے تھے، ۱۹۷۵ء میں ارکان ہسٹریکل سوسائٹی کی چاٹگام میں تشکیل ہوئی تو آپ اس میں شامل ہو گئے تھے، بعد میں آپ کو اس کے جنزل سکریٹری کا عہدہ سونپا گیا تھا، جس میں رہ کر آپ نے کافی خدمات انجام دی تھیں، اس دوران ارکانی سیاسی وانقلابی کام کرنے والی تنظیم ''روہنگیا فدائین محاذ'' سے آپ کا تنازعہ سامنے آیا، آپ چاہتے تھے کہ موخرالذکر جماعت کے لیڈران سوسائٹی کے زیر اثر کام کریں، لیکن زیر زمین کام کرنے والوں کے لئے ایسا کرنا مشکل تھا، یوں روہنگیا فدائین محاذ اور سوسائٹی کے مابین کشمکش ہو گئی تھی، جس میں جناب وجیہ اللہ صاحب پیش پیش تھے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ جناب وجیہ اللہ صاحب ایک زیرک انقلابی سیاسات دان تھے، لیکن آپ کی زندگی میں کچھ تضادات بھی نظر آتے ہیں، خیر جو کچھ بھی ہو آپ ۱۹۸۸ء کے دوران مرض میں مبتلا ہو گئے اور آپ نے ۲۱/جون/۱۹۸۸ء میں انتقال کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆☆☆

جنزل میر احمد باغکونوی بوسیدنگی مرحوم:

انقلابی رہنما، ومجاہد فی سبیل اللہ:

جنزل میر احمد بن فضل الرحمن بن علی حسین ۱۹۰۵ء میں بستی باغکونہ، قصبۂ علی چنگ علاقۂ بوسیدنگ میں پیدا ہوئے، آں جناب جلیل القدر عالم دین حضرت مولانا مظہر الحق رح (فارغ التحصیل مدرسہ عالیہ کلکتہ) کے چھوٹے بھائی ہیں، اور حضرت قائد محمد جعفر حبیب کے رشتے میں ماموں ہیں، وہ اس طرح ہے کہ حضرت قائد کے حقیقی ماموں جناب مرحوم فیض احمد صاحب اور جنزل میر احمد صاحب آپس میں حقیقی چچازاد بھائی تھے۔

جنزل صاحب کا خاندان اس علاقے میں بڑا زمیندار اور بڑا اثر ورسوخ والا خاندان تھا اور اب بھی ہے، یوں ان کا لڑکپن اور بچپن بڑے آن بان اور شان وشوکت سے گزرا، ان کے والد جناب فضل الرحمن بن علی حسین ایک بڑے زمیندار تھے اور عدل ومساوات پسند بزرگ بھی، گاؤں کے ہر کس و ناکس کو آپ مساوی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔

جنزل صاحب نے اپنی بستی کے مکتب میں ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی، والدین کی ہزار کوشش کے باوجود مزید پڑھائی میں انہوں نے کوئی دل چسپی نہیں لی، زمیندار گھرانے کا جوان تھا، سیر وشکار میں ان کی جوانی گزرتی جارہی تھی، ان کے گرد دوستوں اور ہم نشینوں کی ایک بھاری جماعت ہمیشہ رہا کرتی تھی، وہ اپنے دوستوں اور ہم نشینوں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، خود بھی کھاتے پیتے اور ان کو بھی کھلاتے پلاتے تھے۔

قدرت نے ان کو نشانہ بازی کے ملکہ وصلاحیت سے نوازا، کہتے ہیں کہ پرندوں کو ان کے بیٹھے ہوئے حالات میں شکار نہیں کرتے تھے، پہلے ان کو تالیوں کے ذریعے ہشیار کرتے پھر بھی اڑ نہ جاتے تو مٹی کی گولیوں سے اڑا دیتے، یوں اڑنے کی حالت میں کارتوس کے ذریعے شکار کیا کرتے تھے، ان کی زندگی میں بہت کم موقع ایسا ہوا ہوگا کہ انہوں نے شکار کیا اور شکار صحیح وسلامت سے بھاگنے میں کامیاب بھی ہوا ہو، اس حوالے سے برطانوی حکومت کے ایک فوجی افسر نے ان کا امتحان لیا تھا، جس میں انہوں نے سو فی صد نمبرات سے کامیابی حاصل کی تھی۔

جنزل صاحب بڑے غیور، نڈر، بہادر اور ہشیار انسان تھے، ۱۹۴۲ء میں جنوبی مشرقی ارکان میں

ہزاروں مسلمانوں کو برمی اور مگھ عصبیت پرست شر پسندوں نے تہ تیغ کر دیا تو انہوں نے بوسیدنگ میں مجاہدین کی ایک جماعت تشکیل دے کر برمی اور مگھ انتہا پسندوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا۔

جنرل صاحب مجاہدین کی قیادت کرتے ہوئے پہلے راسیدنگ کے علاقے میں پہنچے اور برمی اور مگھ دہشت گردوں کو شمالی مغربی ارکان کی طرف بڑھنے سے روکا، جس میں ان کی بڑی کامیابی ہوئی تھی، اس کے بعد اپنے علاقے میں واپس آئے اور موضع علی چنگ میں مجاہدین کی از سر تو ترتیب کی، اور جہادی دباؤ کے ذریعے یہاں کے مگھ برمیوں کو اپنے اپنے گھروں میں خاموش بیٹھے رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ایک دن ایسا آیا کہ ان کا بندوق خراب ہو گیا اور گولیاں بھی ختم ہو گئیں تو جنرل صاحب اپنے چند ساتھیوں سمیت راتوں رات منگڈو پہنچے اور جنرل نور احمد صاحب علی تانجوی سے چند بندوق اور گولیاں حاصل کر کے پو پھٹے دوبارہ علی چنگ پہنچ کر جہاد کا سلسلہ جاری رکھا تھا، کہتے ہیں کہ اگر انہوں نے مگھ برمیوں کی بے خبری میں راتوں رات یہ کام انجام نہ دیا ہوتا تو بڑا ممکن تھا کہ کم سے کم بوسیدنگ ٹاؤن شپ کے سارے مسلمان جنوبی مشرقی ارکان کے مسلمانوں کی طرح مگھ برمی درندوں کے شکار ہو جاتے، اللہ تعالی نے جنرل صاحب کی صورت میں یہاں کے مسلمانوں کی مدد کی، کہ ان کی قربانیوں اور جانفشانیوں کے ذریعے ان مسلمانوں کی حفاظت کی تھی۔

۶ر جون ر ۱۹۴۲ء میں ہونے والی بوسیدنگ کی فتح میں جنرل صاحب اور ان کے رفقائے کار کے کارنامے سب سے بڑھ کر تھے، اس روز شہر بوسیدنگ میں گھسے ہوئے تھکین درندوں پر جنوبی مغربی طرف سے جنرل صاحب کی قیادت میں مجاہدین نے زوردار حملہ کیا تھا، اللہ تعالی کا کرم تھا کہ عین معرکہ کی حالت میں آپ کی مدد کے لئے تین طرف سے مسلمانوں کی کمک پہنچ گئی تھیں، جو درج ذیل ہیں:

۱۔ کرنل نور احمد صاحب علی تانجوی اور مسٹر عمرہ میاں صاحب کی قیادت میں منگڈو کے مجاہدین کی ایک بھاری جماعت جانب مغرب سے جنرل صاحب کے ساتھ آ شامل ہو گئی تھی۔

۲۔ اے ایس ڈی اسماعیل داؤد شاہ مارکن معروف بہ تنبیہ صاحب کی قیادت میں بوسیدنگ کی سمت جنوب سے مجاہدین کی دوسری بڑی جماعت جنرل صاحب سے آ ملی تھی۔

۳۔ عبد المجید رواسوگری معروف بہ لنگڑا راجا کی قیادت میں شمال بوسیدنگ سے مجاہدین کی بھاری

تعداد جنرل صاحب کی مدد کو آنکلی تھی۔

اب مسلمانوں کے حوصلے بہت بلند ہو گئے تھے اور جنرل صاحب کی قیادت میں مجاہدین اسلام نے شہر بوسیدنگ پر ایسا حملہ کیا کہ مگھ اور تھکین درندوں نے مجاہدین کے مسلسل حملوں کی تاب نہ لا کر بھاگنے کو عافیت سمجھا تھا اور دو بحری جہاز پر سوار ہو کر دریائے مایو کے راستے اکیاب کی طرف بھاگ نکلا تھا، لیکن جنرل صاحب اور ان کے ساتھی مجاہدین نے ان دونوں جہازوں پر تاک لگا کر حملہ کر دیا تو رنگیا دنگ کے مقام پر دونوں جہاز ڈوب گئے تھے۔

بوسیدنگ کی یہ فتح دراصل ۱۹۴۲ میں تمام ارکانی مسلمانوں کی فتح تھی، جس کے بعد یہاں کے مسلمانوں نے ''پیس کمیٹی'' نامی ایک انجمن کی تشکیل دی، جس میں جنرل میر احمد صاحب ایک طرف بوسیدنگ ٹاؤن شپ کے صدر مقرر ہوئے تو دوسری طرف مرکزی چیف آف کمانڈر بھی۔

۱۹۴۵ء میں دوسری عالمی جنگ کے اختتام پر برطانوی حکومت دوبارہ ارکان آئی تو جنرل صاحب اور ان کی جماعت کے سرکردہ لیڈروں کو خراج تحسین پیش کرنے کے بجائے حراست میں لے لیا گیا تھا، اور ہندوستان لے جا کر کہیں قید کر دیا گیا، اور اس ظلم وعدوان کے خلاف ارکانی مسلمانوں نے بھرپور احتجاج کیا تو ان کو رہا کر دیا گیا تھا۔

۱۹۴۷ء میں محمد جعفر حسین قوال کی قیادت میں ارکانی مجاہدین نے علم جہاد بلند کیا تو جنرل صاحب نے ان کا بھرپور ساتھ دیا تھا، ۱۹۵۰ء میں محمد جعفر قوال کی شہادت کے بعد اگرچہ جنرل صاحب حد درجہ پریشان تھے لیکن مجاہدین کے دونوں دھڑوں:

۱۔ محمد عباس سیندنگی کی زیر قیادت مجاہدین کا شمالی دھڑا۔

۲۔ محمد قاسم بن عطاء الدین راجا کی زیر قیادت مجاہدین کا جنوبی دھڑا۔

کے درمیان مفاہمت کرانے کی مقدور بھر کوشش کی تھی، گو کہ ان دونوں میں مفاہمت نہ ہو سکی، لیکن جنرل صاحب نے دونوں دھڑوں کا یکساں طور پر تعاون کیا تھا۔

۱۹۶۲ء میں جنرل نیون کی قیادت میں برما میں سوشلزم کا نفاذ ہوا تو جنرل میر احمد صاحب کے لئے اپنے وطن میں جینا دوبھر ہو گیا تھا، تو انہوں نے مع اہل وعیال ہجرت کی اور ارکان بنگلا دیش کے سرحدی علاقہ

شاہی فریر دیپ میں مقیم ہوگئے، جہاں لک بھگ ۱۹۷۲ء میں ان کا انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆☆☆

جناب کرنل عبداللہ صاحب موئی دنگی، راسیدنگی،
انقلابی قائد ومجاہد فی سبیل اللہ:

جناب کرنل عبداللہ صاحب ۱۹۰۳ء میں راسیدنگ کی بستی موئی دنگ میں ایک دین دار اور زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد گاؤں کے سردار تھے، اور والدہ ایک نیک صفات خاتون تھی۔

کرنل عبداللہ صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب میں پائی، کچھ بڑے ہوئے تو والد نے ایک استاد مقرر کردیا تھا، جس سے مزید تعلیم حاصل کی، آپ نے بچپن میں شکار کرنے سے دل چسپی لی، آئے دن اپنے دوستوں سے مل کر سیر وشکار کرنے چلے جاتے تھے، آپ کے والد صاحب آپ کو اعلی تعلیم دلانا چاہتے تھے، لیکن آپ نے تعلیم سے دل چسپی لینے سے زیادہ شکار کرنے سے دل چسپی لی، قدرت کو کچھ اور منظور تھا، چنانچہ بعد میں آپ ایک جوان مرد پہلوان اور بہادر ہونے کی حیثیت سے علاقے بھر میں مشہور ہوگئے تھے۔

۱۹۴۲ء میں جب مشرقی ارکان میں مسلمانوں کو بے دریغ قتل کیا گیا تو آپ نے ایک جماعت مجاہدین کی تربیت کی، اور اپنے علاقے میں مسلمانوں کی طرف سے دفاعی امور انجام دیتے ہوئے علم جہاد بلند کیا، آپ نے اپنی خداداد صلاحیات اور جواں مردی سے کام لیتے ہوئے دشمنان ملت وقوم کو پسپا کردیا، آپ نے اسی جہاد کے دوران موضع گودام فارہ میں ارکانی مگھ کمشنر عنصریت پسند اوچوکائن اور اس کے ساتھیوں پر زوردار حملہ کرتے ہوئے اسے جہنم رسید کردیا، جس پر آپ کو کرنل کا خطاب ملا، جس سے ایک طرف مسلمانوں کا حوصلہ بڑھا تو دوسری طرف مگھوں کی ہمت پست ہوچکی تھی، چوں کہ شمالی ارکان کے مگھوں کو تازہ کمک کی امید تھی، لیکن کرنل عبداللہ صاحب اور آپ کے ساتھیوں نے مگھ کمک کی راہیں مسدود کردی تھیں، اس کے بعد مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر جہاد میں حصہ لینا شروع کردیا تھا، چنانچہ آپ کی یہ خدمات سرزمین ارکان اور یہاں کے مسلمانوں کی نسلیں کبھی بھولے سے بھی بھلا نہیں سکیں گی، اور تاریخ میں آپ کا بلند مقام ہمیشہ رہے گا۔ اللہ تعالی آپ اور آپ کے تمام مجاہد ساتھیوں کی جمیع خدمات کو قبول فرمائے، آمین۔

جناب جنرل محمد صاحب راسیدنگی،
انقلابی قائد ومجاہد فی سبیل اللہ:

جناب جنرل محمد صاحب راسیدنگ کے معروف قصبہ زادی فرانگ میں ۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی اور متوسطہ کی تعلیم اپنے علاقے کے مدرسہ میں پائی، اور ایک استاد سے اردو اور برمیز کی تعلیم بھی حاصل کی، کہتے ہیں کہ اردو میں آپ کو کچھ مہارت تھی۔

آپ کے خاندان اس علاقے میں ایک بڑا زمیندار خاندان تھا، آپ کے والد صاحب ایک دین دار اور پرہیزگار بزرگ ہونے کے ساتھ ساتھ سخاوت میں بھی کافی مشہور تھے۔

جنرل صاحب کچھ بڑے ہوئے تو تعلیم سے زیادہ شکار کرنے سے دل چسپی لیتے رہے تھے، روز ایک جماعت کے ساتھ شکار کرنے کو نکل جایا کرتے تھے، مشہور بات ہے کہ آپ کی تارگیٹ جنرل میر احمد صاحب کی طرح کبھی بھی بے کار نہیں جاتی تھی، ہمیشہ گولیاں نشانے پر جا لگتی تھیں۔

۱۹۴۲ء سے پہلے مگھوں اور برمیوں کے خلاف آپ نے آواز بلند کی، مگھوں نے آپ کو درجنوں مرتبہ شہید کرنا چاہا، لیکن قدرت کو آپ سے کام لینا منظور تھا کہ آپ ہر مرتبہ بچتے رہے تھے، ۱۹۴۲ء کے قتل عام کے دوران آپ نے مجاہدین کی ایک بڑی جماعت تیار کر لی تھی، آپ کی قیادت میں ان مجاہدین نے اس علاقے سے مگھوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

جنرل محمد صاحب اپنے مجاہدین سمیت شمالی ارکان کی طرف بڑھے، اور بہت سارے گاؤں کو ناپاک مگھوں سے پاک کر دیا تھا، آپ کو اس جہاد میں بہت سارے مال غنیمت ہاتھ آئے، لیکن جاپانیوں کے ساتھ آپ کی مڈبھیڑ ہوئی تو ان اموال غنیمت سے آپ کو ہاتھ دھونا پڑا تھا، لیکن اس میں بھی اللہ تعالی آپ کی جان بچائی تھی۔

محمد جعفر حسین قوال صاحب جہاد اسلامی کے عزم لے کر رنگون سے ارکان آئے تو انہوں نے آپ کے گھر پر ٹھہرتے ہوئے آپ کے ساتھ مشورہ کیا تھا، جنرل صاحب نے نہ صرف ان کو ہر ممکن تعاون کا وعدہ دیا بلکہ اپنے علاقے سے اسی سے زائد مجاہدین کی ایک جماعت بھی تیار کر دی تھی، بعد میں وعدہ کے مطابق ہر ممکن تعاون اور امداد پہنچاتے رہے تھے۔

جنرل صاحب نہایت دین دار اور خدا ترس بزرگ تھے، اور دل دردمند اور فکر ارجمند کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے سخی اور فراغ دل انسان بھی، بہادری اور دلیری کے حوالے سے یکتائے رازگار بھی تھے، ان تمام صفات کی بنیاد پر قوم نے آپ کو جنرل کا خطاب دیا تھا، اللہ تعالی آپ کی تمام خدمات کو قبول فرمائے، آمین۔

☆☆☆

جناب کرنل نور احمد صاحب علی تانجوی، منگڈوی، انقلابی قائد و مجاہد فی سبیل اللہ:

کرنل نور احمد صاحب جنوبی منگڈو کے معروف قصبہ علی تانجو میں ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ایک دین دار اور عالم دوست ہونے کے علاوہ زمیندار اور مشہور سخی منش تھے۔

کہتے ہیں کہ کرنل صاحب کی تعلیم گاؤں کے مکتب کے ساتھ علاقے کے ایک بڑے بزرگ مولوی صاحب کے پاس ہوئی، زمیندار کے صاحب زادے تھے، یوں آپ کا نشوونما بڑی شان سے ہوا تھا۔

بچپن آپ کا بڑے آن بان سے گزر گیا، بڑے ہوئے تو والد کی زمینداری کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے تھے، آپ بڑے بہادر، نڈر اور جری جواں مرد تھے، علاوہ ازیں والد کی طرح قومی ہمدردی رکھنے والے دین دار اور سخاوت پسند بھی، اسلام اور مسلمانوں سے آپ کی بڑی محبت تھی، آپ اسلام اور علمائے کرام کے خلاف بکواس کرنے والوں کو کبھی اور کسی بھی حالت میں معاف نہیں کرتے تھے۔

۱۹۴۲ء میں مگھ برمی درندوں نے مسلمانوں کا قتل عام شروع کیا تو آپ نے ان درندوں سے جنگ لڑنے کے لئے مجاہدین اسلام کی ایک جماعت تشکیل دی اور ان کو مسلح تربیت کے ذریعے اس قابل بنایا کہ وہ درندوں کے خلاف جم کر جنگ لڑ سکے، اور اسماعیل داؤد شاہ مارکن کو علی تانجو بلا کر امیر المجاہدین کا خطاب دیا، جن کی قیادت میں جنگ لڑنی شروع کر دی تھی۔

جرنل صاحب نے جناب جنرل میر احمد صاحب کا بھر پور تعاون کیا تھا، اگر اس وقت آپ کی مدد اور تعاون نہیں ہوتے تو بوسیدنگ والی فیصلہ کن جنگ میں مجاہدین اسلام کی وہی کامیابی نہیں ہوتی جس کی وجہ سے مگھوں کو ہار اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی تھی، اور یہاں بھی مسلمانوں کا وہی حشر ہوتا کہ جس طرح مشرقی ارکان میں ہوا تھا، الامان والحفیظ۔

۱۹۴۲ء کی لڑائی کے اختتام پر شانتی کمیٹی کی تشکیل ہوئی تو جنرل صاحب کو علاقۂ منگڈو کے سالار چن کر کرنل کا خطاب دیا گیا، آپ نے علی تانجو میں ۱۹۶۶ء میں انتقال کیا اور وہیں آسودۂ خاک ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میجر جنرل عبد الشکور صاحب دابوی، معروف بہ شہید اعظم راسیدنگی، انقلابی رہنما، و مجاہد و شہید فی سبیل اللہ:

میجر جنرل عبد الشکور کی پیدائش دابوئی، راسیدنگ میں ۱۹۱۵ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں پائی، اس کے بعد متوسطہ اور ثانویہ کی تعلیم راسیدنگ کے علاقہ میں پا کر رنگون اور مولمین کا سفر کیا، آپ نے محمد جعفر حسین قوال کی معیت میں مولمین میں بھارتیہ آزاد فوج سے عسکری تعلیم و تربیت حاصل کی، اس کے بعد محمد جعفر حسین قوال کے ساتھ ارکان آئے اور جہاد کونسل کی تشکیل میں قوال صاحب کا بھر پور ساتھ دیا۔

جہاد کونسل میں آپ کو سالار اعظم چنا گیا تھا، اور آپ کی بہادری اور جرات کو دیکھ کر میجر جنرل کا خطاب بھی دیا گیا تھا، میجر صاحب نے مختلف معرکوں میں حصہ لیا تھا، اور ہر مرتبہ دشمن کو آپ کی بہادری کا لوہا ماننا پڑا تھا۔

برمی حکومت اتنے دنوں تک مجاہدین کے دلیرانہ حملوں کا جواب نہ دے سکی تھی، یوایم پی نامی نیم فوجی اور پولیس مجبور ہو گئی تھی اور حملوں کی تاب نہ لا کر ہتھیار ڈالنے کا وقت قریب آ گیا تھا، مگر قدرت کا فیصلہ اور تھا کہ بروقت بڑی تعداد میں برمی فوجی کمک پہنچ گئی تھی، کمک خلیج بنگال سے منگڈو پہنچی اور کوہ مایو کو عبور کرتے ہوئے بوسیدنگ جا ٹھہری تھی، مشرقی علاقہ میں مجاہدین کے کمانڈر انچیف جناب عبد الشکور صاحب اور ان کے نائب جناب رشید احمد اور ان کے ساتھیوں سے لڑائیاں ہوئیں، سینکڑوں کفار جہنم رسید ہوئے، سینکڑوں زخم سے چور اور نڈھال ہو کر بھاگ گئے تھے۔

۲۳ نومبر/ ۱۹۴۸ء میں منگل کا دن تھا، مجاہدین کی محدود گولیاں اب ختم ہوتی جا رہی تھیں، پھر بھی رہ رہ کر مقابلہ جاری تھا، ارکان کے شیر پلنگ اور مرد میدان کارزار جناب عبد الشکور نے بہر حال لڑائی جاری رکھی تھی، اچانک عقب سے مجاہدین پر حملہ ہوا، ان پر گولیوں کی بارش برسائی گئی تھی، اب میدان مجاہدین کے ہاتھ سے نکل چلا اور حالات نے پلٹا کھایا، حملوں کی تاب نہ لا کر مجاہدین کی جمعیت ختم ہو گئی تھی، پھر بھی عبد الشکور صاحب دل کھول کر لڑنے میں مصروف رہے، رومی ٹوپی والے مرد مجاہد کے دائیں بازو پر ایک گولی لگی، دائیں بازو گیا تو بائیں بازو سے گولیاں چلاتے رہے، پھر آپ لڑنے کا

حکم دے رہے تھے۔

بالآخران کے پاک سینہ پرایک گولی ایسی لگی کہ راہ بناتے ہوئے پیچھے سے نکل گئی، یوں سرزمین ارکان کے شیر پلنگ عرصۂ دراز تک کفار کے خلاف گرجتے اور دندناتے ہوئے ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی شہادت نے نہ صرف مجاہدین کو ششدر بنایا بلکہ پوری سرزمین ایک ماتم کدہ میں تبدیل ہوگئی تھی، آپ کی شہادت پر بچے بچے نہیں بلکہ ذرے ذرے روئے، آج تلک آپ کی شہادت کا ماتم نہ صرف قوم بلکہ زمین بھی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے پاک طینت مرد کارزار کو اپنے آغوش رحمت میں جگہ دیں، اورآپ کی شہادت اورآپ کے سینے کے خون کی برکت سے سرزمین ارکان کے چمن خزاں دیدہ میں پھر سے بہار آئے۔

جنرل عبدالشکور کی شہادت نے برمی اوباشوں کی ہمت بڑھائی، انہوں نے مزید حملوں کا آغاز کیا، انہوں نے ۲۴؍دسمبر؍ ۱۹۴۸ء میں بروز جمعہ صبح پانچ بجے تنگ بازار پر حملہ کردیا تھا، حملہ اور جوابی حملہ ہوتا رہا، بالآخر مسلسل حملوں کی تاب نہ لاکر مجاہدین پیچھے ہٹنے میں کامیاب ہوگئے، اس لڑائی میں مجاہدین کا نقصان تو نہ ہوا، البتہ برمی بزدلوں نے مسلم عوام پر بزدلانہ حملہ کرکے سینکڑوں کو شہید اور ہزاروں کو بے گھر کردیا تھا، بستیوں کو جلا جلا کر راکھ کا ڈھیڑ بنایا، مسجدوں کو شہید اور مدرسوں کو ویران بنایا، ماں بہینوں کی عزت وآبرو کی ہولی کھیلی، مسلمانوں کی جان ومال عزت وآبرو کا مذاق اڑایا، قران پاک کے علاوہ ہزاروں دینی کتابوں کے ہزاروں نسخے جلا کر راگھ کردئے تھے۔

☆☆☆

جناب ابوالخیر صاحب منگڈوی، ایم پی،

سیاسی قائد ولیڈر:

جناب ابوالخیر بن حسین علی بن عبدالکریم صاحب مشرقی منگڈو کی بستی خائندہ فارہ میں ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے، آپ کے والد جناب حسین علی صاحب ایک دین دار اور صاحب ثروت انسان تھے، اور گاؤں کے لوگوں کے بڑے خیر خواہ بھی۔

جناب ابوالخیر صاحب کی ابتدائی تعلیم بستی کے مکتب اور سرکاری اسکول میں ہوئی، اس کے بعد منگڈو ہائی اسکول میں بھرتی ہوئے، یہاں چھٹی جماعت کا امتحان امتیازی شان سے پاس کیا تو آپ کو اسکالر شپ ملی، جس کے بعد آپ کو اکیاب جانا پڑا تھا (یاد رہے کہ اس زمانے میں یہاں سے اسکالرشپ ملنے والے طلباء کو اکیاب جاکے اگلے تعلیمی مراحل طے کرنا پڑتا تھا) آپ نے اکیاب کے اسکول سے آٹھویں جماعت کا امتحان امتیازی نمبرات کے ساتھ پاس کیا، لیکن نویں جماعت کے سال مسلم طلباء اور انگریز اساتذہ کے درمیان کشمکش ہوئی تو اس میں آپ نے مسلم طلباء کی قیادت کی، اسی وجہ سے اسکول سے آپ کا اخراج ہوا، یوں آپ نے پڑھائی کو خیر باد کہتے ہوئے نوکری کی ٹھان لی تھی۔

اکیاب سے واپس آکر جناب ابوالخیر صاحب پولیس میں بھرتی ہوگئے، ترقی کے مختلف مدارج طے کرتے ہوئے شمالی ارکان یعنی منگڈو، بوسیدنگ اور راسیدنگ کے علاقے کے انسپکٹر بن گئے تھے۔

۱۹۴۸ء میں برما کی آزادی کے بعد بھی آپ اپنے اس عہدے پر مقرر تھے، ۱۱؍نومبر ۱۹۴۸ء میں ان مجاہدین جنہوں نے ایس ڈی او (SDO) کو قتل کیا تھا ان کے منگڈو جیل سے فرار کے بعد جناب ابوالخیر صاحب کو اس عہدے سے ہٹا دیا گیا، صرف یہی نہیں بلکہ برمی حکومت نے عصبیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے داروغہ بنا کر آپ کو کیوکتو بھیج دیا تھا، بعد میں وہیں سے بھی ہٹا کر سنڈوے پہنچا دیا گیا تھا۔ عرصۂ دراز کے بعد جناب ابوالخیر صاحب کو اکیاب پورٹ کا انچارج (PSO) بنایا گیا، پھر بڑی کوشش کے ذریعے بوسیدنگ آئے، اس کے بعد ۱۹۵۶ء میں منگڈو آنے کی گنجائش پیدا ہوئی تھی، مذکورہ اس قتل کے حوالے سے آپ کے صاحب زادہ جناب ابوالفیض جیلانی صاحب کا بیان ہے کہ:

"۱۹۴۸ء میں ایس ڈی او کے قتل کے بعد ارکان کی مسلم قیادت کے خلاف مگھوں نے خطرناک مہم چلائی تھی، سینکڑوں کو گرفتار کرلیا گیا تھا، میرے والد صاحب بڑے تردد میں پڑ گئے تھے، حتی کہ جہاد کونسل میں شامل ہونے تک کا ارادہ کرلیا تھا، بڑی فکر وتردد میں پھنس چکے تھے، ایسی حالت میں جناب احمد داروغہ صاحب نے آپ کی رہنمائی کی، سخت بارش ہو رہی تھی، تیز وتند برساتی ہوائیں چل رہی تھیں، داروغہ صاحب رات گئی ہمارے گھر آئے، اور کہنے لگے کہ ابوالخیر دیکھو طوفان کی شدت سے نہیں گھبرانا، ہوائیں تمام درختوں کو جڑ سے اکھاڑ نہیں سکتیں، تم ہمت سے کام لو، انشاء اللہ ہواؤں کا رخ بدل جائے گا، بہادر اور جواں مرد بن کے جیو، طوفان سے مقابلہ کرنا سیکھو"۔

کہتے ہیں کہ جناب ابوالخیر صاحب کے تین بڑے رہنماء اور استاد تھے:

۱۔ روحانی استاد حضرت مولانا عبدالجبار صاحب معروف بہ فقیر مولوی صاحب۔

۲۔ سیاسی استاد جناب سلطان محمود اکیابی صاحب سابق وفاقی وزیر صحت۔

۳۔ فکری اور انقلابی استاد جناب احمد داروغہ صاحب۔

جناب ابوالخیر صاحب نے ۱۹۵۶ء میں قبل از وقت پولیس سے پنشن لی، اور اسی سال حج بیت اللہ کو چلے گئے تھے، حج سے واپسی کے بعد برما کی مشہور عوامی پارٹی پھاساپھالا میں شامل ہوگئے، بعد میں آپ کو منگڈو پھاساپھالا کا صدر بنایا گیا تھا۔

اس کے چند دن بعد جناب ابوالخیر صاحب کو اس تنظیم کے اکیاب ڈویژن کے عاملہ میں شامل کیا گیا، ۱۹۵۶ء میں آپ کو اس تنظیم سے ٹکٹ ملی تو آپ نے جنوبی منگڈو کے حلقے سے جنرل الکشن میں حصہ لیا، جس میں بھاری اکثریت کے ووٹ سے جیت گئے تو پارٹی نے آپ کو بڑی تعداد میں ووٹ حاصل کرنے کے صلے میں تمغۂ امتیاز سے نوازا تھا۔

۱۹۵۸ء میں پھاساپھالا دو متحارب حصوں میں تقسیم ہوگئی تو آپ نے سوے نن گروپ کے بجائے مسٹر اونو گروپ کا ساتھ دیا، اسی دوران وزیر اعظم اونو نے آپ سے پوچھا کہ آپ پارٹی اور حکومت

سے کیا چاہتے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہم ایک وزارت کے خوستگار ہیں، یوں آپ نے ارکان کے دیگر سیاست دانوں سے مشورہ کرنے کے بعد اس ملنے والی وزارت کے لئے جناب سلطان محمود اکیابی کو چنا، ویسے جناب سلطان محمود صاحب وفاقی وزیر برائے امور صحت کے منصب پر فائز ہوئے تھے۔

اس ضمن میں ایک بات قابل تذکرہ ہے کہ بعض لوگ کہتے پھرتے ہیں کہ ان لوگوں کو وزارت لینے کے بجائے ارکانی مسلمانوں کو ملک کے اصلی باشندہ تسلیم کرنے کا مطالبہ یا استدعاء کرنا چاہئے تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ارکانی مسلمان اور ان کے لیڈران یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ ارکان کے روہنگیا مسلمان ملک کے تسلیم شدہ اصلی باشندے ہیں، ان کو دوبارہ وطنی تسلیم کرانے کی اس وقت تھوڑی ضرورت نہیں تھی، یہاں کے مسلمانوں کو دوبارہ وطنی تسلیم کرانے کی استدعاء خود کو وطنی نہ ماننے کا مترادف تھا، یہ مسلمان تو صدیوں سے یہاں کے اصلی اور قدیمی باشندے ہیں، پھر ان کو دوبارہ وطنی تسلیم کرانے کی کیا ضرورت تھی؟

۱۹۶۰ء کے عام انتخابات میں پھر اسی حلقے سے جناب ابوالخیر صاحب لڑے، لیکن اس انتخابات میں آپ جیت نہیں سکے تھے، آپ کے الکشن منشور میں دیکھا گیا ہے کہ آپ نے اپنے انتخابی منشور میں مسلمانان ارکان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اس مرتبہ آپ کی جیت ہوئی تو آپ شمالی مغربی ارکان کے علاقے کو ایک "مسلم ریاست" بنانے کی کوشش کریں گے، اس حوالے سے آپ نے ایک میمورنڈم بھی تیار کیا تھا، لیکن جنرل نیون کی اوباشیت کی وجہ سے یہ میمورنڈم پیش نہیں کیا سکا، یاد رہے کہ اس انتخابی مقابلے میں جنوبی منگڈو کے حلقے سے محترمہ زہرہ بیگم صاحبہ (اڈووکٹ ناصر الدین پھوکانگ کی صاحب زادی اور اڈووکٹ سلطان احمد صاحب بالوخالوی کی اہلیہ) کی جیت ہوئی تھی۔

۱۹۶۲ء میں برمی اقتدار پر جنرل نیون نے قبضہ کرلیا تو برما بھر کے دیگر سیاست دانوں کی طرح آپ کے منہ پر بھی تالے لگا دیئے گئے تھے، جس کی وجہ سے جناب ابوالخیر صاحب سیاسی طور پر اپاہج ہو چکے تھے، ایسی حالت میں آپ نے ۱۲ / دسمبر / ۱۹۷۸ء کو انتقال کیا اور منگڈو کی قبرستان میں آسودۂ خاک ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جناب ابوالخیر صاحب کی اولاد میں ماسٹر ابوالفیض جیلانی صاحب ایک زندہ دل انسان اور قوم و ملت کے خادم نکلے، آپ اپنے نامور باپ کی طرح ملک وملت کی خدمات کے میدان میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں، آپ ایک منجھے ہوئے مصنف ہیں، آپ کے قلم سے ارکان اور برما کی تاریخ اور ثقافت پر مشتمل چند کتابیں چھپ کر منظر عام پر آئیں، جنہیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

☆☆☆

حضرت مولانا محمد جعفر حسین قوال علی چنگی، بوسیدنگی،
بانی تحریک آزادی، سیاسی وانقلابی قائد ورہنما:

آپ کا نام محمد جعفر حسین ہے، اور باپ کا نام مولانا سلطان احمدؒ، جو ایک جلیل القدر درویش صفت، ہر ولعزیز، متقی عالم دین تھے۔ آپ کی والدہ مرحومہ بانو شاہ خاتون نواسئ قطب الاقطاب حضرت مولانا عبد الباری بن علیم الدین بن غلام علی بن محسن بن شاہ لطیف حجازی ایک دین دار پرہیز گار خاتون تھیں، اللہ تعالیٰ نے بانو شاہ خاتون کی ذات میں حضرت شاہ لطیف حجازی کی حجازی صفات کوٹ کوٹ کر بھر دیں، یوں ماں کی جانب سے جعفر حسین قوال حجازی النسب تھے، کہا جاتا ہے کہ حضرت شاہ لطیف حجازی دعوت دین کی خاطر اپنے اصلی وطن کو خیر باد کہتے ہوئے یمن کے راستے چاٹگام تشریف لائے تھے، ابتدا میں انہوں نے چکریا (کوکس بازار) میں سکونت اختیار کی، پھر یہاں سے ارکان تشریف لائے، حضرت جعفر حسین کا پر نانا حضرت مولانا عبد الباری (بڑے مولوی صاحب) کجافوی، علی چنگی، بوسیدنگی ایک بڑے بزرگ عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ کہتے ہیں کہ قطب الارشاد بھی تھے، ان کا مزار اب بھی زیارت گاہ خاص وعام ہے۔

محمد جعفر حسین کی ولادت ۱۹۱۵ء میں قصبۂ علی چنگ، بستی کجافہ (بیولا فارا) بوسیدنگ، ارکان میں ہوئی، قصبہ علی چنگ سرزمین ارکان کا ایک بہت پرانا قصبہ ہے، جس کی تاریخ بڑی لمبی اور داستان بڑی طولانی ہے، اس قصبہ کی ایک پرانی بستی کجافہ میں ایک بڑا اور پرانا بازار تھا، جو صدیوں سے آباد چلا آ رہا تھا، دراں حالیکہ بوسیدنگ (جو آج کل ارکان کا ایک مشہور شہر ہے) کی حیثیت اتنی نہ تھی جتنی آج ہے، قصبۂ علی چنگ کا شمار ارکان کے ان پرانے قصبوں میں ہوتا ہے جن پر دوسری صدی ہجری میں اسلام کی روشنی پڑی اور داعیان اسلام نے ان قصبوں کو اپنے مبارک قدموں سے روندا اور نور ایمانی اور علم ربانی سے روشن اور تاباں کیا تھا، قصبۂ علی چنگ کی تاریخ بڑی لمبی ہونے کی حیثیت سے اس قصبہ کو قومی تہذیب وثقافت کا گہوارہ مانا جاتا ہے، زمانۂ قدیم سے اس قصبہ میں ہر سال ایک میلا لگتا تھا، جو چار اپریل سے شروع ہو کر پانچ چھ دنوں تک متواتر چلتا تھا، جہاں کشتی بازیاں ہوتی تھیں، نہ صرف ملک بھر سے بلکہ بنگال سے بڑے بڑے کشتی باز یہاں آتے اور اپنے اپنے فن اور قوت بازو دکھائے

چلے جاتے تھے، اس میلا کو ارکانی لوگ فقیر ربلی کھیلا کہتے تھے، نہ جانے کس فقیر نے اس رسم کی ابتدا کی تھی؟ بعد میں علمائے ارکان نے غالباً ۱۹۷۷ء یا اس کے ایک سال بعد اس میلا کو تبدیل یا ختم کر کے ٹھیک اسی تاریخ اور اسی جگہ پر ایک دینی، دعوتی اور تبلیغی اجتماع کا رواج ڈالا تھا، (لیکن غاصب حکومت نے اسے بند کر دیا ہے) پرانے زمانے میں جس طرح فقیر ربلی کھیلا کے ذریعے اس قصبہ کی شہرت عام تھی، ٹھیک اس سے بھی زیادہ ملک کے سب سے بڑے دینی اور دعوتی اجتماع کی وجہ سے نہ صرف ملک بھر میں بلکہ بیرونی ملکوں تک اس کی شہرت پہنچ گئی تھی، اس کے علاوہ یہ قصبہ زمانوں سے بڑے بڑے علمائے کرام اور مشاہیر عظام، داعیوں اور خدا رسیدہ درویشوں کی آماجگاہ رہا، جہاں بعض بڑے بڑے نامور اولیاء اللہ اور علمائے کرام کے مزارات آج بھی پائے جاتے ہیں، یہاں بلخی مرشد حضرت خیر اللہ شاہ کے علاوہ حضرت حافظ صاحب اور بڑے مولوی صاحب، کرم علی شاہ صاحب کے مزارات پورے آب وتاب سے روشن اور آباد ہیں، اور اس قصبہ کی اور ایک خصوصیت اس سے بنی کہ ارکان کے آخری دور کے معمار تحریک حضرت قوال صاحب کی نسبت بھی اس قصبہ سے ہے، آپ کے علاوہ مجدد تحریک حضرت جعفر حبیب مرحوم بھی اسی قصبہ کے ایک فرزند تھے، جس نے تحریک کی اہم کڑی میں بڑی بڑی خدمات انجام دیں اور تحریک آزادی کی شہرت چار دانگ عالم میں عام کر دی تھی، یہ وہ قصبہ ہے جہاں ۱۹۴۲ء کے سب سے بڑے مجاہد جناب کرنل میر احمد مرحوم پیدا ہوئے، جس نے اللہ کے فضل و کرم سے ڈوبتی ہوئی قوم کی کشتی کو بچا لیا اور اسے فتح وکامرانی کے ساحل سے لگا دیا تھا۔

پانچ سال کی عمر میں محمد جعفر حسین کی مکتب نشینی ہوئی، مکتب ہی میں عربی، فارسی، اور اُردو زبان کی ابتدائی تعلیم پائی، بعد میں اپنے قابل اور لائق والد سے تیسری جماعت تک کی تعلیم مکمل کی، اب والد صاحب کا شوق بڑھا کہ بیٹا اعلیٰ دینی تعلیم کی خاطر ہندوستان کا سفر کرے، آپ نے اپنے والد محترم کے شوق وولولہ کو دیکھ کر ہندوستان کے سفر کے لئے تیاری شروع کر دی اور تیاری مکمل ہوئی تو اللہ کے نام پر روانہ ہو گئے۔

چونکہ برصغیر برطانوی سامراجیوں کے قبضہ میں تھا، یوں آپ کسی قدر امن کے سائے میں کلکتہ پہنچ گئے، اور بعض روایت کے مطابق آپ نے کلکتہ کے کسی دینی مدرسہ میں داخلہ لیا، پڑھائی آگے بڑھی

اور ہندوستان جیسے مرکز علوم وفنون سے محظوظ ہوتے چلے گئے۔

چونکہ اسی وقت ہندوستان میں تحریک آزادی بڑے زور سے چل رہی تھی، ہر کجا لوگ آزادی کے گن گا رہے اور آزادی کے بغیر کسی بھی چیز میں مطمئن نہیں ہو پا رہے تھے، ایک طرف کانگریسیوں کی ہل چل تھی تو دوسری طرف مسلم لیگیوں کا ہنگامہ، ان دونوں جماعتوں کے تہ بتہ ایک مسلح اور حریت پسند پارٹی بھارتیہ آزاد فوج یا انڈین نیشنل آرمی (INA) جو ڈاکٹر سبھاش چندر گوش/ بھوش کی قیادت میں شیر پلنگ کی طرح گرجتی اور دندناتی رہی تھی، تو انہوں نے جلد ماحول، وقت اور زمانہ کی تند و تیز ہوا کی چال کو بھانپ لیا، اور سمجھ لیا کہ اب آزادی کا دن قریب آ گیا ہے، ان قوموں کو دنیا کی کسی بھی طاقت حصول آزادی کی راہ سے پھیرا نہیں سکتی، اب ہندوستان، پاکستان، برما علیحدہ علیحدہ ملک بننے والے ہیں، ہر قوم آزادی کی لذت سے محظوظ ہونے والی ہے۔

لیکن ان ساری چیزوں کے تہ بتہ سرزمین ارکان کے مستقبل کے سوالات نے جعفر کے دل ودماغ کو گھن کی طرح کھا رہا تھا، وہ سمجھ رہے تھے کہ باوجودیکہ سرزمین ارکان میں دو بڑی قومیں آباد ہیں، انہیں مستقبل قریب میں آزادی کی لذت وسرور سے فائدہ اٹھائے بغیر صرف خاموش نظارہ کرنے کے علاوہ اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا، کیونکہ خانہ جنگی کی وجہ سے ارکان کی دونوں قوموں کی اندرونی طاقت ختم ہوگئی ہے، ذہنی اور مذہبی کشمکش نے ان کی ساری صلاحیتیں ختم کر دی ہیں، جو وہ اپنے وطن کی آزادی کی خاطر استعمال کر سکتی تھیں، جس کی وجہ سے ان دونوں قوموں کے اندر صدیوں سے چلے آنے والا وطنی اتحاد جیسی ہمہ گیر قوت کا زبردست فقدان ہو گیا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ان دونوں کی تاریخی دشمن برمی قوم اس سے فائدہ اٹھا کر ان کو آزادی کی لذت وسرور سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دینے کا منصوبہ تیار کر رہی تھی، یہ ساری چیزیں ایک حساس، مفکر، خداداد صلاحیت کے مالک مجاہد طالب علم کے دل ودماغ میں رہ رہ کر کروٹ لے رہی تھیں، تو مدرسہ کی چار دیواریں اور ہندوستان کی بہار کی ہوائیں اچھی نہ لگیں، اور جلد آپ نے مدرسہ کو خیر باد کہہ کر میدان کارزار میں اترنے کا عزم کر لیا، یوں آپ جماعت سوم کی تعلیم مکمل کر کے وطن واپس آ گئے تھے۔

اب ایک طرف ملک وملت کے حالات کے سوز وغم دماغ میں موجزن تھے، تو دوسری طرف والد

صاحب کا خوف دل کو کھایا جارہا تھا، کیوں کہ انہی والد صاحب نے تو ہندوستان میں علوم وفنون سے محظوظ ہونے کے لئے بھیجا تھا، اب وہ تکمیل کئے بغیر واپس آ گئے تھے، تو مارے خوف کے گھر گئے بغیر علی چنگ کے بازار میں چھپے رہے، کہا جاتا ہے کہ آپ نے ہندوستان سے واپسی پر ایک سارنگی بھی لائی تھی، جسے کسی تاجر کی دکان میں رکھ کر آنگن میں بیٹھ گئے تھے، ایک طرف تو علوم وفنون کی تکمیل کئے بغیر واپس آنا، دوسری طرف ہندوستان سے قوالی سیکھ کر سارنگی لئے واپس لوٹنا یہ دونوں کام (قوم کی ذہنی حالت کے مطابق) متضاد تھے، گھنٹوں کے اندر والد صاحب کے کان خبر پہنچ گئی تو غصہ میں چور ہو کر وہ گھر سے بازار کو خبر لینے نکلے، اور دیکھتے ہی لعنت وملامت شروع کردی، دیر تک ملامت کی گردان چلائی اور اپنے بیٹوں کی فہرست سے علیحدگی کا اعلان کردیا تھا، جوں ہی غصہ کافور ہوا تو محمد جعفر حسین نے کہا کہ ابا جان!! آپ ذرا مجھ سے بھی سننے کی تکلیف گوارہ فرمائیں گے تو میں آپ کا مزید ممنون احسان ہوں گا، والد صاحب خاموش ہوئے تو انہوں نے جلد سارنگی اٹھائی، بڑے درد بھرے لہجے، اور پرسوز ترنم، اور دل کو ہلا دینے والی آواز میں چند نغمے سنادئے، پہلے تو والد صاحب بڑے حیرت میں تھے، جوں جوں نغموں کی فہرست لمبی ہوتی گئی توں توں والد صاحب کا دل رام ہوتا چلا گیا، بالآخر انہوں نے جب ملت مرحوم کے نازک حالات کا پس منظر بیٹے کی مدبھری آواز میں سنا اور دیکھا تو ان کے آنسو امنڈ آئے اور سیل رواں ہو کر بہہ جانے لگے تھے، اب حالات نے اور ایک موڑ لیا کہ بیٹا کیفیت میں آ گیا، والد کو ان کی عجیب وغریب کیفیت کا اندازہ ہوا تو جوش وجذبہ میں آ کر آواز دی کہ ٹھہر جا!!! بس تم نے درحقیقت میرے مقصد کو پالیا ہے، اور جو تم سے امید تھی وہ دوسری شکل میں برآئی، یہ کہہ کر جلد بیٹا کو سینے سے لگا لیا تھا۔

روایت ہے کہ بعد ازاں آپ ۱۹۳۹ء میں رنگون گئے دراں حالیکہ رنگون میں ہندوستانیوں کا ہجوم تھا، ویسے رنگون اردو زبان کا گویا ایک مرکز بھی تھا، ویسے انہیں شعروشاعری کا ایک مرکز ملا تو چار دانگ عالم میں رفتہ رفتہ ان کی شہرت عام ہوگئی تھی، رنگون میں آپ نے قوالی کا دھوم مچایا، باوجود یکہ اس وقت رنگون میں بڑے بڑے قوال رہا کرتے تھے مگر ہر محفل میں داد تحسین نے صرف آپ کا قدم چوما، یہاں آپ نے قوالی کے میدان میں کچھ نرالی یادیں بھی چھوڑیں، آج بھی وہاں سے ان کے

فدائیوں اور مداحوں کی خوش کن باتیں ہمارے کانوں تک آیا کرتی ہیں، رفتہ رفتہ ان کی شاعری اور قوالی نے اور ایک موڑ لیا، کہ آہستہ آہستہ قوالی سیاست سے جوڑنا شروع ہوگئی، اس حوالے سے جناب ڈاکٹر ایوب علی صاحب رقمطراز ہیں کہ:

> ''رنگون میں جعفر حسین نے بہتوں محفلوں میں نغمے گائے، قوالی کے ذریعہ اور یوں بھی موقع پاتے ہی ارکان کے مسائل اور یہاں کے حالات حاضرہ پر گفتگو کرتے تھے، ویسے انہوں نے یونیورسیٹی کے چند مسلم طلبہ کو اپنا ہم نوا بنالیا تھا، جنہوں نے مشورہ دیا کہ آپ کی تڑپ یہاں کارگر نہیں ہوگی، آپ کو ابھی ابھی ارکان پہنچنا چاہئے، اسی طرح برما کے چند نامور مسلم لیڈروں نے بھی ان کو ارکان جاکر تحریک جہاد کے آغاز کرنے کا مشورہ دیا''۔

۱۹۴۲ء میں رنگون پر جاپانیوں کا قبضہ ہوگیا تو نیتا جی ڈاکٹر سبھاش چندرا گوش کی قیادت میں چلنے والی جماعت انڈین نیشنل آرمی (INA) کے کارکنوں کی ایک بڑی جماعت رنگون آئی تھی، تو آپ نے نیتا جی کی جماعت سے رابطہ قائم کیا اس کے بعد آپ کی قوالی میں خالص سیاسی رنگ بھر آیا تھا۔

روایت ہے کہ آپ نے ڈاکٹر سبھاش چندرا گوش کی جماعت (INA) میں شامل ہو کر جاپانیوں سے فوجی تربیت حاصل کر لی تھی، چونکہ آپ فطرۃ ایک انقلابی آدمی تھے، آپ کی ذات میں ملک وملت کی تڑپ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، ویسے بھی حالات بڑے نازک تھے، بڑے بڑوں کے مشورے کے علاوہ دن رات کی سوچ وبچار کے بعد انہوں نے عزم کر لیا کہ ارکانی مسلمانوں کو انقلابی میدان میں اتارلانے کا اب وقت آ گیا ہے، ویسے خود بھی اپنی قوم وملت کی راہ میں مرمٹنے کے لئے ذہنی طور پر تیار تھے، یوں انہوں نے رنگون کے مسلمانوں کو ہم نوا بنانے اور ذہنی طور پر انقلاب کے لئے تیار کرنے کی کوشش تیز کردی تھی، اس حوالے سے ڈاکٹر ایوب علی صابر لکھتے ہیں:

> ''البتہ اسی زمانہ میں آپ نے رنگون کے خوابیدہ مسلمانوں کو جگانے کی ہر ممکن کوشش جاری رکھی تھی، ہرکجا ترانے اور نغمے سنائے، جلسوں کا اہتمام کرایا، برما اور ارکان کے مسلمانوں کی زبوں حالی پر خود بھی روئے اور دوسری کو بھی رلائے تھے''۔

اب ۱۹۴۲ء کا تاریخی المیہ شروع ہو چکا تھا، جس کی تفصیلات اوپر گذر چکی ہیں، اس المیہ نے جعفر حسین کو اور بھی قوم کے لئے فکر مند، اور اس حساس ملت وقوم پر فدا انسان کو جنون کی حد تک پہنچا دیا تھا، پھر بھی دل تھام تھام کر انہوں نے منزل کی جستجو کو مناسب سمجھا، اور ۱۹۴۶ء میں عالمی جنگ عظیم کے بعد برطانیہ نے برما کو دوبارہ اپنی تحویل میں لے لیا تو آپ ارکان چلے آئے تھے، اکیاب سے ایک سارنگی ہاتھ لئے گھر واپس آرہے تھے، راستہ میں زادی فرانگ اترے، یہاں جناب محمد جرنیل اور مولانا محمد عبد القادر کے گھر ٹھہرے، انہیں ترانے اور قومی نغمے سنا سنا کے ہونے والے انقلاب وتحریک کے گرویدہ بنالیا تھا، بعد میں انہوں نے مشورہ دیا کہ ابھی فوراً آپ کو میدان میں اترنا چاہئے، یوں ان دونوں کی حمایت وتعاون سے یہاں کے درجنوں نوجوانوں کو اپنے حامی بنانے میں کامیاب ہوگئے تھے، کہا جاتا ہے کہ اس وقت محمد جرنیل، ہیڈمن سلطان احمد، شفیق الرحمن سمیت اسی افراد آپ کے ساتھ ملت وقوم کی خاطر مر مٹنے کو تیار ہو گئے تھے، بات مشہور ہوگئی تو حکومت ان کے پیچھے پڑگئی تھی، یوں انہوں نے یہاں سے کوچ کرنا مناسب سمجھا اور شفیق الرحمن، مستفیض الرحمن کی ہم راہ دابری چونگ (بوسیدنگ) تشریف لائے تھے۔

دابری چونگ میں رہ کر انہوں نے برما کے چوٹی کے مسلم لیڈروں سے بذریعہ خطوط رابطہ کیا، جنہوں نے خفیہ طور پر آپ کی حمایت کی اور احمد داروغہ سے رابطہ کرنے کی ہدایت دی تھی۔

دابری چونگ میں رہ کر آپ نے ایک طرف سرزمین ارکان کے مسلم لیڈروں سے رابطہ اور گفت وشنید شروع کی تو دوسری طرف بعض اہل دانش کے مشورہ سے میدان کارزار میں اتر کر عملی جدوجہد شروع کردی، چنانچہ ۱۲/اپریل ۱۹۴۷ء میں لوادنگ لال پل کے قریب دومگھ پولیس پر حملہ کر کے بڑی آسانی سے دو رائفل چھین لینے میں کامیاب ہوگئے، یہ آپ کا پہلا حملہ تھا، جس میں روایت کے مطابق آپ کے علاوہ اور دو مجاہد شریک تھے، اس کے بعد آپ اسلحے جمع کرنے میں سرگرم ہوگئے تھے۔

لڑکپن سے محمد جعفر حسین کا طبعی میلان موسیقی اور شعر وشاعری کی طرف تھا، بچپن ہی میں نہیں بلکہ زندگی کے آخری ایام میں ہر وقت بھنورے کی طرح گنگناتے رہتے تھے، آپ بذات خود ایک شاعر

ہونے کے علاوہ دوسرے شعراء کی اچھی شاعری سے خود بھی محظوظ ہوتے اور دوسروں کو سنا سنا کر خوش ہوتے تھے، عنفوانِ شباب میں آپ نے شاعر مشرق حضرت علامہ اقبال کے شعر وشاعری سے نسبت قائم کی اور ہمیشہ کے لئے اقبال کے اعلی تغزل اور روح افزا نغمہ سرائی سے لو لگا لیا تھا، آپ علامہ اقبال کے کلام سے نہ صرف متاثر تھے بلکہ اسے گا گا کر لوگوں کو مخمور کر دیتے تھے، قدرت نے آپ کو سریلی آواز سے نوازا، کہ آپ کی آواز میں بلا کی تاثیر تھی، ایک طرف علامہ مرحوم کی اعلی غزل وترانے، جس میں زبان کی حلاوت بھی تھی اور موسیقی کی لذت بھی، ترنم کی بلا بھی تھی اور اوزان کا جادو بھی، پھر اس میں محمد جعفر کی پرسوز نغمہ سرائی اور مدبھری آواز نے دنیائے تحریک میں سحر کا کام دیا، ان ساری چیزوں کے تہ بتہ آپ کے جوش وخروش، ملت بیضا سے عشق والفت، قوم کی مشکلات ومصائب پر پریشانیاں وآلام، ملک وقوم کے درپیش خطرات سے آگاہی اور ان پر بیقراری، آئے دن نت نئے مظالم پر سوز ودھڑکن، اپنی آنکھوں کے سامنے ماؤں اور بہنوں کی عصمت دری اور آبروریزی، شعار دین متین سے دشمنان خدا کی ہولی کھیل، اور اس کے ساتھ ساتھ بعض علمائے کرام اور مشاہیر عظام کی بے التفاتی، دانشوران قوم کی قوم فروشی اور دین بیزاری، عوام الناس کی جہالت اور ناخواندگی، یہ وہ چیزیں تھیں جنہوں نے ایک طرف آپ کی نغمہ سرائی کو جلا بخشا تو دوسری طرف ہمیشہ آپ کو بے چین اور بے قرار رکھا تھا، جب ان تمام تصورات کو آنکھوں کے سامنے رکھ کر بزم آرائی کرتے تو بزم کو ایمان ویقین، حمیت وغیرت کی رزم گاہ بنا دیتے تھے، اور اپنی آواز کی جادوگری اور موسیقی کی سحر آفرینی سے لوگوں کو مسحور اور متوالے بناتے چلے جاتے تھے۔

درحقیقت شاعری ایک حسین اور نرالی چیز ہوتی ہے، جسے بعض حضرات ایک حسین دلہن سے تعبیر کرتے ہیں، مزید برآں شاعری ایک ایسی چیز بھی ہے کہ جس سے باضمیر اور پرجوش لوگوں کو جلد متاثر کر کے متوالے اور مدہوش کیا جاسکتا ہے، اس زمانہ میں نہیں بلکہ آج بھی ہماری قوم میں علمائے کرام کے علاوہ اردو زبان سے لو لگائے ہوئے انسانوں کی کمی نہیں ہے، تو محمد جعفر کی پرسوز نغمہ سنجی اور مدبھری آواز نے دنیائے تحریک میں انوکھا یا نرالا کام انجام دیا، کہ آپ اپنی موسیقی اور آواز کی جادوگری سے ہزاروں افراد کو فدایان ملت وقوم بنانے میں کامیاب ہوگئے تھے، اور بڑی تیزی سے

ایک بچھڑی ہوئی قوم کو ایک ہی جماعت یا ایک ہی پلیٹ فارم میں جمع کر دیا تھا، حقیقت میں یہ محمد جعفر کی ایک بڑی کامیابی تھی، جس نے اس قوم کی ذہنیت کو تاڑا اور اسے ایک پرچم تلے جمع کرنے میں کامیاب ہو گیا، یہ ایک ایسی کامیابی تھی، جس کا تصور آپ کے پچھلوں نے کیا اور نہ اگلوں کے لئے ممکن ہو سکا، یہ دنیائے تحریک کا انوکھا انداز عمل تھا، جس کی نظیر شاید دنیا میں کہیں ملے گی، کہ ایک قوم کو صرف ایک انسان کی غزل سنجی اور نغمہ سرائی نے مجبور کر کے سرفروش بنا دیا ہو، یہ ایک انوکھی مثال تھی جسے تاریخ تحریک نے صرف اور صرف سرزمین ارکان کے ایک سرفروش مرد مجاہد کی شخصیت میں پہلی بار دیکھا ہو، یوں تو آپ کی غزل سرائی سے لوگ تڑپتے اور ملت وقوم کے لئے مر مٹنے اور اپنی جان تلک قربان کر دینے کے لئے تیار ہو جاتے تھے، اس کے ساتھ ساتھ آپ کی شخصیت میں ایک جاذبیت تھی، دیکھتے ہی لوگ آپ پر فدا ہوتے تھے، ویسے دیکھتے دیکھتے لوگوں کی نظریں آپ پر مرکوز ہو گئی تھیں، آپ پر بڑی امید تھی، یقین ہو گیا تھا کہ آپ کے ذریعے خدا کرے تو قوم وملت کا درپیش مسئلہ حل ہو جائے گا، اگلے دن قوم اپنی آزادی کی لذت سے محظوظ ہو جائے گی۔

آپ نے اپنی نغمہ سنجی کو تحریک وانقلاب، اتحاد واتفاق کا ایک وسیلہ بنایا، اس فکر کے ساتھ آپ جہاں کہیں بھی گئے، کامیابی اور کامرانی نے آپ کا قدم چوما تھا، ہر کجا ارکان کے مسلمان تحریک وانقلاب کے فدائی بنتے چلے گئے تھے۔

۱۹۴۷ء میں آزادی کے حوالے سے مشہور شملہ کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں شرکت کے لئے ارکان سے ایک وفد مسٹر ظہیر الدین بی اے (علیگ) کی قیادت میں شملہ پہنچا تھا، وفد نے سرزمین ارکان کی آزادی کے سوال پر قائد اعظم جناب محمد علی جناح سے ملاقات کی، عرض کی کہ ارکان بھی تو ایک مسلم اکثریتی علاقہ ہے، کیوں نہ اس سرزمین کو پاکستان میں ضم کر لیا جائے؟ چونکہ اس وقت بہت سے مسلم لیگیوں کی طرح ارکانی دانشوروں کا خیال تھا کہ مسلم اکثریتی علاقہ ہونے کی وجہ سے ارکان کو پاکستان میں ضم کیا جائے گا، لیکن مسٹر جناح کے اس جواب نے ان کے خیالات پر پانی پھیر دیا کہ بھائیو! برما ۱۹۳۶ء سے ہندوستان سے ایک علیحدہ ملک ہے، آپ حضرات کو ارکان کی آزادی کے سوالات لئے رنگون جانا ضروری ہے، آپ حضرات ارکان کے مسائل رنگون جا کر حل کر لیجئے!

ظاہر ہے کہ وفد ناکام اور نامراد واپس آیا تھا، جس نے پوری سرزمین کے مسلمانوں کی طرح محمد جعفر کے حساس دل ودماغ کو متاثر کیا، آپ نے بھانپ لیا کہ ارکان پھر برمی غاصبوں کے قبضہ میں چلے جانے والا ہے، ارکان کے مسلمانوں کے سر پر ایک زبردست خطرہ منڈلا رہا ہے، غلامی اور مصیبت کی زنجیریں ان کے گلے میں ڈالی جانی والی ہیں، اب کی بار ملت وقوم کو بچانے کے لئے زبردست جدوجہد شروع کرنی پڑے گی، ورنہ سارے کے سارے مسائل دھرے کے دھرے رہ جائیں گے، اب مسئلہ ایسا خطرناک ہو گیا ہے کہ جس کا حل آسانی سے ممکن نہیں، بالآخر انہوں نے ایک انقلابی جماعت کی تشکیل کا عزم کر لیا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء میں محمد جعفر حسین نے اپنے بعض دانشور رفقائے کار (جو پہلے سے آپ کی تحریک اور ملت وقوم کی خاطر اپنی جان تک نثار کرنے کا عزم کر لئے تھے) کو بوسیڈنگ ٹاؤن شپ اور دریائے مایو کی سمت مشرق میں واقع گاؤں دابری چونگ میں جمع کیا۔

اب محمد جعفر حسین اور آپ کے رفقائے کار جہاد اور تمنائے شہادت سے سرشار تھے، یوں ۲۰/ اگست/ ۱۹۴۷ء میں جہادی پروگرام کو اجتماعی طور پر عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک جلسہ منعقد کیا گیا، جس میں درج ذیل حضرات نے شرکت کی:

(۱) جناب محمد جعفر حسین قوال (مجاہد اعظم) علی چنگی۔

(۲) جناب شہید ملت جنرل عبد الشکور صاحب دابوی۔

(۳) جناب محمد عباس صاحب سید نگی۔

(۴) جناب سلطان احمد صاحب خائندہ فاروی۔

(۵) جناب صلاح الدین صاحب (دودو میاں) باغگونوی، منگڈوی۔

(۶) جناب شفیق الرحمن صاحب دابوی۔

اجلاس میں وقت کے سیاسی حالات پر تبادلۂ خیالات ہوا، اور برما کی آزادی کے قبل ارکان کو ایک علیحدہ مسلم ریاست (مگر برما کے ساتھ) بنانے کی تدبیریں سوچی گئیں، ارکان کے مسلمانوں کے مستقبل پر غور وخوض کیا گیا، مشارکین نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ اب سرزمین ارکان اور یہاں

کے مسلمانوں کے مفاد کی خاطر ایک منظم جماعت ناگزیر ہے، چونکہ جعفر حسین اور عبدالشکور صاحب دونوں جاپانی فوجی تربیت یافتہ تھے، چنانچہ فیصلہ ہوا کہ مسلح جدوجہد کے لئے ارکانی مسلم نوجوانوں کو منظم کیا جائے، اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جعفر حسین اور عبدالشکور کو منتخب کیا گیا، یہ بات مشہور ہوئی تو مسلم جوانان امنڈ پڑے اور جوق در جوق دابری چونگ میں ان سے جا ملے، انہوں نے نوجوانوں کو فوجی تربیت سے نوازا اور جنوری/ ۱۹۴۸ء تک ایک منظم جماعت کی تیاری مکمل ہوگئی تھی۔

۴/جنوری/ ۱۹۴۸ء میں برما کی آزادی کا اعلان دراصل روہنگیا مسلمانوں کے لئے غلامی کا اعلان تھا، مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ غلامی کی زنجیریں اب ہمیشہ کے لئے گلے میں ڈالی جاچکی ہیں، آزادی کے قبل بھی مسلمانوں نے اپنے جائز حقوق کی بازیابی وتحفظ اور سرزمین ارکان میں ان کے دین وایمان، عقیدہ ومسلک، تہذیب وثقافت کی بحالی کے لئے مسلسل کوشش کی، مگر ہر ایک محاذ میں انہیں ناکامی کا چہرہ دیکھنا پڑا، اور برطانوی سامراجی حکومت کے آخری دور میں انہوں نے اپنی آزادی کے لئے ہر ممکن کوشش کی، لیکن برطانوی سامراجیوں اور برمی دغابازوں نے ان کی ہر کوشش پر پانی پھیر دیا، اعلان آزادی کے پہلے عبوری حکومت کے زمانہ میں مسلمانوں نے اپنے روشن مستقبل کے لئے جدوجہد کی، لیکن برمی شاطروں نے ان کی آرزو اور تمنا، امید وامنگ کا نہ صرف مذاق اڑایا بلکہ انہیں ہمیشہ کے لئے آزادی سے محروم کرنے کا تہیہ کرلیا تھا۔

آب آزادی کا اعلان ہوا تو روہنگیا مسلمانوں نے باوجودیکہ بڑے پردرد لب ولہجہ اور لے ودھن سے برمی حکومت کے سامنے اپنا مطالبہ پیش کیا، لیکن برمی غاصبوں کے کان میں جوں تک نہ رینگی، بلکہ ان کے خلاف رنگارنگ کے بہانے تراشے گئے اور ان کو سرے سے ختم کردینے کی راہیں تلاش کی گئی تھیں۔

چنانچہ ان کے مطالبات کے خلاف سینکڑوں پروپیگنڈے کئے گئے، حتی کہ ۱۵/مئی/ ۱۹۴۸ء میں مجاہدین کے خلاف فوج کشی کی گئی، یوں پندوفرانگ، بوسیدنگ میں گھمسان کی لڑائی ہوئی، حملہ اور جوابی حملہ ہوا، بالآخران ظالموں کو ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا، اور برمی عین معرکہ سے دم دبا کر بھاگے تھے، آزادی کے بعد ان برمیوں کی طرف سے درحقیقت روہنگیا مسلمانوں کے نام پر یہ پہلا ارمغان تھا، جس کی پہلے سے توقع کی گئی تھی، حملہ میں ناکام ہوا تو مجاہدین کے خلاف فوج کشی کے بہانے سے

سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں روہنگیا معصوم مسلمانوں کے مال ومتاع، عزت وآبرو، دین ومذہب، تہذیب وثقافت کا خون کیا گیا، اس حملہ میں چھ برمی اوباش جہنم رسید ہوئے، امین اللہ منگنما فاروی زخمی ہوا اور دوہزار سے زائد گولہ بارود پر مجاہدین کا قبضہ ہوا تھا۔

اس کے بعد محمد جعفر حسین نے بیس صفحات پر مشتمل ایک میمورنڈم تیار کرایا، ایک نسخہ برمی وزیر اعظم مسٹر اونو کے نام بھیجا، باقی نسخے قائد اعظم محمد علی جناح، پنڈت جواہر لال نہرو اور برطانوی وزیر اعظم مسٹر اٹلی کے نام پوسٹنگ کرائے گئے تھے، دریں اثناء ارکانی کمشنر نے مجاہد اعظم کے نام ایک مکتوب بھیجا، جس میں صرف اتنی سی بات درج تھی کہ:

''جعفر حسین! کیا وجہ ہے کہ تم نے مسلح جدوجہد شروع کردی اور خواہ مخواہ جنگل میں رہ رہ کر اتنی تکلیفیں اٹھا رہے ہو، جلد اس بات کا جواب دو''؟

محمد جعفر حسین اور آپ کے رفقائے کار نے درمیانی مرحلوں سے گذر کر فیصلہ کرلیا کہ زبردست فیصلہ کن جہاد کئے بغیر ارکان اور یہاں کے مسلمانوں کے مسائل حل نہیں ہوسکتے، یوں انہوں نے فیصلہ کن جہاد کے لئے ایک منظم جماعت کی تشکیل ناگزیر سمجھی، چنانچہ ۱۹/جولائی/ ۱۹۴۸ء میں مجاہدین کے مرکز فقیرہ (بالائی منگڈو) میں جہاد کونسل کے نام پر ایک مجلس کی تشکیل دی:

(۱) صدر جہاد کونسل: جناب مجاہد اعظم محمد جعفر حسین قوال علی چنگی۔
(۲) نائب صدر: جناب سلطان احمد خائندہ فاروی۔
(۳) مشیر اعلی: جناب عمرہ میاں (سابق صدر پیس کمیٹی آف منگڈو)
(۴) فوجی ہائے کمانڈر: جناب عبدالشکور ڈابوئی۔
(۵) مرکزی کمیٹی کے اعلی ممبر: جناب کرنل رشید احمد بن مولانا ابوالخیر پوئمالوی۔
(۶) مرکزی کمیٹی کے اعلی ممبر: جناب خلیل الرحمن شقدار دھاریوی۔
(۷) مرکزی کمیٹی کے اعلی ممبر: حضرت مولانا سلطان احمد پندوفرانگی، بوسیدنگ۔

بعد ازاں مجاہدین نے شمالی مغربی ارکان کے تقریبا تمام بالائی علاقے کو اپنے قبضہ میں لاکر برمی حکومت کے خلاف کھلی مخالفت یا بغاوت کا اعلان کردیا تھا۔

اب مجاہدین کی بڑھتی ہوئی کامیابی کو دیکھ کر حکومت برما نے ان سے گفتگو کرنے کے لئے ایک وفد کی تشکیل دی، جس میں درج ذیل یہ حضرات شامل تھے:

(۱) جناب ابوالبشر ایم پی پوئما لوی بوسیدنگی۔

(۲) جناب سلطان احمد ایم پی بھالوخالوی۔

(۳) جناب عبدالغفار ایم پی رنگیا دنگی، بوسیدنگی۔

(۴) جناب فروخ احمد اڈووکٹ بلی بازاری۔

(۵) جناب مولانا محمد ہاشم ڈپٹی انسپکٹر ولیڈر آف جمعیت العلماء منگدو، کوائن سرابیلی۔

۱۲/جولائی ۱۹۴۸ء میں یہ وفد کیاندنگ پہنچا، مجاہد اعظم اور آپ کے رفقائے کار سے ملاقات کی، وفد نے مجاہدین کے مطالبات دریافت کئے تو درج ذیل دفعات پر مشتمل ایک میمورنڈم پیش کیا گیا:

(۱) مسلم اکثریتی علاقہ، یعنی دریائے کلاڈان سے لے کر دریائے ناف تک کے پورے علاقہ کو برمی یونین کے ماتحت ایک مسلم ریاست تسلیم کرلیا جائے۔

(۲) نورتھ ارکان رجمنٹ کے نام سے مسلم نوجوانوں پر مشتمل ایک فوجی رجمنٹ (REGIMENT) تشکیل دی جائے، جو نورتھ ارکان کی ایک ایک انچ زمین کا دفاع کرے گی۔

(۳) اردو کو ارکانی مسلمانوں کی قومی زبان قرار دیا جائے، البتہ برمی زبان وفاقی ملکی زبان ہونے کے پیش نظر پڑھی پڑھائی جائے گی۔

(۴) شمالی مغربی ارکان کے تمام سرکاری عہدوں میں مسلمانوں کو بحال کیا جائے، البتہ ہر ایک شعبہ میں مرکزی حکومت کا مشیر اعلی ضرور ہوگا۔

(۵) ارکان کے تمام روہنگیا مسلمانوں کی حیثیت ملک کی دوسری قوموں کی مساوی کی جائے، یعنی انہیں ملک کے اصلی شہری تسلیم کیا جائے۔

(۶) شعبۂ امور دفاع، امور خارجہ، امور اقتصاد وتجارت میں علاقائی حکومت کو مرکزی حکومت کے ماتحت کام کرنے کی اجازت دی جائے اور کسی بھی فیصلہ کو عملی جامہ پہناتے وقت ایک دوسرے کے ہاتھ بٹانے کی راہ ہموار کی جائے۔

(۷) روہنگیا مسلمانوں کو برما کے اصلی شہری قرار دے کر تمام روہنگیا قیدیوں کو رہا کردیا جائے، اس کے ساتھ ساتھ تمام روہنگیا مہاجرین کو اپنی اپنی بستیوں میں واپس لاکر بسایا جائے۔

(۸) ان تمام دفعات کو قبول کرتے ہوئے روہنگیا مجاہدین کی شمولیت میں ایک معاہدہ کیا جائے، جس میں وقت کے برمی حکمران اور قائد تحریک کے دستخط ہوں گے۔

ستمبر/۱۹۴۸ء میں مجاہدین نے برمی ظالموں پر گھات لگا کر حملہ کیا اور بلی بازار تک کے تمام بالائی علاقے پر قبضہ کرتے ہوئے سارے بحری راستے مسدود کردئے گئے، منگڈو اور بوسیدنگ کے شہروں کے علاوہ تقریبا سارے دیہاتی علاقے مجاہدین کے قبضہ میں آگئے تھے، اتنے دنوں تک مجاہدین کا مرکز فقیرہ میں تھا، اس کے بعد جہاد کی حکمت عملی کے پیش نظر اکثریت کے فیصلہ سے مرکز کو منتقل کرکے تو مبرو (TONGBRU) لایا گیا، اور ساتھ ساتھ ۱۹/یا ۲۰/اکتوبر کو کونسل کے عام انتخابات بھی ہوئے، جس کے نتیجے میں درج ذیل حضرات پر مشتمل ایک مجلس کی تشکیل ہوئی تھی:

(۱) صدر جہاد کونسل: جناب محمد جعفر حسین (مجاہد اعظم)

(۲) نائب صدر کونسل: جناب سلطان احمد خائندہ فاروی۔

(۳) مشیر اعلی: جناب عمرہ میاں منگڈوی۔

(۴) جنرل سکریٹری: جناب وجیہ اللہ کیلادنگی۔

(۵) نائب سکریٹری: جناب محمد عباس صاحب سیندنگی، بوسیدنگی۔

(۶) فوجی کمانڈر انچیف: جناب عبدالشکور (شہید اعظم) دابوی۔

(۷) نائب کمانڈر: جناب حمید الرحمن۔

برمی حکومت اتنے دنوں تک مجاہدین کے دلیرانہ حملوں کا جواب نہ دے سکی، یوایم پی نامی نیم فوجی اور پولیس مجبور ہوگئی تھی اور حملوں کی تاب نہ لاکر ہتھیار ڈالنے کا وقت قریب آ گیا تھا، مگر قدرت کا فیصلہ اور تھا کہ بروقت بڑی تعداد میں برمی فوجی کمک پہنچ گئی تھی، کمک خلیج بنگال سے منگڈو پہنچی اور کوہ مایو کو عبور کرتے ہوئے بوسیدنگ جاٹھہری تھی، مشرقی علاقہ میں مجاہدین کے کمانڈر انچیف جناب عبدالشکور

صاحب اوران کے نائب جناب رشید احمد اوران کے ساتھیوں سے لڑائیاں ہوئیں،سینکڑوں کفار جہنم رسید ہوئے،سینکڑوں زخم سے چوراورنڈھال ہوکر بھاگ گئے تھے۔

۲۳ /نومبر/ ۱۹۴۸ء میں منگل کا دن تھا،مجاہدین کی محدود گولیاں اب ختم ہوتی جارہی تھیں، پھر بھی رہ رہ کر مقابلہ جاری تھا، ارکان کے شیر پلنگ اور مردمیدان کارزار جناب عبدالشکور نے بہرحال لڑائی جاری رکھی تھی، اچانک عقب سے مجاہدین پر حملہ ہوا، ان پر گولیوں کی بارش برسائی گئی، اب میدان مجاہدین کے ہاتھ سے نکل چلا اور حالات نے پلٹا کھایا، حملوں کی تاب نہ لاکر مجاہدین کی جمعیت ختم ہوگئی، پھر بھی عبدالشکور صاحب دل کھول کرلڑنے میں مصروف رہے، رومی ٹوپی والے مردمجاہد کے دائیں بازو پرایک گولی لگی، دائیں بازو گیا تو بائیں بازو سے گولیاں چلاتے رہے، پھرگردن پراورایک گولی لگی تو اسلحہ جناب مستفیض الرحمن کا حوالہ کیا، مگر پھر بھی مجاہدین کو دل کھول کرآپ لڑنے کا حکم دے رہے تھے۔

بالآخرعبدالشکور صاحب کے پاک سینہ پرایک گولی ایسی لگی کہ راہ بناتے ہوئے پیچھے سے نکل گئی، یوں سرزمین ارکان کے شیر پلنگ عرصہ تک کفار کے خلاف گرجتے اور دندناتے ہوئے ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئے تھے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی شہادت نے نہ صرف مجاہدین کوششدر بنایا بلکہ پوری سرزمین ایک ماتم کدہ میں تبدیل ہوگئی تھی، آپ کی شہادت پر بچے بچے نہیں بلکہ ذرے ذرے روئے، آج تلک آپ کی شہادت کا ماتم نہ صرف قوم بلکہ زمین بھی کرتی ہے، اللہ تعالی ایسے پاک طینت مردکارزار کو اپنے آغوش رحمت میں جگہ دیں اورآپ کی شہادت اورآپ کے سینے کے خون کی برکت سے سرزمین ارکان کے چمن خزاں دیدہ میں پھر سے بہار آئے۔

جنرل عبدالشکور کی شہادت نے برمی اوباشوں کی ہمت بڑھائی، انہوں نے مزید حملوں کا آغاز کیا، انہوں نے ۲۴ ردسمبر ر ۱۹۴۸ء میں بروز جمعہ صبح پانچ بجے تنگ بازار پر حملہ کردیا تھا، حملہ اورجوابی حملہ ہوتا رہا، بالآخر مسلسل حملوں کی تاب نہ لاکر مجاہدین پیچھے ہٹنے میں کامیاب ہوگئے، اس لڑائی میں مجاہدین کا نقصان تو نہ ہوا، البتہ برمی بزدلوں نے مسلم عوام پر بزدلانہ حملہ کرکے سینکڑوں کوشہید اور

ہزاروں کو بے گھر کردیا تھا، بستیوں کو جلا جلا کر راکھ کا ڈھیر بنایا، مسجدوں کوشہید اور مدرسوں کو ویران بنایا، ماں بہنوں کی عزت وآبرو کی ہولی کھیلی، مسلمانوں کی جان ومال عزت وآبرو کا مذاق اڑایا، قرآن پاک کے علاوہ ہزاروں دینی کتابوں کے ہزاروں نسخے جلا کر راکھ کردئے تھے۔

اب مجاہدین چاروں طرف سے سمیٹ کرتومبرو مرکز میں جمع ہونے لگے، روزانہ کونسل کا اجلاس ہونے لگا، ۳۰/دسمبر/ ۱۹۴۸ء کی صبح دس بجے خبر ملی کہ آج کی رات مرکز کا محاصرہ ہونے والا ہے، مجاہدین نے مرکز کی حفاظت کے لئے ہر چند کوشش کی، لیکن کام نہ ہوا، بالآخر رات کو مرکز کا محاصرہ ہو ہی گیا، اب محمد جعفرحسین نے حکم دیا کہ مرکز کے دفاع کئے بغیر مجاہدین دوسری طرف نکل جائیں اور آم تلہ اورفقیرہ جاکرحکم ثانی کا انتظار کریں، مجاہدین کامیابی کے ساتھ مرکز سے ہٹ گئے، لیکن برمی ظالموں نے تومبرو کے عوام پر بزدلانہ حملہ کردیا تھا، ظلم کی ایسی چکی چلائی کہ تاب نہ لاکر تقریباً تیس ہزار مسلمانوں نے پاکستان میں پناہ لی تھی۔

مگر افسوس کا مقام یہ ہے کہ مرکز پرحملہ کے بعد مجاہدین منتشر ہوگئے تھے، اب ان میں جمعیت باقی نہ رہی تھی، لیڈروں میں چندزخم سے چور اور چندنڈھال تھے، عام مجاہدین میں منتشر الخیالی کی بیماری چھاگئی تھی، ہرطرف مایوسی اورافسردگی کا سماں چھا گیا تھا، مسٹرعمرہ میاں پدوہ چلے گئے، مسٹرمحمد عباس صاحب گندم کے دورہ پر تھے، کرنل رشید احمد بیماراورصلاح الدین دودومیاں مجروح حالت میں زیرعلاج تھے، مسٹروجیہ اللہ ٹیکناف جاچھپےاورمسٹرسلطان اورنذیراحمد دھاریہ جاپہنچے تھے۔

مگر چنددن کے بعد پھر رفتہ رفتہ مجاہدین آم تلہ میں جمع ہونے لگے، اورآم تلہ کومستقل مرکز قراردے کرمجاہدین کی ازسرنو یوں ترتیب دی گئی کہ:

(۱) ریزروپلاٹوں کا ہائے کمانڈر: جناب محمد جعفرحسین (مجاہداعظم)

(۲) آپریشن مجاہدآرمی (OMA) کا ہائے کمانڈر: جناب رشیداحمد (CL)

(۳) سول ملٹری آرمی آفیسر (CMA): جناب ڈاکٹر ایوب علی صابر۔

اورعبدالشکور بوری چونگی، صالح احمد فقیروی، شفیق الرحمن سینڈنگی، محمد شفیع بلی بازاری کو میجر جنرل (MG) کے خطاب سے سرفراز کیا گیا، اس کے بعد مجاہداعظم نے تمام مجاہدین کے نام ہدایت بھیجی کہ:

(الف) مجاہدین وقت مقررہ پر نماز پنج گانہ ادا کریں۔

(ب) مجاہدین اپنے امیر اور افسر کی اتباع کریں اور یاد رکھیں کہ خوش نامی صبر میں کامیابی اتحاد میں اور مضبوطی اعتماد میں ہے۔

(ج) مجاہدین تمام مسلمانوں کی جان و مال، دین و ایمان، امن و آشتی کے محافظ بنیں۔

(د) ہر ایک مجاہد اپنے نصب العین ''نورتھ ارکان مسلم اکثریت کے علاقہ کو حکومت برما کے تحت مسلم اسٹیٹ بنانے سے'' باخبر رہے۔

(ھ) اس بحرانی حالات کے پیش نظر مجاہدین صرف اپنا دفاع کریں اور پیش قدمی سے باز رہیں اور دھل پہاڑ سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کریں۔

(و) ہر ایک مجاہد اپنے آپ کو قوم کا ایک دوست اور خادم تصور کرے۔

فروری اور مارچ / ۱۹۴۹ء کے دو مہینے آزمائش کے گذرے، ان کے پاس نہ پہننے کے کپڑے تھے نہ پیٹھ بھرنے کے لئے رسد، نہ اوڑھنے کے لئے کمبل تھے نہ چلنے کے لئے جوتے، یہ دو مہینے ایسے گذرے کہ مجاہدین نے جنگل کے پتوں سے پیٹھ کی آگ بجھائی تھی، حتی کہ سردی کے مارے چند مجاہد شہید بھی ہو گئے تھے، پھر بھی کسی نے اف تک نہ کیا تھا، سردی کے مارے سونے کی نوبت نہ آتی تو بھی زبان سے آہ نہ نکلتی تھی، اللہ کے ان سرفروش بندوں نے فتح و کامرانی کے انتظار میں اللہ اللہ کر کے وقت گذارے، ہر وقت صوم وصلاۃ، ذکر و تلاوت اور شکر خداوندی کا سماں چھایا ہوا نظر آتا تھا، مجاہد اعظم کی امید بر آئی اور لوگ ہر وقت عبادت الٰہی میں مستغرق اور اپنے نصب العین کے لئے جینے اور مرنے کے لئے مستعد تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ ارکان میں مگھوں کی مسلح چار کمیونسٹ پارٹیاں تھیں اور ہر ایک پارٹی اپنے آپ کو کمیونسٹ پارٹی کہلانے میں فخر محسوس کرتی تھی، جن کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) پانیاں سہاں پونجی (بودھ بھکشو) پارٹی: یہ پارٹی بہت مستحکم تھی، بعد میں لیڈر جب حکومت کا حامی بنا تو اکثر ممبروں نے پارٹی کو چھوڑ دیا تھا۔

(۲) اوسینڈا پونجی پارٹی: اس پارٹی کے اکثر ممبران تعلیم یافتہ تھے اور ڈاکہ اور رہزنی سے

باز رہتے تھے۔

(۳) لال پرچم کمیونسٹ پارٹی: اس پارٹی کا نصب العین روسی کمیونسٹوں کی طرح رہزنی، ڈاکہ زنی، غصب، زنا، قتل، غارت گری ہی تھا، جس نے سرزمین ارکان کے مسلمانوں کی نیند حرام کر رکھی تھی، دراصل اس پارٹی نے ایک بڑا احسان یہ کیا کہ یہاں کے مسلمانوں کو لفظ کمیونسٹ سے متنفر بنا دیا، ارکانی مسلمان نہ صرف کمیونسٹوں سے بدظن تھے بلکہ کمیونسٹوں کے دشمن بن گئے تھے۔

(۴) سفید پرچم کمیونسٹ پارٹی: یہ پارٹی باقی مذکورہ تینوں پارٹیوں سے قدرے مستحکم پوزیشن میں تھی، اس نے جب دیکھا کہ لال پرچم کمیونسٹ پارٹی سرزمین ارکان میں خون خرابہ، رہزانی، ڈاکہ زنی، قتل و غارت گری کر رہی ہے تو اس نے اس شیطانی اور بدنام زمانہ پارٹی کو ختم کرنا مناسب سمجھا، اور چند معرکوں میں ایسی شکست دی کہ ارکان میں لال پرچم والی پارٹی کا نام تک مٹ گیا۔

سفید پرچم والی پارٹی کا رہنما مسٹر ٹون اونگ پھرو ۱۹۴۸ء کے دوران اپنے ہم راہیوں سمیت شمالی ارکان کے ساگ، کومی، مرونگ، چاکما بستیوں کا چکر لگاتا تھا، نومبر / ۱۹۴۸ء میں وہ تنگ بازار آیا اور جہاد کونسل کے سکریٹری جنرل جناب وجیہ اللہ صاحب سے ملاقات کر کے ایک پبلک میٹنگ کا انتظام کیا تھا، جس میں علاقہ کے سرکردہ حضرات کے علاوہ مجاہدین کے چند بڑے بڑے افسروں نے شرکت کی تھی، جس میں کمیونسٹ پارٹی کے نصب العین و منصوبے اور پلان و پروگرام کے علاوہ ان کی روئداد پڑھ سنائی گئی اور ایک کاپی کونسل کے جنرل سکریڑی جناب وجیہ اللہ صاحب کا حوالہ کیا گیا اور اس بھری مجلس میں ٹون اونگ پھرو نے ایک لمبی چوڑی تقریر کی، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

میرے مجاہدین بھائیو!!

''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سرزمین ارکان میں چند چھوٹی چھوٹی قوموں کے علاوہ دو بڑی قومیں آباد ہیں، ایک کا نام رکائنگ (مگھ) دوسرے کا روہنگیا (مسلمان) ہے، جس میں رکائنگ کی (ان کے مطابق) اکثریت ہے اور روہنگیا کی اقلیت، اور دونوں قومیں اپنی اپنی خودمختاری کی خواہش مند ہیں، اگر دونوں اس سرزمین میں باہمی تعاون کے بغیر الگ الگ انداز فکر اور طرز و طریقہ سے حصول آزادی کے کام کریں گی تو سارے کام

دھرے کے دھرے رہ جائیں گے، دونوں کبھی بھی آزادی کی لذت سے محظوظ نہیں ہوسکیں گی، اب اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ دونوں کے مابین باہمی تعاون کا زبردست فقدان ہے، جس کی وجہ سے دشمن کی طاقت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جارہی ہے، اب حکومت برما کی پالیسی لڑاؤ اور حکومت کرو کی ہے، وہ کبھی ان دونوں کے مابین اتحاد وتعاون کی ہوا چلنے نہ دے گی، لہذا دونوں کے مابین اتحاد وتعاون کے بغیر آزادی کا حصول ناممکن ہے، ہم نے آپ کو ایک اہم نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے، باقی تمام چیزوں کے فیصلے ان دونوں قوموں کے ارباب بست وکشاد پر مدار ہیں''۔

اس کے بعد جناب وجیہ اللہ صاحب نے ایک مختصر سی تقریر کی، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

''بھائیو!! ٹون اونگ پھرو صاحب نے ایک اہم نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے، اتحاد وتعاون کے بغیر ارکان کی آزادی ناممکن ہے، مگر ان دونوں قوموں کے مابین تحریری مچلکہ کا جہاں تک سوال ہے، اس کا ایجابی یا سلبی جواب اب ممکن نہیں، یہ کام جہاد کونسل کے فیصلہ تک ملتوی رہے گا''۔

بعد ازاں جہاد کونسل کا مرکز جب دھاریہ منتقل کیا گیا تو ٹون اونگ پھرو نے دھاریہ آکر مجاہد اعظم سے ملنا چاہا، درۂ والیدنگ کی ساگ بستیوں میں ٹھہر کر مسٹر وجیہ اللہ صاحب کے متعلق تحقیق کی ، اس کو جب یہ معلوم ہوا کہ حال میں وہ سبکدوش ہوگئے ہیں تو مجاہد اعظم سے رابطہ کیا، مجاہد اعظم نے بلا روک ٹوک آنے کے پیغام کے ساتھ ساتھ ایک تحریری اجازت نامہ بھی بھیج دیا، لیکن پہاڑی قبائلوں نے ٹونگ اونگ پھرو کو مجاہدین سے ڈرایا، بالآخر وہ مارے خوف کے مجاہد اعظم سے ملے بغیر واپس چلا گیا تھا۔

کہتے ہیں کہ مگھ لیڈروں میں ٹون اونگ پھرو ایک روشن خیال آدمی تھا، اس نے ارکان کے مسلم مجاہدین سے ایک معاہدہ کرنا چاہا، جس میں دوسری قوموں کے علاوہ سرزمین ارکان کی دو بڑی قوموں کے حقوق اور مراعات عادلانہ اور مساویانہ ہونے کی بات تھی، جب کہ خود اس کی پارٹی میں اس قسم کے معاہدہ کے مخالفین تھے، انہوں نے جب دیکھا کہ ٹون اونگ پھرو اپنے فیصلہ پر اٹل ہے تو

کسی تنگ نظر ارکانی بڈہسٹ کے ذریعہ پراسرار طریقہ سے اسے قتل کردیا گیا، اس کی ہلاکت کے بعد اس کیپارٹی نے ۱۹۵۰ء میں والیدنگ کے پہاڑی علاقہ میں مورچہ لگانے کی کوشش کی، لیکن مجاہد اعظم نے میجر جنرل عبد الرشید اور شفیق الرحمن کی زیر قیادت مجاہدین کا ایک دستہ بھیجا، جس نے کمیونسٹوں کو یہاں سے مار بھگایا تھا۔

آزمائش کے دو مہینے طوفانی ہواؤں کی طرح مجاہدین کے سر سے گذر گئے، اب مجاہدین نے بچاؤ کے لئے ہر امکانی کوشش تیز سے تیز تر کردی، جس میں کامیابی نے ان کا قدم چوما، اس کے بعد وقت کے تقاضے کے مطابق کونسل کی از سرنو ترتیب ہوئی، اور ۲۸/مئی/۱۹۴۹ء میں جہاد کونسل کے اعلی اراکین کی شمولیت میں ذیل کے ممبران پر مشتمل مجلس عاملہ کی ترتیب وتشکیل ہوئی تھی:

(۱) سرپرست اعلی: جناب ماسٹر عمرہ میاں صاحب شقدار فاروی۔
(۲) صدر کونسل: جناب محمد جعفر حسین (مجاہد اعظم) صاحب علی چنگی۔
(۳) نائب صدر: جناب ماسٹر سلطان احمد صاحب کائندہ فاروی۔
(۴) جنرل سکریٹری: جناب محمد عباس صاحب سیدنگی۔
(۵) سکریٹری برائے امور دفاع: جناب کرنل رشید احمد صاحب پوئمالوی۔
(۶) مشیر اعلی: جناب ماسٹر صلاح الدین (دودو میاں) صاحب بانگونوی۔
(۷) مشیر اعلی: جناب مولانا رشید احمد صاحب۔
(۸) مشیر اعلی: جناب نذیر احمد صاحب۔
(۹) مشیر اعلی: جناب مستفیض الرحمن صاحب۔

اس کے بعد مجاہدین نے گوریلا انداز میں جنگ کو تیز کردیا، اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو ہر موقع پر کامرانی سے نوازا اور جہاں کہیں بھی چھاپے مارے گئے کامیاب ہوئے، ۱۸/جون/۱۹۴۹ء کی رات مجاہدین نے برمی غاصبوں کے مورچہ پر شبخون مارا، درجنوں کو جہنم رسید کرکے تمام مجاہدین صحیح سلامت واپس آنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔

۱/اگست/۱۹۴۹ء میں نذیر احمد اور مستفیض الرحمن کو معزول کردیا گیا تھا، اس کے بعد ذیل کے

منصب پر درج ذیل حضرات کو ذمہ دار بنایا گیا تھا:

(۱) میجر جنرل عبدالرشید صاحب: ایریا کمانڈر۔

(۲) میجر علی حسین صاحب: ام تلہ (مرکز) کا ذمہ دار۔

(۳) سید حسین اور علی حسین: پلاٹون کمانڈران۔

(۴) کرنل رشید احمد، قادر حسین، عبدالسلام کو جنوبی منگڈو کے مجاہدین (جو محمد قاسم راجا کی زیر قیادت مصروف جہاد تھے) کی تربیت کے لئے معمور کیا گیا تھا۔

(۵) حافظ احمد، حمید الرحمن کو ام تلہ مرکز میں گوریلا تربیتی کیمپ کے استا مقرر کئے کیا گیا تھا۔

(۶) میجر جنرل عبدالرشید کے زیر سایہ عالم شاہ کو فلائنگ سکشن کا کمانڈر بنایا گیا تھا۔

(۷) مطومیاں کو اسلحہ کے گودام کا محافظ بنایا گیا تھا۔

(۸) ابو سعید اور صدیق احمد کو مجاہدین کے علاوہ مجاہدین کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے استاد مقرر کیا گیا تھا۔

(۹) صدیق احمد بن محمد ہاشم کو سکریٹری برائے امور مواصلات کا عہدہ سونپا گیا تھا۔

(۱۰) مولانا ناظر حسین کو نشر و اشاعت کا ذمہ دار بنایا گیا تھا۔

(۱۱) اور مجاہد اعظم تمام امور کے نگران اور سرپرست اعلی بنائے گئے تھے۔

اسی عرصے میں کونسل پھر مالی بحران کی شکار ہوگئی اور تنظیم اندر ہی اندر میں کھوکھلی ہوگئی تھی، دریں اثناء مجاہد اعظم نے ارادہ کیا کہ وہ ایک دستہ مجاہدین سمیت جنوبی منگڈو کا سفر کرے گا، جہاں قاسم صاحب کی قیادت میں مجاہدین مصروف جہاد تھے اور کرنل رشید احمد صاحب ان کی تربیت کے فرائض انجام دے رہے تھے، لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا کہ محمد جعفر حسین بیماری میں مبتلا ہو گئے اور ارادہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔

ستمبر/ ۱۹۴۹ء تک جعفر حسین کی حالت نازک ہو چکی تھی، پھر بھی اپنے منصب قیادت میں جلوہ آفروز تھے، دسمبر کو کونسل نے ان کے علاج کا فیصلہ کیا اور مجاہد اعظم نے بھی فیصلہ کو تسلیم کرلیا تھا، یوں آپ علاج کے لئے کوکس بازار تشریف لے گئے تھے۔

مجاہد اعظم کی غیر موجودگی کے زمانہ میں جناب عمرہ میاں صاحب قائم مقام صدر اور ایم جی محمد شفیع مرکز کے محافظ تھے، اور اس سے قبل میجر جنرل عبدالرشید اور میجر جنرل صالح احمد سرحد میں متعین تھے۔

کرنل رشید احمد صاحب پانچ مہینے تک جنوبی منگڈو میں فوجی تربیت دے کر مرکز کو واپس آ رہے تھے، ان کے ساتھ مولانا عبدالسلام کو محمد قاسم نے کونسل کا جائزہ لینے بھیجا، دونوں کوکس بازار پہنچے اور مجاہد اعظم سے ملاقات کر کے مرکز واپس آئے تھے، یہاں آپ کا شاندار استقبال ہوا، اس موقع پر ایک جلسہ بھی منعقد کیا گیا تھا۔

اب کونسل کی مالی حالت خراب ہو چکی تھی، مجاہد اعظم کوکس بازار میں زیر علاج تھے، اور جناب عمرہ میاں صاحب بھی ہنگامی حالات کے پیش نظر منصب صدارت مولانا لقمان صاحب کا حوالہ کر کے چاٹگام تشریف لے گئے تھے، کئی روز کے بعد جناب محمد عباس اور کرنل رشید احمد کو بھی چاٹگام جانا پڑا تھا۔

ابھی مولانا مفتی محمد لقمان صاحب ام تلہ میں قائم مقام صدارت پر فائز تھے، لیکن محمد جعفر حسین کوکس بازار میں رہتے ہوئے ضروری احکامات بھیجتے رہے، لیکن کونسل کے اندر غدر و نافرمانی کی ہوائیں شروع ہوچکی تھیں، اختر حسین اور مقبول احمد نے موقع پاتے ہی چند ساتھی سمیت اٹھائیس اسلحہ لے بھاگے، ابھی چند میل کے فاصلے پر پہنچے کہ ان دونوں کے درمیان کشمکش شروع ہوگئی تھی، اختر تومبرو کو مرکز قرار دے کر رہنا چاہتا تھا اور مقبول احمد بوسیدنگ کی طرف جانا پسند کرتا تھا، کشمکش میں مقبول کی جیت ہوئی تو اختر نے مقبول اور اس کے ساتھیوں کو چھوڑ کر ام تلہ مرکز کو واپس چلا آیا اور غدر و نافرمانی کی ساری ذمہ داری مقبول کے سر تھونپی گئی تھی۔

مقبول نے اپنے ساتھیوں کو دو گروپ میں تقسیم کر دیا اور بوسیدنگ کے جنوبی علاقہ یونگ چونگ کو جا کر دم لیا، اختر حسین موقع کی تلاش میں تائبوں کا روپ دھار کر چند دن جماعت میں رہا، اور ۱۴/نومبر/۱۹۴۹ء میں موقع پاتے ہی اپنے چند ہم نواؤں سمیت جماعت سے نکل کر تومبرو جا ٹھہرا۔

اختر اور مقبول احمد کی نافرمانی اور غداری کی وجہ سے جہاد کونسل بے بس ہوگئی تھی، ہر کجا پریشانی اور آلام کی فضا چھائی ہوئی تھی، اس کے ساتھ ساتھ مزید غدر و نافرمانی کی توقع کی جا رہی تھی، باہمی اعتماد کا

جوسلسلہ شروع ہی سے کونسل میں تھا اس کا فقدان نظر آ رہا تھا، اب ان پریشان کن حالات کے پیش نظر ۱۹/ دسمبر/ ۱۹۴۹ء میں کوکس بازار میں ایک اجلاس منعقد کرایا گیا، جس میں بڑے بڑوں میں درج ذیل حضرات شریک ہوئے تھے:

(۱) جناب جعفر حسین صاحب (مجاہد اعظم)
(۲) جناب ماسٹر عمرہ میاں صاحب۔
(۳) جناب داروغہ اظہار حسین صاحب۔
(۴) جناب ماسٹر سلطان احمد صاحب۔
(۵) جناب مولانا مفتی لقمان صاحب۔
(۶) جناب رشید احمد صاحب (CL)
(۷) جناب محمد عباس صاحب۔
(۸) جناب خلیل الرحمن صاحب شقدار۔
(۹) جناب مولانا محمد ناظر صاحب۔
(۱۰) جناب مولانا غلام السبحان صاحب۔
(۱۱) جناب ہیڈ من محمود الرحمن صاحب۔
(۱۲) جناب ہیڈ من گورا میاں صاحب۔
(۱۳) جناب نذیر حسین صاحب۔
(۱۴) جناب محمد شفیع صاحب۔
(۱۵) جناب ماسٹر ابو سعید صاحب۔
(۱۶) جناب ماسٹر اسد علی صاحب۔
(۱۷) جناب سید احمد صاحب۔

بڑے غور خوض کے بعد کونسل کو از سر نو ترتیب دینے کا فیصلہ کیا گیا اور مجلس عاملہ کی ایسی تشکیل دی گئی کہ:

(۱) صدر جہاد کونسل: جناب مولانا مفتی لقمان صاحب۔
(۲) سکریٹری برائے امور خارجہ: جناب ماسٹر عمرہ میاں صاحب۔
(۳) سکریٹری برائے امور دفاع: جناب محمد جعفر حسین (مجاہد اعظم)
(۴) سکریٹری برائے رسد و مراسلات: جناب صلاح الدین صاحب (دودو میاں)

بظاہر اجلاس میں تو سب نے عہد و پیمان کیا، لیکن دل اکثر کے صاف نہ تھے، مفتی صاحب نے سب کو اپنے اپنے علاقہ میں جلد پہنچ جانے کا حکم دیا تو سامعین کے سمع ناتواں میں جوں تک نہ رینگی، اور اجلاس کے تمام فیصلے شدہ پرگرام دھرے کے دھرے رہ گئے، اب مولانا لقمان صاحب نے جب دیکھا کہ کوکس بازار کا اجلاس ناکام ہوگیا ہے تو جلد ٹیکناف میں اور ایک اجلاس منعقد کرنے کا اعلان کر دیا اور تاریخ بھی مقرر کر دی گئی، بعد میں وقت مقررہ پر اجلاس ہوا جس میں درج ذیل حضرات نے شرکت کی:

(۱) جناب مولانا مفتی لقمان صاحب۔
(۲) جناب مولانا عبد الخالق صاحب۔
(۳) جناب ماسٹر عمرہ میاں صاحب۔
(۴) جناب ماسٹر ظہیر الدین بی اے (علیگ) صاحب۔
(۵) جناب کرنل رشید احمد صاحب۔
(۶) جناب محمد عباس صاحب۔
(۷) جناب محمد صلاح الدین صاحب (دودو میاں)
(۸) جناب ماسٹر سلطان احمد صاحب۔
(۹) جناب داروغہ اظہار حسین صاحب۔
(۱۰) جناب مولانا مطیع الرحمن صاحب۔
(۱۱) جناب مولانا سید احمد صاحب۔
(۱۲) جناب عبد الجبار دوبھاشی صاحب سیندی فرانگی۔

(۱۳) جناب چودھری اشرف الزمان صاحب علی چنگی۔

(۱۴) جناب صوفی عبدالرشید صاحب۔

اس اجلاس میں بھی جہاد کونسل کے منصوبہ، پلان اور پرگرام کو کامیاب بنانے کے سلسلے میں طویل گفتگو ہوئی، لیکن محمد جعفر حسین قوال کی عدم موجودگی کی وجہ سے بالآخر جلسہ ناکام ہوا تھا۔

ادھر قائدین افراتفری کے عالم میں پھنسے ہوئے تھے ادھر کیمپ میں عام مجاہدین مسلسل مصیبت کے شکار، ۲۰ / جنوری ۱۹۵۰ء میں مجاہد اعظم نے دھاریہ کیمپ میں مجاہدین کو تسلی دیتے ہوئے مستقبل میں کامیابی کی امید دلائی اور مقبول احمد اور اختر حسین سے رابطہ کیا، ان دونوں کو پھر سے اپنانے کی کوشش کی گئی، لیکن ناکام ہوئے تھے، تاہم مجاہد اعظم آم تلہ پہنچے تو تمام کونسلر آہستہ آہستہ وہاں جمع ہوگئے تھے، ایک اجلاس کی تاریخ مقرر ہوئی لیکن جعفر حسین اپنی علالت کی وجہ سے شریک نہ ہوسکے تو جناب عمرہ میاں صاحب نے سست کہتے ہوئے چاٹگام کی راہ لی تھی، مگر دوسرے روز پھر جلسہ ہوا تو غور وتفکر کے بعد مجلس عاملہ کی ایک ہنگامی تشکیل ہوئی اور انتظامی قوانین فافذ کئے گئے۔ بایں ہمہ جہاد کونسل معنوی اعتبار سے اپنی صلاحیت کھوچکی تھی، پھر ۲۶/جنوری/ ۱۹۵۰ء میں نذیر احمد نے اپنے چند ہم نواؤں سمیت راہ فرار اختیار کی اور جاتے وقت بہترین قسم کے چند اسلحے بھی لے گئے تھے، نذیر احمد ایک مغرور قسم کا آدمی تھا، جو یہاں سے نکل کر سیدھا یونگ چنگ جا پہنچا، اس نے مقبول احمد سے ابتداء میں رابطہ کیا، لیکن ان دونوں کے درمیان کشمکش شروع ہوئی تو نذیر احمد پھر گولونگی واپس چلا آیا تھا۔

یکم/فروری/ ۱۹۵۰ء میں گوریلا حکمت عملی کے پیش نظر مرکز فقیرہ میں منتقل کیا گیا، ۱۳/فروری میں مجاہدین کی از سر نو ترتیب ہوئی، ایم جی صالح اور عبدالرشید کو ایک دستہ مجاہدین سمیت محاذ کو بھیجا گیا، ۱۳/فروری میں عدالت عظمی نامی ایک مجلس کی تشکیل ہوئی، جس میں جناب ایوب علی صابرؔ اور جناب ابو الفیاض کو منصف مقرر کیا گیا، اور کونسل نے ان بغاوت کر جانے والوں کو اتحاد کے پرچم تلے آنے کی دعوت دی تھی، لیکن پیہم کوشش اور مسلسل جدوجہد کے باوجود انہیں اتحاد کے پرچم تلے جمع کرنا ممکن نہ ہوسکا، مجاہد اعظم نے اختر حسین کو سمجھانے کی بڑی کوشش کی مگر وقت کے ساتھ ساتھ ان کے درمیان مخالفت کا خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا تھا، اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ چند مسلح افراد نے متحد ہوکر جعفر

حسین کا کام تمام کردینے کوشش کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے بروقت ان کو موت کی اندھیری وادی میں گرنے سے بچالیا تھا۔

اب برسات کا موسم آچکا تھا، بارش بڑی زور سے شروع ہوچکی تھی، ایسے حالات میں بعض قائدین کی ناعاقبت اندیشی اور خلفشار نے عام مجاہدین کو مایوس بنادیا تھا، ایک طرف مجاہدین کو حالات نے پریشان کیا تو دوسری طرف خود قائد تحریک جعفر قوال کو بیماری نے گھن کی طرح کھاچکا تھا، مجاہد اعظم بظاہر مایوس تو نہ تھے لیکن مسلسل بیماری نے انہیں مجبور کردیا تھا، اور وقت کے ساتھ ساتھ ان کی جسمانی حالت تیزی سے خراب ہونے لگی تھی، اب بڑے بڑوں نے محسوس کیا کہ ایسے بیمار قائد کی قیادت موثر نہیں رہی جو خود صحیح فیصلہ کرنے سے قاصر ہو۔ تو انہوں نے ان کو عزت کے ساتھ منصب قیادت سے اتارنے کی کوشش کی اور علاج کے لئے پاکستان تشریف لے جانے کا مشورہ دیا، مگر مجاہد اعظم کی قوت ارادہ اور اپنے نصب العین سے لگاؤ کا کرشمہ تھا کہ کسی بھی قیمت پر وہ میدان چھوڑنے اور منصب قیادت سے اترنے کو تیار نہ تھے، وہ علاج کی نسبت سے دیئے جانے والے کسی بھی مشورہ کو ٹھکرا رہے تھے، ایسے حالات میں بڑے بڑوں نے آپ کو علاج کے لئے جانے پر مجبور کرنے کا فیصلہ کیا تھا، ایک جلسے میں محمد عباس، ایم جی صالح، ایم جی عبدالرشید نے آپ کو مجبور کرنا چاہا لیکن آپ نے کسی کی نہ مانی اور ساتھیوں کے اصرار پر اصرار کرنے کے باوجود کیمپ چھوڑنے پر تیار نہ ہوئے، آخر کار بڑے بڑوں نے ۱۸/جولائی/ ۱۹۵۰ء میں آپ کو معزول کرکے مشرقی پاکستان کو علاج کے لئے جانے پر مجبور کردیا تھا۔

۱۹/جولائی کا دن تھا کہ آپ کو جس مقصد کے لئے معزول کیا گیا تھا وہ پورا نہ ہوسکا، آپ نے کونسل کے بڑے بڑوں کی امید وتوقع کے خلاف اور ایک راہ نکالی، اور پاکستان گئے بغیر بٹ تلہ کی پہاڑی میں روپوش ہوگئے، یہ خبر عام ہوگئی تو کونسل کے لیڈروں نے ان کو دوبارہ سمجھانے کی کوشش کی لیکن نہیں سمجھے-، بالآخر جب ساتھیوں نے دیکھا کہ ان کی امید بر نہیں آئی تو محمد جعفر حسین کو واپس لانے کے لئے ایک جماعت بھیجی گئی، لیکن جماعت وہاں تک پہنچنے سے قبل ہی آپ پہاڑی سے نکل کر گرجنیہ چلے گئے تھے۔

اب محمد جعفر حسین نے سرزمین ارکان سے اپنا قدم اٹھالیا تو تمام مجاہدین مایوس ہوگئے تھے، ہر چند آپ کو واپس لانے کی کوشش کی گئی، لیکن بقول بعضے آپ نے ان حضرات کی کوشش کو ان کی زندگی سے کھیلنے کی سازش سمجھ کر دوبارہ واپس آنے سے انکار کر دیا تھا، اب مجاہدین نے محمد عباس صاحب کو کونسل کی ہنگامی اجلاس بلانے کا اختیار دے دیا، یوں محمد عباس صاحب نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے کیم/ آگست/ ۱۹۵۰ء میں ایک ہنگامی اجلاس بلایا، جس میں اکثریت کی رائے سے درج ذیل حضرات پر مشتمل ایک ہنگامی کونسل کی تشکیل ہوئی تھی:

(۱) صدر کونسل: جناب ماسٹر عمرہ میاں صاحب۔

(۲) نائب صدر: جناب محمد عباس صاحب۔

(۳) جنرل سکریٹری: جناب کرنل رشید احمد صاحب۔

(۴) نائب سکریٹری: جناب میجر جنرل عبدالرشید (GR)

(۵) رکن (کونسلر): جناب صلاح الدین (دودو میاں)

(۶) رکن (کونسلر): جناب میجر جنرل صالح احمد صاحب (GR)

(۷) رکن (کونسلر): جناب میجر جنرل محمد شفیع صاحب (GR)

(۸) رکن (کونسلر): جناب میجر جنرل شفیق الرحمن (GR)

باوجودیکہ اب جناب ماسٹر عمرہ میاں صاحب جہاد کونسل کے صدر بنے، لیکن مجاہدین اور کونسل کے سارے امور کی انجام دہی جناب محمد عباس کا ذمہ تھی، مگر افسوس ہے کہ ابھی ہنگامی کونسل کی تشکیل ہوئی چند دن بھی گذرنے نہ پائے کہ محمد عباس صاحب شدید علالت میں مبتلا ہوگئے، چونکہ محمد جعفر حسین کی معزولی پر مجاہدین کی ایک بڑی تعداد ناراض تھی اور بعض افراد آپ کی معزولی کو بڑے بڑوں کی سازش سمجھ رہے تھے، یوں تنظیم کے اندرونی حالات ابتر سے ابتر ہوچکے تھے، مجاہدین میں وفاداری واعتماد جیسے بلند اخلاق کا تصور عنقاء بن چکا تھا، محمد عباس کی علالت کے زمانے میں صلاح الدین (دودو میاں) اور کرنل رشید احمد صاحب قائم مقام ذمہ دار تھے، اسی زمانہ میں جہاد کونسل کے اندر خاصی بے اعتدالیاں شروع ہوچکی تھیں، افراتفری کا ایسا عالم تھا کہ کوئی ادھر سے بھاگا تو کوئی

ادھر سے بھاگا، مطومیاں اور فیروز موقع پاتے ہی محمد یونس (جو محمد عباس کے معتمد خاص تھے) کو شہید کرتے ہوئے چند اسلحے لے بھاگے اور محمد جعفر حسین سے جاملے، فیروز اور مطومیاں کی جہاد کونسل سے بے وفائی، پھر یونس کی شہادت نے محمد عباس کو سخت صدمہ پہنچایا تھا، بعد ازاں مجاہدین کی ایک بڑی تعداد کونسل سے روگردانی کر کے محمد جعفر حسین سے جاملی، ان کے علاوہ جو لوگ غداری اور نافرمانی کے شبہ پر نکالے جاچکے تھے وہ بھی آہستہ آہستہ محمد جعفر حسین سے جاملے، دراں حالیکہ محمد جعفر حسین گرجنیہ میں پیار محمد شقدار کے گھر چند دن ٹھہر کر بعد میں جام سری میں سلیمان ممبر کے گھر رہنے لگے تھے، یہاں آپ کے بعض ہم نواؤں نے آپ کو کونسل کے خلاف قدم اٹھانے پر مجبور کرنا چاہا تو آپ نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ:

"بھائیو!! میں اپنے شاگردوں اور عزیزوں سے لڑنا پسند نہیں کرتا، وقت کا انتظار کرو کہ ایک دن انشاء اللہ ایسا آئے گا کہ قوم کی آنکھیں کھل جائیں گی اور منتشر ٹولوں کو ایک ہی پلیٹ فارم میں جمع کرے گی، یاد رکھو! کہ جب سارے منتشر ٹولے ایک ہی پلیٹ فارم میں جمع ہوجائیں گے، اس دن ارکان کے مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ ہوجائے گا"۔

لیکن دشمن نے اس افراتفری اور انتشار سے خوب فائدہ اٹھایا، باوجودیکہ دونوں طرف سے پھر اتحاد کی کوشش کی گئی، لیکن قوم وملت کے غداروں اور دشمن کے جاسوسوں نے ساری جدوجہد پر پانی پھیر دیا، اور محمد جعفر حسین کو اپنی جماعت میں واپس آنے نہ دیا تھا، درحقیقت کونسل کے اندر شروع ہی سے چند جاسوس گھسنے میں کامیاب ہوگئے تھے، برمی غاصبوں نے جب دیکھا کہ مجاہدین کو بزور بازو ختم نہیں کیا جاسکتا تو اس نے کوشش یہ کی کہ کسی بھی قیمت پر ان کی جمعیت کو توڑ کر قوی مضمحل کردیا جائے، جس میں حکومت نے لاکھوں رقوم صرف کیں اور جب امید برآئی تو ان منتشر ٹولوں کو ایک ایک کر کے ختم کر دیا تھا۔

مجاہدین کی مسلسل کوشش کے نتیجے میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ قریب تھا کہ محمد جعفر حسین اپنے منصب قیادت میں لوٹ آئے، لیکن یہ ساری چیزیں غداروں اور دشمن کے گماشتوں کی نظروں سے اوجھل نہ تھیں، انہوں نے جب دیکھا کہ محمد جعفر حسین جماعت میں واپس آکر اس کی بچھڑی ہوئی قوت

کو اکٹھا کریں گے، تو انہوں نے انہی راہ سے ہٹانے کی کوشش شروع کردی، ان پھٹوؤں نے اب اپنا نصب العین صرف اور صرف آپ کو راہ سے ہٹانا بنالیا تھا، دشمن کے گماشتے اس موقع کی تلاش میں سر گردان تھے کہ آپ کو کسی طرح اپنے محبین اور متعلقین سے دور رکھ کر آپ کا کام تمام کردیا جائے، لیکن اتنے دنوں تک آپ اپنے محبین اور چاہنے والوں کے درمیان تھے، لہذا کچھ نہ کرسکے، اب تو دشمن کے پھٹوؤں کے لئے راستہ صاف تھا تو انہوں اس موقع کو غنیمت سمجھا تھا۔

اس کے علاوہ خود محمد جعفر حسین بھی اپنے آپ کو دشمن سے محفوظ سمجھ رہے تھے، آپ نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ دشمن کے جاسوس آپ کی ذات اور زندگی کا پیچھا کررہے ہیں۔

۱۱/ اکتوبر/ ۱۹۵۰ء کی رات نہ صرف محمد جعفر حسین کے لئے بلکہ پوری روہنگیا قوم کے لئے ایک مصیبت کی رات تھی، رات کے بارہ بجے دشمن کے چند پھٹوؤں اور قوم کے غداروں نے مجاہدین کے روپ دھار کر جعفر حسین کے قیام گاہ کو محاصرہ کرلیا، ٹھیک بارہ بج کر بارہ منٹ میں اللہ کے اس مجاہد بندہ اور ملک کے اس مردِ محسن اور قوم کے اس یارِ بےنفس، پھر سرزمین ارکان کے اس چمن خزاں دیدہ کے بلبل منتظر فردا کو اپنی ناپاک گولیوں کی بوچھاڑ سے موضع جام سری میں ہمیشہ کے لئے خاموش کردیا گیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی مبارک لاش کو مشہدگاہ سے اٹھاکر اطراف کی کسی جھاڑی میں ہمیشہ کے لئے چھپادیا گیا تھا، یوں آج تک آپ کے مرقد مبارک کا نشان کسی کو نہ ملا، تاہم اتنا پتہ تو ضرور ملتا ہے کہ جام سری کے مشرقی پہاڑ میں آپ کو ہمشیہ کے لئے چھپادیا گیا ہے۔

آپ کی شہادت حسرت آیات کی وجہ سے پوری قوم پر مایوسی کی فضا چھاگئی تھی، آج تک آپ کی شہادت کی دل دوز داستان ایک مرثیہ کی شکل میں زندہ ہے، اللہ تعالیٰ اس بلبل خزاں دیدہ کو (جس نے ایک مدت تک صرف موسم بہار کے انتظار میں راگنی گائی) جنت الفردوس میں جگہ دیں۔

آپ کی شہادت کے بعد آپ کے ہم نوا اور ہم خیالوں نے ۱۷/ اکتوبر/ ۱۹۵۰ء میں بمقام گاؤ لنگی ابوالحسین صاحب کی ایک مختصر سی ٹولے سے معاہدہ کرلیا تھا، جس کے نتیجے میں ایک مجلس کی تشکیل ہوئی، جس میں درج ذیل حضرات شریک رہے:

(۱) صدر: جناب مولانا عبدالرشید صاحب۔
(۲) سکریٹری برائے امور دفاع: جناب ابوالحسین صاحب۔
(۳) سکریٹری برائے امور داخلہ: جناب ڈاکٹر ایوب علی صاحب۔
(۴) سکریٹری برائے مور خارجہ: جناب احسن الزمان صاحب۔
(۵) سکریٹری برائے امور مالیات: جناب احمد حسین اور سید اکبر صاحبان۔

بعد میں ان میں سے بعض سرکردہ لیڈروں نے ابوالحسین (جس نے صرف کونسل کے خلاف بغاوت کو اپنا نصب العین بنارکھا تھا) کو معزول کرکے ۱۶/ دسمبر/ ۱۹۵۰ء میں دھاریہ میں جہاد کونسل سے وفاداری کا حلف اٹھایا، کہا جاتا ہے کہ اس روز سے جان بلب جہاد کونسل میں پھر سے نئی زندگی آگئی تھی۔

مجاہد اعظم محمد جعفر حسین کی شہادت کے بعد جہاد کونسل نے قوم کو پھر سے حساس و متحرک کرنے اور مایوسی کی گھٹاٹوپ اندھیاری سے نکالنے کی تدابیر سوچیں، بڑی فکر و تدبر کے بعد بڑے بڑوں نے الکشن کے ذریعے مجالس کی تشکیل نو کا فیصلہ کیا، یوں جنوری/ ۱۹۵۱ء میں جہاد کونسل میں انتخابات ہوئے، جس میں سرپرستوں کی ایک مجلس کے علاوہ کونسل کے ایوان بالا اور ایوان زیرین کے انتخابات میں درج ذیل فائزین پر مشتمل تین مجالس کی تشکیل عمل میں آئی:

(۱) سرپرستوں کی مجلس:

(۱) مولانا سلطان احمد صاحب فقیروی۔
(۲) جناب خلیل الرحمن صاحب شقدار۔
(۳) جناب احمد حسین صاحب گاؤلنگی۔

(۲) ایوان بالا:

(۱) صدر مجلس: جناب ماسٹر عمرہ میاں صاحب۔
(۲) نائب صدر: جناب محمد عباس صاحب۔
(۳) سکریٹری برائے امور دفاع: جناب کرنل رشید احمد صاحب۔

(۴) سکریٹری جنرل:	میجر جنرل جناب عبدالرشید صاحب (MG)
(۵) سکریٹری برائے امورخارجہ:	میجر جنرل جناب صالح احمد صاحب (MG)
(۶) سکریٹری برائے امورمالیات:	میجر جنرل محمد شفیع صاحب (MG)
(۷) سکریٹری برائے تنظیم:	جناب صلاح الدین دودومیاں صاحب۔

☆☆☆

حضرت مولانا اڈووکیٹ شفیق احمد صاحب تنگ بازاری، سیاسی وقانون دان ومفکرورہنما:

مولانا شفیق بن حضرت مولانا عبدالقادر صاحب ستمبر/ ۱۹۳۰ء میں شمالی بوسیدنگ کے معروف قصبہ تنگ بازار میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد کے علاوہ بستی کے مکتب میں پائی، نحو وصرف فقہ ومنطق کی مبادیات اس علاقے کے اساتذہ اور بطور خاص حضرت مولانا تراب الدین صاحب (والد بزرگوار پروفیسر محمد زکریا صاحب) سے پڑھیں، مولانا تراب الدین صاحب اپنے زمانے میں اس علاقے کے معروف عالم دین اور مشہور عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، ان کے متعلق مولانا شفیق احمد صاحب کا بیان ہے کہ:

> ''حضرت مولانا تراب الدین صاحب ایک اولوالعزم، حوصلہ منداوراپنے زمانے کے بڑے عالم دین بزرگ تھے، میں نے ارکان کے علاوہ بنگال کے بڑے بڑے علماء دیکھے، اورمغربی ومشرقی بنگال کے بڑے سے بڑے انگریز اور ہندی اسکالرز سے استفادہ کیا، لیکن استفادہ کے حوالے سے مولانا تراب الدین صاحب جیسا کوئی عالم نہیں دیکھا، تبحرعلمی کے علی الرغم ان کا انداز درس بڑا نرالا تھا، طالب علم جتنا ہی غبی کیوں نہ ہولیکن ان کے درس سے مستفید ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا''۔

اس کے بعد مولانا شفیق احمد صاحب اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے بنگال آئے اور چاٹگام کی معروف درس گاہ ''دارالعلوم چندن پورا'' میں داخلہ لیا، یہاں سے عالمیت کا امتحان پاس کر کے کلکتہ گئے اور مدرسہ عالیہ کلکتہ سے ۱۹۴۶ء میں فضیلت کا امتحان درجۂ اول میں پاس کیا، اس کے بعد اگلے سال ڈھاکہ آئے اور ۱۹۴۸ء میں مدرسہ عالیہ ڈھاکہ سے کاملیت (جسے ممتاز المحدثین کہا جاتا ہے) کا امتحان بڑی امتیازی شان سے پاس کیا، پھر چاٹگام کی ایک معروف ومشہور درس گاہ مدرسہ محسنیہ (سابق اسلامک انٹرمیڈیٹ کالج اور حالیہ محسن کالج) سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کرتے ہوئے ڈھاکہ یونیورسیٹی میں داخلہ لیا، جہاں سے ۱۹۵۰ء میں بی اے (BA) پھر ۱۹۵۸ء میں ایل ایل بی (LLB) اور ۱۹۶۲ء میں ایل ایل ایم (LLM) کی ڈگریاں حاصل کیں۔

مولانا شفیق احمد صاحب کے بعض احباب سے معلوم ہوا کہ آپ ۱۹۴۳ء یا ۱۹۴۴ء کے دوران عالمیت کا امتحان پاس کر کے وطن واپس گئے تھے، جہاں آپ نے مجاہدین کی ایک جماعت تیار کر لی تھی، اور خود مجاہدین کو عسکری تربیت بھی دینا شروع کیا تھا، جناب اظہار میاں صاحب (MP) کے مطابق مولانا کو اس زمانے میں جہادی پروگرام کے حوالے سے کافی سرگرم عمل دیکھا گیا تھا، بہتوں جوانوں نے آپ سے عسکری تربیت حاصل کی تھی، اس حوالے سے اظہار میاں صاحب مزید کہتے ہیں کہ:

''مولانا اڈووکٹ شفیق احمد صاحب غالباً ۱۹۴۳ء کے اواخر میں وطن لوٹے تھے، اس زمانے میں آپ پر جہاد اسلامی کا نشہ چڑھا ہوا تھا، معلوم ہو کہ ۱۹۴۲ء کے واقعۂ کرب وبلا نے آپ کے دل ودماغ کو شدید متأثر کیا تھا، ہم نے بھی آپ سے اس وقت جہادی تربیت حاصل کی تھی، لیکن بعد میں آپ کا یہ پروگرام کسی وجہ سے ٹل گیا، غالباً علاقے کے بعض ارباب فکر و دانش نے عموماً اور جناب عبد المجید چوہدری معروف بہ لنگڑا راجا نے خصوصاً مشورہ دیا تھا کہ آپ جہادی پروگرام میں اترنے سے پہلے مزید تعلیم حاصل کریں، تو مولانا کو ان کا یہ مشورہ پسند آیا تو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے کلکتہ چلے گئے تھے''۔

ظاہر ہے کہ محمد جعفر حسین قوال کی قیادت میں ''جہاد کونسل'' کی بنیاد کے دوران مولانا شفیق احمد صاحب بنگال میں زیر تعلیم تھے، لیکن یہی معلوم ہوا ہے کہ آپ سیاسی اور فکری طور پر محمد جعفر حسین قوال کے زیر اثر ان کی آواز سے پوری طرح ہم آہنگ تھے، محمد جعفر حسین قوال صاحب کی شہادت حسرت آیات کے بعد محمد عباس سینڈنگی نے جہاد کونسل کی قیادت سنبھالی تو مولانا شفیق احمد صاحب جہاد کونسل میں شامل ہو گئے، بعد میں آپ کو مرکزی مجلس عاملہ میں سکریٹری برائے امور خارجہ کا منصب دیا گیا، آپ نے علمی، فکری، سیاسی اور انقلابی طور پر اس قافلہ کو آراستہ کرنے کی حد درجہ کوشش کی، اس حوالے سے آپ کے مشورے سے مجاہدین کے علاقہ جات میں اسکول اور چند مدارس قائم کئے گئے تھے، شاید اب بھی یہ مدارس اور اسکول قائم ہوں۔

مولانا شفیق احمد صاحب سکریٹری برائے امور خارجہ کی حیثیت سے اس وفد میں شریک وسہیم تھے

جو علامہ عنایت اللہ مشرقی کی دعوت پر محمد عباس صاحب کی قیادت میں مغربی پاکستان پہنچا تھا، جس نے لاہور میں علامہ مشرقی سے ملاقات کی، اور علامہ صاحب کی معیت میں ایک پریس بریفنگ بھی دی تھی، یہاں مولانا شفیق احمد نے بھی حصہ لیا تھا۔

مولانا کو جہاد کونسل کے انداز فکر وعمل، اطوار سیاست وقیادت اور طرز جہاد سے سیاسی وانقلابی نقطۂ نظر سے شدید اختلاف تھا، اس حوالے سے میں نے مولانا سے کافی گفتگو کے ساتھ آپ کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کی کوشش کی، جس کی تفصیلات کی یہاں گنجائش تو نہیں، تاہم میں اس نتیجہ پر ضرور پہنچا کہ جہاد کونسل والوں سے آپ کا اختلاف اور آپ کی بعض شکایتیں بالکل حق بجانب تھیں۔

بہر حال ۱۹۴۲ء کے بعد ارکان میں جہاد اسلامی کے حوالے سے تیاری کا پہلا سہرا مولانا شفیق احمد صاحب کے سر پر باندھا جا سکتا ہے، ظاہر ہے کہ آپ جعفر حسین قوال پر اس حوالے سے سبقت لے جا چکے تھے، یہ اس زمانے کی بات تھی کہ جب محمد جعفر حسین قوال رنگون وغیرہ علاقہ جات میں تھے، اور یہاں ارکان میں مولانا شفیق احمد صاحب نے جہادی پروگرام کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ ارکانی مسلمانوں کے لئے ۱۹۴۲ء کے بعد سے جہاد کرنے کے سوا کوئی بھی دوسرا راستہ کھلا نہیں تھا۔

ادھر بعض نادان قسم کے لوگ ہمارے اس زمانے کے مجاہدین پر یہ الزام لگاتے نہیں تھکتے ہیں کہ ہمارے مجاہدین ان پڑھ اور جاہل تھے، اس لئے انہوں نے برمیوں اور مگھوں کے خلاف عسکری جدو جہد شروع کی تھی، تو ان کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ کیا مولانا شفیق احمد صاحب بھی جاہل، نادان اور دوراندیشی کے کور تھے؟ نہیں اور کبھی نہیں، آپ کے اس وقت جہادی پروگرام کا سلسلہ شروع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ فکری طور پر اس وقت جہادی سرگرمی کے لئے اٹھ کھڑا ہونا ارکانی مسلمانوں کی سیاست وقیادت کا عین تقاضا تھا، جسے انہوں نے پورا کیا تھا۔

غرض مولانا شفیق احمد صاحب ۱۹۴۲ء کے جہاد اسلامی کے بعد اپنے انتقال تک ارکانی مسلمانوں کی بقاء اور استحکام کے حوالے سے جو بھی سیاسی اور جہادی سلسلہ جاری تھا اس میں کسی نہ کسی انداز میں شریک اور سہیم تھے، جہاں تک میں مولانا کو جانتا ہوں کہ اس کی بنیاد پر یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ ہماری

اس ستر سالہ جہادی تاریخ کا جتنا علم آپ کو تھا شاید اور کسی کو رہا ہوگا، اسی لئے میں نے اس حوالے سے ایک دن موقع پاکر آپ سے گزارش کی تھی کہ:

''مولانا! آپ ایک جلیل القدر عالم دین ہونے کے ساتھ ایک ماہر سیاست دان اور جہاں دیدہ دانشور بھی ہیں، تو قوم کو ماضی کا درس دینے اور مستقبل کے حوالے سے رہنمائی کرنے کی استطاعت آپ سے بڑھ کر اور کون رکھ سکتا ہے؟ اس حوالے سے آپ سے زیادہ موزون انسان شاید اس قوم میں کوئی ہو، علاوہ ازیں اردو، فارسی، عربی، انگریزی اور بنگلہ زبانوں میں جو قدرت آپ کو حاصل ہے، ایسا ایک انسان میری معلومات کی حد تک اس پوری قوم میں اور کوئی نہیں ہے، کیوں نہ آپ اس موضوع پر قلم اٹھاتے نہیں ہیں؟''۔

میرے شدید اصرار پر ایک روز مولانا نے ہاں کر دی، لیکن چند مہینے بعد اس حوالے سے آپ سے پوچھا گیا تو فرمانے لگے کہ ''مولانا طاہر صاحب! اپ تک میری عمر بہت زیادہ ہو چکی ہے، یہ کام میرے بجائے آپ کریں، انشاء اللہ تعالی میں اپنی استطاعت کے مطابق آپ کا تعاون کرتا رہوں گا''۔

مولانا ایک جلیل القدر عالم دین و دانشور، مدبر سیاسی اور ماہر قانون دان تھے اس لئے میری یہ توقع بالکل حق بجانب تھی کہ ہمارے مسائل کی صحیح تحلیل و تجزیہ اور ماضی و حال کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے مستقبل کی تخطیط کرنے میں آپ سے لغزش و خطا کی بہت کم گنجائش تھی، اس لئے آپ کو ہمارے مسائل کے متعلق قلم اٹھانا بہت ضروری تھا، جس سے درس لیتے ہوئے قوم کی اگلی نسل اپنے مستقبل کے لائحہ عمل کو حسن و خوبی سے ترتیب دے سکتی، لیکن افسوس ہے کہ مولانا سے بڑی امید کے باوجود یہ کام نہیں ہو سکا۔

اردو زبان میں آپ کی قدرت کا علم مجھے اس وقت ہوا کہ جب آپ نے میری حقیر کاوش ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی'' پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا، اور ایک خوب صورت تقریظ لکھی، میری یہ کاوش منظر عام میں آئی تو یہاں مولانا کی اس تقریظ کو پڑھ کر مجھ سے میرے ایک قابل قدر عالم دوست نے کہا کہ ''مجھے مولانا شفیق احمد صاحب کی علمی اور ادبی شان نے محو حیرت میں ڈال دیا ہے،

مجھے اس سے پہلے اس بات کا علم ہی نہیں تھا کہ مولانا اردو کے ایک ادیب اور قلم کار بھی ہیں''۔

مولانا ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۵ء تک مدرسہ عالیہ چندن پورا چاٹگام کے پرنسپل رہے، یہ وہ درس گاہ ہے کہ جہاں سے آپ نے عالمیت کا امتحان پاس کیا تھا، آپ نے یہاں اپنی ذمے داریاں بڑی خوبی سے نبھائیں، لیکن بعض نامعلوم وجہ سے آپ بعد میں اس شان کے عہدہ سے سبکدوش ہو گئے تھے، کہتے ہیں کہ اس سبکدوشی میں آپ کے مخصوص افتاد طبع کا کچھ عمل دخل بھی تھا، میں نے اس سبکدوشی کے حوالے سے ایک دن موقع پاکر آپ سے سوالات کا بوچھار کر دیا تھا، اور پوچھا کہ مولانا! اتنی عزت و احترام اور شان و شوکت کے باوجود آپ نے اتنی بڑی علمی وثقافتی دانش گاہ سے مستعفی ہو جانے کو حق بجانب کیوں سمجھا تھا، جب کہ اس سے علیحدگی کے بعد کسی علمی و تعلیمی ادارے کی خدمات کرنے کے بجائے آپ نے وکالت جیسا پیشہ اختیار کر لیا ہے؟ تو جواب ملا کہ:

''بھائی دیکھو! میں عرصۂ دراز سے اس ملک میں مہاجرت کی زندگی گزار رہا ہوں اس ہجرت کی زندگی کا بھی میرا ایک بڑا مقصد ہے، وہ یہ ہے کہ اگر میں اپنی مستعار زندگی میں اپنی مظلوم قوم کے لئے کچھ کر نہ پاؤں تو میری زندگی ایک بے معنی کی زندگی ہو جائے گی، اس مقصد کے حصول کے لئے میں نے تعلیم کدہ سے علیحدہ ہو کر وکالت کا پیشہ اختیار کیا، تاکہ مقننین حضرات سے مل کر ان کے تعاون سے میں اپنی قوم کے لئے کچھ کر سکوں، جو ظاہر ہے کہ مدرسہ کی فضاء میں رہ کر تقریبا ناممکن تھا''۔

مولانا ایک عظیم عالم دین اور مایۂ ناز دانشور ہونے کے علاوہ ایک ماہر قانون دان تھے، یوں آپ کی گفتگو بڑی نپی تلی ہوتی اور الفاظ کا انتخاب بھی شان دار ہوتا تھا، بہر حال آپ کے مذکورہ خیال کے حوالے سے اتنی سی بات عرض ہے کہ آپ کی بقیہ زندگی کے حالات سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ آپ کی امیدیں اور توقعات خلاف واقعات تھیں جو کبھی بھر نہیں آئیں، میرے ناقص خیال میں مولانا اگر اس عظیم دانش گاہ میں مسلسل اور دل جمعی کے ساتھ خدمات انجام دیے ہوتے تو یہاں آپ کے ہزاروں تلامذہ ہو پاتے، ظاہر ہے کہ استاد اپنے تلامذہ سے جو خدمات لے سکتا ہے بسا اوقات ایسی خدمات کوئی اپنے دوستوں سے نہیں لے سکتا، تلامذہ اپنے اساتذہ کے زیر اثر ہوتے ہیں جب کہ دوست اکثر نہ ہوتو

کبھی کبھار باا ثر ہو جاتا ہے، اپنے تلامذہ سے جو امیدیں کی جاسکتی ہیں ایسی امیدیں دوستوں اور وہ بھی مقفنین جیسے دوستوں سے کبھی بھی نہیں کی جاسکتیں، یہ صرف میرا ایک خیال نہیں بلکہ خود مولانا نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا تھا۔

بہر حال جو ہونا تھا وہ ہو کر رہ گیا، تقدیر کا لکھا کون ٹال سکتا ہے؟ مولانا ۱۹۶۵ء میں چاٹگام لاء بورڈ میں شامل ہوئے، اور ایک طویل مدت تک (APF) اور (AGP) کی حیثیت سے کام کرتے رہے تھے، اس کے بعد ۱۹۷۱ء میں مذکورہ لاء بورڈ میں سینئر رکن بنے، پھر ۱۹۷۶ء میں چاٹگام ڈسٹرک بار ایسوسی ایشن کے نائب صدارت کے عہدہ پر فائز ہوئے اور ترقی کے مختلف مدارج طے کرتے ہوئے سینئر نائب صدر منتخب ہوئے تھے۔

۲۳ر ستمبر ۱۹۸۳ء میں مولانا نے ہائی کورٹ ڈویژن آف بنگلا دیش سپریم کورٹ میں شرکت کی، اور انتقال تک اسی سے وابستہ رہے، علاوہ ازیں آپ S/M مسلم کمارشیل بنک اور اسٹنڈرڈ بنک (حالیہ روپالی بنک) کے قانونی اڈوائزر بھی رہ چکے تھے۔

۱۹۷۵ء میں روہنگیا فدائین محاذ کی تجدید ہوئی تو مولانا شفیق احمد صاحب اس میں ایک مشیر، خادم اور رہنما کی حیثیت سے شریک ہو گئے تھے، اس حوالے سے یہاں تک بتایا جاتا ہے کہ روہنگیا قومی تاریخ کے عظیم قائد محمد جعفر حبیب ۱۹۷۵ء سے لے کر آپ کی وفات حسرت آیات تک مولانا کے زیر اثر تھے، تاہم یہ دعوی کہاں تک صحت پر مبنی ہے اس پر تحلیل وتجزیہ کی ضرورت ہے، جو اس عجالہ میں ممکن نہیں ہے، لیکن اس بات میں بھی شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ مولانا شفیق احمد صاحب محمد جعفر حبیب کے مشیر اعلی اور ایک قسم کے مربی ضرور تھے۔

۱۹۷۳ء سے ۱۹۹۰ء کے دوران مولانا شفیق احمد صاحب کی بنڈل روڈ والی رہائش گاہ چاٹگام جیسے ایک ریل پیل کے شہر میں روہنگیا علماء اور دانشوروں کی گویا ایک پناہ گاہ تھی، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ روہنگیا لیڈران بشمول محمد جعفر حبیب اور آپ کے رفقائے کار جبھی چاٹگام آتے تو ان کی پناہ گاہ یہی مولانا کی رہائش گاہ ہوتی تھی، ایک طویل مدت تک روہنگیا فدائین محاذ کا گویا چاٹگام میں یہی دفتر تھی، ان تمام لوگوں کی خورد ونوش اور رہنے سونے کی ذمے داری مولانا کے سر پر تھی، فراخ دلی اور

سخاوت کا عالم تھا کہ آپ کے دسترخوان سے کوئی بھی محروم نہیں جاتا اور نہ ہی جاسکتا تھا، آج آپ اس دنیا میں نہیں ہیں، اللہ تعالی آپ کو اجر جزیل عطا کرے۔

۱۹۷۵ء کے دوران روہنگیا فدائین محاذ کے قائدین بڑے پریشان تھے، فنڈ میں ایک کوڑی بھی جمع نہیں تھی، ادھر معسکر میں مجاہدین اسلام کی عسکری تربیت چل رہی تھی، تنظیم میں سینکڑوں لوگ بشمول علماء، دانشوران اور طلباء اور قوم کے نوجوانان جمع ہو چکے تھے، پریشانی کا یہی عالم تھا کہ ایک روایت کے مطابق مجاہدین درختوں کے پتوں اور آبشارے کے پانی پر گزارا کر رہے تھے، ایسے حالات میں مولانا شفیق احمد صاحب اور آپ کے چند احباب آگے بڑھے، اور چاٹگام میں پائی جانے والی روہنگیا برادری کے اہل ثروت کو ایک اجلاس میں جمع کیا، اور ۲۰ر ستمبر ۱۹۷۵ء میں ''ارکان ہسٹریکل سوسائٹی'' (AHS) کے نام سے ایک رفاہی قسم کی تنظیم کی بنیاد ڈالی، پھر ۲۸ر ستمبر ۱۹۷۵ء میں اس رفاہی تنظیم کا ایک اجلاس بلایا گیا، جس میں مجاہدین کے لئے چندے وصول کئے گئے، ویسے مجاہدین کے لئے گزارے کے سامان فراہم ہو سکے تھے۔

مولانا سوسائٹی کے بانی ہونے کے علاوہ ۱۹۷۵ء سے لے کر ۱۹۹۳ء تک مسلسل اس کے عہدۂ صدارت پر متمکن رہے، اس طویل مدت میں آپ نے روہنگیا مسلمانوں کے حوالے سے بے شمار سیاسی، ثقافتی، فکری اور رفاہی خدمات کیں، اس کے بعد بھی مرتے دم تک اس تنظیم کی مجلس سرپرستگان کے صدر رہ چکے تھے۔

ظاہر ہے کہ ہماری متحرک تنظیمیں اختلاف، انتشار اور افتراق سے عبارت ہیں، مولانا ہر حال میں ان منظمات کے رہنماؤں کو ہم آہنگ کر کے ایک ہی پلیٹ فارم میں جمع کرنے کے خواہاں تھے، اور اس نیک کوشش میں ہمیشہ پیش پیش رہا کرتے تھے۔

۱۹۹۸ء میں میدان فکر وعمل میں کام کرنے والی اس وقت کی دونوں متحرک تنظیمیں ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) اور روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے درمیان ایک طویل کوشش کے نتیجے میں انضمام عمل میں آیا، اور ان دونوں جماعتوں نے اپنی اپنی علیحدہ حیثیت کو کالعدم کرتے ہوئے ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا اعلان کیا، تو مولانا شفیق احمد صاحب

اس جماعت کی قائمہ کمیٹی (NSC) کے چیرمن منتخب ہوئے، اس جماعت کے دستور اور منشور کی تیاری کے دوران مولانا کی علمی وفکری اور قانونی وعملی قابلیت واستعداد ہمارے سامنے کھل کر سامنے آئی، چوں کہ میں بھی اس قائمہ کمیٹی کا ایک رکن تھا، یوں میں نے اپنی آنکھوں سے بارہا دیکھا کہ کبھی کبھار بعض امر پر تقریبا سارے ممبروں کی آراء ایک طرف ہوتیں اور مولانا کی رائے دوسری طرف، بحث کے دوران آپ کے دلائل کے سامنے سارے ممبروں کی آراء تہ خاک ہوجاتی تھیں، اور آخرکار تمام ممبروں کو آپ کے دلائل کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑتا تھا۔

مولانا ایک جلیل القدر عالم باعمل، مستعد سیاسی مبصر اور لائق وفائق قانون دان تھے، نماز با جماعت کے بڑے پابند، نہایت فراخ دل اور سخی بزرگ تھے، ایسے حالات میں آپ نے لگ بھگ ۲۰۱۲ء میں چاٹگام میں انتقال کیا، نائکان سری میں مدفون ہیں۔

☆☆☆

جناب محمد عباس صاحب سیندنگی،

رہنما وانقلابی قائد، ومجاہد فی سبیل اللہ:

محمد عباس صاحب کی پیدائش جنوبی مشرقی بوسیدنگ کی بستی سیندنگ میں ایک دین دار گھرانے میں ہوئی، آپ کے والد ایک تقوی شعار اور نہایت سخاوت پسند انسان تھے۔ محمد عباس صاحب کی ابتدائی تعلیم بستی کے مکتب میں ہوئی، بعد میں اردو ورنیکولر سرکاری اسکول میں داخل ہوئے یہاں سے ہائی گریڈ پاس کیا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد محمد عباس صاحب سیاست سے ناطے جوڑے، آپ ۱۹۴۲ء کے واقعۂ کرب وبلا سے شدید متأثر تھے، آپ نے اس ۱۹۴۲ء کے دوران مسلم مجاہدین کے ساتھ شریک ہوکر مسلمانوں کی جان اور عزت وآبرو بچائی تھی۔

۲۰/آگست/۱۹۴۷ء میں محمد جعفر حسین قوال کی زیر قیادت جہاد کی تیاری کے حوالے سے اجلاس ہوا، جس میں وقت کے حالات پر تبادلۂ خیال ہوا تھا، اور برما کی آزادی کے قبل شمالی ارکان کو ایک آزاد مسلم ریاست بنانے کی تدابیر پر غور وخوض ہوا تھا، جس میں محمد عباس بھی شریک تھے، یاد رہے کہ یہ اجلاس اگلے ہونے والے جہاد کا پہلا قدم تھا، جس میں جہاد کونسل کی تاسیس پر غور کیا گیا تھا، بالآخر کونسل کی تاسیس ہو بھی گئی تھی، اس نسبت سے آپ اس کونسل کے بانیوں میں شمار ہیں۔

۲۰/اکتوبر/۱۹۴۸ء کو تومبرو کے مقام پر جہاد کونسل کا عام انتخابات ہوئے، جس میں محمد عباس صاحب نائب سکریٹری کے منصب پر فائز ہوئے تھے، یوں آپ کا شمار ایک عام لیڈر سے بڑھ کر ایک قومی لیڈر میں ہونے لگا تھا، ۱۹۴۸ء کے اواخر میں آپ نے جہادی پروگرام کے سلسلے میں مشرقی پاکستان کا دورہ کیا، وہاں کے مختلف سیاسی لیڈروں سے ملاقاتیں کیں، اور جہاد کونسل کی عملی جدو جہد میں تعاون کے لئے ان سے درخواست کی تھی۔

۱۹۴۹ء کے ابتدائی مہینوں میں جہاد کونسل مالی بحران کی شدید شکار ہوگئی تو آپ نے کونسل کو اس مالی بحران سے نکالنے کی بڑی کوشش کی، اور بڑے صبر وثبات سے کام لیتے ہوئے مجاہدین کی از سر نو ترتیب دی تھی، ۲۸/مئی/۱۹۴۹ء میں جہاد کونسل کے اعلی عہدیداروں کی شمولیت میں مجلس عاملہ کی بھی از سر نو ترتیب ہوئی تو اب کی بار محمد عباس جنرل سکریٹری کے منصب پر فائز ہوئے، اس کے بعد مجاہدین

کی گوریلا کارروائیوں کو شدید سے شدید ترین کر دیا گیا تھا، پھر آپ نے ستمبر/ ۱۹۴۹ء میں مشرقی پاکستان کا دوبارہ دورہ کیا، اور علاقۂ چاٹگام کے اعلی حکام اور نامور سیاست دانوں سے ملاقات کر کے ان سے تعاون کی درخواست کی تھی۔

۱۹۵۰ء تک باوجودیکہ برمی حکومت نے مجاہدین کی مکمل استیصال کی حددرجہ کوششیں کی تھیں، لیکن طاقت کے بل بوتے پر ان کا استیصال ممکن نہیں ہوسکا، اب برمی حکومت کو مجاہدین کی طاقت کا اندازہ ہو چکا تھا، یوں پیس میشن کے نام پر برمی حکومت نے مجاہدین سے مذاکرات کے لئے چار افراد پر مشتمل ایک وفد کی تشکیل دی، یہ وفد فقیرہ بازار پہنچا تو مجاہدین کے چار حضرات نے اس وفد سے مذاکرات کئے، جن میں محمد عباس بھی شریک تھے، مذکرات تو ہوئے، لیکن کام کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔

۱۸/ جولائی/ ۱۹۵۰ء میں محمد جعفر حسین قوال کو عہدۂ صدارت سے معزول کر دیا گیا تو کونسل نے محمد عباس کو ایک ہنگامی اجلاس بلانے اختیار دیا تھا، یکم/ آگست/ ۱۹۵۰ء میں اجلاس بلایا گیا، جس میں مجلس عاملہ کی از سر نو تشکیل ہوئی، جس میں جناب عمرہ میاں صاحب صدر اور محمد عباس کو نائب صدر چنا گیا تھا، باوجودیکہ جناب عمرہ میاں صاحب صدر تھے، لیکن عملا کونسل کے تمام امور کی انجام دہی محمد عباس کا ذمہ تھی، لیکن ہنگامی کونسل کی تشکیل کے بعد آپ شدید علالت میں مبتلا ہو گئے تھے، یوں آپ کو معالجہ کے لئے مشرقی پاکستان جانا پڑا تھا، آپ کی غیر حاضری میں تمام امور کی ذمے داریاں جناب صلاح الدین دودومیاں بانگونوی اور جناب کرنل رشید احمد صاحب فوئمالوی نے سنبھالی تھیں، یادرہے کہ محمد عباس کی اس علالت کے دوران جہاد کونسل میں ہر کہیں بے اعتمادی کی فضا چھا گئی تھی، لیکن آپ نے واپس آکر کونسل کو اس بحرانی حالت سے نکالنے میں کامیابی حاصل کی تھی۔

۱۹۵۰ء میں محمد جعفر حسین کی شہادت کے بعد جہاد کونسل کے عام انتخابات ہوئے، جس میں سرپرستوں کی ایک مجلس کے ساتھ کونسل کی ایوان بالا اور ایوان زیریں کی تشکیل ہوئی، جس میں بھی عمرہ میاں صاحب صدر اور محمد عباس نائب صدر چنے گئے تھے، اس انتخابات کے بعد کونسل نے گیارہ نکات پر مشتمل قراردادیں پاس کیں، جو درج ذیل ہیں:

۱۔ سال رواں ۱۹۵۱ء کا بجٹ پانچ لاکھ کیات ہوگا۔

۲۔ ان میں سے دو لاکھ کیات ارکان کی متروکہ اراضی سے حاصل کئے جائیں گے۔

۳۔ مجاہدین کو ماہانہ وظیفہ دیا جائے گا۔

۴۔ اسباب جنگ اور اسلحہ جات کی عام خرید وفروخت کی اجازت ہوگی۔

۵۔ ورک شاپ کے لئے ایک مستقل انجینئر رکھا جائے گا۔

۶۔ فقیرہ بازار کے مقام پر مجاہدین کے بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے ایک ہائی اسکول قائم کیا جائے گا۔

۷۔ جہاد میں زخمی ہونے والے مجاہدین کو ہنر سکھانے کا معقول انتظام کیا جائے گا۔

۸۔ مجاہدین کی وردیاں اور پوشاک کی تیاری کے لئے مستقل طور پر ایک درزی رکھا جائے گا۔

۹۔ نشر واشاعت کے تمام امور سکریٹری برائے امور خارجہ انجام دیں گے۔

۱۰۔ صدر کونسل جناب عمرہ صاحب تمام امور پر نظر رکھیں گے۔

۱۱۔ عدالت عظمی کے لئے ایک قاضی اور ایک منصف مقرر کئے جائیں گے۔

۲۰/ جون/ ۱۹۵۴ء میں چاٹگام کے ایک ہوٹل سے محمد قاسم راجا کو پاکستانی حکومت نے گرفتار کر لیا تو مجاہدین کے دونوں دھڑوں کے درمیان ایک اتحاد قائم ہوا، اب ارکان میں عملا صرف ایک تنظیم ہو چکی تھی، جس کا صدر جناب محمد عباس تھے، اس اتحاد کے بعد ارکان کی سیاست اور انقلابی سرگرمی میں غیر معمولی تبدیلی آچکی تھی، عام طور پر سمجھا جانے لگا تھا کہ محمد قاسم راجا کی گرفتاری کے بعد برمی حکومت محمد عباس کے ساتھ سنجیدگی سے امن مذاکرات کرے گی، لیکن وہ نہیں ہو سکے، اس وقت محمد عباس ارکانی مسلمانوں کی خود مختاری کے لئے برمی حکومت سے لڑنے والا ارکانی انقلابیوں کے واحد متفقہ رہنما تھے، جن کے ساتھ امن مذاکرہ کرنا برمی حکومت لئے آسان تھا۔

۱۹۵۴ء میں محمد عباس کو جناب عمرہ میاں صاحب کی معذوری کے سبب سے جہاد کونسل کا صدر بنایا گیا تھا، ۱۹۵۷ء میں آپ نے حضرت مولانا شفیق احمد صاحب تنگ بازاری کی شمولیت میں خاکسار پارٹی کے لیڈر علامہ عنایت اللہ مشرقی کی دعوت پر مغربی پاکستان کا دورہ کیا، اس دورے کے دوران لاہور میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ:

''گذشتہ سات برسوں سے مجاہدین، ارکان میں ایک خود مختار مسلم ریاست کا مطالبہ

کررہے ہیں، لیکن حکومت برما اپنی پوری طاقت کے ساتھ حقائق پر پردہ ڈالنے کے لئے ہمیں ڈاکوؤں کا ایک گروہ قراردے رہی ہے، اور ہماری جدوجہد کو غلط رنگ میں پیش کیا جارہاہے، مگر ہمیں یقین ہے کہ اس قسم کے غلط پروپیگنڈے سے ہم لوگوں کا یہ مطالبہ کہ ’’برمایونین کے تحت ہمارے لئے ایک خودمختار مسلم ریاست کی تشکیل دی جائے‘‘ کو دبایانہیں جاسکتا، اور نہ ہی فوجی کاروائیوں سے ہمارے عزائم متزلزل کئے جاسکتے ہیں اور نہ ہی ہمارے حوصلے پست کئے جاسکتے ہیں، ہم اپنے احباب، معاونین، خیراندیش اور ہم دردوں کو یقین دلاتے ہیں کہ حکومت ہمارے نیک اور بلند مقصد سے بخوبی واقف ہے، اسے اچھی طرح علم ہے کہ ہم شمالی ارکان میں اپنے حقوق اور اپنی خودمختار ریاست کے حصول کے لئے عہد کرچکے ہیں ، اس امید میں کہ ہم جائداد، عزت وآبرو اور آزادی کے تحفظ کے پورے شعور کے ساتھ باعزت طور پر زندگی گذارسکیں گے، جس طرح برما کے دوسرے شہریوں کو حاصل ہیں، اسی طرح شمالی ارکان میں ہم ایک خودمختار مسلم ریاست چاہتے ہیں، ہم لوگوں کی ایک نمایاں تہذیب ہے اور ایک الگ مذہب ہے، جس کے تحفظ کے بغیر زندگی کی ترقیات ناممکن اور بے معنی ہیں، نیز ایک ثقافتی قوت کی حیثیت سے ہماری زندگی کچھ بھی نہیں رہی، عوام اور ذہین طبقہ کے لوگ ان تمام باتوں کا حل صرف شمالی ارکان میں ایک خودمختار مسلم ریاست کے قیام کی صورت میں پاتے ہیں، ہم برما کے موجودہ لیڈروں سے اپیل کرتے ہیں کہ جن پاکیزہ جذبات واحساس کے تحت ہم نے شمالی ارکان کی بے یارومددگار مسلم اقلیت کے مفاد کے تحفظ کے لئے ایک خودمختار مسلم ریاست کی تشکیل کا مطالبہ کیاہے وہ ان جذبات کی قدرکریں، اور ہم لوگوں کو اپنے ملک کے عوام کی فلاح اور بہبودی کے لئے کام کرنے کی اجازت دیں، ہم دوسری اقلیتوں کی سیاسی، ثقافتی، اقتصادی، مذہبی، دینی آزادی کے لئے حکومت برما سے اپیل کرتے ہیں، ملک کے مفاد کے لئے یہ

بات کبھی بھی مناسب نہیں ہوسکتی کہ اقلیتوں کے پاکیزہ جذبات اور آئینی بیداری کو دبادیاجائے، ہماری امیداورتمنا ہے کہ برما کے حکمرانوں کو بصیرت عطاہوگی‘‘۔

اس وقت کے برمی وزیراعظم مسٹراونو نے مجاہدین کے خلاف زہراگلتے ہوئے کہا تھا شمالی ارکان میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، جہاں ایک باغی گروپ بھی ہے، جو برمایونین سے آزادی کا خواستگار ہے، اور ایک اسلامی ریاست قائم کرنا چاہتا ہے، تو محمد عباس نے وزیراعظم کے اس سازش اور پروپیگنڈوں پر مشتمل بیان کے خلاف ایک بیان جاری کیا، جس میں کہا گیا تھا کہ:

’’برمی حکومت کے حالیہ طرزعمل سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اس نے ہماری تحریک کے متعلق اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں لائی ہے، بلکہ اس کے بر عکس ہماری تحریک کے بارے میں غلط پروپیگنڈے کئے جارہے ہیں، اور دنیا کے سامنے حقائق کے خلاف غلط تصور پیش کیا جارہاہے، اور طاقت کے بل بوتے پر اس تحریک کو دبانے کے رجحانات ظاہر کئے جارہے ہیں، حال ہی کی بات ہے کہ ہمارے خلاف فوجی کاروائیاں کی گئیں، اور غلط مقصد کے حصول کے لئے جواز اور راہ بھی تلاش کرلی گئی ہے، اس لئے ہماری طرف سے خاطرخواہ جواب دیا گیاہے، اور یہ بات ثابت کردی گئی ہے کہ مقدس نصب العین کو طاقت کے استعمال سے کچھ بھی نہیں کیا جاسکتا‘‘۔

۱۹۵۷ء میں ابھی محمد عباس مغربی پاکستان کے دورے پر تھے، آپ کی غیرموجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جہاد کونسل کے کے اعلی عہدے دار جناب عبدالرشید صاحب بوری چنگی نے کونسل کے چنداعلی ممبروں کو اپنا ہم نوابنالیا، اور جبھی آپ سفر سے واپس آئے تو ۱۷رمئی ر۱۹۵۷ء میں آپ کی معزولی کا حکم سنایا گیا تھا، یہ کونسل کے لئے ایک غیرمعمولی بحران تھا، آپ کی معزولی کے حکم کے خلاف کونسل کے بڑے بڑوں نے بھرپور احتجاج کیا تو رشید صاحب کی طرف سے ان کو قتل کردینے کی دھمکیاں دی گئیں، یوں ہرطرف خاموشیاں چھاگئی تھیں، لیکن اس معزولی کے خلاف اندر ہی اندر لاوا پک رہا تھا، ویسے چند حضرات نے خفیہ طریقے سے محمد عباس سے رابطہ کیا، لیکن آپ نے یہی فرمایا کہ:

''اب ضرورت اس بات کی ہے کہ سردست آپ حضرات مجھ سے دور رہیں اور عبد الرشید کی صدارت اور قیادت پر راضی ہو جائیں، اب انتشار اور خلفشاری کوئی مناسب کام نہیں ہے، اللہ تعالی روہنگیا قوم کی بھلائی کا فیصلہ کرے''۔

محمد عباس کے اس جواب نے رابطے کرنے والے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا، بالآخر کونسل کی اعلی قیادتیں جناب عبد الرشید کی اس غلط حرکت پر راضی نہیں ہوسکیں، یوں ۷/جولائی/۱۹۵۷ء کے ایک عام اجلاس نے جناب عبد الرشید کی اس حرکت کو ناجائز قرار دیتے ہوئے اس کے عہدۂ صدارت کو کالعدم کردیا تھا، اس کے بعد کونسل نے محمد عباس کو کونسل میں تشریف لانے کی دعوت تو دی تھی، لیکن آپ نے اس دعوت کو ٹھکرا دیا، یوں نہ صرف جہاد کونسل بلکہ ارکان کے مظلوم مسلمان بھی اپنے ایک عظیم لیڈر سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے۔

محمد عباس دوبارہ کونسل میں واپس نہیں آئے تو ایک عام اجلاس بلایا گیا، جس میں حالات حاضرہ کے علاوہ کونسل کے ایک صدر کے انتخاب پر غیر معمولی غور وخوض کیا گیا تھا، بالآخر سارے لوگ جناب صالح احمد صاحب فقیری پر متفق ہو گئے تو آپ کے ہاتھ پر عہدۂ صدارت سونپا گیا تھا۔

جنوری/۱۹۵۸ء کو جہاد کونسل نے بٹ تلہ کے مقام پر ایک کانفرنس بلائی، جس میں بڑے بڑوں میں جناب محمد عباس بھی تشریف لائے تھے، یہاں محمد عباس نے کونسل میں ازسرنو جان ڈالنے کی حد درجہ کوشش کی لیکن بعض حضرات کی ناعاقبت اندیشانہ حرکت نے آپ کی کوشش پر پانی پھر دیا تھا۔

۱۹۶۱ء کو کونسل کا ایک عام اجلاس بلایا گیا، جس کا مقصد یہ تھا کہ جہاد کونسل کے دونوں دھڑوں کے درمیان مفاہمت ہو جائے، جس میں محمد عباس صاحب کا بھی تشریف لانا تھا، لیکن سوئے قسمتی سے ۱۳/جون/۱۹۶۱ء کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہہ کر اس جہان فانی سے رخصت لی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆☆☆

جناب کرنل رشید احمد صاحب شہید فوئمالی،
سیاسی رہنما وانقلابی لیڈر، مجاہد فی سبیل اللہ:

محمد جعفر حبیب بیولہ فاروی کی بہنوی سرزمین ارکان کے عظیم مرد مجاہد کرنل رشید احمد بن حضرت مولانا ابوالخیر صاحب فوئمالوی کی ولادت ۱۹۱۸ء میں قصبۂ فوئمالی بوسیدنگ میں ہوئی، آپ کے والد مولانا ابوالخیر صاحب ایک جلیل القدر عالم دین اور درویش صفت بزرگ ہونے کے علاوہ بڑے صاحب ثروت سخی منش تھے، آپ کی والدہ بعض اطلاع کے مطابق علماء، صلحاء اور طالبین علم دین سے نہایت شفقت رکھنے والی خاتون تھی۔

کرنل رشید احمد صاحب کی ابتدائی سے لے کر ثانویہ تک کی تعلیم اپنے آبائی علاقے کے مکتب اور سرکاری اسکولوں میں ہوئی، اس کے بعد اعلی تعلیم کے لئے رنگون کا سفر کیا، جہاں آپ نے اعلی عصری تعلیم کے ساتھ فوجی تربیت بھی حاصل کی۔ دوران تعلیم وتربیت آپ قومی سیاست سے وابستہ ہو گئے، اور ملکی سیاسیات سے دلچسپی لینے لگے تھے۔

آپ ۱۹۴۸ء میں رنگون سے ارکان آئے، اور اسی سال گلہار وز بنت چوہدری حبیب الزمان بن ابوالخیر بلی بن انور علی بن کرم علی بن محسن علی بن شاہ عبد اللطیف حجازی سے شادی کی، جو ظاہر ہے کہ حضرت محمد جعفر حبیب کی بڑی بہن تھی۔

شادی خانہ آبادی کے بعد آپ جہاد کونسل میں شامل ہو گئے اور چند دن گزرتے نہ گزرتے بانئ تحریک حضرت محمد جعفر حسین قوال کے قریبی رفقاء میں شمار ہونے لگے، بانئ تحریک کو آپ سے بہت محبت تھی اور آپ پر بڑا اعتماد تھا، اور آپ کو ایک حقیقی بھائی سے بڑھ کر پیار کرتے تھے۔

کرنل صاحب جہاد کونسل میں مختلف بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے تھے، علاوہ ازیں عسکری تربیت کے استاد بھی، ویسے کونسل کے ہر ایک افراد آپ کو بڑی عزت ووقار کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

۱۹۴۹ء میں آپ کو بشمول دو مربی ساتھی کونسل کے مرکز کی طرف سے مجاہدین کی جنوبی شاخ جو اس وقت محمد قاسم راجا کی سرکردگی میں تھی کی تربیت کے لئے بھیجا گیا تھا، جہاں آپ نے مسلسل تین مہینوں

تک مجاہدین کی تربیت دی، اس کے بعد واپس فقیرہ بازار جہاں مجاہدین کا مرکز تھا پہنچے تو آپ کا بھرپور استقبال کیا گیا تھا۔

آگست/ ۱۹۵۰ء میں محمد جعفر حسین کی علالت کے دوران آپ جہاد کونسل کے مرکزی جنرل سکریٹری مقرر ہوئے اور شہادت حسرت آیات تک اس عہدے پر بحال رہے تھے، آپ بڑے ذہین، فعال، تیز وتند، نہایت چست اور ہشیار انسان تھے، کہتے ہیں کہ برمی حکومت کے جاسوس اور گماشتے تک ان سے بچنے کی کوشش کیا کرتے تھے، آپ کے نام گرامی کان پڑتے ہی گماشتے چونک جاتے تھے، اس حوالے سے بہت ساری کہانیاں مشہور ہیں۔ یوں جہاد کونسل میں آپ نے نمایاں خدمات انجام دیں، ہر کجا آپ کی قابلیت اور استعداد کا داغ بیٹھا ہوا تھا۔

مارچ/ ۱۹۵۳ء میں آپ مجاہدین کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ اپنے آبائی علاقے پوئمالی تشریف لے گئے، اور پوئمالی کی سمت مشرق میں دوڑتا ہوا پہاڑی سلسلہ ''موری چنگ'' میں ایک مضبوط فوجی معسکر کی بنیاد رکھی، جس میں آپ موچہ بند ہو گئے تھے، کہتے ہیں کہ موری چنگ کا یہ پہاڑی سلسلہ فوجی حکمت عملی کے لحاظ سے بہت اہم ہے۔

۷/نومبر/ ۱۹۵۳ء میں برمی اوباش حکومت کی طرف سے آپ کے خلاف سخت فوجی اپریشن ہوا، لڑائی شروع ہوئی تو آپ اور آپ کی اہلیہ گلھاروز مورچہ بند ہو گئے، آپ اور آپ کے ساتھیوں نے تین دن تک ڈھٹ کر مقابلہ کیا، اور بہادری کا لوہا مناتے ہوئے سینکڑوں برمی اوباشوں کو جہنم رسید کر دیا تھا، لیکن برمی حکومت کے عمدہ ترین ہتھیاروں اور گولہ بارود کے سامنے مجاہدین نہ ٹک سکے، ایسی حالت میں آپ اور آپ کی اہلیہ سمیت بہتوں مجاہدین نے جام شہادت نوش فرمایا۔

کرنل رشید احمد صاحب مرد خداشناس اور اسلام پر فدا انسان تھے، آپ کی ذات میں قدرت نے اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کی فکر کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی، آپ نے ملت حنیف کو کفار کے ظلم وتعدی سے نکالنے کی بڑی کوشش کی، بالآخر اس راہ میں اپنی جان کا ندرانہ پیش کر دیا، آپریشن کے دوران اوباش برمی افواج نے آپ سے ہتھیار ڈالنے کی عرض کی، لیکن آپ نے ان کی عرض کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ ہم اللہ کی راہ میں ہتھیار ڈالنے نہیں آئے، ہتھیار ڈالنا تو بزدلوں کا کام ہے، یا ہمارا مقصد

بر آئے گا یا موت ہمارا کام تمام کر دے گی، ان تمام باتوں کے حوالے سے آپ کے ایک ساتھی مجاہد کا بیان ہے کہ:

> ''مارچ/ ۱۹۵۳ء میں جہاد کونسل کی ایک بڑی جماعت کرنل رشید احمد کی قیادت میں پوئمالی گئی، اس نے پوئمالی کی سمت مشرق میں دوڑتا ہوا پہاڑی سلسلہ ''موری چنگ'' میں ایک مضبوط مورچہ تیار کر لیا تھا، باوجودیکہ صدر محمد عباس اور کرنل رشید احمد کے درمیان کچھ خلش پیدا ہو گئی تھی، لیکن اہداف ومقاصد، منصوبہ اور نصب العین، پلان اور پروگرام میں کسی قسم کا اختلاف نہیں تھا۔
>
> ۷/نومبر/ ۱۹۵۳ء میں کرنل رشید احمد کے خلاف میجر آپریشن ہوا، آپ اور آپ کے جان نثاروں نے ڈھٹ کر مقابلہ کیا، اور اپنی اپنی بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سینکڑوں کفار کو جہنم رسید کر دیا تھا، مگر حکومت کے عمدہ ترین اسلحے کے سامنے ان کا قدم مضبوط نہ رہ سکا، بالآخر برمی افوج غالب آ گئیں اور کرنل رشید سمیت بہتوں جانثاروں نے جام شہادت نوش فرمایا تھا''۔

آپ کی شہادت کے بعد رہے سہے جان نثاروں میں اختلافات شروع ہو گئے تھے، ابوصدیق صاحب اپنے سارے ہم نواؤں سمیت قاسم کی قیادت میں چلنے والی جماعت مجاہد پارٹی میں ضم ہو گئے اور عبدالصمد صاحب اپنے ساتھیوں سمیت میدان کارزار میں رہ رہ کر مقابلہ کرتے رہے، اور اپنے ساتھیوں سے کہتے رہے تھے کہ کرنل رشید احمد صاحب بشمول آپ کی اہلیہ شہید ہو چکے ہیں، اب ہمارے زندہ رہنے کا کوئی معنی نہیں۔

چونکہ عبدالصمد بڑے بہادر انسان تھے، انہوں نے ۲۴/جنوری/ ۱۹۵۴ء میں بوسیدنگ ٹاون پر حملہ کر دیا تھا، برمی افواج سے دل کھول کر مقابلہ کیا، سینکڑوں کفار کو دوزخ میں پہنچا کر اللہ کے اس بندہ نے آخر کار جامع مسجد بوسیدنگ کے قریب جام شہادت نوش فرمایا، ان کی شہادت کے بعد ان کے دونوں بھائی کمال حسین اور عبدالخالق صاحبان اپنے رہے سہے ساتھیوں سمیت ۲۶/جنوری ۱۹۵۴ء میں جہاد کونسل کے مرکز واپس آ گئے تھے۔

جناب محمد ابوالقاسم صاحب (راجا) کولونگی، راسیدنگی،

انقلابی قائد، مجاہد فی سبیل اللہ:

محمد ابوالقاسم بن جناب عطاء الدین کی ولادت ۲۲/ ۲/ ۱۹۱۷ء میں بستی کولونگ، منگڈو، ارکان میں ہوئی، آپ کے والد جناب عطاء الدین صاحب نہ صرف اس بستی کے ایک باوقار شخص بلکہ وہاں کے نمبردار بھی تھے، علاوہ ازیں خدمت خلق کے حوالے سے خاصے مشہور بھی۔

جناب عطاء الدین صاحب ایک کاشتکار، مالدار، دیندار اور انصاف پسند اور انسان دوست اور سخی آدمی کی حیثیت سے نہ صرف اس گاؤں میں بلکہ پورے علاقے میں معروف تھے، یہ گاؤں منگڈو کے مرکزی شہر سے کوئی چالیس میل کے فاصلے پر جنوب میں خلیج بنگال کے ساحلی علاقہ پر آباد ہے، جس کے مشرق میں کوہ ہمالہ کا ایک دوڑتا ہوا سلسلہ جو رینگتا ہوا خلیج بنگال پر جا اترتا ہے۔

چونکہ آپ کے والد ایک مالدار اور دیندار آدمی تھے، اس لئے اپنے بچے کو شروع ہی سے علم کی دولت سے مالا مال کرنے کے شائق تھے، مگر قدرت کو ایسا منظور تھا کہ ارکان کے اکثر بڑے خاندان یا بڑے گھرانوں کے لڑکوں کی طرح ابتدائی مکتب نشینی کے سوا اعلیٰ تعلیم کی توفیق نہیں ہوئی، یوں انہوں نے لڑکپن کو کھیل کود میں گذار دیا، لڑکا بڑا ذہین قسم کا تھا مگر پڑھتا نہ تھا، جس کی وجہ سے آپ کے والد بڑے پریشان تھے۔

ارکان کے بڑے بڑے گھرانے کے لڑکوں کی زندگی پر غور کرنے کے بعد ایک بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ اچھی تعلیم وتربیت کے فقدان کی وجہ سے بہت سے ذہین وفطین لڑکوں کی زندگیاں بالکل رائگاں ہوگئی ہیں، ٹھیک جناب قاسم صاحب کی بھی یہی حالت تھی کہ باوجود اس کے کہ آپ کے والد آپ کو علم کی دولت سے مالا مال کرنا چاہتے تھے، لیکن ماحول، وقت اور تعلیم وتربیت کی فضا بڑی خراب تھی، جس کی وجہ سے طبعی طور پر قاسم بیکار ہوگیا تھا، اور اس کی ذہانت رائگاں ہوگئی تھی، یوں گاؤں کے من چلے لڑکوں کے ساتھ میل ملاپ کی وجہ سے طبعی طور پر آپ کی ذہانت نازیبا اعمال اور سرگرمیوں میں لگنی شروع ہوگئی تھی، دیکھتے ہی دیکھتے آپ بعض بد اعمالیوں میں ملوث ہوگئے تھے، ہفت روزہ استقلال رنگون نے باوجود یکہ میں اس سے کلی طور پر متفق نہیں ہوں روزنامہ نیشن کے حوالے سے

لکھا ہے کہ:

''۱۹۴۸ء کے دوران قاسم کا نام سنا گیا تھا جو آج کل مجاہدین کا لیڈر بنا ہوا ہے، معلوم ہونا چاہئے کہ قاسم کا پچھلا ریکارڈ جرائم سے پر ہے، وہ ۱۹۴۷ء کے آخیر تک ایک بحری ڈکیتی کے الزام کے تحت قید کے میعاد گذار چکا تھا''۔

روایت ہے کہ آپ اپنے قریبی دو ہم راز سمیت لوگوں کو تنگ کرتے تھے، ویسے مہینوں گذر گئے، لیکن کسی کو اتنا تک معلوم نہ ہوسکا کہ آیا وہ کون لوگ ہیں؟ ان کی شرارت ساحلی علاقوں میں ہوتی تھی، چونکہ ساحل سے گذرنے والے مسافر بہت دور دراز کے ہوتے تھے، لہذا کسی نے ان کو پہنچانا نہ تھا، روایت ہے کہ ایک روز ان تینوں نے ایک قافلہ کو تنگ کیا، ادھر سے ان کی بستی کے چند ماہی گیر نکل آئے، اچانک ان کی نظر مسافروں پر پڑی تو آگے بڑھے، حتی کہ انہوں نے قاسم اور ان کے دونوں ساتھی کو پہچان لیا، مگر جب ان کی شناخت ہوگئی تو انہوں نے کچھ کئے یا کہے بغیر واپس آنے کو مناسب سمجھا اور گاؤں میں آتے ہی جناب عطاء الدین صاحب کو لڑکوں کی شرارت اور بداعمالیوں کی شکایتیں کرتے ہوئے کہا کہ جناب! آپ صرف ہمارے گاؤں میں نہیں بلکہ پورے علاقے میں ایک دیندار، پرہیزگار اور انسانیت دوست اور انصاف پسند آدمی کی حیثیت سے معروف اور مشہور ہیں، ادھر آپ دنیا والوں کے انصاف کرتے تو ادھر آپ کا لڑکا انصاف کا خون کرتا ہے، آج آپ کے امتحان کا دن ہے، دیکھا جائے گا کہ آیا آپ انصاف کرتے ہیں یا انصاف کا خون، شکایتیں سنتے ہی آپ کے والد غیرت میں آگئے، اور نماز جمعہ کے بعد مسجد میں بانگ دہل اعلان کردیا کہ جو آدمی ان تینوں کو زندہ یا مردہ میرا حوالہ کرے گا اسے مال ودولت سے مالا مال کردیا جائے گا اور یہ بھی کہا کہ انہیں میں زندہ نہیں چاہتا ہوں بلکہ میری خواہش یہی ہے کہ ان کو میرے سامنے مردہ لایا جائے، اب لوگوں نے سمجھ لیا کہ واقعی جناب عطاء الدین ایک انصاف پسند اور انسانیت دوست آدمی ہیں۔

باپ کے ایسے خطرناک اور جان لیوا حکم کی بات کسی نے قاسم تک پہنچا دی تو اپنے دونوں ہم راز سمیت گاؤں سے فرار ہوکر پہاڑ میں روپوش ہوگئے، ویسے بہتوں دن گذر گئے، چونکہ تینوں آدمی ہتھیاروں سے مسلح تھے، چنانچہ کسی کی نظر ان پر لگتی تو بھی ان پر حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، آخرکار

تینوں ایک رات چپکے سے گھر آئے اور اپنی اپنی ماں سے رخصت لی اور زیر زمین چلے گئے تھے۔

اس کے بعد آپ جہاد کونسل میں شریک ہو گئے، چونکہ آپ ایک دلیر انسان تھے، یہاں آپ نے اپنی بہادری کا لوہا منوایا تھا، وہ جہاں کہیں بھی گئے فتح وکامرانی نے ان کا قدم چومتا رہا تھا، قاسم کی وجہ سے کونسل کی بڑی بڑی کامیابی ہوئی، یوں آپ کو کیپٹن کے خطاب سے سرفراز کیا گیا تھا، پھر ۶/فروری/ ۱۹۴۹ء کے دوران حبیب الرحمن صاحب سے کشمکش ہوئی تو آپ نے دونوں ہم راز سمیت راہ فرار اختیار کر کے کمیونسٹ پارٹی میں آسرا لیا تھا۔

یہ اس وقت کا واقعہ تھا کہ برما میں برمیز کمیونسٹ پارٹی (B.C.P) جمہوریت کو ختم کر کے اس کی جگہ اشتراکی یا شیوعی نظام حکومت لانے کے لئے دندنا رہی تھی، یہ پارٹی ان مسلح مخالف پارٹیوں میں سے ایک تھی جسے کچلنے کے لئے اونو حکومت ہر امکانی کوشش کر رہی تھی۔

روایت ہے کہ محمد قاسم نے کیپٹن حبیب الرحمن کی کارکردگی سے تنگ آ کر اپنے دونوں ہم راز سمیت بی سی پی میں شمولیت اختیار کی، ابھی ان کی شمولیت کو زیادہ دن نہ ہوئے کہ پارٹی کے صدر نے انہیں بڑی عزت واکرام سے نوازا، روایت ہے کہ آپ نے اس پارٹی میں بہتوں دن گذار دیئے اور ملک کو کمیونزم کی راہ پر ڈالنے والوں کے ہاتھ بٹاتے رہے۔

ایک روز موقع پا کر قاسم صاحب نے پارٹی کے صدر سے کہا کہ جناب عالی! اس پارٹی میں کمیونزم کے لئے قربان ہو جانے والے تمام تر لوگ غیر مسلم ہیں، کیوں نہ اس پارٹی میں مسلمانوں کو بھی شمولیت کی اجازت دی جائے؟ آپ کی ذات سے میری توقع ہے کہ آپ پارٹی میں مسلمانوں کو بھی شامل کرنے کی اجازت سے نوازیں گے۔

دراصل بات بڑی خوب تھی مگر صدر نے ان سے تین دن کی مہلت مانگی، اور تین روز گذر جانے کے بعد آپ کو بلا کر کہا کہ اگر تم اس کام کے لئے تیار ہو سکتے ہو تو میں اجازت دیتا ہوں کہ تم مسلم علاقوں سے نوجوانوں کو برمی حکومت کے خلاف میدان میں اتار لاؤ۔

ابھی اجازت ملنی تھی کہ اپنے دونوں ہم راز سمیت دوبارہ ۷/مارچ/۱۹۴۹ء میں حبیب الرحمن سے الحاق کر گئے اور بعد میں قاسم حبیب الرحمن اور دھلا میاں تینوں نے مل کر جنوب منگڈو میں ایک

مضبوط محاذ قائم کیا تھا، بی سی پی کو محمد قاسم کے ساتھ امید وابستہ تھی، لیکن اس کی امید میں تب پانی پھر گیا جب تینوں نے جنوبی منگڈو کو قبضہ کر کے مجاہد اعظم کے ساتھ وفاداری کا خلف اٹھایا تھا، اب محمد قاسم کی بہادری، حبیب الرحمن کی ہوشیاری اور دھلا میاں کی عیاری کام آئی، اور وہ جنوب منگڈو نہیں بلکہ پوری سرزمین سے ہزاروں نوجوانوں کو پارٹی میں بھرتی کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

چونکہ اتنے دنوں تک جماعت میں کیپٹن حبیب الرحمن سرخیل تھے، اس کے فرار کے بعد دھلا میاں کو علی تانجو کے مورچے میں رکھ کر محمد قاسم کولونگ کو چلا گیا اور وہاں ایک زبردست مورچہ قائم کر لیا تھا، بعد میں قاسم دھلا میاں کو ختم کر کے پوری جماعت پر قبضہ کرتے ہوئے جنوبی منگڈو کا شہنشاہ بن گیا تھا۔

محمد قاسم نے راجہ ہونے کے بعد تجارت کے ایک زبردست سلسلوں کا آغاز کیا، جس سے پارٹی میں لاکھوں رقوم کا فائدہ ہوا تھا، ٹیکناف اور شاہ فریر دیپ میں ارکانی مال ومتاع کے بہت سے گودام قائم کئے گئے تھے، گویا کہ پارٹی نے سرکاری طور پر تجارت کا ایک سلسلہ شروع کیا ہو۔

چونکہ محمد قاسم صاحب کے پاس کوئی فوجی تربیت یافتہ استاد نہ تھے، اس لئے جہاد کونسل سے کرنل رشید صاحب کو بلایا، کرنل رشید احمد صاحب، عبدالسلام اور قادر حسین سمیت یکم آگست/ ۱۹۴۹ء میں علی تانجو پہنچے، دراں حالیکہ وہاں محمد قاسم نے ایک بڑے پہاڑ کو چھید کر زبردست فوجی اڈہ بنا لیا تھا، جہاں وہ اپنے اہل وعیال سمیت مجاہدین کے اہل وعیال کی رہائش اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اچھے خاصے انتظامات کر رکھے تھے، چونکہ کرنل رشید احمد ایک فوجی تربیت یافتہ استاد ہونے کے علاوہ ایک مقرر بلکہ صاحب طرز خطیب بھی تھے، یوں ۲۰/آگست/ ۱۹۴۹ء میں انہوں نے ایک پبلک میٹینگ بلائی، جہاں انہوں نے اپنی زور بیانی سے لوگوں کو مخمور اور مسحور کر دیا تھا، رشید صاحب تقریباً چار مہینے تک وہاں تربیتی خدمات انجام دیتے ہوئے آم تلہ ہیڈ کوارٹر کو واپس پہنچے تو یہاں آپ کا زبردست استقبال ہوا اور تمام لوگوں نے اس مہم میں کامیاب ہونے پر مبارک باد دی تھی۔

باوجودیکہ قاسم صاحب نے اتنے دنوں تک کمیونسٹ پارٹی میں وقت لگایا تھا، لیکن کمیونزم کی بیماری اور زہریلے جراثیم نے ان کو اثر کر نہ سکا، کیوں کہ وہ ذہنی طور پر اسے سمجھنے کے لئے سرے سے

تیار نہ تھے، دراصل انہوں نے اپنی مصیبت کے دن گذارنے کے لئے کیمونسٹ پارٹی میں شمولیت اختیار کی تھی، گویا یہ پارٹی اس کی پناہ گاہ تھی، تاہم آپ نے یہاں فطری ذہانت اور خداداد صلاحیت سے کام لیا اور وہ اس میں کامیاب بھی نکلے، اس میں قابل ذکر بات تو یہ ہے کہ باوجود یکہ آپ نے اتنے دنوں تک ایک خطرناک پارٹی میں اپنی زندگی گذاری لیکن ان کی کسی بھی بات چیت، کردارو آثار سے یہ بات کبھی بھی ظاہر نہ ہونے پائی کہ وہ کمیونزم سے بڑے متنفر تھے۔

روایت ہے کہ قاسم صاحب اچھے خاصے مضبوط ہوجانے کے بعد کمیونسٹ پارٹی کونابود کردینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے، بالآخر کمیونسٹ پارٹی نے ایک طرف برمی فوجیوں سے مسلسل جنگ تو دوسری طرف محمد قاسم کی زبردست معرکہ آرائی سے تنگ ہوکر اس علاقے کو چھوڑ دیا تھا، روایت ہے کہ سینکڑوں کمیونسٹوں کو محمد قاسم نے موت کی نیند سلائی تھی، جوں ہی آپ کمیونسٹ پارٹی سے مطمئن ہوگئے تو آپ نے اپنی تمام توجہ برمی اوباشوں کے خلاف لگادی تھی، اور جوں جوں دن گذرتے گئے توں توں آپ کی طاقت بڑھتی گئی تھی، حتی کہ ایک دوسال ایسے گذرے کہ آپ کی قیادت میں پانچ ہزار تک مسلح جنگجو تھے، جو سرزمین ارکان میں شیران پلنگ کی طرح دندنائے اور برمی فوجوں کے مقابلے میں اپنے اپنے جوہر دکھاتے گئے تھے۔

اتنے دنوں تک محمد قاسم جہاد کونسل کے ماتحت کام کرتے رہے، لیکن ۱۱/۹/۱۹۵۰ء میں محمد جعفر حسین قوال کی پراسرار شہادت کے بعد مولانا رشید احمد صاحب نے مجاہد اعظم کی ٹوپی اور ان کا مہر لاکر محمد قاسم کا حوالہ کیا تھا، اور محمد قاسم کو مجاہد اعظم کی بڑی بڑی بشارتیں سنائیں اور انہیں مجاہد اعظم کے جانشیں کہلایا گیا، اس کے بعد محمد قاسم لوگوں کی زبان میں راجا بن بیٹھے، بالآخر دنیا نے ان کو راجا ہی سے جانا اور پہچانا تھا۔

یوں تو محمد قاسم صاحب نے خود کو مجاہد اعظم کا جانشین تصور کیا، اور لوگوں نے بھی اسے بھڑکایا اور چڑھاوادیا تھا، مگر اس سے بھی بڑی بات یہ ہوئی کہ دشمن نے کمال کردیا کہ وہ مجاہدین کو ایک دوسرے کے خلاف لڑوانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

دشمن کے جن جاسوسوں نے مجاہدین کے روپ دھار کر محمد جعفر حسین کو شہید کردیا، انہوں نے اور

ایک روپ دھار کر قاسم کو ابھارا اور سمجھادیا کہ مجاہد اعظم کو محمد عباس اور ان کے ہم نواؤں نے شہید کردیا ہے، یوں تو محمد قاسم ایک جذباتی انسان تھے اب مزید ان پر جنون غالب آگئے اور بے سوچے سمجھے مجاہد پارٹی کے نام سے الگ دھڑا بناتے ہوئے انہوں نے جوش انتقام میں جہاد کونسل کے خلاف اعلان جنگ کردیا تھا۔

اب دشمن اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا کہ محمد قاسم ۶/جنوری/۱۹۵۱ء میں جہاد کونسل کے مرکز پر یورش ویلغار کرنے کی غرض سے فقیرہ گئے تھے۔

باوجود یکہ اختر حسین (جو اس زمانہ میں تومبرو میں الگ محاذ قائم کئے ہوئے تھے) کو محمد قاسم کی سوئے نیتی کی خبر بروقت مل گئی تو انہوں نے محمد قاسم کا تعاقب کیا، اب محمد قاسم نے اختر کو بھی اپنا خلاف پایا تو فقیرہ پر حملہ کرنے کی نیت ترک کردی اور ۸/جنوری/۱۹۵۱ء میں واپس لوٹ آیا تھا۔

لیکن وہ اب بھی موقع کی تلاش میں تھے ویسے موقع پاتے ہی ۱۹/نومبر/۱۹۵۱ء میں فقیرہ پر حملہ کردیا تھا، جہاد کونسل سے گھمسان کی لڑائی ہوئی، آخر کار محمد قاسم کو زبردست شکست کا منھ دیکھنا پڑا، اور وہ اپنے سینکڑوں جان نثاروں کو ہلاک کرتے ہوئے واپس لوٹ آئے تھے۔

۲۸/مئی/۱۹۵۱ء میں پھر فقیرہ پر چڑھائی کی، گھمسان کی لڑائی ہوئی اور شکستوں پر شکست کھاکر ناکام واپس آئے تھے۔

محمد قاسم نے ایک انوکھا اور تاریخی کام یہ بھی کیا کہ آپ نے راجا بننے کے بعد ایک دارالسلطنت کی بنیاد رکھی، جس کا نام چین شہر رکھا گیا تھا، جسے ایک اچھے خاصے شہر کی شکل دی گئی تھی، جہاں اس نے اپنے لئے ایک محل بنایا تھا، جو صرف ایک ستون پر ہواؤں کے بل گھومتا تھا، دور دراز سے لوگ یہ محل دیکھنے آتے تھے، کہا جاتا ہے کہ اس گھر کا معمار کوئی پاکستانی مسلمان تھا، یہ شہر بالکل سطح زمین پر بنایا گیا تھا، جہاں فوجی کمانڈروں کے بالاخانوں کے علاوہ بڑی تعداد میں فوجوں کی رہائش گاہیں بنائی گئی تھیں، جسے قاسم راجا کا سب سے بڑا فوجی اڈہ یا مرکز کہا جاتا تھا، میجر آپریشن نے اسے بتاہ کردیا تو مرکز ٹونگی پہاڑ کو منتقل کردیا گیا تھا، جس کی قدرے تفصیلات سامنے آرہی ہیں۔

محمد قاسم صاحب نے جون/۱۹۵۱ء میں علی تانجو کے مرکز میں ہزاروں مسلمانوں کو جمع کیا اور

ارکان مسلم کانفرنس کے نام سے ایک انجمن کی تاسیس کی تھی، جناب صالح احمد (مربی) فقیروی کو صدر، مسٹر ظہیرالدین بی اے علیگ کو جنرل سکریٹری کے مناصب پر منتخب کیا گیا تھا، اس کانفرنس نے بعد میں نسل کشی بند کرو (STOP GANOCID) کے عنوان سے ایک کتابچہ شائع کیا تھا، اور مسلم اسٹیٹ کا پرزور مطالبہ کیا تھا، برما کے اعلی حکام کو مسئلہ ارکان پر سنجیدگی سے غور وفکر کرنے کی دعوت دی تھی، یاد رہے کہ اس سے پہلے جہاد کونسل اور انجمن مہاجرین ارکان نے بھی مسلم اسٹیٹ کا مطالبہ کیا ہے، اب تینوں جماعتوں کی طرف سے ایک ہی مطالبہ پیش کیا گیا تو مگھوں کی بدنام زمانہ پارٹی راٹانیا کے پارلیمنٹ ممبروں نے مجاہدین کو بدنام کرنے کی سازش کی، اور برمی حکام کو بہکایا کہ مسلم مجاہدین ارکان کو آزاد اسٹیٹ بنانا چاہتے ہیں، جو سراسر ایک غلط پروپیگنڈہ تھا۔

دارالسلطنت کے علاوہ اور بھی قاسم صاحب کی دو بڑی فوجی چھاونیاں تھیں، ایک منگڈو شہر سے شمال میں نو میل کے فاصلے پر منگنامہ میں واقع تھی، جو منگنامہ کی سمت مشرق میں کوہ مایو کی ایک بلند چوٹی پر (جسے مقامی زبان میں آج بھی قاسم راجار ٹونگی کہا جاتا ہے) بنائی گئی تھی، یہ چوٹی بہت دور سے نظر آتی ہے، جس میں تقریبًا بارہ سو مجاہدین رہا کرتے تھے، یہ پہاڑی چوٹی سطح زمین سے کوئی ۳۲۱۸ / میٹر تک بلند ہے، جس کی وجہ سے یہ چھاونی بہت مضبوط اور جلد خطرات سے محفوظ، نا قابل تسخیر سمجھی جاتی تھی، جس پر حملہ کرنا آسان نہ سمجھا جاتا تھا، اس چھاونی کے اعلی ذمہ دار کرنل احمد حسین اور کرنل مستفیض الرحمن صاحبان تھے۔

دوسری چھاونی منگڈو ٹاؤن سے شمال میں کوئی ۴۰ میل پر واقع تھی، جو موضع تومبرو کے قریب سلسلۂ کوہ مایو کے ایک بلند چوٹی پر بنائی گئی تھی (جسے مقامی زبان میں سنبھالا رگھاٹی کہا جاتا تھا) یہ بھی ایک بڑی مضبوط فوجی چھاونی تھی، جسے نا قابل تسخیر سمجھا جاتا تھا، مگر تاریخ نے لوگوں کے سارے خیالات پر پانی پھیر دیا کہ بعد میں تینوں بڑی فوجی چھاونیاں مسخر کر لی گئی تھیں۔

ان بڑی بڑی چھاونیوں کے علاوہ اور بھی چھوٹی چھوٹی چھاونیاں تھیں، جن کا تذکرہ ضروری نہیں سمجھتا ہوں اور آگے چل کر ان بڑی چھاونیوں کی تسخیر کی داستاں لکھی جائے گی اگر چاہے خدا کرے۔

اللہ تعالی نے محمد قاسم کے اندر دلیری اور غیرت کے علاوہ اشاعت اسلام کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر

دیا تھا، باوجودیکہ آپ نے کبھی کبھار غیر مسلموں کے ہاں اسلام کی دعوت پہنچانے کے لئے قدم اٹھایا تھا لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اسلام کی بنیادی اور بلند اغراض ومقاصد، علم وہنر اور دعوت دین کے اسالیب وحکمت عملی سے ناواقفیت کی وجہ سے آپ نے اس میدان میں ٹھوکر کھائی تھی، وہ جانتا نہ تھا کہ اسلام تیغ وسنان کے زور سے نہیں پھیلا اور نہیں پھیلے گا، بلکہ اسلام اپنے پیروؤں کے اخلاق واعمال کی خوبیوں اور رعنائیوں سے پھیلا اور ہمیشہ پھیلتا رہے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ محمد قاسم نے بہتوں مگھ بودھوں کو بزور بازو کلمۂ توحید پڑھانے کی کوشش کی تھی، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ بہتوں ہندو اور مگھ اسلام کی حقانیت اور کلمۂ توحید کی حقیقت سے آشنا ہو کر اس وقت اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔

جون / ۱۹۵۳ء کی دوسری دہائی میں محمد قاسم نے علاقۂ راسیدنگ اور بوسیدنگ سے سینکڑوں بودھ بھکشوؤں اور بودھ کنواریوں کو ٹنگی والی چھاونی میں گرفتار کر لایا تھا، بعد میں انہوں نے کنواریوں کو بودھ بھکشوؤں سے نکاح دلایا تھا، یہ ایک عجیب وغریب واقعہ تھا جس کی وجہ سے نہ صرف برمی حکومت بلکہ ارکان کے بودھ باشندے غیض وغضب کی آگ میں جلے تھے، اور بودھ عوام نے حکومت سے انہیں آزاد کرانے کی اپیل کی تو حکومت نے عوام کے جذبات کو سرد کرنے کے لئے جان توڑ کوشش کی، چنانچہ بوسیدنگ کے سینکڑوں علمائے اسلام کو ایک مجلس میں دعوت دے کر ان سے تعاون کی اپیل کی تھی، لیکن علما نے یہ کہہ کر اپنی جان چھڑائی کہ محمد قاسم ایک من چلا آدمی ہے، وہ کسی کی بات سننے کو تیار نہیں ہوتا۔

بعد میں حکومت نے قاسم صاحب کو طرح طرح کے تحائف اور ہدایا پیش کئے تھے، یوں ان بودھوں کی جان بچانے میں کامیاب ہوگئی تھی، اس واقعہ کے بعد دیہات کے بودھ لوگ ہوا بن گئے تھے، کہا جاتا ہے کہ شہروں کے علاوہ کسی بھی دیہاتی علاقے میں آنکھوں میں لگانے کے لئے مگھ نامی سرمہ نہیں ملتا تھا، اس کے بعد برما کے اعلی حکام نے اعلان کیا کہ جو محمد قاسم کو گرفتار کر لائے گا اسے پچاس ہزار کیات کا انعام سے نوازا جائے گا، اس کے جواب میں محمد قاسم نے اعلان کیا کہ جو برما کے وزیر دفاع اور وزیر اعظم کو گرفتار کر لائے گا اسے پانچ لاکھ کیات عطا کیا جائے گا، جس کے بعد برمی حکام نے طیش وغضب کی آگ میں جل کر قاسم کے خلاف مہم شروع کر دی تھی۔

جناب محمد قاسم کی شخصیت ارکان کی تاریخ تحریک میں بہت نمایاں نظر آتی ہے، اس کی چندوجوہات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے سرزمین ارکان کے بڑے بڑے جانباز مجاہدین کو اپنی تحریک میں جمع کرلیا تھا، ان میں کوئی تیس تک ایسی شخصیات بھی تھیں جن پر میرے خیال میں الگ الگ تصانیف لکھی جانی چاہئے، مگران تمام شخصیتوں پر کچھ لکھنا آسان کام بھی نہیں ہے، کیوں کہ تاریخ کی اندھیری نے ان کی زندگیوں کونگل لیا ہے، پھربھی بڑی بڑی شخصیتوں پر کچھ کہنے جارہاہوں۔

ان بڑے بڑوں کے علاوہ اوربھی بہت سے کمانڈر تھے، جن کے صرف ناموں اور گاؤں کے تذکرے پر اکتفا کیا جارہاہے تو لیجئے:

(۵) جناب محمد مظہر خائندافارا، منگڈو۔

(۶) جناب باسامیاں ہری تلا،منگڈو۔

(۷) جناب فروخ احمد سائندافارا،منگڈو۔

(۸) جناب سلطان احمد خانوافارا،منگڈو۔

(۹) جناب سلطان احمد (ماریدیا)نائیسافورو،منگڈو۔

(۱۰) جناب جمال احمد کیلادنگ،منگڈو۔

(۱۱) جناب ولی اللہ لمباگونہ،منگڈو۔

(۱۲) جناب نورعلی شیتافوریکا،منگڈو۔

(۱۳) جناب راغب اللہ کولونگ،منگڈو۔

(۱۴) جناب عبدالشکور کولونگ،منگڈو۔

(۱۵) جناب شونااحمد موئیدنگ،راسیدنگ۔

(۱۶) جناب محمد جعفرثانی میرولا (باہرسرہ)منگڈو،بعدمیں راجاربیل۔

(۱۷) جناب شوناعلی خونیہ فارا، منگڈو۔

(۱۸) جناب محمد خانوافارا،منگڈو۔

(۱۹) جناب لالومیاں میرولا،منگڈو۔

(۲۰) جناب ولی چاند اودھنگ،منگڈو۔

(۲۱) جناب قاسم علی شیتافوریکا،منگڈو۔

(۲۲) جناب عبدالجلیل لینگوائی،راسیدنگ۔

(۲۳) جناب ابوصدیق کیان بنگ،منگڈو۔

(۲۴) جناب مسیح الدولۃ کیلادنگ،منگڈو۔

(۲۵) جناب حبیب الرحمن دونسے فارا،منگڈو۔

(۲۶) جناب باگومیاں میرولا،منگڈو۔

(۲۷) جناب کالامیاں سون خداربیل،منگڈو۔

(۲۸) جناب صالح گدوسرا،منگڈو۔

(۲۹) جناب محمد ابراہیم خائندہ فارا،منگڈو(دراصل وہ پتھری قلعہ کا تھا)

(۳۰) جناب دولامیاں (بلی)شیتافوریکا،منگڈو۔

(۳۱) جناب عزیزالرحمن دونسے فارا،منگڈو۔

(۳۲) جناب ابوالحسین خائندہ فارا،منگڈو۔

(۳۳) جناب زلونگیا (شایداس کا کوئی اسلامی نام بھی تھا)وکیل فارا،منگڈو۔

۱۹۵۴ء کی ابتدا تک برمی حکومت نے مجاہد پارٹی سمیت جہادکونسل کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوششیں کیں، لیکن حکومت اپنی ہرکوشش میں ناکام رہی تھی ، برمی حکومت کی طرف سے مجاہد پارٹی پر درجنوں حملے کئے گئے ، بارہا شکست کا چہرہ دیکھنا پڑا تھا،اب برمی حکومت نے حکومت پاکستان پر الزام عائد کیا کہ پاکستانی حکومت مجاہدین کے لئے خفیہ امداد پہنچارہی ہے،لیکن حکومت پاکستان نے اس کی تردید کی اورایسی نکتہ چینی کو بے بنیاد قرار دیا تھا۔

برمی حکومت نے جون/۱۹۵۴ء میں مجاہد پارٹی پرزبردست حملہ کردیا تھا،اس آپریشن کا خفیہ نام مون سون آپریشن تھا، بحریہ اورفضائیہ کے سہارے سے برمی افواج مجاہد پارٹی پرغالب آگئیں، جنگ بڑی خطرناک قسم کی ہوئی تھی،حملہ اور جوابی حملہ ہوا تھا،مجاہدین نے اپنی پوری طاقت کوٹنگی والی

چھاونی میں جمع کیا تھا، چونکہ حکومت نے بعض ناسمت شناس عوام کو اپنا لیا تھا، جنہوں نے مجاہدین کے خلاف حکومت کا ہاتھ بٹایا تھا، اب حکومت نے بعض جاسوس قسم کے عوام کی رہنمائی میں ٹنگی پر حملہ کر دیا، ایک طرف آمنہ بازار سے توپ بردار بحری جہاز نے براہ راست چھاونی کو نشانہ بنایا تو دوسری طرف فضائیہ نے بھی چھاونی پر بمباری کی تھی، گھمسان کی لڑائی ہوئی، سینکڑوں بری افواج ہلاک ہوئیں، بالآخر فضائیہ کی زبردست گولہ باری سے تنگ ہوکر مجاہدین نے چھاونی سے اتر جانا مناسب سمجھا، ویسے ٹنگی والی چھاونی بھی مسمار ہوگئی تھی۔

بعد ازاں محمد قاسم ایک بڑے لشکر سمیت سمبالا والی چھاونی یعنی تومبرو کے پہاڑی علاقے میں جا ٹھہرے، بعد میں حکومت نے وہاں بھی زور سے حملہ کر دیا تھا، اب تمام مجاہدین نے ایک ہی جگہ پر رہنا مناسب نہ سمجھا تو مجاہدین کو مختلف گروپوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا، ان میں سے ایک بڑی جماعت کرنل احمد حسین اور کرنل مستفیض الرحمن کی قیادت میں صاحب بازار کے پہاڑی علاقے میں رہنے لگی اور دوسری جماعت سیف الملوک کی اور تیسری جماعت باسامیاں کی قیادت میں گوریلا انداز میں کام کرنے لگی تھی، میجر آپریشن کے بعد ان دونوں دھڑوں نے حکومت کے خلاف گوریلا طرز کے چھاپے مارے، جس سے حکومت کا بہت زیادہ جانی اور مالی نقصان ہوا تھا۔

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ پاکستانی حکومت نے مجاہدین کا کبھی ہاتھ نہیں بٹایا تھا، پھر بھی ارکانی مسلمان بشمول مجاہدین پاکستان سے بڑی بڑی توقع رکھتے تھے، درجنوں مرتبہ پاکستانی حکمرانوں کو انہوں نے آواز دی تھی، لیکن ایک مرتبہ بھی ان کا جواب مثبت میں نہیں آیا تھا، اب میجر آپریشن کے بعد محمد قاسم نے پاکستان کا دورہ کرنا مناسب سمجھا اور یہاں کے حکام کو ارکانی مسلمانوں کے حالات زار سے آگاہ کیا تھا، باوجودیکہ یہ ساری مصیبت اور نسل کشی، خونیں سرگذشت، عصمت دری اور غارت گری پاکستانی حکومت کی آنکھوں کے سامنے تھی، لیکن پاکستانی حکومت نے ہمیشہ اس سے تجاہل عارفانہ کر کے آنکھ بند رکھی تھی، امداد واعانت تو کجا، ان کی مصیبت پر ذرا اف تک کرنا گوارہ نہیں کیا تھا۔

پاکستانی حکومت کو محمد قاسم نے اپنی تمام جدوجہد اور ارکانی مسلمانوں کے المناک حالات سے آگاہ تو کیا مگر وہ کبھی بھی کامیاب نہ ہوئے، بلکہ اس کے برعکس خطرناک واقعہ یہ ہوا کہ حکومت پاکستان

نے ۲۰/جون/۱۹۵۴ء کے دن محمد قاسم کو چاٹگام کے ایک ہوٹل سے گرفتار کر لیا تھا۔

محمد قاسم کی گرفتاری کے بعد پاکستانی وزیر اعظم محمد علی نے ۱۷/جون/۱۹۵۴ء میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ:

''قاسم مشرقی بنگال کے ایک ڈسٹرکٹ جیل میں مقید ہے، خود ساختہ جنرل اور مجاہد لیڈر محمد قاسم کو محض اس لئے گرفتار کیا گیا ہے کہ وہ غیر قانونی طور پر سرحد عبور کر آیا تھا''۔

محمد قاسم کی حراست کی خبر مجاہدین تک پہنچی تو مجاہدین ششدر رہ گئے اور ان پر مایوسی اور ناامیدی کی فضا چھا گئی تھی، پھر بھی مجاہدین اپنے نصب العین، پلان اور پروگرام میں اٹل رہے، لیکن قیادت عظمٰی کے انتخاب میں اختلافات ہو گئے تھے، یعنی وہ تاریخی مصیبت دکھائی دی جس نے قوم کی ہوا اڑا دی تھی، آخر کار مجاہد پارٹی تین مختلف دھڑوں میں تقسیم ہو گئی تھی، جن کی تفصیلات کی یہاں گنجائش نہیں ہے، تاہم ان تمام تفصیلات سے صرف نظر ان کے سرخیلوں کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) کرنل احمد حسین کو میر خالوی گروپ۔

(۲) کرنل سیف الملوک کولونگی گروپ۔

(۳) کپٹن باسامیاں ہری تلوی گروپ۔

اور ان میں سے کرنل احمد حسین اور کرنل مستفیض الرحمن والا دھڑے نے ۲۰/ستمبر/۱۹۵۴ء میں موضع صاحب بازار میں جہاد کونسل سے ایک معاہدہ کے تحت الحاق کر لیا تھا، اور دوسرے دونوں دھڑوں نے رہ رہ کر جہاد کونسل کے صدر محمد عباس سے رابطہ کیا، یوں جنوری/۱۹۵۵ء میں ان تینوں دھڑوں نے متفق ہو کر فقیرہ میں جہاد کونسل سے سمجھوتہ کر لیا تھا، چنانچہ روزنامہ پاسبان کا بیان ہے کہ:

''خبر ملی ہے کہ شمالی ارکان میں حالات تیزی سے بدل رہے ہیں اور وہاں صورت حال بہتر ہوتی جارہی ہے، قاسم کے دو لفٹننٹ کرنل احمد حسین، کرنل سیف الملوک، کپٹن باسامیاں نے اپنے ساتھیوں سمیت جہاد کونسل سے سمجھوتہ کر لیا ہے، مجاہدین ارکان کے دونوں گروپوں کے لیڈروں نے ایک مشترکہ کانفرنس کے بعد اعلان کیا ہے کہ برما یونین کے تحت شمالی ارکان میں ایک الگ مسلم ریاست قائم کرنے

کی بھر پور کوشش کی جائے گی، ان لیڈروں نے ملک کے عام مفاد کی خاطر اپنے
ماضی کے اختلافات کوختم کرنے کا وعدہ کیا ہے، اور اس بات کا یقین دلایا ہے کہ
پارٹی کے اتحاد کے درمیان اپنے کسی مفاد کو آنے نہ دیں گے''۔

محمد قاسم نے پارٹی کی مکمل بتاہی کے بعد شونا فارہ (اوکیہ) والے خلیل شقدار کی لڑکی سے شادی کی اور یہاں بہت ساری زمینیں خرید کر پاکستانی شہریت حاصل کرلی تھی، بعدازاں چاٹگام میں ایک ہوٹل بنایا تھا، لیکن موضع شونا فارہ میں اسے برمی جاسوسوں نے ۱۹۵۵ء میں قتل کردیا۔

جو کچھ بھی ہو مگر محمد قاسم بڑے دلیر، بہادر اور نڈر آدمی تھے، ان کی یہ عالی ہمتی اور بہادری نہ صرف ارکانی مسلمانوں نے یاد رکھی بلکہ یہاں کے مسلمانوں کے تاریخی دشمنوں کی زبان میں بھی اس کا تذکرہ ملتا ہے، حتی کہ بودھ لوگ کہتے تھے کہ قاسم صاحب کے بندوق سے نکلنے والی گولیوں سے قاسم کی صدا آتی ہے، باوجودیکہ وہ ایک کم علم انسان تھے، مگر اللہ تعالی نے آپ کے اندر بہادری جیسی خوبی اور قابل دادصفت کوٹ کوٹ کر بھردی تھی، آپ کی جنگ جوئی اور بہادری کے بارے میں سینکڑوں روایات اور انگنت داستانیں معروف ومشہور ہیں۔

جہاں تک پتہ چلا کہ مجاہد پارٹی میں مستقل مجلس عاملہ وشوریٰ کی باقاعدہ تشکیل نہیں ہوتی تھی، درحقیقت محمد قاسم ایک ڈکٹیٹر انسان تھے اور یہ بھی معلوم ہوسکا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ انقلابی لوگ ہر قید وبند سے آزاد ہوتے ہیں، اور انقلابی جمہوری طرز وطریقہ سے انقلاب نہیں لاسکتے، اور نہ آپ کا کمیونزم یا سوشلزم پر یقین تھا، وہ فوجی ڈسپلن اور طرز زندگی کو ایک انقلابی کے لئے اچھا خیال کرتے تھے، یوں وہ آگے چل کر ایک ڈکٹیٹر بن گئے تھے، البتہ مجاہد پارٹی کے ہر بڑے کمانڈروں کو کم سے کم ایک سکشن مجاہدین سمیت کسی مورچے میں الگ رکھتے تھے، جن پر آپ کا پورا کنڑول ہوتا تھا، اس حوالے سے مسٹر عبدالغفار لکھتے ہیں:

''قاسم کو اپنے ماتحتی افسروں پر پورا کنڑول تھا، جوان کے حکم سنتے ہی تعمیل حکم کے
لئے فورا مستعد ہوجاتے تھے، اس کی پارٹی میں حکومت کی فوجوں سے کئی گنا ڈسپلن
ہوتی تھی، ادنی سے اعلی کام ان کے حکم کے بغیر کرنے کا کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی''۔

ظاہر ہے کہ جہاں علم کی روشنی نہیں ہوگی وہاں انصاف وعدل، اصول وقوانین کا خون ہوگا، حقیقت میں اس مجاہد پارٹی میں دولت علم وعمل کے فقدان کے وجہ سے بعض لوگ بے باگ اور منچلے ہوگئے تھے، جنہوں نے آگے چل کر اصول وقوانین، انصاف وعدل کا خون کیا تھا، اور ظاہر ہے کہ جس جماعت میں اصول وقوانین کا فقدان ہوگا وہاں ہدف ومنزل کا تصور بھی خواب وخیال بن کر رہ جائے گا، جس میں بلندفکری اور حکمت عملی کی گنجائش باقی نہ رہے گی اور آگے چل کے موثر قیادت نہ ہوگی تو یہ جماعت انسانی شکل میں بھیڑیوں کا کام تو کرے گی لیکن وہ انسان وانسانیت کو فلاح وبہبودی سے ہمکنار کرنے کی خوبیوں سے محروم ہوگی، ویسے مجاہد پارٹی ساری خرابیوں کا منبع بن کر رہ گئی تھی، چنانچہ جب برمی عیار حکومت ان کو کچلنے کے درپے ہوئی تو روہنگیا قوم کو بھی اس کے جلد ہم نوا بنانے میں کامیاب ہوئی، یوں حکومت کی طاقت اور قوم کی جاسوسی نے مل کر قاسم اور اس کی پارٹی کی ہوا اڑادی تھی، جس کے نتیجے میں ان کے ہزاروں لوگ تباہ وبرباد ہوگئے تھے، اور برمی حکومت کو مجاہدین کے خلاف روہنگیا مسلمانوں کی گواہی کام آئی، جنہوں نے آگے چل کر دنیا کے سامنے ان بتاہی اور بربادی کی دل دوز داستاں بڑی تفصیل سے سنائی تھی۔

یوں بھی برمی حکومت ارکانی مسلمانوں کے بعض پھٹوؤں کو اپنانے میں کامیاب ہوگئی تھی، مزید براں مسلمانوں کی ایک جماعت کو مسلح کردیا گیا تھا، ایک طرف ان لوگوں کی ذمہ داری مجاہدین کے خلاف لڑنا تھی تو دوسری طرف ان کی ذمہ داری آپریشن میں برمی افواج کی رہنمائی اور جاسوسی بھی، چنانچہ مرحوم ڈاکٹر ایوب علی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''برمی افواج راستوں کی پہچان اور محاذ میں رہنمائی کے لئے کچھ وولنٹیر ساتھ کرلیتی
تھیں، ان کا کام مخبری، ڈکیتی اور ہر کس وناکس کے ذریعہ اپنا کام نکالنا ہوتا تھا''۔

مسلم وولنٹیر لوگ بڑے خطرناک قسم کے گماشتے بن گئے تھے، درحقیقت مجاہدین کو حکومت سے زیادہ ارکانی مسلمانوں کی نیم فوجی مسلح افراد اور دستوں نے نقصان پہنچایا تھا، محمد قاسم کی ٹنگی والی چھاونی پر برمی افوج نے بہتوں مرتبہ حملہ کیا تھا، لیکن ہر مرتبہ اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا، بعد میں وولنٹیروں کی رہنمائی میں حملہ ہوا تو اس میں برمی افواج کامیاب رہیں، چنانچہ ان لوگوں کی رہنمائی میں برمی

افواج کوٹنگی والی چھاونی پر چڑھنا ممکن ہوسکا تھا،درحقیقت مجاہدین کو برمی غاصب افواج نے اتنا نقصان نہ پہنچایا جتنا مقامی باشندوں نے پہنچایا ہے،اگر مقامی لوگ برمی اوباشوں کا ساتھ نہ دیتے تو ارکان کے حالات اس طرح نہیں ہوتے جس طرح ہم آج دیکھ رہے ہیں،غرض ہر قیمت میں مسلمانوں کومجاہدین کا ساتھ دینا چاہئے تھا،لیکن روہنگیا مسلمان حالات کی نزاکت کو نہ سمجھ سکے اوران مجاہدین ختم کرنے کے لئے برمی اوباشوں کا ساتھ دیئے تھے،اب میں اپنے دعوی کی حقانیت کے ثبوت پر سرزمین بنگال کے مشہور باکمال عارف حضرت مولانا مفتی عزیز الحق صاحبؒ بانی مدرسہ ضمیریہ پٹیہ کا ایک قول نقل کردیتا ہوں،جوانہوں نے ۱۹۵۰ء میں اپنے مختصر دورۂ ارکان کے دوران فرمایا تھا، جسے حضرت مولانا محمد سلطان ذوقؔ ندوی نے اپنی کتاب تذکرۂ عزیز میں نقل فرمایا ہے:

''اس سفر میں بعض لوگوں نے پوریکہ (مجاہد پارٹی) کے لوگوں کے مظالم کی شکایت کی، اورحضرت کی عجیب دوراندیشی اورفراست ہے کہ فرمایا: کہ آپ لوگ ان کوختم کرنے کی کوشش نہ کریں،ان کی اصلاح کی فکر کریں،ان کی خرابی سے خطرناک خرابی ان کافروں (مگھ قوم) کی ہوگی،یہ تمہارے بھائی ہیں،اگر یہ نہ ہوتے تو مگھ قوم تمہارے مال ودولت اورخواتین کی عصمت پردست درازی کرتے چنانچہ بعد میں اس کا تحقق ہوا ۔''

مولانا مظفر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ:اونوں نے مجاہدین کو دبانے کے لئے کچھ دیسی نامعقول اور ناتجربہ کارمسلم نوجوانوں کومسلم وولینٹیر کا نام دے کر ریکروٹ کرایا ہے،دونوں پارٹیاں اکثر برسرپیکار رہتی ہیں،نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوطرفہ لڑائی یا تصادم سے مسلمانوں کی بستیاں اجڑ جاتی ہیں،اوران کی جان ومال کا کافی نقصان ہوتا ہے،فی الحال برمی فوجوں کولڑنے یا بڑھنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

☆☆☆

جناب کرنل بدیع الزمان صاحب شہید کولونگی،راسیدنگی، لیڈر ومجاہد فی سبیل اللہ:

کرنل بدیع الزمان صاحب ۱۹۱۷ء میں علاقۂ راسیدنگ بمقام کولونگ پیدا ہوئے،باپ کا نام زہیر الدین جوگاؤں کا نمبردار تھا،جسے اس وقت مقامی زبان میں رواسوگری کہا جاتا تھا،زہیر الدین ایک ہردل عزیز،رحم دل،باوقار اورسخی آدمی تھا،جسے علاقہ بھر میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا جس طرح عرض کی گئی ہے کہ کرنل بدیع الزمان صاحب کی ولادت کولونگ میں ہوئی،جو رشتہ میں محمد قاسم صاحب (راجا) کا بھتیجہ تھا،جوابتداہی سے ان کا ہم راز اورہم سفر تھا،،بدیع الزمان محمد قاسم کے حضروسفر کا ساتھی تھا،جنگ میں محمد قاسم کی طرح پیش پیش رہا کرتا تھا،محمد قاسم کوان سے بڑی محبت تھی۔

اطلاع ہے کہ بدیع الزمان کومحمد قاسم نے گدوسرا والی چھاونی کا ذمہ دار اعلی مقرر کیا تھا،جہاں اس نے شونا علی بلی علی تانجوی کی ایک لڑکی سے شادی رچائی،لیکن اس شادی پر قاسم ناراض تھے،عین شادی کے موقع پر قاسم نے اس پر حملہ کردیا تو وہ بھاگ کر کولونگ چلا گیا تھا،چونکہ وہ قاسم کا دست راست تھا تو اس کے جانے کے بعد محمد قاسم پریشان ہوگئے تھے۔

بعد میں محمد قاسم نے کولونگ جاکر انہیں بزور بازو واپس لایا اورسرحد کا انچارج بنادیا تھا،چونکہ بدیع الزمان کے اس واقعہ میں مقبول احمد (جواس وقت جہاد کونسل سے بچھڑ کر سینڈی فرانگ میں ایک گروپ کی قیادت کررہے تھے) نے مدد دی تھی،تو اسی نسبت سے قاسم صاحب اورمقبول احمد کے درمیان گہرا رابطہ ہوا،بعد میں یہ رابطہ وسیع تر ہوگیا تھا۔

۱۹۵۴ء میں جب قاسمی پارٹی کے خلاف میجر آپریشن ہوا تو مقبول احمد نے دشمن کوعقب سے حملہ کرکے قاسم کی مدد کی تھی،کرنل بدیع الزماں صاحب نے ۱۹۵۴ء کی لڑائی میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے تھے،ان کے متعلق لوگوں کی زبانی بہت ساری داستانیں سنی گئیں،ان داستانوں سے جہاں تک اندازہ ہوا کہ آپ بڑے بہادر اور جواں مرد انسان تھے،بڑے چست اور چالاک بھی، کہتے ہیں کہ ۱۹۵۴ء کی لڑائی میں انہوں نے برمی دہشت گردفوجوں کا علاقے میں جینا حرام کردیا تھا، بعد میں آپ کوشہید کردیا گیا،اناللہ واناالیہ راجعون۔

کرنل سیف الملوک صاحب کولونگی، راسیدنگی،
کمانڈر ومجاہد فی سبیل اللہ:

کرنل سیف الملوک بن زہیر الدین رواسوگری کی ولادت ۱۹۱۹ء میں علاقہ راسیدنگ کی بستی کولونگ میں ہوئی، وہ کرنل بدیع الزمان صاحب کے چھوٹا بھائی ہیں، ان کی تعلیم بستی کے مکتب میں ہوئی، بعد میں والد نے ایک عالم دین کا سپرد تو کیا لیکن بڑی کوشش کے باوجود مزید پڑھائی نہیں ہوسکی تھی، لیکن بچپن میں وہ جہاں بھی جاتے اپنے ہم خیالوں کے ساتھ ارکان کے مستقبل پر گفتگو کیا کرتے تھے۔

۱۹۴۹ء کے اواخر میں سیف الملوک صاحب جہاد کونسل میں شامل ہوئے، بعد میں محمد قاسم راجا کی قیادت میں مجاہد پارٹی سامنے آئی تو آپ اس میں شامل ہوگئے تھے، یہاں آپ نے مجاہدین کے ایک بڑے گروپ کا کمانڈ سنبھالا، جس کے بعد آپ کو کرنل کا خطاب ملا تھا۔

مشہور بات ہے کہ کرنل سیف الملوک صاحب کا شمار جناب محمد قاسم راجا کی تنظیم میں کرنل بدیع الزمان صاحب کے بعد تیسرا نمبر پر تھا، آپ بڑے بہادر اور چالاک انسان تھے، ۱۹۵۴ء میں مجاہد پارٹی کے خلاف بڑا میجر اپریشن ہوا تو کرنل سیف الملوک صاحب کے مجاہدانہ کارنامے کھل کر قوم کے سامنے آئے، چنانچہ اس معرکہ کے دوران آپ کی قیادت میں مجاہدین نے برمی اوباشوں کو ناکوں چنے چبانے پر مجبور کردیا اور سینکڑوں کو جہنم رسید بھی کیا تھا۔

۱۹۵۴ء میں پاکستانی حکومت کے ہاتھوں محمد قاسم راجا کی گرفتاری کے بعد مجاہد پارٹی چند گروپوں میں تقسیم ہوگئی تو جناب کرنل سیف الملوک صاحب نے ان میں سے ایک گروپ کی قیادت سنبھالی، لیکن آخر تک میدان میں نہیں ٹک سکے تھے، یوں آپ نے وطن سے ہجرت کرکے براہ مشرقی پاکستان عرب امارات پہنچے، جہاں آپ نے بقیہ بھرپور زندگی گزار کر انتقال کیا۔

شک نہیں ہے کہ کرنل سیف الملوک صاحب ایک بہادر، ہشیار اور بڑے پائے کے مجاہد انسان تھے، کہنے والے ان کے خلاف بہت کچھ کہتے ہیں، لیکن میدان جہاد وقتال میں انہوں نے جو کارنامے انجام دیئے ان کارناموں کے سامنے کہنے والوں کی چہ میگوئیاں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، دعا ہے کہ اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے، آمین۔

کرنل احمد حسین صاحب شہید کومیر خالوی، منگڈوی،
کمانڈر، ومجاہد فی سبیل اللہ:

جناب احمد حسین کرنل صاحب شمالی منگڈو کی بستی کومیر خالی میں ۱۹۱۸ء پیدا ہوئے، اور نشوونما بھی وہیں ہوا، کہتے ہیں کہ آپ کے والد ایک خداترس اور لوگوں کی مصیبت میں کام آنے والے بڑے سنجیدہ قسم کے بزرگ تھے، اور والدہ بھی ایک نیک خاتون تھی۔

کرنل احمد حسین صاحب نے اپنی تعلیم بستی کے مکتب میں پاکر علاقے کے ایک دینی مدرسہ میں داخلہ لیا، جہاں سے چوتھی جماعت تک تعلیم حاصل کرکے ایک عالم دین سے کچھ اردو سیکھی لیکن اس میں آپ کو کامیابی نہیں ملی تھی، اس کے بعد آپ اپنے گھر کے کام کاج میں مصروف ہوگئے تھے۔

۱۹۴۹ء میں جناب کرنل احمد حسین صاحب محمد قاسم راجا کی ''مجاہد پارٹی'' میں شامل ہوئے، آپ بڑے مضبوط، نڈر، ہشیار اور فعال انسان نکلے، کہتے ہیں کہ قدرت کی طرف سے آپ کو جہادی حکمت عملیوں کا خاصا ملکہ عطا ہوا تھا، یوں آپ کو مختلف مجاہدانہ کارناموں کی وجہ سے کرنل کا خطاب ملا۔

درحقیقت کرنل صاحب بڑے بہادر، باوقار اور فعال آدمی تھے، بعض ذرائع کے مطابق وہ مجاہد پارٹی کے کمانڈر ان چیف تھے، ان کی بہادری کا داغ آج بھی ارکان کے لوگوں کے دلوں میں موجود ہے، جس کی داستان بڑی طولانی ہے۔

محمد قاسم راجا کو جب پاکستان نے اپنی حراست میں لے لیا تو کرنل احمد حسین اور کرنل مستفیض الرحمن نے مجاہد پارٹی کو یکجا رکھنے کی بڑی کوشش کی تھی، لیکن بعض کمانڈروں کی ناعاقبت اندیشانہ اور خودغرضانہ حرکات کے ساتھ مگھ برمی دشمنوں کی سازش اور پروپیگنڈوں کی وجہ سے آپ کو اس کوشش میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

اس مذکورہ کوشش میں ناکامی کے بعد کرنل احمد حسین صاحب نے مجاہد پارٹی کے ایک بڑے دھڑا کی قیادت کی، بعد میں جہاد کونسل سے ایک معاہدہ کے تحت الحاق بھی کرلیا تھا، آپ کی قیادت میں مجاہدین نے مختلف معرکے سر کئے تھے، بالآخر قدرت کو منظور تھا کہ نائن چونگ کے مشہور معرکہ میں آپ نے سینکڑوں دشمن کو جہنم رسید کرکے جام شہادت نوش فرمایا، اناللہ، انا الیہ راجعون۔

کرنل مستفیض الرحمن صاحب شہید سندی فرانگی،
کمانڈر، ومجاہد فی سبیل اللہ:

کرنل مستفیض الرحمن صاحب کی ولادت ۱۹۱۷ء میں جنوبی بوسیدنگ کی معروف ومردم خیز بستی سندی فرانگ میں ایک دین داراور متمول گھرانے میں ہوئی، ابتدائی تعلیم بستی کے مکتب میں پاکر مدرسہ اشاعت العلوم سندی فرانگ میں داخلہ لیا، جہاں سے ایک روایت کے مطابق جماعت چہارم تک تعلیم حاصل کی، اس کے بعد گھر کے کام کاج میں مشغول ہوگئے تھے۔

جناب مستفیض الرحمن صاحب نے جب دیکھا کہ برمی وحشی درندے ہرکجا مسلمانوں کے خلاف دندناتے پھر رہے ہیں تو ان کا شعور جاگ اٹھا اور جہاد کونسل میں شامل ہوگئے، اس کے بعد ۱۹۴۹ء میں مستفیض الرحمن صاحب جنوبی منگڈو آئے اور مجاہد پارٹی کے ساتھ جم کر کام کرنے لگے تھے۔

بعد میں جناب مستفیض الرحمن کی استعداد اور قابلیت کو دیکھ کر محمد قاسم راجا نے ان کو کرنل کا خطاب کے ساتھ مجاہدین کے ایک بڑے سکشن کا کمانڈر بنایا، یوں انہوں نے اپنے ماتحت کے مجاہدین کی گوریلا قسم کی تربیت دی اور جن کے ذریعے مختلف معرکے سر کئے اور ہر ایک معرکے میں ان کو سرخروئی ملی تھی۔

جناب مستفیض الرحمن صاحب کی بہادری سے عیاری کی داستانیں زیادہ مشہور ہیں، نہایت چست اور چالاک آدمی تھے، وہ اکثر وبیشتر مجاہد پارٹی کی دوسری بڑی چھاونی ''ٹنگی'' میں رہا کرتے تھے، قاسم صاحب کی شہادت کے بعد انہوں نے کرنل احمد حسین صاحب سے مل کر مجاہدین کے ایک بڑے گروپ کی قیادت کی، ایک معرکہ میں بری طرح زخمی بھی ہوئے تھے۔

۱۹۶۶ء میں کرنل مستفیض الرحمن صاحب محمد جعفر ثانی کی قیادت میں اٹھنے والی جماعت ''ارکان آزاد فوج'' میں شامل ہوگئے تھے، یہاں بھی انہوں نے مختلف معرکے سر کئے، آخر کار شمالی بوسیدنگ کی بستی گوپی کے معرکے میں دشمن نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا، یاد رہے کہ اس گھیراؤ کے حوالے سے بات مشہور ہے کہ ان کے خلاف دشمن کی رہنمائی ان کے اپنے سسرال والوں نے کی تھی، تاہم اس معرکہ میں بھی انہوں نے ڈھٹ کر مقابلہ کرتے ہوئے دشمن کو اپنی بہادری کا لوہا منوایا تھا، لیکن طویل جنگ کے بعد آپ نے جام شہادت نوش کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جناب میجر جنرل صالح احمد صاحب فقیروی، منگڈوی،
رہنما وانقلابی لیڈر، ومجاہد فی سبیل اللہ:

میجر جنرل صالح احمد بن مستفیض الرحمن صاحب ۱۹۲۶ء میں موضع فقیرہ بازار شمالی منگڈو میں پیدا ہوئے، آپ کے والد بڑے باثروت اور دین دار ہونے کے علاوہ علماء اور صلحاء سے نہایت محبت رکھنے والے بزرگ تھے، اور آپ کی والدہ گل فراز خاتون ایک نیک صفات اور سخی خاتون تھی۔

صالح احمد صاحب کی مکتب نشینی اور ابتدائی دینی تعلیم اپنی آبائی بستی میں ہوئی، بعد میں قاضی آباد، بلی بازار کے اردو مڈل اسکول میں ساتویں جماعت تک تعلیم پاکر ۱۹۴۲ء میں رامو (کوکس بازار) کے ایک دینی مدرسہ میں داخلہ لیا، دوسال یہاں تعلیم حاصل کر کے اعلی تعلیم کے لئے کلکتہ پہنچے اور وہاں چار سال تعلیم حاصل کر کے وطن واپس آئے تھے۔

وطن واپسی کے بعد آپ نے اپنے ماموں زاد بہن فیروزہ خاتون سے شادی کی، لیکن اٹھارہ سالوں تک اولاد سے محروم رہنے کی وجہ سے آپ نے حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب کی بیٹی عائشہ خاتون سے شادی کی، جن کے بطن سے چار بیٹے اور سات بیٹیاں پیدا ہوئیں۔

۱۹۴۸ء میں آپ جہاد کونسل میں شامل ہوئے، جہاں آپ نے بڑی بڑی قومی خدمات انجام دیں، جس کے صلے میں آپ کو میجر جنرل کا خطاب عطا کیا گیا تھا، جس کے بعد آپ کو سرحد میں مجاہدین کے ایک معسکر کا افسر بنایا گیا تھا۔

بانی تحریک محمد جعفر حسین کی شہادت کے بعد آپ محمد عباس سیندنگی کی قیادت میں کام کرتے رہے، اور ہر موقع پر آپ خواص الخواص میں شامل ہوتے رہے تھے۔

۱۷رمئی ر ۱۹۵۷ء میں جہاد کونسل کے بعض مجاہدین نے محمد عباس کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نافرمانی کا اعلان کیا تو محمد عباس نے کونسل سے مستعفی ہونے کو مناسب سمجھا تھا، جس کے بعد جان نثار مجاہدین نے ان نافرمان مجاہدین کے خلاف میجر جنرل صالح احمد صاحب کو صدر کونسل مقرر کر دیا تھا۔

میجر جنرل صالح احمد صاحب نے عہدۂ صدارت سنبھالتے ہی کونسل اور مجاہدین کی ازسرنو ترتیب

دی، اور اتحاد و اتفاق پر زور دیتے ہوئے ان نافرمان مجاہدین کو منانے کی حد درجہ کوشش کی تھی، یوں جنوری/۱۹۵۸ء تک آپ اپنی کوشش میں کسی قدر کامیاب بھی ہو گئے تھے۔

صالح احمد صاحب نے ۲۲/جنوری/۱۹۵۸ء میں شیل گھاٹ کے مقام پر مجاہدین کے تمام دھڑوں کو یک جا کیا تھا، لیکن اس اجلاس میں بعض ناسمت شناسوں نے آپ کو بالکل مایوس کر دیا تو تھا لیکن آپ نے ہمت نہیں ہاری اور ۷/جون/۱۹۵۸ء میں جہاد کونسل کو از سر نو ترتیب دیتے ہوئے جناب رشید احمد بوری چنگی کو نائب صدر کے عہدے پر فائز کیا، جس کے بعد جہاد کونسل کی از سر نو ترتیب دی گئی، یوں اگلے دو سال جہاد کونسل کی جہادی سرگرمیوں میں کافی پیش رفت ہوئی تھی۔

۱۹۶۱ء کے ابتدائی مہینوں میں جہاد کونسل میں پھر سے نافرمانی شروع ہو گئی تھی، آپ نے نافرمانوں کو حد درجہ سمجھا منانے کی کوشش کی، لیکن ہر ممکنہ کوششوں کے باوجود آپ کو ناکامی کا چہرہ دیکھنا پڑا تھا۔

۲۶/اکتوبر/۱۹۶۱ء میں ایک تقریب میں آپ اور آپ کے چند جان نثار (جن میں میجر جنرل محمد شفیع صاحب بلی بازاری بھی تھے) مدعو تھے، لیکن ان کو کیا معلوم تھا کہ یہ دعوت ایک گہری سازش کا نتیجہ تھی، یوں عین تقریب سے آپ بشمول میجر جنرل محمد شفیع اور چند ساتھیوں کو برمی افواج نے گرفتار کر لیا تھا، ویسے عام معافی تک آپ اور آپ کے ساتھیوں کو قید و بند کی مصیبتیں جھیلنی پڑی تھیں۔

دو سال کے بعد قید و بند سے رہائی ملتے ہی آپ مشرقی پاکستان کے سرحدی علاقہ نائکان سری میں پناہ گزین ہو گئے، چوں کہ آپ یک ذی فہم، لائق اور بااخلاق انسان تھے، ویسے یہاں کے باشندوں نے آپ کو چیرمن منتخب کیا تھا، اس کے بعد ۱۹۷۳ء سے ۱۹۸۷ء تک آپ مسلسل تین مرتبہ اوپوضلع چیر من بھی منتخب ہوئے تھے، اس علاقے میں آپ نے ایسی ایسی سماجی، ثقافتی اور معاشرتی خدمات کیں جو اس علاقے کی تاریخ کا ایک ناقابل فراموش حصے ہیں۔

۳۰/جون/۱۹۸۹ء میں آپ نائکان سری سے نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد بذریعۂ گاڑی چاٹگام جا رہے تھے، پٹیہ کے مقام پر آپ کی گاڑی سے اور ایک گاڑی ٹکرا گئی، جس میں آپ شدید زخمی ہو گئے تھے، جنرل ہسپتال چاٹگام میں آپ کو بھرتی کیا گیا تھا، لیکن قدرت کو اور منظور تھا کہ ڈاکٹروں کی ہزار کوششوں کے باوجود موت سے آپ کو رہائی نہیں ملی، یوں آپ اگلے روز انتقال کر گئے، آپ کی نعش

کو نائکان سری لایا گیا، جنازے کے بعد آپ کو نائکان سری جامع مسجد کے بغل میں آسودۂ خاک کر دیا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میجر جنرل اور چیرمن صالح احمد صاحب محمد جعفر حبیب کے نہ صرف ایک مربی تھے بلکہ ایک صحیح معنی کے وفا شناس دوست اور جان نثار رفیق بھی، اور تو اور ۱۹۷۳ء کے بعد محمد جعفر حبیب کی وفات ۱۹۸۷ء تک انہوں نے نہ صرف محمد جعفر حبیب کی خدمت کی بلکہ روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کو دامے درمے قدمے سخنے تعاون کرتے رہے تھے، اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے، آمین۔

☆☆☆

جناب محمد جعفر حسین ثانی صاحب راجار بیلوی، راسیدنگی، رہنما وانقلابی قائد ومجاہد فی سبیل اللہ:

محمد جعفر حسین ثانی کی پیدائش غالباً ۱۹۳۳ء میں مقام میرولہ، منگڈو، ارکان میں ایک دین دار گھرانے میں ہوئی، ابھی آپ بالکل چھوٹے تھے کہ آپ کے والد صاحب نے اپنے کنبہ کو میرولہ سے منتقل کر کے راجار بیل، راسیدنگ لے گیا تھا، ویسے آپ کا نشو ونماو ہیں ہوا، اور جہاں تک پتہ چلا کہ آپ نے ابتدائی دینی تعلیم راجار بیل میں پائی اور جماعت پنجم تک کی تعلیم راسیدنگ اور منگڈو کے مدرسوں میں پائی تھی۔

آپ کی آواز میں بلا کی تاثیر تھی، نغمہ سرائی اور قوالی کے بڑے شائق تھے، اور خود سارنگی بجاتے تھے، یہ وہ زمانہ تھا کہ ارکان کے اردودان طبقہ قوالی اور قوالوں پر جان چھڑکتا تھا، آپ کی آواز کے جادو کی شہرت محمد ابوالقاسم راجا تک پہنچی تو راجانے آپ کو مجاہد پارٹی میں شامل ہونے کی دعوت دی، آپ نے انکار کیا تو جبراً آپ کو پارٹی میں بھرتی کرلیا گیا تھا، ابھی آپ کی شمولیت پارٹی میں ہوئی تو آپ کو قاسم صاحب کے مقربین میں دیکھا گیا تھا، بعد میں آپ قاسم صاحب کے مقرب ترین ساتھیوں میں شمار ہونے لگے تھے۔

مجاہد پارٹی کی تباہی اور ربیع اللہ صاحب کے ہتھیار ڈال دینے کے بعد جعفر ثانی صاحب نے چند سال ارکانی مگھوں کی ایک مشہور تنظیم (RAMALAPA) میں شامل ہو کے کام کیا تھا، بعد میں اس تنظیم کی زیر نگرانی آپ نے ایک تنظیم بنائی تھی، جس کا نام ارکان آزاد فوج تھا، جوں جوں وقت گذرتا گیا آپ کی تنظیم میں جان آتی گئی تھی، بعد میں یہ تنظیم خود مختار ہو کر سرزمین ارکان میں بانئ تحریک حضرت محمد جعفر حسین قوال، محمد عباس، رشید احمد، قاسم راجا وغیرہ کے بعد تحریک آزادی کی ایک روشن کڑی بنی تھی۔

جعفر ثانی نے اپنے گاؤں راجار بیل کو کام کے لئے مرکز بنایا تھا، علاوہ ازیں مجاہدین کے چند بڑے بڑے دستے بوسیدنگ، منگڈو کے دوسرے علاقے میں رہا کرتے تھے، جہاں سے گوریلا انداز کے چھاپے مارے جاتے تھے، ارکان آزاد فوج کے ابتدائی دور کے حالات تو بہت کم معلوم

ہوسکے البتہ جہاں تک جعفر صاحب کے رفقائے کار کا سوال ہے، بہت جانچ پڑتال کے بعد چند بڑے بڑوں کے نام ملے ہیں، جن میں جناب کرنل مستفیض الرحمن (قاسمی پارٹی کے مشہور اور سرکردہ لیڈر) کے علاوہ مشہور وکیل اور وزیر صحت سلطان محمود اکیابی کا بھتیجہ جناب ابن نور احمد، مسٹر شونا علی، مسٹر محمد الیاس کے نام نمایاں ہیں، ابتدائی زمانے میں درج ذیل حضرات مندرجہ عہدوں پر فائز تھے:

(۱) صدر: جناب جعفر ثانی مرحوم۔

(۲) نائب صدر: جناب شونا علی شہید۔

(۳) سکریٹری: جناب محمد الیاس صاحب۔

اوائل ۱۹۷۲ء میں ارکان آزاد فوج کے نام کو روہنگیا نیشنل لیبریشن پارٹی (RNLP) کے نام میں تبدیل کر دیا گیا تھا، بعد ازاں ۱۹۷۳ء کے اوائل میں پارٹی میں عام انتخابات ہوئے، جس میں مجالس کے انتخابات کرائے گئے تھے، ان مجالس کے بارے میں جہاں تک پتہ چلا کہ یہ دیر تک بحال نہ رہ سکی تھیں، تاہم مجالس کا ایک گوشوارہ ملا، جس میں پارٹی کے بڑے اور اہم ممبروں کے علاوہ جناب محمد جعفر ثانی کے احباب اور رفقائے کار کے نام ملے تو پارٹی کے حالات پر تھوڑی روشنی بھی پڑی ہے :

(۱) صدر: جناب محمد جعفر ثانی مرحوم۔

(۲) نائب صدر: جناب ابوصدیق صاحب مرحوم۔

(۳) سکریٹری جنرل: جناب محمد جعفر حبیب مرحوم۔

(۴) نائب سکریٹری: جناب مولانا محمد مظہر صاحب اودنگی مرحوم۔

(۵) مشیر اعلیٰ: جناب محمد شفیع صاحب مرحوم۔

اراکین مجلس شوریٰ: اراکین مجلس شوریٰ کو پارٹی میں کونسلر (COUNCILLOR) کہا جاتا تھا۔

عاملہ اور شوریٰ کے جمیع اراکین درحقیقت جعفر ثانی کے رفقائے کار تھے، البتہ چند ایسے بڑے بڑوں کے نام بھی ملتے ہیں، جو دونوں ایوانوں میں سے کسی کے ممبران نہ تھے، جس میں محمد لقمان حکیم صاحب قابل ذکر ہیں، تو لیجئے اراکین مجلس شوریٰ کی فہرست حاضر خدمت ہے:

(۱) مولانا محمد کبیر خواندنگی، بوسیدنگی۔

(۲) جناب محمد عبدالکریم صاحب باہرسراوی، منگڈو۔

(۳) جناب ولی چاند صاحب اودنگی۔

(۴) جناب لالومیاں صاحب میرولوی، منگڈو۔

(۵) جناب ابوالہاشم صاحب چالی فرانگی۔

(۶) جناب محمد حسین صاحب فیتورفاروی۔

(۷) جناب ابوالفیاض صاحب (B.A.) نافیتارڈیلی۔

(۸) جناب شبیر حسین صاحب (B.A.) پوئمالوی۔

(۹) جناب شوناعلی صاحب دابری چونگی۔

(۱۰) جناب احمد حسین صاحب (BA) یونگ چنگی۔

(۱۱) جناب دلیل احمد صاحب رنگیادنگی، بوسیدنگی۔

(۱۲) جناب محمد عالم صاحب کواربیلی۔

(۱۳) جناب فتح شیر پاکستانی۔

۱۹۷۲ء میں اراین ایل پی نے اپنا ایک وفد بنگلہ دیش بھیجنے کا فیصلہ کیا، جس کے بعد پارٹی کے رہنما جناب جعفر ثانی مرحوم نے جناب رشید احمد (بامونگ) کی زیر قیادت چار آدمی بنگلہ دیش بھیجنے کی تجویز پیش کی، جن میں وفد کے قائد ورہنما رشید احمد کے علاوہ مولانا محمد کبیر خواندنگی مسٹر محمد عبدالحق بن نوراحمد علی تانجوی اور مسٹر دین محمد نوراللہ فاروی شامل تھے، اس کے بعد ۱۹۷۳ء کے اواخر میں حکومت بنگلہ دیش نے اراین ایل پی کا ایک وفد بلایا تو جناب محمد جعفر ثانی مرحوم بذات خود اس وفد کی قیادت کرتے ہوئے بنگلہ دیش پہنچے، وفد چاٹگام سے ہوکر ڈھاکہ پہنچا تو بنگلہ دیشی خبر رساں ایجنسی کے بعض اعلی عہدیدار جناب جعفر ثانی کے بعض ذاتی کردار پر بدظن ہوگئے تھے، انہوں نے آپ کے ذاتی کردار سے یہ تأثر لیا کہ اس سے ایک قوم کی نجات کا کام انجام نہیں پاسکتا، بالآخر اس وفد سے کسی قسم کی گفتگو کئے بغیر واپس کردیا گیا، البتہ جناب شبیر حسین (جو اس وفد میں شریک تھے) کے ساتھ ایک

الگ مجلس میں مذاکرہ کیا گیا تھا، جس میں شبیر صاحب کو کہا گیا کہ تم لوگ دانشور ہوں، تمہارے ان لوگوں سے کیا نسبت ہے؟ اب تمہارے لئے ضروری ہے کہ دانشوروں کی رہنمائی میں ایک انقلابی جماعت کی تشکیل دی جائے، جس کے بعد حکومت بنگلہ دیش تعاون کرسکتی ہے، اس گفتگو سے جناب شبیر صاحب خوش ہوگئے تھے، یوں واپسی کے بعد شبیر صاحب اور محمد جعفر حبیب مرحوم وغیرہ نے پارٹی سے علیحدہ ہوکر ایک نئی جماعت تشکیل دی، جس کا نام ار پی ایف تھا، جس کی کچھ تفصیلات انشاء اللہ سامنے آئیں گی۔

۱۹۷۴ء میں ارکانی مسلم مجاہدین پر حکومت برما کی طرف سے سخت دباؤ پڑا تو جناب جعفر ثانی مرحوم میجر آپریشن کی تاب نہ لاکر اپنے تمام اسلحے سمیت سرحد آئے اور حکومت بنگلہ دیش کے ہاتھ پر سارے اسلحے حوالہ کردیئے تھے، اب باقی بچے کچے مجاہدین کے درمیان اختلافات شروع ہوگئے تھے، چنانچہ ہر ایک کمانڈر نے اپنے چند ساتھی لئے جماعت کی صدارت کا دعوی کردیا تھا، بالآخر بچے کچے لوگوں میں چند دھڑے ہوگئے تھے، جن میں قابل ذکر یہ ہیں:

(۱) محمد قاسم علی گروپ: جس نے اپنے تمام اسلحے R.P.F کا حوالہ کیا تھا، مگر اس بات کی خبر جب رشید صاحب تک پہنچی تو اس نے اس نئی تنظیم ار پی ایف پر حملہ کرکے اراین ایل پی کے سارے اسلحے واپس لے لئے، بعد میں یہ اسلحے بنگلا دیشی حکومت کے حوالے کردیئے گئے تھے۔

(۲) رشید احمد (بامونگ) گروپ۔

(۳) مولانا محمد کبیر گروپ۔

(۴) ابوبکر صدیق گروپ۔

(۵) لقمان حکیم اور ابوالہاشم گروپ (جنہوں نے اپنے قبضے کے تقریبا اٹھائیس اسلحے بعد میں ار پی ایف کا حوالہ کیا تھا)۔

محمد جعفر ثانی صاحب ۱۹۷۳ء کے بعد عرصۂ دراز تک کوکس بازار کے علاقے میں مارے مارے پھرتے رہے تھے، آخرکار یہاں آپ کا انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆☆☆

جناب محمد جعفر حبیب صاحب علی چنگی، بوسیدنگی،
عظیم رہنما وانقلابی قائد، ومجاہد فی سبیل اللہ:

خاندانی پس منظر:

دور آخر کے سرزمین ارکان کے عظیم قائد محمد جعفر حبیبؒ کے خاندان کا جد امجد حضرت شاہ عبدا للطیف حجازی رحمۃ اللہ علیہ تھے، اللہ تعالی نے حضرت کے مبارک خاندان میں بڑی برکت دی اور اس خاندان سے بڑے بڑے علماء، صلحاء، مصلحین، مرشدین، دانشوران، قائدین ملت وقوم اور دعاۃ پیدا ہوئے تھے، حضرت حجازی کے خاندان کے سارے بزرگوں پر لکھا جائے تو کم سے کم ایک ضخیم جلد سامنے آسکتی ہے، ظاہر ہے کہ یہاں اتنی کی گنجائش نہیں ہے، تاہم موضوع کی مناسبت سے محمد جعفر حبیب کے اس تذکرے کے دوران چند وہ حضرات جو اس خاندان کے حوالے سے بڑے شہرت یافتہ ہیں، ان پر ہی قلم اٹھایا جاسکتا ہے، ویسے حضرت حجازی کے علی الرغم آپ کے خاندان میں بعد میں آنے والی بعض بزرگ ترین شخصیات پر اس لئے بھی قلم اٹھایا جائے گا کہ ناظرین کرام یہ دیکھ سکیں کہ محمد جعفر حبیب کے خاندان میں کتنے بڑے بڑے علماء، صلحاء، اولیائے کرام، درویشان عظام، شرفا اور قائدین ملت وقوم پیدا ہوئے تھے، جس سے یہ بھی اندازہ ہوجائے گا کہ حضرت قائدِ حبیب جو اپنے زمانے میں پوری قوم کی ایک امید بن کر سامنے آئے تھے وہ کن شرفاء کی نسل سے تھے، علاوہ ازیں آپ کو اس پس منظر یا اس میزان میں بھی تولا جاسکے کہ قوم کے ایک صحیح معنی کے قائد ورہنماء کے لئے جو ضروری ہے کہ وہ ایک شریف زادہ ہو، کیوں کہ ہمارے یہاں یہ ایک بات مشہور ہے کہ ایک غیر شریف زادے سے اللہ تعالی دین وملت کے حوالے سے کوئی اچھا اور برگزیدہ کام نہیں لیتا ہے۔ اس لئے ہم اگلی سطور میں اس خاندان کے چند بڑے بڑوں کا بڑے محتاط انداز میں تذکرہ کریں گے، پھر ظاہر ہے کہ جن کے تذکرہ کریں گے ان کے علاوہ بھی بعض بزرگان دین موجود ہیں، جن کا تذکرہ ہماری دیگر تصانیف میں کیا گیا ہے۔

ولادت باسعادت:

سرزمین ارکان کے عظیم قائد انقلاب، مخلص مرد مجاہد ورہنمائے قوم وملت حضرت محمد جعفر بن حبیب الزمان چوہدری بن ابوالخیر (بلی) بن انور علی بن کرم علی بن محسن علی بن شاہ عبداللطیف حجازی کی ولادتِ باسعادت ۱۹۳۹ء میں قصبہ علی چنگ کی معروف ومردم خیز بستی بیولہ فارہ (کجافہ) میں ہوئی، ایک موقع پر حضرت قائد کے خاندان کا تعارف اجمالی طور پر ہی درج کردیا گیا ہے، اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قصبہ علی چنگ جسے حضرت قائد کے علاوہ بڑے بڑے بزرگانِ دینِ متین، بہتوں دعاۃ ومرشدین، علمائے کرام ودانشوران عظام اور خدامان ملت وقوم کی جنم استھان اور آماجگاہ ہونے کی سعادت حاصل ہے، اس کا مختصر تعارف دیا جائے۔

قصبہ علی چنگ:

ارکان کے حوالے سے کہنے والے مورخین اور بعض قلم کاروں کے مطابق قصبۂ علی چنگ ارکان کا بہت ہی پرانا قصبہ ہے، جس کی تاریخ بڑی لمبی اور جس کی داستان بڑی طولانی ہے، اس قصبہ کی پرانی اور بہت پرانی بستی بیولہ فارہ (کجافہ) جسے حضرت قائد جیسے دیگر بزرگان دین اور خدامان ملت وقوم پیدا کرنے کی سعادت حاصل ہے میں ایک پرانا بازار جو صدیوں سے بڑی شان وشوکت سے چلا آرہا تھا، دراں حالیکہ ارکان کا حالیہ شہر بوسیدنگ کی اتنی حیثیت نہیں تھی جتنی آج کل ہے، گئی صدی کی ابتدائی دہائیوں میں بوسیدنگ شہر پوری شان وشوکت کے ساتھ بس جانے کے بعد وہ بازار بالکل بند ہوگیا تھا، تاہم شنید ہے کہ آج کل یہاں یہ بازار دوبارہ بس گیا اور کسی قدر بارونق اور چالو بھی ہوگیا ہے۔

قصبہ علی چنگ کو ارکان کے ان پرانے قصبوں میں شمار کیا جاتا ہے جن پر دوسری صدی میں نہ ہو تو کم سے کم تیسری صدی ہجری میں اسلام کی روشنی پڑی اور داعیانِ اسلام نے ان پر قدم رنجہ فرمایا تھا، جس طرح عرض کی جاچکی ہے کہ اس قصبہ کی تاریخ بڑی پرانی اور اس کی داستان کافی طولانی ہونے کی وجہ سے مورخین اس قصبہ کو روہنگیا قومی تاریخ کے حوالے سے گویا گہوارہ مانتے ہیں۔

زمانۂ قدیم سے اس قصبہ کے مذکورہ بازار کے مقام پر ہر سال اپریل میں ایک میلہ لگتا تھا، جو بارہ

اپریل سے شروع ہوکر اگلے پانچ چھ دن تک چلتا تھا، جہاں موج مستیوں اور خوشیوں کے حوالے سے دیگر سرگرمیوں کے ساتھ کشتی بازیوں کا مقابلہ ہوتا تھا، چنانچہ نہ صرف اطراف واکناف اور ملک کے دیگر حصوں سے بلکہ مشرقی بنگال کے مختلف مقامات سے بھی بڑے بڑے پہلوانان اور نامور کشتی بازان یہاں آتے اور اپنے اپنے جواہر اور قوت بازو کے مظاہرے کرتے ہوئے تمغات حاصل کرتے تھے، اس میلہ کو ارکان اور بنگال کے لوگ ''فقیر ربلی کھیلا'' کہتے تھے، تاہم اس بات کا ابھی تک پتہ نہیں چلا کہ آیا اس میلہ کا رواج کس فقیر نے ڈالا تھا۔

غالبا ۱۹۷۶ء یا اس کے ایک دو سال بعد ارکان کے علمائے کرام اور داعیانِ عظام نے اس قومی اور تاریخی میلہ کو کالعدم کر کے ٹھیک اسی مقام پر اور اسی تاریخ میں ایک دینی، دعوتی اور تبلیغی اجتماع کا رواج ڈالا تھا، لیکن چند سال جاتے نہ جاتے برمی غاصب اور متعصب شر پسند فوجی حکومت نے اسے بند کر دیا ہے۔

عرصہ قدیم سے جس طرح اس مذکورہ بلی کھیلا کی وجہ سے اس قصبہ کی شہرت عام تھی، ٹھیک اسی طرح اس دینی اجتماع کی وجہ سے اس سے کہیں بڑھ کر اس قصبہ کی شہرت ہو چکی تھی، اس دعوتی اجتماع کو اس زمانے میں ملک بھر کا سب سے بڑا اجتماع مانا جاتا تھا، جس میں نہ صرف سرزمین ارکان کے علماء و دعاۃ، دانشوران اور عام مسلمان جمع ہوتے بلکہ برما کے دیگر علاقہ جات سے عموما اور دارالحکومت رنگون سے خصوصا بڑے بڑے داعیان اسلام شریک ہوا کرتے تھے، جن کی تشریف آوری سے یہ قصبہ دعوت دین خدا کی روشنی اور علم وعمل کی ضیا پاشی سے منور ہو جاتا تھا، ایسا لگتا تھا کہ اس علاقے میں نور الٰہی کا پو پھٹا ہو، جو نہ صرف اس خطے کو بلکہ اطرافِ عالم کو بھی تاباں کر رہا ہو۔

علی چنگ کا قصبہ صدیوں سے بڑے بڑے علمائے کرام، مشاہیر عظام، داعیوں، مبلغوں درویشوں اور اولیائے کرام کی آماجگاہ رہا ہے، ہمارے زمانے میں بھی یہاں چند ایسے علمائے کرام تھے، جن کی ذات وشخصیت اور خدماتِ قومیہ وملیہ نے نہ صرف اس قصبہ کو جلا بخشا بلکہ ان کے علم وعمل کی روشنی اور ضیا پاشی نے پورے خطے کو تاباں اور منور کیا تھا، جن میں سے درج ذیل حضرات ناقابل فراموش ہیں:

۱۔ حضرت مولانا مظہر الحق صاحب باغکونویؒ۔

۲۔ حضرت مولانا مفتی ابوالفضل صاحب لمبابیلیؒ۔

۳۔ حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب باغکونویؒ۔

۴۔ حضرت مولانا قاضی عبدالہادی صاحب لمبابیلیؒ۔

۵۔ حضرت مولانا فیض الرحمن صاحب باغکونویؒ۔

۶۔ حضرت مولانا شاہ ابوسعید صاحب ہولی مرنگیؒ۔

۷۔ حضرت مولانا مستفیض الرحمن صاحب باغکونویؒ۔

۸۔ حضرت مولانا علی جوہر صاحب باغکونویؒ۔

۹۔ حضرت مولانا حافظ محمد میاں صاحب علی چنگیؒ۔

ان مذکورہ علمائے کرام کے علاوہ بھی اور بہت سارے علمائے کرام پائے جاتے تھے، اور ہیں، جنہیں طوالت کے خوف سے یہاں نہیں لایا گیا ہے۔

بوسیدنگ شہر کے جنوب میں واقع اس قصبہ میں چند معروف بستیاں صدیوں سے آباد ہیں، جن میں سے بڑے بڑے نام یہ ہیں:

۱۔ باغکونہ۔

۲۔ بیولہ فارہ (کجافہ)۔

۳۔ مرونگنا۔

۴۔ لمبابیل۔

۵۔ منی بیل۔

۶۔ ازولی فارہ۔

۷۔ علی چنگ۔

ظاہر ہے کہ ان مذکرہ بستیوں میں سے ایک بستی کا نام علی چنگ بھی ہے، لیکن صدیوں سے ان تمام مذکورہ بستیوں کے مجموعہ کو علی چنگ کہا جاتا ہے، اور علی چنگ کی وجہ تسمیہ کیا ہے اور کیوں ہے، اس کی تفصیلات بڑی طولانی ہیں، یہاں طوالت کے خوف سے نہیں لائی جا رہی ہیں۔

مذکورہ ان تمام بستیوں میں ہر کہیں مساجد و مکاتبِ دینیہ کا جال بچھا یا ہوا ہے، علاوہ ازیں قدیم زمانے میں مذکورہ بازار کے تقریباً متصل جنوب میں ایک دینی درسگاہ تھی، جو بعد میں ختم ہوگئی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ رحم کرے حضرت مولانا حافظ محمد میاں صاحبؒ کو، ان کی کوشش سے غالباً ۱۹۸۹ء میں یہ درسگاہ دوبارہ زندہ ہوگئی، جس میں پہلے پہلے ابتدائی اور متوسطہ تک کی تعلیم ہوتی تھی، جس سے ملحق ایک حفظ خانہ بھی ہے، مگر اگلے چند سال گزرتے نہ گزرتے دورۂ حدیث تک کی تعلیم شروع ہوگئی تھی، لیکن ابھی نہایت افسوس کا مقام ہے کہ برمی ظالم حکومت نے ارکان بھر کے دیگر مدارس اسلامیہ کی طرح اس پر بھی تالا لگا رکھا ہے، اللہ معلوم اسے دوبارہ کھولنے کی نوبت کب آئے گی؟ یہاں قال اللہ وقال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا زمزمہ کب بلند ہوگا؟؟۔

جس طرح پچھلی سطور میں عرض کی گئی ہے کہ علی چنگ کا یہ قصبہ اولیاء اللہ اور درویشوں کی آماجگاہ رہا ہے، کتنے اولیاء اور درویشان اس مقدس خاک میں مدفون ہیں ان کی نہ حد ہے اور نہ حساب، جن میں آج بھی چار بزرگوں کے مزارات زیارت گہِ خاص و عام ہیں، الحمدللہ تعالیٰ جن کے تذکرے پچھلی مجلدات میں گزر چکے، وہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا شاہ عبدالباری معروف بہ بڑے مولوی صاحب بیولہ فارویؒ۔

۲۔ حضرت اقدس کرم علی شاہ صاحب بانکونویؒ۔

۳۔ حضرت مولانا حافظ مخلص الرحمن صاحب بیولہ فارویؒ۔

۴۔ حضرت اقدس خیر اللہ شاہ صاحب مرنگناویؒ۔

بچپن اور نشو ونما:

محمد جعفر حبیب کا بچپن اپنی آبائی بستی بیولہ فارہ میں گزرا، یہاں آپ کا نشو ونما ہوا اور یہاں آپ کی ابتدائی تعلیم ہوئی تھی، چوں کہ آپ ایک صاحب ثروت، زمیندار چوہدری خاندان کے چشم و چراغ تھے، تو آپ کا نشو ونما بڑی شان وشوکت سے ہوا، گھر میں شاید کسی بھی چیز کی کمی تھی، یوں بڑے ناز و نعمت میں آپ کی پرورش ہوئی تھی۔

ہمارے یہاں کی ایک کہاوت ہے کہ ''اڑنے والے پرندے گھونسلے ہی میں پڑپڑاتے ہیں'' ویسے بچپن ہی سے محمد جعفر حبیب کی طبیعت گاؤں کے عام بچوں سے مختلف تھی، اچھلنا کودنا، چیخنا چلانا شاید ہی آپ کی طبیعت میں تھی، ظاہر ہے کہ بچے عام طور پر کھیلنے کودنے سے دل چسپی لیا کرتے ہیں، لیکن آپ کو کھیلنے کودنے سے زیادہ لکھنے پڑھنے اور سوچنے اور فکر کرنے سے دل چسپی رہی تھی، تاہم ہم جھولیوں کے اصرار پر کبھی کبھار ان کے ساتھ کھیل کود میں شریک بھی ہوتے تھے، لیکن بہت ہی کم، کہتے ہیں کہ آپ کی طبیعت میں چڑچڑاہت بالکل نہیں تھی، جو بھی کرتے اور بتاتے بڑے ٹھنڈے دل سے کرتے اور بتایا کرتے تھے، آپ کے اس افتادِ طبع کی وجہ سے بچپن ہی سے آپ کا اپنے دوستوں اور ہم جھولیوں کے درمیان بڑا ہی وزن رہا تھا۔

سب سے بڑی بات یہی ہے کہ موصوف بچپن ہی سے صلح پسند تھے، آپ کو کسی سے لڑنا جھگڑنا آتا ہی نہیں تھا، دوستوں اور ہم جھولیوں سے لڑنا جھگڑنا تو دور کی بات بلکہ دوستوں اور ہم جھولیوں یا دیگر دو گروہوں کے درمیان کوئی فتنہ فساد یا جھگڑا ہو جاتا تو آپ بیچ میں آجاتے اور ان کے درمیان مزید جھگڑا تو روک دیتے اور حتی الامکان کوشش کرتے کہ فریقین کے مابین صلح ہو جائے۔

آپ عام بچوں اور جوانوں نوجوانوں کی طرح دکانوں کے سامنے طول طویل وقت تک کبھی نہیں بیٹھا کرتے تھے، صرف کسی بڑی ضرورت کی بنیاد پر ہی بیٹھتے تھے، اور نہ عام لوگوں کی طرح کبھی بازاروں میں گھومتے پھرتے تھے، آپ کو بچپن میں پڑھائی کے علاوہ گھر اور مسجد سے دل چسپی تھی، بچپن میں آپ اکثر آذان سے پہلے ہی مسجد حاضر ہو جاتے تھے، مسجد کی خدمت آپ کا دلی مشغلہ تھا۔

اساتذہ کی خدمت کرنا، دوستوں اور ہم جھولیوں کے دکھ درد میں شریک ہونا ضعیفوں اور ناداروں کی مدد کرنا، مصیبت کے مارے ہوؤں کو تعاون کرنا آپ کا بہت ہی پسندیدہ کام تھا، بعض جاننے والوں کا کہنا ہے کہ آپ اپنی پڑھائی کے زمانے میں کچھ خرچے بچاتے اور ان سے غریب طالب علموں کی مدد کیا کرتے تھے۔

مکتب نشینی:

یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت محمد جعفر حبیب کا خاندان علماء، دعاۃ اور خدامان قوم کا خاندان ہے، اس خاندان میں اور تو اور قوم کے مسلم بچوں کی دینی اور قرآنی تعلیم دینے والوں کی کوئی کمی نہیں تھی، اور الحمد للہ آج بھی حال اس سے مختلف نہیں ہے، یہ خاندان مجموعی طور پر جس علاقے پر بسا ہوا ہے وہاں چند مکاتب (فرقانیے) تھے اور آج بھی ہیں، ان میں سے مسجد سے ملحق ایک مکتب آپ کی جائے ولادت کے قریب ہے، جس میں آپ کی مکتب نشینی ہوئی تھی، یہاں آپ نے دینیات کی مبادیات اور ناظرہ قرآن کریم کے علاوہ اردو زبان کی ابتدائی چند کتابیں پڑھی تھیں، چوں کہ آپ ذہین تھے، ویسے چند سالوں میں دینیات کی مبادیات کے ساتھ اردو میں کچھ مہارت حاصل کر لی تھی۔

ابتدائیہ اور ثانویہ کی تعلیم:

جعفر حبیب کی ابتدائی بنیادی دینی تعلیم تو بستی کے مکتب میں ہوئی تھی، پھر جہاں تک عصری علوم کی ابتدائی تعلیم کا سوال ہے کہ آپ نے ابتدائی عصری علوم کی تعلیم بھی بستی بیولہ فارہ کے سرکاری اسکول میں پائی، جہاں ایک روایت کے مطابق آپ نے تیسری جماعت تک پڑھی تھی۔

اس کے بعد آپ نے شقدارفارہ منگڈو کے اسکول میں داخلہ لیا، یہاں آپ نے چوتھی اور پانچویں جماعت پڑھی تھی، کہتے ہیں کہ اسی زمانے میں آپ کے ذہن کو قوم وملت پر آئے دن ہونے والے مظالم نے ستانا شروع کیا تھا، یعنی آپ کے اندر قومی وملی سوچ اسی زمانے سے شروع ہو چکی تھی، جس کا نتیجہ آنے والے دنوں سالوں میں سامنے آیا تھا۔

بہر حال شقدارفارہ اسکول سے چوتھی اور پانچویں جماعت کی تعلیم پانے کے بعد آپ نے مسلم ہائی اسکول چاٹگام میں داخلہ لیا، اور ۱۹۵۶ء میں مٹرک کا امتحان یہیں سے پاس کیا تھا۔

نٹرڈیم کالج ڈھاکہ میں:

۱۹۵۶ء میں آپ نے مسلم ہائی اسکول سے مٹرک پاس کرنے کے بعد ڈھاکہ (بنگلادیش) کا

مشہور ومعروف ''نٹرڈیم کالج'' (NATREDAME COLLEGE) میں داخلہ لیا، یہ کالج اسی زمانے میں پورے برصغیر نہ کہوں تو پورے بنگال میں تعلیمی معیار کے اعتبار سے بہت ہی نامور تھا۔

اس کالج کی تاسیس ڈھاکہ میں ۱۹۴۹ء میں ہوئی، بعض ذرائع کے مطابق اس زمانے میں اور آج بھی عصری علوم کے حوالے سے یہ ایک اعلی درجہ کا تعلیمی ادارہ ہے، جسے ہولی کراس کے دھرم پر چارکوں نے قائم کیا تھا، ۲۰۱۹ء میں اس کالج کی عمر ستر سال ہو چکی ہے، یہ کملاپور اسٹیشن کے قریب آرام باغ موتی جیل میں واقع ہے، اس کالج کا پرانا نام سینٹ گریگوری کالج تھا، جس کا سلوگن ''علم کی روشنی سے محبت کرنا'' تھا، ۲۰۱۹ء میں اس کالج کے طلباء کی تعداد ساڑھے چھ ہزار تھی، جس کا مذہبی تعارف کریچن کیتھولک گرجا سے دیا جاتا ہے، اور اپنی تاسیس سے لے کر اب تک اس کالج کی پڑھائی کا میڈیم انگریزی اور بنگلہ ہے، ان دونوں زبانوں میں اب بھی اس کالج کی تعلیمی معیار بہت اعلی بتائی جاتی ہے۔

بہر حال محمد جعفر حبیب کو اس کالج کی تعلیمی معیار کو جان کر داخل کرایا گیا تھا، ویسے آپ نے ۱۹۵۹ء میں یہاں سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا تھا۔ یہاں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ چوں کہ یہ کالج اس خطے کا ایک نامور کالج ہے، جس میں ملک کے بڑے بڑوں کے بچے پڑھتے ہیں، ویسے پڑھائی کے دوران محمد جعفر حبیب سے ملک کے بڑے بڑے گھرانوں کے بعض بچوں سے خاصا تعارف ہو گیا تھا، جس کا فائدہ آپ کو اپنے تعلیمی زمانے میں اگر چہ کم ہوا لیکن آپ کی سیاسی اور انقلابی زندگی میں اس کا بہت بڑا فائدہ ہوا تھا۔

رنگون یونیورسیٹی میں:

۱۹۵۹ء میں نٹرڈیم کالج ڈھاکہ سے انٹرمیڈیٹ کے امتحان پاس کرنے کے بعد آپ مزید حصول تعلیم کے لئے رنگون گئے، اور رنگون یونیورسیٹی میں داخلہ لیا، یہاں آپ نے ایک اچھے طالب علم کی حیثیت سے کافی نام پایا تھا۔

رنگون یونیورسیٹی کی تاسیس ۱۸۷۸ء میں کمایوٹ رنگون (KAMAYUT RANGON) کے مقام پر ہوئی، یہ برما کی سب سے پرانی یونیورسیٹی ہے، جس کا سابقہ نام رنگون کالج ہے، یاد رہے کہ ماضی میں اس کے نام کی چند مرتبہ تبدیلی عمل میں آئی تھی، جو درج ذیل ہے:

۱۔ ۱۸۷۸ء میں اس کا نام رنگون کالج تھا۔
۲۔ ۱۹۰۶ء میں اس کا نام گورنمنٹ کالج تھا۔
۳۔ ۱۹۲۰ء میں اس کا نام رنگون کالج اینڈ یونیورسیٹی دیا گیا تھا۔
۴۔ ۱۹۶۴ء میں اس کا نام رنگون آرٹ اینڈ سائنس یونیورسیٹی دیا گیا۔

رنگون یونیورسیٹی میں جدید تعلیمی سسٹم جاری ہے، اس سے فن، قانون اور سائنس سے پوسٹ گریجویشن، بچلر، اور مختلف علوم وفنون میں ڈپلوما کے علاوہ ماسٹر اور ڈاکٹریٹ کی گریاں حاصل کی سکتی ہیں۔

بہر حال محمد جعفر حبیب نے ۱۹۶۲ء میں رنگون یونیورسیٹی سے بچلر آف آرٹ (BA) کی ڈگری لی، اس کے بعد اسی یونیورسیٹی میں قانون کے لئے داخلہ لیا اور ۱۹۶۴ء میں قانون میں بچلر آف لاء (BL) کی ڈگری حاصل کر لی تھی۔

رنگون یونیورسیٹی میں پڑھائی کے دوران آپ نے کیا کیا قومی خدمات کیں اس کی کچھ تفصیلات آگلی سطور میں آرہی ہیں، البتہ یہاں صرف ایک بات کہنے کی ہے کہ آپ کا تعلیمی تعلق منگڈو بوسیدنگ ڈھاکہ اور رنگون جہاں سے بھی ہو، آپ شروع ہی سے قوم کے حالات سے پریشان تھے، قومی ہمدردی تو خاندن سے ورثہ میں ملی، یوں بعض لوگوں کے مطابق آپ اپنی تعلیم کے دوران قومی خیالات سے الگ نہیں رہ سکے تھے، جن کی وجہ سے امتحانات میں کم نمبرات حاصل کر سکتے تھے، یہ بات یہاں کہنے کا مقصد یہ ہے کہ بعض لوگ آپ پر یہ طعنہ بھی دیتے نہیں تھکتے تھے کہ آپ ایک کند ذہن والے انسان تھے، لیکن یہ بات صحت پر مبنی نہیں ہے، ظاہر ہے کہ آپ کے بعد کے حالات سے یہ بات سورج کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ آپ بڑے اعلی درجہ کے ذہین ترین انسان تھے، پڑھائی کے دوران بھی جس طرح عرض کی جا چکی ہے کہ آپ کو قومی فکر وسوچ نے نڈھال بنا رکھا تھا اس لئے امتحانات میں کم نمبرات حاصل کر سکتے تھے۔

دوران تعلیم روہنگیا یوتھ فیڈریشن کی تاسیس:

محمد جعفر حبیب نے ۱۹۵۹ء میں ڈھاکہ نٹرڈیم کالج سے انٹر پاس کیا اس کے بعد مزید تعلیم کے لئے رنگون گئے تھے، اس کے بعد آپ کی تحریکی زندگی کو مجموعی طور پر چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۴ء تک رنگون میں طالب علم اور یوتھ فیڈریشن سے وابستگی۔
۲۔ ۱۹۶۴ سے ۱۹۶۶ء تک روہنگیا انڈی پنڈنٹ فوس (RIF) سے وابستگی۔
۳۔ ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۳ء تک ارکان آزاد فوج (RNLP) سے وابستگی۔
۴۔ ۱۹۷۳ء سے ۱۹۸۷ء تک روہنگیا فدائین محاذ (RPF) سے وابستگی۔

محمد جعفر حبیب نے رنگون یونیورسیٹی کے دوران تعلیم وہاں پائی جانے والی روہنگیا اور غیر روہنگیا طلبہ تنظیموں کو قریب سے دیکھا اور یہ جاننے کی کوشش کی کہ ان کا نصب العین کیا ہے اور وہ تنظیمیں کس انداز سے ملک کے اندر کام کرنا چاہتی ہیں، اور اس کے ساتھ ہی ساتھ وہاں کے روہنگیا اور غیر روہنگیا بہت سارے دانشوروں اور قائدین سے ملاقاتیں بھی کیں اور ان کے ساتھ سیاسی تبادلہ خیالات بھی کیا تھا، بالآخر آپ نے بعض روہنگیا دانشوروں اور سیاسی سوچ رکھنے والوں کے مشورے سے ایک روہنگیا طلبہ تنظیم کی تاسیس کا فیصلہ کیا، جس کا نام روہنگیا یوتھ فیڈریشن (RYF) دیا گیا تھا، اور جس کا آپ تاسیسی صدر مقرر ہوئے تھے۔

روہنگیا یوتھ فیڈریشن کی تاسیس ہوئی تو اس میں رنگون میں اس وقت پائے جانے والے روہنگیا طلبہ اور نوجوانوں کے علاوہ منگڈو بوسیدنگ اور راکیاب وغیرہ علاقہ جات کے طلبہ اور نوجوانوں نے بھر پور شرکت کی، یوں اگلے چند مہینے گزرتے نہ گزرتے اس تنظیم نے ایک باقاعدہ تحریک کی شکل اختیار کر لی تھی، یوں آپ کی قیادت میں ایک باضابطہ تحریک وجود میں آچکی تھی، تاہم یہ الگ بات ہے کہ اس یوتھ فیڈریشن نے آگے جا کر روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کا روپ دھارا تھا، جس کی قدرے تفصیلات ایک علیحدہ عنوان میں آئیں گی۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ ملک برما میں جمہوری دور کے خاتمے کے ساتھ اگلے سالوں کے لئے فوجی حکومت، مارشل لاء اور کمیونزم یا سوشلزم کی آمد آمد تھی، جو محمد جعفر حبیب کے سامنے تھی، جس سے آپ

کا ذہن رسا متأثر ہورہا تھا، ویسے ظاہر بھی ہے کہ ۱۹۵۸ء میں بدنام زمانہ ڈکٹیٹر جنرل نیون نے وزیر اعظم اونو کو برطرف کردیا اور بالآخر ۲/مارچ/ ۱۹۶۲ء میں جمہوری آئین کو معطل کر کے ملک بھر میں ماشل لاء نافذ کردیا تھا، یوں اگلے ربع صدی کے لئے نیون ملک وعوام پر مسلط ہوگیا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ محمد جعفر حبیب رنگون یونیورسیٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد ایل ایل بی کی ڈگری کے لئے تعلیمی مراحل طے کررہے تھے، آپ ملک بھر کے طلبہ، دانشوران اور عوام کی طرح بڑے پریشان اور نہایت غم زدہ تھے، فوجی انقلاب آیا تو ہر کہیں لوگ پریشان اور ششدر تھے، کسی کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اس وقت فوج کو اقتدار پر قبضہ کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی، جب کہ کل کی بات تھی کہ ملک میں عام انتخابات ہوئے تھے، جس کے نتیجے میں اونو کی جمہوری حکومت پھر سے بحال ہوئی تھی، اب انقلاب کی خبر یقین میں تبدیل ہوئی تو یونیورسیٹیوں اور کالجوں کے طلبہ سڑکو پر نکل آئے، جس میں محمد جعفر کی قیادت والی ’’روہنگیا یوتھ فیڈریشن‘‘ کے طلبہ اور نوجوانوں نے بھی بھر پور شرکت کی تھی، لیکن طلبہ اور نوجوانوں کا احتجاجی ریلا بہت آگے بڑھ نہ سکا کہ فوج اس ریلا کے سامنے آہنی دیوار بن کر کھڑی ہوگئی تھی۔

چوں کہ اس ریلا میں شریک اکثر طلبہ تھے اور ان کے دل ودماغ سے بھی یہ بات باہر تھی کہ فوج ان پر مظالم ڈھائے گی، ویسے ان کی توقعات کے برخلاف فوج نے ان پر گولیوں کی بارش کردی، اور قتل عام کا خوفناک سلسلہ شروع کردیا گیا تھا، اور تو اور اس سلسلے میں فوج نے ’’طلبہ یونین‘‘ کی بلند و بالا عمارت تک کو ڈائنامائٹ کے ذریعے اڑا دیا تھا، جس کے بعد پورے ملک پر خاموشی چھا گئی اور خوف وہراس کے بھوت نے ملک کو اپنے قبضہ میں لے لیا تھا۔

ایسے حالات میں محمد جعفر حبیب کی دور اندیش نگاہ اور ذہن رسا نے اس بات کی گہرائی تک پہنچنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کی کہ اب ملک میں جمہوری قانون کے دائرے میں رہتے ہوئی قومی مفاد میں کسی کام کا کرنا مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہو چکا ہے، کیوں کہ ملک بھر کی تمام تنظیموں کو معطل کیا جا چکا ہے، اور تمام سیاسی اور نیم سیاسی تنظیموں کی قانونی اور آئینی زبانوں پر تالے لگائے جاچکے ہیں۔

یہاں ایک بات یاد رہے کہ برما کے اس وقت کے آمر مطلق جنرل نیون اس بات سے بخوبی واقف

تھا کہ بودھ مت کوئی سچا مذہب نہیں ہے، اسی لئے اس کے ماننے والوں کی طرف سے برمی سوشلسٹ نظام کے خلاف کسی قسم کی بڑی مزاحمت کی کوئی توقع نہیں ہے، جب کہ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، اس کے اندر باطل سے ٹکرانے کی صلاحیات موجود ہیں، اس لئے اس کو خدشہ تھا کہ مسلمان اس نظام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور برمی سوشلسٹ نظام کے خلاف شدید مزاحمت کریں گے، اس لئے نیون نے اب کی بار بزور طاقت مسلمانوں کو دبانے کی کوششیں تیز سے تیز تر کردیں، اور بطور خاص اس نے مسلمانوں کو دبانے کے لئے ہر حربے اور ہر وسائل کا استعمال کیا تھا۔

اب ملک کے ایسے حالات میں محمد جعفر حبیب کے لئے اپنی تنظیم ’’روہنگیا یوتھ فیڈریشن‘‘ کی کسی بھی سرگرمی کو آگے بڑھانے کی گنجائش نہیں تھی، اب آپ نے اپنے مشیروں سے مشورہ کیا تو ان کی دو آرا سامنے آئیں:

۱۔ بعض مشیروں کے خیال میں ملک کی یہی حالت چند مہینوں سے آگے نہیں جائے گی، اور ملک دوبارہ جمہوریت کی طرف لوٹ آئے گا، تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ’’روہنگیا یوتھ فیڈریشن‘‘ کے پروگراموں کو خفیہ طریقے سے چالو رکھتے ہوئے اور تھوڑا انتظار کیا جائے۔

۲۔ بعض دور اندیش مشیروں کا کہنا تھا کہ ملک میں بزور طاقت یہ چالو شدہ نظام قریبی مدت میں ختم ہونے والا نہیں ہے، اور اس کے سر پر جو آمر مطلق سوار ہو چکا ہے وہ ایک بڑی عفریت ہے، جسے آسانی سے ہٹانا ناممکنات میں سے ہے، نیون کے لالے پالے غنڈے ہر کجا دندناتے پھر رہے ہیں، اس پر مستزاد خفیہ ایجنسی کے کارندے ہر کہیں پھیلے ہوئے ہیں، تو ایسے حالات میں ’’روہنگیا فیڈریشن‘‘ کے پروگراموں کو اگرچہ خفیہ طریقوں پر کیوں نہ ہوں، چالو رکھنا ممکن نہیں ہے، اگر ہم اپنے پروگراموں کو آگے بڑھانے کی کوشش کریں گے تو خدا نہ کرے کہ ہم ضرور پکڑے جائیں گے۔

محمد جعفر حبیب کو مؤخر الذکر رائے پسند آئی، یوں آپ نے فیصلہ کیا کہ پڑھائی کے اختتام تک انتظار کیا جائے، تاہم آپ نے یہ بتایا کہ ہمارے لئے اس درمیانی مدت میں افرادی قوت کو خفیہ طریقے سے منظم کرنا ناگزیر ہے، تاکہ اگلے عرصے میں ہماری تحریک ایک مضبوط قوت بن کر ابھر سکے۔

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ محمد جعفر حبیب کے کچھ ساتھیوں کا یہ بھی مشورہ تھا کہ سردست ہم

برمی سوشلسٹ پارٹی (BSPP) میں شامل ہو جائیں، جس سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ ہم اس سے کام کرنے کے طریقے سیکھ جائیں گے، اور دوسرا فائدہ یہ بھی ہونے کا امکان ہے کہ برمی خفیہ ایجنسی اور آمر مطلق نیون کے کارندوں کو ہم پر کسی قسم کا شبہ بھی نہیں ہوگا کہ ہم ان کے مخالف ہیں، لیکن محمد جعفر حبیب نے ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا، اور کہا کہ ہم مر تو سکتے ہیں لیکن اس بدنام زمانہ برمی سوشلسٹ پارٹی میں کام نہیں کریں گے۔

وطن واپسی:

رنگون یونیورسیٹی سے ۱۹۶۴ء میں ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کرتے ہی محمد جعفر حبیب نے وطن کی راہ لی، تاہم یہاں ایک بات قابل تذکرہ ہے کہ آپ نے ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۴ء کی اس درمیانی مدت میں خفیہ طریقے سے اپنی تنظیمی پروگرام کو آگے بڑھایا تھا، اور ''روہنگیا یوتھ فیڈریشن'' کے زیر سائے بطور خاص رنگون یونیورسیٹی اور کالجوں کے روہنگیا طلبہ کی ایک خاص جماعت ایسی تیار کر لی جو اگلے عرصے میں آپ کے ساتھ انقلابی کام کرے گی، جس میں آپ بڑے کامیاب رہے، اور آپ کے ساتھ روہنگیا طلبہ کی ایک بڑی تعداد نے یہ وعدہ کیا کہ وہ آپ کے ساتھ روہنگیا مسلمانوں کی بہبودی کی خاطر کام کرنے میں اور تو اور جان تک کے نذرانے پیش کرے گی، جس کے بعد آپ نے فیصلہ کیا کہ آپ وطن واپس جا کر قومی کاز کو آگے بڑھائیں گے۔

رنگون سے ارکان واپس آتے وقت آپ کے ساتھیوں میں چند افراد آپ کے ساتھ آ گئے، اور چند نمایاں ساتھی جن میں مولانا محمد کبیر خواندگی صاحب ناقابل فراموش ہیں وہیں رہ گئے تھے، تاہم یہ الگ بات ہے کہ مولانا اور ان کی طرح چند ساتھی اگلے چند سالوں میں آ گئے اور محمد جعفر حبیب کے قافلہ میں شامل ہو گئے تھے، جن میں سے چند حضرات گرامی کے تذکرے انشاء اللہ اگلی سطور میں آئیں گے۔

یہاں ارکان پہنچتے ہی آپ نے یہاں کے مسلم اعیان، علمائے کرام، دانشوران عظام اور قوم کے بعض سر برآوردہ حضرات سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا اور اگلے دنوں میں قومی کام کو آگے بڑھانے کے حوالے سے مشورے کئے، اس سلسلے میں بیشتر حضرات کا یہی مشورہ سامنے آیا کہ ''روہنگیا یوتھ

فیڈریشن'' کو ایک باقاعدہ اور باضابطہ جماعت میں تبدیل کیا جائے، یوں ان مشوروں اور ملاقاتوں کا منطقی نتیجہ ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' کی شکل میں سامنے آیا تھا۔

شادی وخانہ آبادی:

رنگون سے واپسی کے بعد محمد جعفر حبیب اپنے وطن میں اور زیادہ متحرک ہو گئے تھے، آپ نے خفیہ طریقے سے وہ سب کام کئے جو برما کے ایسے حالات میں کسی کی ہمت سے باہر تھے، اس حوالے سے سب سے بڑا کام یہ کیا کہ آپ نے اپنے تمام رفقائے کار کو ایک ہی فکری سانچے میں ڈال لیا تھا، ہر کوئی آپ کی اس بات سے متفق ہو گئے تھے کہ اب وطن کی خاطر ایک بڑے سے بڑے انقلاب ناگزیر ہے، اس موقع پر جن حضرات نے آپ کا بھرپور ساتھ دیا تھا، ان کی فہرست بڑی لمبی ہے، طوالت کے خوف سے یہاں نہیں لائی جا رہی ہے۔

۱۹۶۵ء کے دوران پاکستان میں جنرل ایوب خان کی حکومت تھی، محمد جعفر حبیب نے اپنے رفقائے کار سے مشورہ کیا کہ کسی طریقے سے ارکانی مسلم انقلابیوں کا ایک وفد جنرل صاحب سے ملاقات کرے، یوں مشورہ طے پایا کہ محمد جعفر حبیب اس مقصد کو یقینی بنانے کے لئے بذاتِ پاکستان کا سفر کریں اور اپنے طریقے سے ملاقات کو یقینی بنانے کے لئے کام کریں۔

اس سفر سے واپسی کے بعد آپ کی شادی اپنی تایا زاد بہن محترمہ خوشیدہ بیگم بنت چوہدری اشرف الزمان بن ابوالخیر (بلی) بن انور علی بن کرم علی بن محسن علی بن شاہ عبد اللطیف حجازی سے ہوئی، یہ شادی ۱۹۶۶ء کے ابتدائی مہینے میں ہوئی، جس کی مختصر سی تقریب بوسیدنگ شہر میں کی گئی، جو بڑی سادگی سے عمل میں آئی تھی، کہتے ہیں کہ یہ شادی خانہ آبادی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق ہوئی تھی، جس میں کسی قسم کی واہیات اور شور وغل نہیں ہوا تھا، چوں کہ یہ جوڑا ایک ہی گھرانے کا تھا، تو اس مبارک شادی خانہ آبادی میں چند احباب، رفقائے کار اور قریبی رشتے داروں کی حاضری پر اس کی تقریب انجام کو پہنچی تھی۔

روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورسس(RIF) اور قائد کا کردار:

۱۹۶۴ء کا سال تھا، برمی سوشلسٹ پروگرام پارٹی یا نیون کی استبدادی حکومت بڑے دھوم دھام سے اپنا قدم آگے بڑھا رہی تھی، ہر طرف لوگ محو حیرت میں تھے، ہر کوئی اب کیا ہوگا کا سوال دوسروں سے دہرا رہا تھا، مگر جواب کسی کے پاس نہیں تھا، برمی سوشلسٹ پروگرام پارٹی کی آواز ہر طرف گونج رہی تھی، عام لوگ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ یہ پروگرام آگے چل کر ملک میں کیسی تباہی مچانے والا ہے، ٹھیک اس وقت ارکان کے چند دانشور اپنی ملت وقوم کے مسائل پر تشویش کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے، جنہوں نے اپنے دل ہی دل میں عزم کر لیا تھا کہ اس مصیبت کی گھڑی میں ملت وقوم کو بچانے کے لئے ہر ممکن کوشش اور جدوجہد شروع کرنی چاہے، یہ منگڈو اور بوسیدنگ کے چند دانشوران تھے، جو یہ ہیں:

(۱) ڈاکٹر نور احمد صاحب۔

(۲) محمد جعفر حبیب صاحب۔

(۳) محمد اکرام اللہ صاحب۔

۱۹۶۵ء کا دن تھا کہ ان تینوں نے ایک خط لکھ کر ماسٹر شونا علی دابری چونگی کو بلوا بھیجا، جس میں آپ کو سردست بوسیدنگ پہنچنے کے لئے کہا گیا تھا، ابھی شونا علی صاحب بوسیدنگ پہنچے تو بلانے والے تینوں افراد کو ریلوے اسٹیشن آف بوسیدنگ میں ماسٹر حبیب اللہ کے گھر میں تشریف فرما پائے، ابھی تینوں سے ملاقات ہوئی تو محمد جعفر حبیب نے کہا کہ علی چنگ کو بزرگان دین کے مزارات کی زیارت کرنے چلیں!! راستے پر باتیں شروع ہوگئیں تو محمد جعفر حبیب نے نیون حکومت اور ملک بھر میں تباہی مچانے والی سوشلسٹ حکومت کے ممکنہ خطرات پر روشنی ڈالی اور آئے دن قوم وملت کے سر پر منڈلانے والی بھیانک مشکلات ومعضلات سے ملک وقوم کو بچانے کی راہ ڈھونڈنے کی اپیل کی، آگے چل کر انہوں نے قوم وملت کے سر پر بجلی بن کر آنے والے حالات کا حل صرف موثر تنظیم کے روپ میں دیکھا اور پیش کیا اور انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم اور ملک کے مسلم دانشوران ایک ہی جماعت یا ایک ہی تنظیم کے پرچم تلے جمع ہو کر کام کریں، تو شونا علی صاحب نے منہ کھولا اور جعفر حبیب سے اتفاق کیا تو علی چنگ سے واپسی پر محمد جعفر حبیب نے کہا کہ ہم ابھی چاروں منگڈو کو چلیں گے، مگر باقی تینوں میں

سے اکرام اللہ صاحب نے سردست جانے سے معذرت کی، البتہ تھوڑی دیر بعد اس نے بھی منگڈو پہنچنے کا وعدہ کیا تھا۔

ابھی تینوں شقدار فارہ منگڈو پہنچے اور ماسٹر سلطان کے گھر گئے تو معلوم ہوا کہ ماسٹر صاحب ابھی گھر میں نہیں ہیں، مگر آپ کا چھوٹا بھائی (بہادر میاں جو اس وقت پولیس میں کام کرتے تھے) نے بتایا کہ بھائی صاحب ابھی آئیں گے، آپ حضرات گھر بیٹھ سکتے ہیں، بہادر میاں نے ان کی بڑی مدارت کی اور تھوڑی دیر بعد جناب ماسٹر سلطان احمد صاحب چند افراد کی معیت میں گھر آپہنچے، ابھی دو چار کلمات ختم ہوئے تو ماسٹر صاحب نے بتایا کہ بیٹھنے کی جگہ تنگ ہے، میدان کو چلئے، یہ کہہ کر مایونگ خالی منگڈو کے پل کے اس پار گئے، کھلے میدان میں ایک آم کے درخت کے جھنڈ میں یہ سارے لوگ جمع ہو گئے تھے۔

اس تاریخی اجلاس میں دس حضرات نے شرکت کی، جسے ہم قوم کے سرکردہ لوگ کہہ سکتے ہیں، آج بھی قوم کے دانشور طبقہ ان لوگوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، کیوں کہ یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے اس پر پیچ اور پریشان کن حالات میں قوم وملت کا نام لیا تھا، یہ وہ زمانہ تھا جس میں انسان اپنا نام بھی بھول رہا تھا، تو ایسی مصیبت کے حالات میں اجتماعی فکر وعمل کے لئے نکلنا درحقیقت کوئی چھوٹا کام نہ تھا، اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو آج ارکان میں چلتے مسائل کے حل کے لئے اجتماعی احساسات کا نشان شاید ملتا، ان لوگوں نے کم سے کم ذہنی طور پر اس قوم کو تباہی اور بربادی کے دھارے سے بچا لیا تھا، کیوں کہ قومیں دنیا میں اتفاقی حادثات سے تباہ نہیں ہوتیں، یہ اس وقت ہلاک ہوجاتی ہیں جب اس کے اندر سے اجتماعی احساسات کا خاتمہ ہوجائے، آج بھی اس قوم کے دانشور اور علمائے کرام جو قومی مسائل پر فکر کر رہے ہیں، درحقیقت یہ ان لوگوں کے سلسلۂ فکر کی ایک روشن کڑی ہے، جنہوں نے ایسی مصیبت کے حالات میں اپنی قوم وملت کو نہیں بھولا، تو لیجئے ہم ان کے نام درج کر دیتے ہیں:

(۱) ماسٹر سلطان احمد صاحب شقدار فاروی منگڈو۔

(۲) ماسٹر شونا علی صاحب دابری چونگی، بوسیدنگی۔

(۳) محمد جعفر حبیب صاحب علی چنگی، بوسیدنگی۔

(۴) ڈاکٹر نور احمد صاحب پوئما لوی بوسیدنگی۔

(۵) ماسٹر اکرام اللہ صاحب، صاحب بازاری۔

(۶) محمد خان بی، ایس، سی خایونگ خالوی۔

(۷) ماسٹر ابوالفیض صاحب بن ابوالخیر منگڈوی۔

(۸) ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب، نوراللہ فاروی۔

(۹) بیلومیاں صاحب خائندہ فاروی۔

(۱۰) ماسٹر محمد امین بن ماسٹر محمد ہاشم شقدار فاروی۔

افسوس ہے آج ان حضرات میں سے ایک بھی اس دنیا میں نہیں ہے، اللہ تعالی ان کی مغفرت کے ساتھ ان کے درجات کو بلند فرمائے، آمین۔

دس دفعات پر اتفاق رائے:

مذکورہ اجلاس بڑی رازداری سے ہوا، جس میں ملک وملت کے حالات حاضرہ پر کافی گفت وشنید ہوئی، اور طویل مشورے کے بعد فیصلہ ہوا کہ ''روہنگیا یوتھ فیڈریشن'' کی جگہ تنظیم کا کوئی دوسرا نام اختیار کیا جائے، یوں اگلی ہونے والی تنظیم کے لئے چند نام سامنے آئے، جن میں سے ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) جیسا خوب صورت نام اتفاق رائے سے اختیار کیا گیا تھا، کہتے ہیں کہ اس نام کی تجویز محمد جعفر حبیب نے دی تو شرکائے اجلاس نے اتفاق سے قبول کیا تھا، پھر اس اجلاس میں شریک ہونے والے تمام شرکاء نے جن دس دفعات پر اتفاق کیا وہ یہ ہیں:

(۱) ہم کسی بھی حالت میں اللہ اور اس کے رسول اور اسلام کی تعلیمات کو نہ بھولیں گے۔

(۲) ہم اللہ کی زمین میں اللہ کی حکومت کے قیام کے لئے جان، مال، زندگی قربان کریں گے۔

(۳) سرزمین ارکان میں ایک مقدس اسلامی تنظیم کا قیام ناگزیر ہے اسے ہم بنائیں گے۔

(۴) ملت وقوم کی خاطر ارباب بست وکشاد کا متحدہ پلیٹ فارم ناگزیر ہے یہ ہم تیار کریں گے۔

(۵) کمیونزم اسلام کا حقیقی دشمن ہے ہم اسے ملک سے ختم کرنے کے لئے ہر امکانی جدوجہد کریں گے۔

(۶) ہم درپردہ اتحاد واتفاق کی تحریک چلائیں گے اور وقت آتے ہی زیرزمین چلے جائیں گے۔

(۷) ملت وقوم پر مرمٹنے والا کوئی بھی آدمی ہمارا دوست ہے ہم اس کا ہاتھ ضرور بٹائیں گے۔

(۸) رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے خفیہ سریقے سے دعوتی فکر وعمل کو جاری کر کے سیاسی کام کو فروغ دیں گے۔

(۹) ہم تنظیم کے صدر (GR) جناب سلطان احمد کو بناتے ہیں اور تحریک کو منزل کی طرف لے جانے کے لئے ان کا ہاتھ بٹائیں گے۔

(۱۰) ہم میں سے اگر ایک بھی باقی رہے گا تو وہ اس کام کو موت تک کرتا رہے گا اس پر ہم عہد وپیمان کرتے ہیں۔

مزید ممبران بڑھانے کا پروگرام:

پہلے والے اجلاس میں یہ بات طے پائی تھی کہ ایک سال کے اندر (RIF) میں ممبران بڑھائے نہ جائیں گے، ویسے ایک سال کے بعد ڈاکٹر نور احمد صاحب رنگون گئے تو وہاں محمد جعفر حبیب وغیرہ نے تجویز پیش کی کہ ریف میں وسیع پیمانے پر ممبران بڑھائے جائیں، (یاد رہے کہ اس وقت محمد جعفر حبیب رنگون میں زیر تعلیم تھے) اس تجویز کے مطابق اس سال دس سے بڑھا کر اکتیس ممبران بنائے گئے تھے، لیکن ۱۹۶۷ء میں ملک بھر سے چھ ہزار ممبران چنے گئے تھے، جن میں دانشوروں کے علاوہ بڑے پیمانے پر علمائے کرام بھی تھے، جن کے مابین اتحاد واتفاق کا دھوم چلا تھا، اور ہر کسی نے قومی وملی خدمات کے لئے اپنی جان ومال کا نذرانہ پیش کیا تھا۔

پاکستان میں وفود:

۱۹۶۵ء میں جناب محمد جعفر حبیب مرحوم کو پاکستان بھیجا گیا تھا، انہوں نے دولھازارا میں جناب فضل الکریم چودھری سے ملاقات کی جو صدر محمد ایوب خان کے دوست تھے، چونکہ مولانا محمد سعید تومبروی سے جناب فضل الکریم صاحب کی بہت قریبی دوستی تھی، چنانچہ محمد جعفر حبیب نے مولانا کے

واسطہ سے ان سے ملاقات کی، جناب فضل الکریم صاحب نے جناب محمد جعفر حبیب کو صدر ایوب خان سے ملاقات کرانے کی امید دلائی، اور کام کو آگے بڑھانے کے سلسلے میں حوصلہ اور ہمت افزائی کی تھی۔

اس کے بعد ۱۹۶۷ء میں جناب حسین قاسم نور اللہ فاروی اور جناب ماسٹر ابوالفیض بن ابوالخیر کو بھی پاکستان بھیجا گیا تھا، تاکہ محمد جعفر حبیب کے ساتھ مل کر کام کرسکیں، چونکہ اس سے پہلے بھی جناب سرفراز بن ماسٹر ولی احمد شجاع فاروی مشرقی پاکستان میں رہا کرتے تھے، چنانچہ ان چاروں نے مل کر یہاں قوم وملت کی بہت ساری خدمات انجام دی تھیں۔

ریف کا جعفر ثانی سے رابطہ اور لیڈروں کی ہجرت:

۱۹۶۶ء میں جعفر ثانی جنوبی منگڈو سے اور جناب عبدالجلیل صاحب کولونگی شمالی منگڈو سے مسلح شکل میں ظاہر ہوئے تھے، چونکہ جناب کرنل مستفیض الرحمن صاحب (جو قاسمی پارٹی کے ایک سرکردہ لیڈر تھے) بھی جعفر ثانی کے ساتھ تھے، آگے چل کر دونوں حکومت مخالف تنظیمیں طوفان بن کر اٹھی تھیں، اب ریف اور جعفر ثانی کے درمیان رابطے ہونے لگے تھے، آگے چل کر جعفر ثانی مرحوم نے ریف سے دو تین دانشور منگوائے، تاکہ ان کی پارٹی میں بڑے بڑے عہدے سنبھال سکیں، چنانچہ ریف نے مسٹر شونا علی شہید (جسے نائن چونگ میں شہید کردیا گیا) اور بیرسٹر سلطان محمود اکیابی (ریف کے ممبر) کا بھتیجہ جناب یعقوب بن نور احمد (جو ابھی کنڈا میں مقیم ہیں) اور جناب محمد الیاس بی، ایس، سی خایونگ خالوی کو بھیج دیا، چنانچہ ان تینوں میں سے جعفر ثانی نے جناب شونا علی شہید کو نائب صدر اور محمد الیاس کو سکریٹری جنرل منتخب کیا، یاد رہے کہ جس وقت مسٹر شونا علی صاحب کو وہاں بھیجا جارہا تھا اس وقت وہ ریف کے جدید ممبران میں سے تھے، جنہوں نے جعفر ثانی کی پارٹی میں بڑی بڑی خدمات انجام دی تھیں، جس کی داستاں بڑی طولانی ہے، لیکن دشمن نے بالآخر آپ کو جام شہادت پلادیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ان تینوں کے علاوہ اور بھی بہت سے ریف کے ممبران وہاں بھیجے گئے تھے جن میں قابل ذکر لوگ یہ ہیں:

(۱) جناب ابوطالب منار فاروی، بوسیدنگی۔

(۲) جناب عبدالرحیم پوئما لوی، بوسیدنگی۔

(۳) جناب مصطفی نائن چونگی، منگڈوی۔

(۴) محمد اقبال بانگونوی، منگڈوی۔

پھر ۱۹۶۸ء میں جناب شبیر حسین (بی، اے) جو رنگون میں رہا کرتے تھے بھی ارکان آئے ہوئے تھے، تو حالات کی نزاکت کو سمجھ کر وہ بھی جعفر ثانی کی پارٹی میں شامل ہوگئے، تاہم وہاں وہ بہت دیر نہ رہ سکے تھے، پھر ۱۹۶۸ء میں ریف کے سرکردہ لیڈروں کو ملک چھوڑنا پڑا، جن کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) ڈاکٹر نور احمد صاحب پوئما لوی۔

(۲) مسٹر اظہار میاں (ایم پی) تنگ بازاری۔

(۳) مسٹر عبداللطیف صاحب پوئما لوی۔

(۴) مسٹر دلیل احمد صاحب رنگیا دنگی۔

(۵) مسٹر احمد حسین (بی، اے) صاحب۔

(۶) مسٹر محمد سلطان (بی، اے، ڈی) صاحب پوئما لوی۔

(۷) ڈاکٹر حافظ احمد صاحب۔

بعد ازاں اوچوکھیا میں ریف کا ایک معسکر بنایا گیا تھا، جس میں ڈاکٹر نور احمد اور جعفر حبیب مرحوم بھی رہا کرتے تھے، لیکن ۱۹۷۱ء میں جب بنگلہ دیش پاکستان سے علیحدہ ہوا تو بنگالی مکتی بھانی کا الزام تھا کہ ارکانی مجاہدین پاکستان کے ساتھ ساز باز کرتے تھے، تو ۱۹۷۲ء میں مکتی بھانی کے خوف سے ریف کے تمام لوگ پھر سے جعفر ثانی کی پارٹی میں چلے گئے تھے، جن میں جعفر حبیب مرحوم اور جناب شبیر حسین بی اے اور ماسٹر دلیل احمد، ماسٹر ابوالفیض بن ابوالخیر جیلانی، بی اے احمد حسین صاحب، بی اے محمد شفیع صاحب قابل ذکر ہیں، ان لوگوں نے بوگری چونگ، بوسیدنگ میں جناب جعفر ثانی سے ملاقات کی اور بنگلہ دیش میں عام معافی تک وہاں رہے تھے، بعد ازاں ۱۹۷۳ء میں جعفر ثانی کو حکومت بنگلہ دیش کی طرف سے دعوت ملی تھی، جس میں ایک وفد کی شکل میں تین حضرات شریک تھے:

(۱) جعفر ثانی صاحب راجار بیلی۔

(۲) شبیر حسین صاحب پوئما لوی۔

(۳) رشید احمد صاحب شیل خالوی۔

لیکن راہ میں جعفر ثانی کی کارکردگی سے بنگلہ دیشی حکام بدظن ہو گئے تو حکومت کے ایک اعلی عہدہ دار نے شبیر حسین سے کچھ غیر ضروری باتیں کرتے ہوئے وفد کو مایوس واپس کر دیا تھا، یاد رہے کہ اس درمیان میں ریف والوں نے اوچوکھایا میں روہنگیا انڈیپنڈنٹ آرمی (R.I.A) کے نام سے ایک مسلح پارٹی قائم کی تھی، جس میں محمد جعفر حبیب، ڈاکٹر نور احمد اور شبیر حسین رہا کرتے تھے، اس پارٹی کی قدرے شہرت بھی ہوئی تھی، لیکن اس تنظیم نے ۱۹۷۳ء میں (R.P.F) کا روپ دھارا جس کی تفصیلات بہت لمبی ہیں، بہر حال بنگلہ دیشی حکومت کی اس دعوت کے بعد سے ریف کے اراکین جعفر ثانی کی جماعت سے علیحدہ ہو گئے تھے۔

''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) کی تاسیس ظاہر ہے کہ ۱۹۶۴ء میں ہوئی تھی، اس کے بعد محمد جعفر حبیب کو ۱۹۶۵ء کے ابتدائی مہینوں میں مشرقی پاکستان بھیجا گیا تھا، تاکہ اس وقت کے پاکستانی صدر فیلڈ مارشل جنرل محمد ایوب خان سے ملاقات کو یقینی بنایا جا سکے، آپ نے دولہازارامیں چوہدری فضل الکریم صاحب سے ملاقات کی، جنہوں نے محمد جعفر حبیب کو یقین دلایا تھا کہ ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) کے ایک وفد کو جنرل صاحب سے ملاقات کرائی جائے گی، اور اس کے ساتھ روہنگیا کاز کو آگے بڑھانے کے حوالے سے کافی حوصلہ افزائی بھی کی تھی۔

۱۹۶۵ء اور ۱۹۶۶ء کے دوران محمد جعفر حبیب ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) کی طرف سے مشرقی پاکستان میں سرگرم عمل تھے، پھر ۱۹۶۷ء کے ابتدائی مہینوں میں ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) کی طرف سے جناب حسین قاسم صاحب نور اللہ فاروی اور ماسٹر ابوالفیض بن ابوالخیر داروغہ (MP) کو مشرقی پاکستان بھیجا گیا تھا، تاکہ قومی کام کے سلسلے میں محمد جعفر حبیب کو تعاون کر سکیں، یوں دونوں حضرات نے مشرقی پاکستان پہنچ کر محمد جعفر حبیب کا قابل قدر تعاون کیا تھا۔

یہاں محمد جعفر حبیب سے تعاون کے حوالے سے ایک قابل قدر شخصیت کا تذکرہ نہ کروں تو بڑی ناسپاسی ہوگی، وہ تھی محمد جعفر حبیب کے دیرینہ ساتھی اور نٹرڈیم کالج کا وفا شناس دوست جناب مرحوم سرفراز احمد بن ولی احمد شجاع فاروی۔

جناب سرفراز احمد صاحب محمد جعفر حبیب کے صرف دیرینہ ساتھی نہیں تھے بلکہ ہم راز بھی تھے، ان دونوں کی دوستی نٹرڈیم کالج کی پڑھائی کے دوران ہوئی تھی، روایت مشہور ہے کہ جناب سرفراز احمد صاحب بڑے زیرک اور حاضر دماغ ہونے کے ساتھ قوم وملت کے حوالے سے بڑے دردمند انسان تھے، بعض نا قابل بیان وجوہات کی وجہ سے آپ زندگی بھر کنوارے رہ گئے تھے، ۱۹۶۵ء اور اس کے بعد بھی عرصۂ دراز تک آپ محمد جعفر حبیب کا ساتھ دیتے رہے تھے، اسی حالت میں بھرپور جوانی کے عالم میں آپ نے اس جہانِ فانی سے رخصت لی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کہتے ہیں کہ آپ کے انتقال پر محمد جعفر حبیب بہت ہی مغموم ہو گئے تھے، ساتھ ہی ساتھ ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) کا بھی نا قابل تلافی نقصان ہو گیا تھا۔

باوثوق ذرائع کے مطابق جناب سرفراز احمد صاحب کے انتقال کے بعد ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) کی طرف سے جناب حسین قاسم صاحب اور جنابوالفیض صاحب کو مشرقی پاکستان بھیجا گیا تھا، تو ظاہر ہے کہ جناب سرفراز احمد صاحب کا انتقال ۱۹۶۶ء کے اواخر یا ۱۹۶۷ء کے ابتدائی مہینوں میں ہوا ہوگا، اللہ تعالی مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے۔

۱۹۶۶ء کے دوران ایک طرف ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) اپنے انداز میں بڑی خوبی سے کام کر رہی تو اس کی مقبولیت روہنگیا علماء اور دانشور حلقوں میں بہت ہی بڑھ چکی تھی، دوسری طرف جناب محمد جعفر ثانی کی قیادت میں جنوبی منگڈو سے جب کہ جناب عبد الجلیل صاحب کی قیادت میں شمالی منگڈو سے مسلح تنظیمیں طوفانی شکل میں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں، ایسے حالات میں ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) کے سرکردہ لیڈراں نے کوشش کی کہ دونوں مسلح تنظیموں کو ایک ہی پلیٹ فارم میں جمع کر کے قومی کاز کو آگے بڑھایا جائے، لیکن جناب عبد الجلیل صاحب کو کسی طرح نہ سمجھایا جا سکا، یوں انضمام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا تھا، تاہم اس سے ایک فائدہ یہی ہوا کہ ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) محمد جعفر ثانی کی زیر قیادت تنظیم ''ارکان آزاد فوج'' کے قریب ہو گئی تھی، یوں آگے چل کر محمد جعفر ثانی نے ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) کی اعلی قیادت سے درخواست کی کہ ریف سے چند دانشوران کو ارکان آزاد فوج میں قیادی کام کے لئے دیا جائے، تاکہ وہ اس مؤخر

الذکر تنظیم میں بڑے سے بڑے عہدے سنبھال سکیں، چنانچہ ریف والوں نے ان کی درخواست قبول کی اور درج ذیل حضرات کو ارکان آزاد فوج میں بھیج دیا گیا تھا:

۱۔ جناب ماسٹر شونا علی صاحب زادی فرانگی، جو نائن چنگ کی لڑائی میں شہید ہو گئے۔

۲۔ محمد یعقوب بن نور احمد صاحب، یہ بیرسٹر سلطان محمود اکیابی (مرکزی وزیر صحت حکومت برما) کا بھتیجہ جو بعد میں کنڈا میں مقیم ہو گئے۔

۳۔ محمد الیاس صاحب (BSC) خایونگ خالوی۔

ان تینوں دانشوروں کو پاکر محمد جعفر ثانی نہایت خوش ہوئے تھے، یوں جناب ماسٹر شونا علی صاحب کو نائب صدر اور جناب محمد الیاس صاحب کو جنرل سکریٹری جیسا اہم قلمدان سونپا گیا تھا۔

جاننے والوں کا کہنا ہے کہ ماسٹر شونا علی صاحب زادی فرانگی کہنے میں تو ایک مسلم دانشور تھے، لیکن تھے بہت بلند پایہ کے بزرگ، آپ اپنی دین داری، پرہیز گاری اور خدمت قوم وملت کے حوالے سے بہت مشہور تھے، آپ نے ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) کے علاوہ ارکان آزاد فوج میں بڑی بڑی خدمات انجام دے کر نائن چنگ کی لڑائی میں جام شہادت نوش فرمایا۔

بعد میں ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) اور ارکان آزاد فوج کے درمیان رشتہ اور مضبوط ہوا تو ارکان آزاد فوج کی گزارش پر ریف نے اپنے بہت سارے ممبران کو وہاں بھیج دیا تھا، تاکہ ناخواندگی کی وجہ سے اس میں پائی جانے والی افراتفری کو دور کرتے ہوئے اس تنظیم کے ذریعے روہنگیا مسلمانوں کی نجات وفلاح کو یقینی بنایا جاسکے، ریف کے ان ممبران میں سے یہ ناقابل فراموش ہیں:

۱۔ جناب ابوطالب صاحب منار فاروی بوسیدنگی۔

۲۔ جناب عبدالرحیم صاحب فوئما لوی بوسیدنگی۔

۳۔ جناب مصطفی صاحب نائن چنگی منگڈوی۔

۴۔ جناب محمد اقبال صاحب بانگونوی منگڈوی۔

۱۹۶۸ء میں جناب شبیر حسین صاحب فوئما لوی رنگون سے ارکان آگئے، اور حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے آپ نے مناسب سمجھا کہ ارکان آزاد فوج میں شامل ہو جائیں، یوں ان کی شمولیت کے

بعد اس جماعت میں از سر نو جان آگئی تھی، لیکن نیرنگیٔ زمانے کا کیا کہنا کہ ایک طرف ماسٹر شونا علی صاحب زادی فرانگی کی شہادت تو دوسری طرف ناخواندہ لوگوں کی افراتفری اور بڑے پیمانے میں بدعنوانیوں نے جناب شبیر حسین سمیت پارٹی کے دانشوروں کو پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا، حتی کہ آگے چل کر ان ناخواندہ لوگوں نے ان دانشوروں سے پہلوتہی تک شروع کر دی تھی۔

ادھر ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) والوں کی ارکان آزاد فوج سے مسلسل مایوسی تو ادھر برمی ظالموں کی طرف سے ریف والوں پر پے در پے مظالم کی وجہ سے ریف والوں کے لئے زمین تنگ ہو چکی تھی، تو ایسے حالات میں ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) نے فیصلہ کیا کہ اس کے اراکین زیر زمین چلے جائیں، یوں ۱۹۶۸ء میں تقریبا تمام سربرآوردہ لیڈران زیر زمین چلے گئے تھے۔

۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۰ء کی درمیانی مدت میں ایک طرف ریف کے اراکین ارکان مشرقی پاکستان کے سرحدی علاقے میں سیاسی اور عسکری کام میں مصروف عمل تھے تو دوسری طرف مشرقی پاکستان میں علیحدگی کی جنگ شروع ہو چکی تھی، بالآخر ۱۹۷۱ء میں پاکستان سے الگ ہو کر بنگلا دیش وجود میں آگیا تھا، چوں کہ مکتی بھائی کا خیال بلکہ الزام تھا کہ ارکانی مجاہدین پاکستانیوں کا ساتھ دے رہے تھے، اس لئے ان کے لئے بنگلا دیش میں کوئی جگہ نہیں ہے، جب کہ بات اس کی بالکل برعکس تھی، کیوں کہ تاریخ شاہد ہے کہ نہ صرف ارکانی مجاہدین بلکہ ارکان کے مسلم عوام تک نے اس علیحدگی کی جنگ کے دوران بنگلا باسیوں بشمول جنگ آزادی کے مجاہدین کا بھرپور ساتھ دیا تھا، ارکان کے مسلمانوں نے اور تو اور بنگلا دیشی مہاجرین کو جو تعاون کیا تھا وہ تاریخ کا ایک انمٹ باب ہے، جس کا انکار کرنا گویا سورج کو چاند کہنے کا مترادف ہے۔ بہر حال ویسے مکتی بھائی کے خوف سے ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس'' (RIF) کے تمام لوگ بشمول محمد جعفر حبیب ارکان آزاد فوج میں شامل ہو گئے تھے، جس کی قدرے تفصیلات پچھلی سطور میں گزر چکی ہیں۔

روہنگیا انڈی پنڈنٹ آرمی (RIA):

محمد جعفر حبیب اور ان کے چند ساتھی مشرقی پاکستان میں روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کے

کاموں میں مصروف تھے ایسے حالات میں ریف کے درج ذیل لیڈران ترک وطن کر کے سرحد چلے آئے:

۱۔ جناب ڈاکٹر نور احمد صاحب فوئما لوی۔
۲۔ جناب اظہار میں صاحب (MP) تنگ بازاری۔
۳۔ جناب سید لطیف صاحب فوئما لوی۔
۴۔ جناب دلیل احمد صاحب رنگیا دنگی بوسیدنگی۔
۵۔ جناب احمد حسین صاحب (BA) یونگ چنگی۔
۶۔ جناب محمد سلطان صاحب (BED-BA) فوئما لوی۔
۷۔ ڈاکٹر حافظ احمد صاحب بوسیدنگی۔

اس کے بعد او چوکھایا (اوسوکیا) کے مقام پر ''روہنگیا انڈی پنڈنٹ آرمی (RIA) کے نام سے ایک معسکر کی بنیاد ڈالی گئی تھی، جس میں روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) لیڈروں کے علاوہ دیگر زیر زمین آنے والے اراکین وممبران رہا کرتے تھے، یہاں جو لیڈران مستقل طور پر رہا کرتے تھے ان میں ڈاکٹر نور احمد فوئما لوی، محمد جعفر حبیب علی چنگی، شبیر حسین فوئما لوی، دلیل احمد رنگیا دنگی، ابولفیاض نافیتار ڈیلی، احمد حسین یونگ چنگی (بی اے) محمد شفیع نا قابل فراموش شخصیات ہیں، یہاں روہنگیا انڈی پنڈنٹ آرمی کے متعلق راقم سطور کی دوسری کتاب کا ایک اقتباس ملاحظہ کو کہ:

> ''یاد رہے کہ اس درمیان روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) والوں نے او چوکھایا میں روہنگیا انڈی پنڈنٹ آرمی (RIA) کے نام سے ایک معسکر کی بنیاد رکھی، جس میں ڈاکٹر نور احمد فوئما لوی، محمد جعفر حبیب علی چنگی، شبیر حسین فوئما لوی، دلیل احمد رنگیا دنگی، ابولفیاض نافیتار ڈیلی، احمد حسین یونگ چنگی (بی اے)، محمد شفیع وغیرے رہا کرتے تھے، اس معسکر کی قدرے شہرت بھی ہوئی تھی، جس نے آگے چل کر ۱۹۷۳ء میں روہنگیا فدائین محاذ کا روپ دھارا، جس کی تفصیلات لمبی ہیں''۔

اس معسکر کی تشکیل دینے کے حوالے سے لیڈروں کے مابین قدرے اختلاف بھی سامنے آیا تھا،

روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کے سربراہ جناب سلطان احمد صاحب شقدار فاروی سمیت بعض لیڈروں کا موقف تھا کہ اس معسکر کا علیحدہ نام نہ دیا جائے لیکن ان کے برعکس اکثر لیڈران کا کہنا یہی تھا کہ:

۱۔ یہاں نام کی تبدیلی کہاں بس تھوڑی شکل کی تبدیلی ہے۔
۲۔ روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) یہ ہمارا سیاسی شعبہ ہے، جب کہ اس کا عسکری شعبہ روہنگیا انڈی پنڈنٹ آرمی (RIA) ہے، دنیا بھر میں انقلابی اور وہ بھی مسلح انقلابی تحریکیں ایسی چلتی ہیں۔

بہر حال معسکر کی بنیاد سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اب روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس نے باضابطہ طور پر مسلح جدوجہد کی راہ اپنالی ہے، جس کا سلسلہ آگے چل کر بہت دور تک جا پہنچا تھا، جس کی تفصیلات انشاء اللہ اگلی سطور میں آرہی ہیں۔

محمد جعفر حبیب ارکان آزاد فوج میں:

محمد جعفر حبیب ۱۹۶۵ء سے لے کر ۱۹۷۰ء تک مشرقی پاکستان میں روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کے کاموں میں مصروف عمل تھے، اس درمیان روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) اور ارکان آزاد فوج کے مابین کبھی اشتراک عمل کی بنیاد پر اور کبھی علیحدگی کے ساتھ تعاون ہوتا رہا تھا، ریف کے بڑے بڑے سرکردہ لیڈران ارکان آزاد فوج میں کبھی شامل بھی ہو چکے تھے، جن میں سے ایک معروف لیڈر جناب شونا علی صاحب زادی فرانگی نے ارکان آزاد فوج کی جانب سے لڑتے لڑتے بمقام نائن چنگ جام شہادت بھی نوچ فرمایا۔

ظاہر ہے کہ یہ سارے کام جناب ماسٹر سلطان احمد صاحب شقدار فاروی کی قیادت میں ہو رہے تھے، جن میں محمد جعفر حبیب کی بھرپور تائید تھی، تاہم اتنے طویل عرصے میں جعفر حبیب بذات خود ارکان آزاد فوج میں شامل نہیں ہوئے تھے، بلکہ یوں کہا جائے تو صحیح ہوگا کہ آپ کو اس میں شامل ہو نے کا موقع ہی نہیں ملا تھا، در اصل بات یہ ہے کہ رنگون سے واپسی کے بعد آپ کو وطن میں رہنے کا موقع ہی نہیں ہوا تھا، صرف ۱۹۶۶ء کے کچھ دنوں کو چھوڑ کر (جن دنوں میں آپ کی شادی ہوئی تھی) آپ کو فرصت ہی کب ملی تھی کہ وطن کی فضاء سے محظوظ ہو سکے، کیوں کہ روہنگیا انڈی پنڈنٹ

فورس (RIF) کے لیڈروں نے باتفاق رائے آپ کو مشرقی پاکستان میں کام کے لئے بھیج دیا تھا، جہاں آپ قومی وملی کاموں میں مصروف عمل ہو چکے تھے۔

۱۹۶۸ء کے اواخر میں اوچوکھایا میں روہنگیا انڈی پنڈنٹ آرمی کا معسکر بنا تو محمد جعفر حبیب اور آپ کے ساتھی زیر زمین کام میں مصروف تھے، اس کے بعد ۱۹۷۱ء میں بنگلا دیش پاکستان سے آزاد ہوا تو بنگلا دیشی مکتی بھانی نے روہنگیا انڈی پنڈنٹ آرمی پر الزام لگایا کہ محمد جعفر حبیب اور آپ کے ساتھی نہ صرف پاکستانی آرمی کی حمایت وتعاون کررہے تھے بلکہ بنگلا دیشی تحریک آزادی کے دوران مکتی بھانی کے خلاف پاکستانیوں سے ساز باز کر رہے تھے، بعد میں مکتی بھانی کی طرف سے دیے جانے والا یہ الزام دھمکیوں میں تبدیل ہو گیا تھا، ایسے حالات میں محمد جعفر حبیب اور آپ کے تمام ساتھی بڑی پریشانی کے شکار ہو چکے تھے، کیوں کہ:

۱۔ اتنے دنوں تک پاکستان اور یہاں کے زندہ دل عوام ارکان کے حوالے سے جدوجہد کرنے والوں کے زبردست حامی تھے، بنگلا دیش وجود میں آیا تو یہاں کے مکتی بھانی کے لوگ ان مجاہدین کے سخت مخالف ہو چکے ہیں، اور ان کی طرف سے دھمکیوں پر دھمکیاں آ رہی ہیں۔

۲۔ دوسری طرف ظاہر ہے کہ ارکان کی زمین بھی محمد جعفر حبیب اور آپ کے ساتھیوں کے لئے تنگ ہو چکی ہے، ان کے لئے دوبارہ ارکان جانے کی راہ بالکل مسدود ہے۔

تو ایسے حالات میں زیر زمین کام کرنے والی روہنگیا تنظیم ''ارکان آزاد فوج'' کی طرف سے دعوت ملی کہ روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس کے تمام لیڈران اور کارکنان اس میں شامل ہو جائیں، اس حوالے سے راقم کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''اوچوکھایا میں ریف کا ایک معسکر بنایا گیا، جس میں ڈاکٹر نور احمد اور محمد جعفر حبیب وغیرے رہا کرتے تھے، لیکن ۱۹۷۱ء میں جب بنگلا دیش پاکستان سے علیحدہ ہوا تو مکتی بھانی کا خیال تھا کہ ارکان کے روہنگیا مجاہدین پاکستانیوں سے ساز باز کرتے تھے، تو ۱۹۷۲ء میں مکتی بھانی کے ڈر سے ریف کے تمام لوگ محمد جعفر ثانی کی پارٹی ''ارکان آزاد فوج'' میں شامل ہو گئے، جن میں محمد جعفر حبیب، شبیر حسین (BA)

> ماسٹر دلیل احمد، ماسٹر ابوالفیض بن ابوالخیر داروغہ، احمد حسین (BA) اور محمد شفیع نا قابل فراموش ہیں، انہوں نے بوگری چنگ بوسیدنگ کے مقام پر محمد جعفر ثانی سے ملاقات کی اور پارٹی شامل ہو گئے تھے''۔

۱۹۷۲ء کے اوائل میں محمد جعفر حبیب اور آپ کے ساتھی ارکان آزاد فوج میں شامل ہو گئے تھے، جس کے بعد ایک روایت کے مطابق اس تنظیم کے نام کی تبدیلی عمل میں آئی، اور ارکان آزاد فوج کو روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔

۱۹۷۳ء کے اوائل میں روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی میں عام انتخابات ہوئے، راقم سطور نے ان انتخابات کے حوالے سے بڑی کوشش کی کہ ان کی تفصیلات مل جائیں، لیکن تفصیلات تو نہیں ملیں بس اتنا پتہ چلا کہ ان کے نتائج دیر تک بحال نہیں رہ سکے تھے، تاہم ان انتخابات کے نتیجے میں سامنے آنے والی دو مجالس کا ایک گوشوارہ ملا جو درج ذیل ہے:

اراکین مجلس عاملہ:

۱۔ محمد جعفر ثانی صاحب میرولہ وی:	صدر۔
۲۔ ابوبکر صدیق/ابوصدیق صاحب:	نائب صدر۔
۳۔ محمد جعفر حبیب صاحب علی چنگی:	سکریٹری جنرل۔
۴۔ مولانا محمد مظہر صاحب اودنگی:	جوائنٹ سکریٹری۔
۵۔ محمد شفیع صاحب:	مشیر اعلی۔

اراکین مجلس شوری:

اراکین مجلس شوری کو روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی میں کونسلر (COUNCILLOR) کہا جاتا تھا، جس کے اراکین یہ ہیں:

۱۔ مولانا محمد کبیر صاحب خواندنگی۔

۲۔ عبدالکریم صاحب بہرسراوی۔

۳۔ ولی چند صاحب اودنگی۔

۴۔ لالومیاں صاحب میرولہ وی۔

۵۔ ابوالہاشم صاحب سالی فرانگی۔

۶۔ محمد حسین صاحب فیتو رفاروی۔

۷۔ ابولفیاض صاحب(BA) نافیتارڈیلی۔

۸۔ شبیر حسین صاحب(BA) فوئمالوی۔

۹۔ شوناعلی صاحب دابری چنگی۔

۱۰۔ احمد حسین(BA) یونگ چنگی۔

۱۱۔ دلیل احمد صاحب رنگیا دنگی۔

۱۲۔ محمد عالم صاحب کوار بیلی۔

۱۳۔ فتح علی شیر صاحب پاکستانی۔

بعض اطلاعات کے مطابق محمد جعفر حبیب اور آپ کے رفقائے کار کی اس پارٹی (RNLP) میں شمولیت کے بعد اس کے داخلی حالات بہت اچھے ہو گئے تھے، جس کا اجمال کچھ یوں ہے کہ:

۱۔ اتنے دنوں تک عوام تو عوام بلکہ علماء اور دانشوران کا خیال تھا کہ یہ پارٹی کچھ ناخواندہ لوگوں کی پارٹی ہے، جس کی وجہ سے یہاں آئے دن نت نئی افراتفری ہوتی رہتی ہے، تو محمد جعفر حبیب اور آپ کے رفقائے کار کی شمولیت نے اس پارٹی پر لگائے جانے والے یہ اور اس جیسے الزامات پر تھوڑا ٹھہراؤ سا آ گیا تھا۔

۲۔ ظاہر ہے کہ روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) کے صدر اور نائب صدر ویسے معنی کے خواندہ نہ تھے، لیکن جنرل سکریٹری اس قوم کے ایک جانے مانے دل جلے دانشور تھے، یوں محمد جعفر حبیب کے جنرل سکریٹری کے عہدہ سنبھالنے کے بعد عام طور پر یہ کہا جا رہا تھا کہ اب روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) میں سدھار آئے گا، کیوں کہ ظاہر ہے کہ کسی بھی پارٹی کا جنرل سکریٹری اس پارٹی کی

ریڑھ کی ہڈی ہوتا ہے۔

۳۔ محمد جعفر حبیب کے علاوہ خود مجلس شوری کے بڑے بڑے اراکین میں چند جید علمائے کرام کے علاوہ چند تجربہ کار دانشوران بھی شامل ہیں، جن میں سے بعض حضرات پر علماء اور دانشوران قوم کے علاوہ عوام کی امیدیں وابستہ تھیں۔

۴۔ محمد جعفر حبیب اور آپ کے رفقائے کار کی اس پارٹی میں شمولیت کے بعد اس کی سرگرمیوں اور کارکردگیوں میں مثبت طور پر نمایاں تبدیلی آ چکی تھی، جو سیاسی اور جنگی حکمت عملی کی رو سے سراہے جانے کی قابل تھی، اب پارٹی کی ان سرگرمیوں اور کارکردگیوں کو دیکھ کر علماء اور دانشوران کے علاوہ عوام کو ایک یقین سا ہو گیا تھا کہ اب اس میں پڑھے لکھے لوگ شامل ہو چکے ہیں، جو بڑے بڑے عہدے سنبھالے ہوئے ہیں، اب تحریک آزادی کے حوالے سے کام کرنے والی یہ تنظیم ایک صحیح تنظیم میں تبدیل ہو چکی ہے، جس پر امیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں۔

۵۔ اب روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) میں کچھ تجربہ کار سیاست دان اور عسکری تربیت یافتہ شامل ہو چکے ہیں، جن میں محمد جعفر حبیب کے علاوہ جناب شبیر حسین صاحب فوئمالوی ناقابل فراموش ہیں (یاد رہے کہ جناب شبیر حسین صاحب باضابطہ عسکری تربیت یافتہ تھے) تو محمد جعفر حبیب نے جناب شبیر حسین صاحب کے ذریعے عسکری ڈسپلن لانے کی حد درجہ کوشش کی تھی، جس میں آپ قدرے کامیاب بھی ہوئے تھے، کاش مزید چند سال اس تنظیم میں آپ کی سیاسی، فکری، سماجی اور معاشرتی طور پر دل جمعی ہو پاتی اور قافلہ منزل کی طرف رواں دواں ہو سکتا تو شاید آگے چل کر یہ تنظیم ایک باضابطہ ادارہ کی شکل اختیار لیتی، لیکن یہ نہیں ہو سکا تھا۔

افسوس صد افسوس ہے ایک طرف اس تنظیم کے بعض افراد کی جہالت اور ناخواندگی تو دوسری طرف بعض حاسدین کے حسد پر مستزاد مگھ برمیوں کی سازش نے کچھ عرصہ آگے چل کر اس تنظیم کے کلیجے پر چھرا گھونپ دیا تھا، تاہم یہ الگ بات ہے کہ کاش یہاں بعض سرکردہ لوگوں کی جہالت وناخواندگی کے ساتھ بعض افراد کے حسد وعناد نہ ہوتے تو شاید مگھ برمیوں کی سازش بھی کام نہ کر سکتی، لیکن یہاں دشمنوں کو سازش کرنے میں کامیاب ہونے کا بڑا موقع دیا گیا تھا۔

یہاں مگھ برمی دشمنوں کی وہی سازش چلی جس نے ہماری تحریک آزادی کے شہید اعظم جنرل عبد الشکور دابوی کو ۱۹۵۹ء میں شہید کر دیا تھا، یہ وہی سازش تھی کہ جس نے ۱۹۵۰ء میں بانی تحریک آزادی مجاہد اعظم حضرت محمد جعفر حسین قوال کو شہید کر دیا تھا، یہ وہی سازش تھی کہ جس نے ۱۹۵۰ء سے لے کر ۱۹۵۴ء کے دوران محمد ابوالقاسم راجا اور محمد عباس سینڈنگی کے درمیان طول طویل جنگیں لڑائی تھیں، اس حوالے سے ہماری تاریخ کے کس کس کا نام لوں؟ غرض مگھ برمیوں کی اس سازش کی داستان بڑی طولانی ہے، جس پر ایک باقاعدہ کتاب لکھی جاسکتی ہے۔

اراین ایل پی کا پہلا وفد بنگلہ دیش میں:

۱۹۷۲ء میں محمد جعفر حبیب اور آپ کے رفقائے کار کی روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) میں شمولیت کے بعد تنظیم کی طرف سے ایک وفد بنگلا دیش بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا تھا، اگرچہ اس وفد کے بنگلا دیش بھیجنے کا فیصلہ حتمی طور پر صدر تنظیم کی طرف سے کیا گیا لیکن اس کی ترتیب وتخطیط اور پلان و پروگرام محمد جعفر حبیب ہی نے کیا تھا، دراصل یہ تخطیط اور پروگرام آپ کی ان کوششوں کا حصہ تھا جو آپ نے بنگلادیش وجود میں آنے سے پہلے روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس کے زمانے میں کیا تھا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی بنگلا دیش اور یہاں کی حکومت و حکام اور عوام سے کتنی توقعات وابستہ تھیں، در اصل اس وفد کا بنگلا دیش بھیجنا آپ کی اس سوچ کا نتیجہ تھا کہ:

۱۔ اس وفد کے ذریعے بنگلا دیشی حکومت اور متعلقہ حکام کو یہ یقین دلانا تھا کہ ارکان کی تحریک آزادی کوئی شدت پسند، آتنکوادی، یا دہشت گرد تحریک نہیں ہے، جس کی وجہ سے علاقے میں کوئی مشکلات سامنے آکر بنگلا دیش کے لئے کوئی بھی خطرہ پیدا ہوجائے۔

۲۔ اس وفد کے ذریعے بنگلا دیشی حکومت اور وہاں کے متعلقہ حکام کو یہ بھی یقین دلانا تھا کہ روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) کے سرکردہ اور نمایاں لیڈران بنگلا دیش کی تحریک آزادی/ جنگ آزادی کے مخالف تھے نہ اب بھی بنگلا دیش کے کسی مفاد کے خلاف ہیں۔

۳۔ اس وفد کے ذریعے بنگلا دیشی حکام کو یہ سمجھا دینا تھا کہ ارکان اور برما کے مگھ اور برمی قوم میں تاریخی

وحشی ہیں، جن کی شر پسندی اور شرارت کے حوالے سے یہاں کی تاریخ میں بہت ساری لمبی چوڑی اور پرانی داستانیں پائی جاتی ہیں، زمانۂ قدیم کی حقائق پر مبنی ان ساری داستانوں سے قطع نظر اور تو اور بنگلا دیش میں پاکستانی عمل داری کے زمانے میں بھی انہوں نے بنگلا باسیوں کے خلاف شر پسندی پر مبنی بڑی بڑی کاروائیاں کی تھیں، جو تاریخ کے ریکارڈ کے حصے ہیں، پھر ارکان بنگلا دیش سرحد کے علاوہ چاٹگام کے پہاڑی علاقہ جات میں ان وحشیوں نے ماضی بعید وقریب میں جو وحشیانہ، متعصّبانہ اور شر پسندانہ کاروائیں کیں یا کرائیں ان کے پس منظر اور تناظر میں گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت سورج کی طرح عیاں نظر آتی ہے کہ اب بھی ان وحشیوں کی طرف سے یہ امکانات بہت زیادہ ہیں کہ یہ وحشی مگھ برمی لوگ ارکان بنگلا دیش سرحد کے علاوہ چاٹگام کے پہاڑی علاقہ جات میں نام نہاد علیحدگی پسندوں سے مل کر یا ان کو اپنے بھرپور تعاون کے ذریعے شرارت کرنا چاہتے ہیں۔ تو ان شر پسندوں کی شر پسندی اور شریروں کی شرارت کی روک تھام کے لئے روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) ہمیشہ ہمیشہ بنگلا دیش کے شانے بشانے رہنا چاہتی ہے۔

۴۔ اس وفد کے ذریعے حکومت بنگلا دیش اور یہاں کے عوام سے یہ گزارش کی گئی تھی کہ مسلم اکثریتی ارکان اسلامی بنگلا دیش کے ایک پڑوسی ملک/ علاقہ ہونے کی حیثیت سے ارکان کی تحریک آزادی اپنی کامیابی اور کامرانی کے لئے حکومت بنگلا دیش اور یہاں کے عوام سے ہر ممکنہ تعاون چاہتی ہے، جس کی یہ تحریک شدید محتاج ہے۔

بہر حال تنظیم نے اپنے چار رکنی وفد کو بنگلا دیش بھیجا، جس میں درج ذیل حضرات شریک تھے:

۱۔ جناب رشید احمد صاحب (بامونگ معروف بہ مایورے) قائد وفد۔
۲۔ جناب مولانا محمد کبیر صاحب خواندگی۔
۳۔ جناب عبدالحق صاحب علی تانجوی۔
۴۔ جناب دین محمد صاحب نور اللہ فاروی۔

بہر حال رشید بامونگ کی قیادت میں یہ وفد بنگلا دیش پہنچا، یہاں اس وفد نے متعلقہ سیاسی حکام کے علاوہ فوجی حکام سے گفتگو کی، بالآخر اس وفد سے بنگلا دیشی متعلقہ حکام نے یہ کہا کہ حتمی گفتگو کے

لئے روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) کی اعلیٰ قیادت کا بنگلا دیش آنا بہت ضروری اور اہم ہے، جب کہ یہ تو ظاہر ہے کہ اس وفد میں مجلس عاملہ کا کوئی رکن نہیں تھا۔

اراین ایل پی کا دوسرا وفد بنگلہ دیش میں:

روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) کے پہلا وفد کو بنگلا دیشی متعلقہ حکام نے یہ کہہ کر الوداع کر دیا تھا کہ ''حتمی اور فیصلہ کن بات کے لئے روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) کی اعلیٰ قیادت کو بنگلا دیش آنا بہت اہم اور نہایت ضروری ہے'' تو اس کے اگلے چند مہینے تک ایک قسم کی سرد مہری کے بعد ایک روایت کے مطابق بنگلا دیش کی طرف سے دعوت (یہ دعوت زبانی ملی یا تحریری طور پر اس کا کوئی پتہ نہیں چلا، لیکن بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ دعوت تحریری طور پر ملی تھی، مگر جہاں تک میرا اندازہ ہے کہ یہ دعوت زبانی طور پر ملی ہوگی، کیوں کہ عمومی طور پر اس نوعیت کی دعوت تحریری کے بجائے زبانی ہی ملا کرتی ہے) ملی کہ روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) کا ایک اعلیٰ سطحی وفد مذکرات کے لئے بنگلا دیش آئے۔

یہاں ایک سوال نہایت اہم اور قابل تذکرہ ہے کہ اس سے پہلے اور اس درمیانی مدت میں بھی روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) اور بنگلا دیشی حکام کے درمیان رابطے کا فریضہ کس نے انجام دیا تھا، یا دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ بنگلا دیشی حکام کی طرف سے دعوت آنے تک کی تحریک کس نے چلائی تھی؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ چوں کہ محمد جعفر حبیب اس سے پہلے بھی پاکستان کی عمل داری کے زمانے میں یہاں خاصے کام کر چکے تھے، آپ نے اس کے بعد بھی اس کا سلسلہ جاری رکھا تھا، یوں آپ ہی کی خفیہ کوشش کے نتیجے میں بنگلا دیش کی طرف سے دعوت کا آنا ممکن ہو سکا تھا، کیوں کہ آپ ہر حال میں چاہتے تھے کہ ارکانی محرکین کے ساتھ بنگلا دیش کا رشتہ مضبوطی سے جڑ کر ارکان کے حوالے سے بنگلا دیش کا ہر ممکنہ تعاون حاصل ہو جائے۔

بالآخر محمد جعفر حبیب کی خفیہ کوشش اور مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں حکومت بنگلا دیش کے متعلقہ حکام نے روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی کے ایک دوسرے وفد کو بنگلا دیش بلایا تھا، تو صدر پارٹی محمد جعفر ثانی

صاحب بذات خود وفد کی قیادت کرتے ہوئے بنگلا دیش جانے کے لئے تیار ہو گئے تھے، اور اصرار پر اصرار کرنا شروع کر دیا تھا کہ آپ اس وفد کی خود قیادت کرنا چاہتے ہیں، جو آپ کے نزدیک بنگلا دیشی حکام کا مطالبہ اور چاہت ہے۔

لیکن محمد جعفر ثانی کے برخلاف ایک اطلاع کے مطابق پارٹی کے تقریباً سارے اعلیٰ ذمے داروں کی خواہش یہی تھی کہ اس وفد کی قیادت پارٹی کے جنرل سکریٹری جناب محمد جعفر حبیب صاحب کریں، جن کے ساتھ جناب شبیر حسین صاحب جیسے دیگر تعلیم یافتہ اور کچھ تجربہ کار ساتھی بھی ہوں گے، کیوں کہ:

۱۔ محمد جعفر حبیب اس پارٹی کے تعلیم یافتہ جنرل سکریٹری ہیں۔

۲۔ محمد جعفر حبیب اس کام کے حوالے سے کافی تجربے رکھنے کے ساتھ ڈپلومیسی اور سفارت کاری کی زبان اور اس کی پیچ وخم سے بھی بخوبی واقف ہیں۔

۳۔ ان مذکورہ اوصاف وکمالات کے ساتھ آپ کو انگریزی اور بنگلا زبان کا بھی روانی سے پڑھنا اور بولنا آتا ہے۔

اس پارٹی کے چوٹی کے لیڈروں کے مطابق اگر محمد جعفر حبیب اس اعلیٰ سطحی وفد کی قیادت کریں گے اور آپ کے ساتھ شبیر حسین جیسے حضرات بھی ہوں تو سونے پر سہاگے ہونے کا امکان ہے، لیکن صدر پارٹی اور ان کے ہم نوا مانتے ہی نہ تھے، اور زور دے رہے تھے کہ اس وفد کی قیادت پارٹی کے صدر کو کرنا چاہئے، جس کا منطقی نتیجہ کیا نکلا اس کا پتہ اگلی سطور میں مل جائے گا۔

ہمارے لئے بڑی شرم کی بات ہے کہ ہمارے اس وفد کے قائد سے بنگلا دیشی حکام نے جس قسم کا تأثر لیا ہو، وہ میرے خیال میں مبنی برحق تھا، تاہم اس وفد کی قیادت کرنے کے لئے محمد جعفر ثانی کیوں مصر تھے اور محمد جعفر حبیب کے بجائے وہ بذات خود کیوں جانا چاہتے تھے؟ اس کا جواب بعض ذرائع کے مطابق یہ ہیں کہ:

۱۔ محمد جعفر حبیب کی اس پارٹی میں شمولیت کے بعد اندرون تنظیم کے علاوہ عوامی سطح پر بھی محمد جعفر ثانی کی قیادت کا وزن خفیف ہونے لگا تھا، یوں تنظیم کے اندر پائے جانے والے بعض چڑھاوا دینے والے پرانے لوگوں نے ان کو یہ کہہ کر اکسایا کہ یوں بھی آپ (محمد جعفر ثانی) پارٹی میں محمد جعفر حبیب

کے مقابلے میں خفیف ہونے جارہے ہیں، اگر آپ کے بجائے اس وفد کی قیادت محمد جعفر حبیب کریں گے تو آپ کی حیثیت مزید گر کر صفر کی حد کو پہنچ جائے گی، عوام یوں بھی آپ کو ناخواندہ ہونے کے طعنے دیتے ہیں، یوں آپ کو اس بار خواندہ ہونے کا ثبوت دینا چاہئے۔

۲۔اس کے علاوہ عرصہ دراز سے محمد جعفر ثانی کو جس انداز سے سراہا گیا، ان کی شان میں قصیدے پر قصیدے گائے گئے، ان کی مدح سرائی پر مشتمل راگنی الاپی گئی تھی، ان کی وجہ سے ان کے اندر ایک قسم کا گھمنڈ سا پیدا ہو چکا تھا، وہ کیا اہل دانش کے مشورے سنتے؟ ان کے نزدیک وہ آدمی قوم وملت اور وطن کا ایک خطرناک مجرم ہے جو ان کے کہنے پر اٹھنے بیٹھنے اور ناچنے کودنے کے بجائے کچھ نیک مشورہ دیتا ہو، ویسے اب کی بار بھی بعض ذرائع کے مطابق معاملہ ویسا ہوا تھا، چنانچہ جناب شبیر حسین صاحب نے ان کو یہ مشورہ دیا تھا کہ:

> ''جناب من! ایک طرف آپ سفارت کاری اور ڈپلومیسی کی زبان سے نابلد ہونے کے علاوہ انگریزی اور بنگلا زبانوں سے بالکل ناواقف ہیں، تو دوسری طرف آپ کی زبان میں کافی تتلاپن کے ساتھ خاصی لکنت بھی پائی جاتی ہے، اس لئے آپ کا اس وفد کی قیادت کرتے ہوئے بنگلا دیش جانا مناسب نہیں ہوگا''۔

لیکن محمد جعفر ثانی پر شبیر حسین صاحب کے مشورے کا الٹا اثر ہو گیا تھا، چنانچہ انہوں نے بڑے اتراتے ہوئے جواب دیا کہ ''دیکھو! میں وہاں جا کر کیا کرتا ہوں، ایسا کردار ادا کروں گا جو تمہارے خواب وخیال سے بھی باہر ہے۔

دراصل ناخواندگی یا خاطر خواہ تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے محمد جعفر ثانی کو پتہ ہی نہیں چلا کہ پروٹوکول کیسے لیا جاتا ہے، سفارت کاری اور ڈپلومیسی کس بلا کا نام ہے، ظاہر ہے کہ ان کی زندگی جس ماحول میں گزری، ان کا نشوونما جس فضا میں ہوا، وہاں مذکورہ چیزوں سے کیا لینا دینا؟ ورنہ کہتے ہیں کہ بنگلا دیش میں ان کے ساتھ اس وفد کا جیسا خیر مقدم ہوا اور جو پروٹوکول دیا گیا تھا، انہوں نے اسے قبول کرنا تک نہیں جانا تھا۔

۱۹۷۴ء میں روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) پر حکومت برما کی جانب سے سخت سے سخت ترین فوجی دباؤ پڑا، آئے دن اس کے خلاف میجر آپریشن ہوتا رہا تھا، جس کی تاب نہ لا کر محمد جعفر ثانی کی قیادت والی یہ پارٹی ارکان بنگلا دیش سرحد چلی گئی تھی، اب پارٹی میں جوڑ توڑ کے ساتھ کافی

افراتفری شروع ہو چکی تھی، ظاہر ہے کہ محمد جعفر ثانی کے اندر ایسی صلاحیت ہی نہیں تھی کہ جن کے ذریعے ایسے حالات میں پارٹی کو افراتفری سے بچا کے صحیح راستے پر لایا جا سکے۔

علاوہ ازیں اس پر مستزاد یہ ہے کہ محمد جعفر ثانی اور ان کے ناخواندہ نام نہاد دیرینہ ساتھیوں کو یہ بھی گوارہ نہ تھا کہ ایسے حالات میں قیادت کی باگ ڈور محمد جعفر حبیب یا کسی تجربہ کار دانش مند کا حوالہ کردیا جائے، تو ایسے حالات میں محمد جعفر حبیب سمیت اکثر دانشوروں نے یہی فیصلہ کیا کہ اب پارٹی میں رہنے کے بجائے اس سے علیحدگی اختیار کرنے کے ساتھ ایک نئی جماعت کی تشکیل ناگزیر ہے، چنانچہ انہوں نے اس پارٹی سے علیحدگی اختیار کرلی، جس کے چند دن بعد روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) بھی چند دھڑوں میں تقسیم ہوگئی، جن کے اجمالی احوال یہ ہیں:

۱۔محمد جعفر ثانی دھڑا: روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) چند دھڑوں میں تقسیم ہونے کے چند دن بعد خود محمد جعفر ثانی والے دھڑے نے بنگلا دیشی فوجی حکام کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دیے تھے۔

۲۔ محمد قاسم علی دھڑا: اس دھڑا کے لیڈر نے اگرچہ بابانگ دہل یہ دعوی کردیا تھا کہ روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) کے صدر وہ ہے، لیکن اگلے چند دن کے میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تشکیل عمل میں آئی تو اس نے اپنے پاس کے تمام اسلحہ جات اس نئ تشکیل شدہ تنظیم کا حوالہ کرئے تھے، لیکن نہایت افسوس کا مقام ہے کہ جبھی یہ اطلاع رشید بامونگ کو ملی تو اس نے ار پی ایف پر حملہ کر کے سارے ہتھیار اس سے چھین لئے تھے۔

۳۔ رشید بامونگ دھڑا: اس دھڑا کے پاس کافی اسلحہ جات تھے، لیکن اس نے بھی اگلے چند مہینے گزرتے نہ گزرتے اپنے سارے ہتھیار بنگلا دیشی فوجی حکام کے حوالے کردیے تھے۔

۴۔ مولانا محمد کبیر دھڑا: اس دھڑا نے بھی اپنے پاس کے سارے ہتھیار بنگلا دیشی فوجی حکام کے حوالے کردیے تھے۔

۵۔ ابوبکر صدیق دھڑا: اس دھڑا نے بھی اپنے تمام ہتھیار بنگلا دیش کے حوالے کردیے تھے۔

۶۔محترم جناب ابوالہاشم اور لقمان حکیم صاحب والا دھڑا: اس دھڑے نے اپنے پاس کے تمام ہتھیار روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے حوالے کیے، جس کی قدرے تفصیلات انشاءاللہ اگلی سطور میں آرہی ہیں۔

روہنگیا فدائینِ محاذ (RPF):

راقم سطور کے خیال میں روہنگیا فدائینِ محاذ (RPF) کی پہچان درحقیقت ہمارے عظیم قائد و رہنما محمد جعفر حبیب کی نرالی شان سے عبارت ہے، اگر چہ آپ کی سیاسی اور ایک حیثیت سے انقلابی زندگی آپ کی تعلیمی زندگی سے شروع ہو چکی تھی اور روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کے علاوہ روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) کے دوران آپ کی ذات و شخصیت قومی سطح پر ابھر کر سامنے آئی تھی، لیکن عمومی طور پر آپ کی انمول اور نرالی شخصیت کی سب سے بڑی شان روہنگیا فدائینِ محاذ (RPF) میں آپ کے کردار سے ظاہر ہوئی تھی۔

روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) میں محمد جعفر حبیب اور آپ کے ساتھیوں کی شمولیت کی چند وجوہات تھیں، جو درج ذیل ہیں:

ا۔ اس پارٹی میں شامل ہونے میں آپ اور کے رفقائے کار کی خاصی مجبوریاں تھیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ ۱۹۷۲ء میں بنگلا دیش وجود میں آ گیا تو ایک طرف بنگلا دیشی مکتی بھانی نے آپ اور آپ کے رفقائے کار پر یہ الزام لگانا کہ آپ اور آپ کے احباب پاکستانیوں کے ساتھ دوران جنگ ساز باز کرتے تھے۔

یہ الزام دراصل ایک الزام ہی تھا، حقیقت میں اس حوالے سے ہمارے یہ حضرات سرے سے معصوم اور غیر جانب دار تھے، کیوں کہ یہ چاہتے نہیں تھے کہ پاکستان ٹوٹ کے برصغیر کی واحد اسلامی ریاست کم زور ہو جائے، جس کے اثرات اور تو اور ارکان اور یہاں کے مظلوم مسلمانوں پر سب سے زیادہ پڑنا یقینی تھے، جو بعد میں پڑے بھی ہیں، پھر دوسری طرف بعض پاکستانی خوانین کے ہاتھوں بنگالی مسلمانوں پر جو شدید مظالم ہو رہے تھے ان کو اس حقیقت پر بھی شدید درد و غم تھا، یہ وہی مظالم تھے جنہیں دین و ایمان اور انسانیت کی خلاف ورزی سے تعبیر کیا گیا تھا، تو ایسے حالات میں آپ کی چاہت و خواہش تھی کہ مملکت خداداد پاکستان کے ٹوٹنے کی شکل میں امت مسلمہ کا شیرازہ بھی بکھر نہ جائے اور ساتھ ہی ساتھ پاکستانی خوانین کے مظالم بھی بند ہو کر بنگالیوں کو ان کے جائز حقوق مل جائیں۔

درحقیقت ہمارے قائد کے اس معتدلانہ نظریہ کے حوالے سے سچ کہا جائے تو بنگالیوں کا عظیم قومی لیڈر مرحوم شیخ مجیب الرحمن صاحب کا بھی بنگلا دیش کی مکمل آزادی کی کال سے پہلے وہی مطالبہ تھا، جو ہمارے قائد کا تھا، لیکن افسوس ہے کہ شاید کسی ایک بڑی سازش کے تحت ہو کہ بنگلا دیش کی آزادی کے بعد محمد جعفر حبیب اور آپ کے رفقائے کار کے سروں پر یہ الزام تھونپ دیا گیا تھا کہ انہوں نے بنگلا دیش کی آزادی کی مخالفت کرتے ہوئے بنگلا دیشی مکتی بھانی کے خلاف ہمیشہ پاکستانی خون خواروں کا ساتھ دیا تھا، ویسے ۱۹۷۲ء کے دوران ہمارے ان غیر جانب دار اور معتدلانہ مزاج کے لیڈروں کے لئے بنگلا دیش کی زمین تنگ کر دی گئی تھی، اور یہ تب تک تنگ تھی کہ جب تک بنگلا دیش میں عام معافی کا اعلان نہیں ہو گیا تھا۔

۲۔ دوسری طرف روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کے زمانے سے اندرون وطن میں محمد جعفر حبیب کی ذات اور شخصیت ابھر کر اتنی سامنے آئی کہ جیسے صبح سورج طلوع ہو کر دنیا کے سامنے آتا ہے، یوں برمی شدت پسند حکومت نے آپ اور آپ کے بعض رفقائے کار کے سروں کی قیمت کا اعلان کر رکھا تھا، تو ایسے حالات میں آپ جائیں تو کدھر جائیں؟ ایک طرف ظاہر ہے کہ بنگلا دیش کی زمین بھی ان کے لئے تنگ تو دوسری طرف ان کے لئے اپنے وطن کی زمین بھی حرام، تو مجبوراً آپ کو روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی میں ہی پناہ لینا پڑا تھا۔

۳۔ روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی میں پناہ لینے کے اسباب میں سے میرے خیال میں سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ۱۹۷۰ء کے دوران چوں کہ روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس کے نمایاں اراکین اور لیڈروں نے ترک وطن کر کے اوچوکھایا (اوسوکیا) میں ایک معسکر کی بنیاد ڈالی تھی، جن کی نیک خواہش تھی کہ برمی درندوں کے خلاف مسلح کاروائیاں کی جائیں، تاہم بعض ناگزیر حالات کے ساتھ بعض مجبوریوں کی وجہ سے یہ کاروائیاں نہیں ہو سکی تھیں، لیکن محمد جعفر حبیب اور آپ کے تمام رفقائے کار ذہنی طور پر مسلح کاروائیوں کے لئے تیار ہو چکے تھے، یوں ۱۹۷۲ء میں ایک جانب ہر چند مجبوریاں تو دوسری طرف روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی میں شمولیت کی دعوت تو درج ذیل فوائد کے پیش نظر آپ نے اس مؤخر الذکر تنظیم میں شرکت کو مناسب سمجھا کہ:

(الف) کہنے میں تو آسان لیکن برمیوں کے خلاف باضابطہ مسلح کاروائیاں کرنا اتنا آسان کام نہیں تھا، جسے تب تک ذہنی اور فکری طور پر سبھی محمد جعفر حبیب بخوبی سمجھتے تھے، ویسے اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے آپ نے فیصلہ کیا کہ روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (یاد رہے کہ آپ کی شمولیت سے پہلے اس پارٹی کا نام ''روہنگیا آزاد فوج'' تھا، جس کا تذکرہ سطور بالا میں گزر چکا ہے) میں شرکت نے آپ کی ممکنہ اگلی جنگی تیاری کے حوالے سے کچھ مسائل حل ہو جائیں گے، لیکن بعد میں اس حوالے سے بھی بعض وجوہات کی بنیاد پر آپ کو ناکامی کا چہرہ دیکھنا پڑا تھا۔

(ب) ناخواندگی، جہالت کے ساتھ ذہنی، فکری اور عسکری تربیت کے فقدان کی وجہ سے روہنگیا آزاد فوج جس افراتفری، بدعنوانی اور بدکرداری کی شکار تھی، اسے اصلاح کر کے قومی مفاد میں لانا بھی تو ایک عظیم کام تھا، جسے ایک قومی ذمے داری کے ساتھ ملی فریضے سے بھی تعبیر کیا جا سکتا تھا، یوں اس حوالے سے بھی کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے اس تنظیم میں بحیثیت ایک مصلح شرکت کی تھی، جس میں آپ تھوڑے کامیاب بھی ہوئے تھے، کاش آپ اور آپ کے پڑھے لکھے رفقائے کار کے خلاف وسیع پیمانے پر سازش نہ ہوئی ہوتی تو آپ پوری طرح کامیاب ہو جاتے۔

لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ظالموں نے بالآخر آپ کو کامیاب ہونے نہیں دیا، دراصل دشمن مگھ برمیوں کی سازش بعض یہاں کے لوگوں کی ناخواندگی اور جہالت کے راستے گھس چکی تھی، جس میں کچھ ایسے جاہل اور ناخواندہ لوگ بھی تھے، جنہوں نے اس سے پہلے محمد عباس اور محمد قاسم راجا کو تباہی کی اندھیری وادی میں لا کر ختم کیا تھا، وہ لوگ جاہل اور ناخواندہ تو تھے ہی پھر ساتھ ساتھ اتنے خودسر بن چکے تھے کہ چہ جائیکہ ان کے سامنے کوئی انسان حقیقت اور واقعیت پر مبنی کسی قسم کی حرکت کرتے بلکہ کسی پرندے کا پھر مارنا تک ان کو گوارہ نہیں ہوتا تھا۔

محمد جعفر حبیب اور آپ کے رفقائے کار نے یہاں اصلاح کرنے کی کوششوں میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، لیکن آخر کار آپ کو اس حوالے سے وہ خاطرخواہ کامیابی نہیں ملی جس کی توقع آپ اور آپ کے پڑھے لکھے رفقائے کار کو تھی، ویسے ۱۹۷۳ء کے اوائل میں آپ کو دوسرا قدم اٹھانا پڑا، جو بعد میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی شکل میں ظاہر ہوا تھا۔

روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تاسیس:

محمد جعفر حسین ثانی مذکورہ بنگلا دیشی دورہ کے بعد جنگل کو چلے گئے تھے، لیکن ان کا اہم ساتھی اور رفیق سفر جناب شبیر حسین صاحب فوٹما لوی بی اے نے ان کے ساتھ جنگل جانے سے معذرت کر لی، کیوں کہ آں جناب کو بنگلا دیشی متعلقہ حکام یا بنگلا دیشی خبر رساں ایجنسی والوں کی بات نہ صرف پسند آئی بلکہ ان پر یقین سا ہو گیا تھا کہ اب علمائے کرام اور دانشوران عظام پر مشتمل ایک جماعت تشکیل دی جائے گی تو بنگلا دیشی حکومت ان کی بھرپور مدد کرے گی، جس کی روہنگیا مسلمانوں کو شدت سے انتظار ہے، اس حوالے سے راقم نے اپنی تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی'' میں جو ریمارک (REMARK) دیا تھا اس سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو کہ:

> ''درحقیقت بنگلا دیشی فوجی حکام کی زبان سے یہ ایک وعدہ نہ تھا، بلکہ ایجنسی کی طرف سے یہ ایک زہر ہلاہل کی گولی تھی، جس نے جلد اور پہلے پہل میں جناب شبیر حسین صاحب کو متأثر کر لیا تھا، یہ وعدہ کی شکل میں پھول کی چھری تھی، جو اپنے دامن میں انگنت نزاکت رکھنے کے باوجود کسی کے دل کو زخم سے چور اور چہرے کو پسینے سے شرابور کر دینے کی صلاحیت رکھتی تھی، اب شبیر حسین صاحب نے فرط مسرت میں جعفر ثانی اور ان کے کردار و عمل، چال چلن پر سخت ملامت شروع کر دی، آنکھ سے آنکھ ملاتے ہوئے سست کہا گیا تو جعفر ثانی بڑے پریشان ہو کر پھولوں کی طرح کملائے پڑے تھے، آخر کار وفد سرحد کو پہنچا، لیکن شبیر حسین صاحب نے قائد کے ساتھ دوبارہ جنگل کو جانا اپنی جان کے لئے بہت بڑا خطرہ سمجھ چکا تھا، یوں جنگل جانے سے معذرت کی''۔

محمد جعفر ثانی تو جنگل اپنے مستقر کو چلے گئے تھے، لیکن جب شبیر حسین صاحب نے محمد جعفر حبیب سمیت پارٹی کے ہم خیالوں سے اپنے طور پر رابطہ کیا تھا، ویسے محمد جعفر حبیب اور آپ کے سب ہم خیال پارٹی کو چھوڑ کر سرحد چلے آئے تھے۔

۱۲/اکتوبر ر ۱۹۷۳ء میں ایک نئی تنظیم کی تاسیس کے لئے چاک ڈالا (درۂ چاک) میں قائدین

جمع تھے،جس میں حالات حاضرہ کا جائزہ لیا گیا تھا، یہاں جمع ہونے والے بعض حضرات کا مشورہ تھا کہ روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس کی احیاء کی جائے، کیوں کہ اس کی شہرت قومی سطح پر ہو چکی تھی، اور جس کے بہت سارے قابل قدر ممبران اندرون وطن میں ہیں،لیکن اکثریت کا مشورہ تھا کہ ایک نئے نام کا انتخاب کیا جائے، یوں اس مجلس میں اگلی ہونے والی ممکنہ تنظیم کے بہت سے نام پیش کئے گئے،لیکن مسٹر شبیر حسین نے روہنگیا پیٹرائٹک فرنٹ (RPF) یعنی روہنگیا فدائین محاذ جیسا خوب صورت نام پیش کیا تو تمام مشارکین نے اس نام پر اتفاق کرلیا، یوں ایک نئی تنظیم اب عالم شہود پر آ گئی تھی۔

ادھر محمد قاسم علی صاحب اور اس کی پاٹی نے محمد جعفر حبیب سے خط کے ذریعہ رابطہ کیا تھا،لیکن محمد جعفر حبیب نے اس کے خط کا کوئی جواب نہ دیا، اب شونا علی صاحب اس مسئلہ پر بڑے پریشان تھے، چنانچہ اس بارے میں محمد جعفر حبیب سے پوچھا گیا تو جواب ملا کہ:

> ’’چونکہ قاسم علی کے پاس بہت سارے اسلحے ہیں، آپ حضرات ہتھیار اٹھانے کے سوال پر مشورہ کرنے کے لئے ابھی ارکان گئے ہوئے ہیں، نہ جانے ممبروں کی رائے اثبات میں ہوگی یا نفی میں؟ اس غیر یقینی اور متردد صورت حال میں ہم قاسم علی اور اس کی جماعت کے اسلحے کیسے لے سکتے ہیں؟‘‘۔

۱۲/اکتوبر/۱۹۷۳ء میں اگر چہ چاک ڈالا کے مقام پر روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے نام کی تجویز پاس ہوئی تھی لیکن جناب شونا علی صاحب کی قیادت میں اندرون وطن جانے والے وفد کے واپسی تک اس کا اعلان نہیں کیا گیا تھا، ویسے وفد کی کامیاب واپسی پر ایک اجلاس منعقد کیا گیا،جس میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) نے اپنے اعلان کے ساتھ یہ بتایا کہ آج سے روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس کالعدم سمجھی جائے گی، اور جس کی جگہ روہنگیا فدائین محاذ (RPF) قومی کام کرے گی، اور اسی اجلاس میں مجلس عاملہ بھی تشکیل دی گئی،جس کے اراکین یہ تھے:

<u>اراکین مجلس تاسیسی اور عاملہ:</u>

(۱) صدر: جناب محمد جعفر حبیب علی چنگی، بوسیدنگ۔

(۲) جنرل سکریٹری: جناب شبیر حسین فوئمالوی، بوسیدنگ۔

(۳) مشیر اعلی: جناب شونا علی صاحب دابری چونگی، بوسیدنگ۔

(۴) مشیر اعلی: جناب دلیل احمد صاحب رنگیا دنگی، بوسیدنگ۔

(۵) مشیر اعلی: جناب ابوالفیاض صاحب نافیتا رڈیلی، منگڈو۔

(۶) مشیر اعلی: محمد حسین صاحب فیتو رفاروی، بوسیدنگ۔

(۷) مشیر اعلی: مولانا محمد کبیر صاحب خواندنگی، بوسیدنگ۔

ان کے علاوہ مسٹر عبدالغنی، عبدالحق، عبدالصمد، عبدالرحیم کے نام بھی ملتے ہیں۔

<u>روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے اعلان کے بعد:</u>

ادھر آر پی ایف وجود پر آ گئی تو ادھر آر این ایل پی کے اندر سیاسی رسہ کشی اور علیحدگی کی بیماریاں حد سے بڑھ کر ایک وبا کی شکل اختیار کر چکی تھیں، پارٹی برائے نام تھی، تقریباً ہر فرد اپنے آپ کو منصب قیادت کی بلند کرسی پر دیکھنا چاہ رہا تھا۔

دراصل روہنگیا نیشنل لیبریشن پارٹی (RNLP) محمد جعفر حبیب اور آپ کے رفقائے کار کی علیحدگی کے بعد چند دھڑوں میں تقسیم ہو چکی، جس کا اجمال پچھلی سطور میں بیان کیا گیا ہے، یہاں ان متحارب دھڑوں کی قدرے تفصیلات ہی ہیں کہ:

۱۔ محمد قاسم علی دھڑا: محمد جعفر ثانی کے بنگلادیشی فوجی حکام کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے بعد دوسرے تیسرے دھڑوں کے قائدین کی طرح وہ بھی اس پارٹی کے صدر ہونے کے مدعی تھے، اس دھڑے کے حوالے سے یہ بات پچھلی سطور میں گزر چکی ہے کہ قاسم علی نے جناب شونا علی کے ساتھ ملاقات کی تھی، اور اس خواہش کا برملا اظہار کیا تھا کہ وہ روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتا ہے، اور اس سلسلے میں محمد قاسم علی صاحب نے بذریعہ خط محمد جعفر حبیب سے رابطہ بھی کیا تھا۔

ایسے حالات میں روہنگیا نیشنل پارٹی کے چند گروپوں نے آپس کی ملی بھگت سے ایک اجلاس بلایا، اور اصرار کیا گیا کہ روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے لیڈران اس میں شامل ہوں، دعوت شرکت

ملی تو ار پی ایف کے چوٹی کے ممبروں میں اختلافات شروع ہو گئے تھے، تقریباً صرف مسٹر شونا علی صاحب کے علاوہ تمام ممبران اجلاس میں شرکت کرنے کے حق میں تھے، مسٹر شونا علی صاحب شرکت کرنے کو نہ صرف بے فائدہ سمجھتے بلکہ پارٹی اور جان کے لئے خطرہ بھی سمجھتے تھے، ویسے انہوں نے یہ کہہ کر شرکت کرنے سے معذرت کی کہ اجلاس میں شرکت کرنا دانستہ طور پر موت کو آواز دینے کا مترادف ہے، لیکن ان کے خلاف جعفر حبیب اور ان کے بعض رفقائے کار کا کہنا تھا کہ اگر موت بھی آ جائے تو بھی ہم ضرور اجلاس میں شرکت کریں گے، پھر شونا علی صاحب نے کہا کہ اگر تم اجلاس میں شرکت کرو گے تو آج سے میں پارٹی سے علیحدہ ہوں، اب شونا علی صاحب نے دیکھا کہ وہ لوگ اجلاس میں ضرور شرکت کرنے والے ہیں تو انہوں نے پارٹی سے اپنی علیحدگی کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ اب میں جا رہا ہوں، یہ کہہ کر چل پڑے تو کسی نے ان کو نہ روکا، اس کے بعد مسٹر شونا علی صاحب نے ار پی ایف سے ہمیشہ کے لئے علیحدگی اختیار کر لی، اور مرتے دم تک کسی پارٹی کے نام پر عملاً جنگل کا نام نہ لیا۔

بالآخر جعفر حبیب اور ان کے بعض رفقائے کار اجلاس میں شریک ہوئے تو وہاں انہیں بڑے پریشان کن حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا، درحقیقت اراین ایل پی والوں کے دل صاف نہ تھے، انہوں نے اجلاس میں ار پی ایف والوں کو صرف دھوکہ دینے کے لئے بلاوا بھیجا تھا، پھر اجلاس میں پریشان کن گفتگو سے ار پی ایف والوں نے جلد بھانپ لیا کہ موت کا سایہ ان کے سر پر منڈلا رہا ہے، اور وہ موت کی اندھیری وادی میں داخل ہو چکے ہیں، تو انہوں نے بہانے تراشے، اور کہا کہ جلسہ آج ملتوی کیا جائے، کل انشاء اللہ اس جگہ پر پھر جلسہ شروع ہوگا، ویسے ار پی ایف کے لیڈروں نے جان بچائی تھی۔

تاہم یہ ساری چیزیں محمد قاسم علی صاحب نے بنظر غائر دیکھیں تو اس نے فیصلہ کر لیا کہ کم سے کم اس کے پاس کے سارے اسلحہ جات روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے حوالے کر دیے جائیں، چنانچہ اگلے چند دن کے اندر ہوا بھی یہی تھا، لیکن افسوس ہے کہ روہنگیا نیشنل پارٹی کے اور ایک دھڑا جس کی قیادت رشید باموئنگ کر رہے تھے نے ار پی ایف پر حملہ کر کے سارے اسلحہ جات چھین لئے تھے۔

۲۔ روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) کا دوسرا دھڑا جس کی قیادت مولانا محمد کبیر صاحب خواندگی کر رہے تھے، انہوں نے بھی محمد جعفر حسین ثانی کی طرح ار پی ایف کے اعلان سے قبل

اپنے پاس کے ہتھیار بنگلا دیشی فوجی حکام کے سامنے ڈال دیے تھے، لیکن انہوں نے ار پی ایف والوں پر یہ الزام لگایا کہ اراین ایل پی کے جتنے اسلحہ جات بنگلا دیشی حکومت کے ہاتھ چلے گئے تھے اس واقعہ میں ار پی ایف والوں کا ہاتھ ضرور ہیں، مولانا کے مطابق پہلے تو اراین ایل پی کے ساتھ بنگلا دیشی فوجی حکام کا رابطہ اس کے ایک مشہور ممبر جناب سجاد روا سوگری کی ثالثی کی وجہ سے ہوا، انہوں نے اس کار خیر کے لئے اپنے کو قربان کر دیا تھا اور وہ کامیاب بھی ہوئے تھے، اس سلسلے میں میجر عبدالرزاق اور اراین ایل پی کے دوسرے تیسرے دھڑوں کے درمیان ثالثی کا فریضہ بھی جناب روا سوگری نے انجام دیا تھا۔

یہاں ابوالہاشم اور لقمان حکیم صاحبان کے تذکرے نہ کئے جائیں تو نہایت ناسپاسی ہوگی، کیوں کہ ان دونوں بھائیوں نے روہنگیا نیشنل لیبریشن پارٹی (RNLP) کے بڑی تعداد میں اسلحے بنگلا دیشی فوجی حکام کے پاس جمع ہونے اور ان پر مسلسل دباؤ ڈالے جانے کے باوجود اپنے پاس کے اسلحے سنبھالنے میں کامیابی حاصل کی، جو بالآخر قوم کے کام آئے تھے، ان دونوں بھائیوں کے متعلق اور تو اور محترم نور الاسلام صاحب (حالیہ صدر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی زبانی یہ بات سن رکھی تھی کہ:

> ''یہ دونوں بھائی حقیقت میں قوم کے مخلص خادم تھے، جنہوں نے بانیٔ تحریک محمد جعفر حسین قوال کے زمانے میں اس قافلہ سخت جان میں شرکت کی، پہاڑیوں میں زندگیاں گزاریں، اور مرتے دم تک اس قافلے سے کبھی جدا نہیں ہوئے تھے''۔

بہر حال ان دونوں بھائیوں نے اپنے پاس کے اسلحہ جات ار پی ایف کے حوالے کرنے کے ساتھ اس تنظیم میں شامل ہو کر مخلصانہ طور پر کام کرتے رہے تھے، اس کے بعد ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) میں رہ کر ابوالہاشم صاحب نے انتقال کیا، لیکن لقمان حکیم صاحب کو میں نے ان کی پچاسی سالہ عمر میں دیکھا کہ اس بڑھاپے کے عالم میں بھی وہ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) میں شامل تھے، اور ایسا لگتا تھا کہ ابھی بھی ان کی عمر تیس چالیس کے درمیان ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ روہنگیا نیشنل لیبریشن پارٹی (RNLP) کے ہتھیار ڈالنے کے بعد محمد

جعفر حسین قوال کا سنہرا جہادی سلسلہ ختم ہو جاتا اگر ابوالہاشم اور لقمان حکیم اور ان کے پاس والے اسلحہ جات نہ ہوتے۔

۱۹۷۴ء کا زمانہ تھا کہ ایک طرف روہنگیا نیشنل لیبریشن پارٹی (RNLP) کالعدم ہو چکی اور روہنگیا فدائین محاذ (RPF) بھی غیر مسلح تھی، ایسے حالات میں محمد جعفر حبیب اور ان کے ساتھی دنگل سے باہر نکل آئے اور اس کے بعد خود محمد جعفر حبیب نے ''ہوٹل انٹرنیشنل چاٹگام'' کی منیجری سنبھال لی تھی، ویسے ۱۹۷۴ء سے لے کر ۱۹۷۵ء کے ابتدائی مہینوں تک روہنگیا فدائین محاذ (RPF) تقریباً ایک لاشۂ بے جان بن کر رہ گئی تھی، جناب شبیر حسین صاحب کی حالت بڑی قابل رحم تھی، آپ آوارہ بادلوں کی طرح مارے مارے پھر رہے تھے، تاہم ایسی حالت میں بھی روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی ایک غیر متحرک مجلس عاملہ تھی، جس میں درج ذیل حضرات شامل تھے:

۱۔ جناب محمد جعفر حبیب صاحب علی چنگی: صدر۔
۲۔ جناب نورالاسلام صاحب شیل خالوی: نائب صدر۔
۳۔ جناب شبیر حسین صاحب فوئمالوی: جنرل سکریٹری۔
۴۔ جناب الحاج سلیم احمد صاحب خیر فاروی: رکن۔
۵۔ جناب عبدالرشید بن الحاج بشیر احمد صاحب شجاع فاروی: رکن۔
۶۔ جناب محمد اشرف العالم صاحب نیا فاروی: رکن۔
۷۔ جناب ابوطالب صاحب: رکن۔
۸۔ جناب ابوالفیاض صاحب نیاروی: رکن۔

روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تجدید:

روہنگیا قوم کی تحریک آزادی کی تاریخ میں ۱۹۷۴ء کے ابتدائی مہینوں سے لے کر ۱۹۷۵ء کے ابتدائی مہینوں تک میرے خیال میں پہلی مرتبہ ہمارے سیاسی اور انقلابی میدان میں ایک طرح کی

خاموشی چھا گئی تھی، لے دے کر دو برادران جن کے قدرے تذکرے پچھلی سطور میں گزر چکے ہیں، یعنی ابوالہاشم اور لقمان حکیم صاحبان روہنگیا قوم کے بچے کچے سروسامان کسی طرح تھامے پہاڑوں میں اللہ اللہ کی زندگی گزار رہے تھے، ان دونوں کی گمنام زندگیوں کو چھوڑ کر میدان بالکل خالی ہو چکا تھا، جس طرح عرض کی گئی ہے کہ محمد جعفر حبیب چاٹگام میں دم واپسیں لے رہے تھے، جناب شبیر حسین صاحب بڑے پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر پھر رہے تھے، روہنگیا تحریک کا ایک غیر متحرک عاملہ تو تھا، لیکن وہ کسی نام کی حد تک اگلی کسی خوش خبری یا کرشمہ کا منتظر، یعنی منتظر فردا، ایسے حالات میں اندرون وطن میں روہنگیا جمعیت علماء کے چند لیڈران حرکت میں آ گئے تھے، جن میں سے چار بزرگ ترین شخصیات چاٹگام تشریف لائیں، جو یہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہری کوار بیلی۔
۲۔ حضرت مولانا حافظ محمد حبیب اللہ صاحب سمبنوی۔
۳۔ حضرت مولانا محمد زکریا محدث مدرسہ اشرف العلوم نوراللہ فارہ۔
۴۔ جناب ماسٹر عبدالغفار صاحب نکھوروی۔

ان حضرات نے حضرات مولانا شفیق احمد صاحب کی رہائش گاہ میں ٹھہرتے ہوئے چاٹگام میں پائی جانے والی روہنگیا برادری کے بڑے بڑوں سے چند ملاقاتیں کیں، اور میدان کے حوالے سے کام کرنے والے چند حضرات سے بھی چند جلسے کئے، لیکن اتنی کوششیں کرنے کے باوجود مایوس ہو کر وطن جا رہے تھے۔

دفعتاً چاٹگام کے بس اسٹیشن میں ان حضرات کی ملاقات الحاج ایم اے کلام خونیہ فاروی سے ہو گئی تھی، جناب حاجی صاحب ان حضرات کی تشریف آوری کے مقاصد اور یہاں کے روہنگیا دل جلے افراد سے ان کی متعدد ملاقاتیں اور ان کے ساتھ کئے گئے اجلاس اور ان کی ناکامی سے باخبر تھے، اب حاجی صاحب نے ان سے گزارش کی:

> ''اس طرح ناکام ہو کر واپس جانے کے بجائے دوبارہ کوشش کرنا ہی بہتر ہوگا، اللہ تعالی کی رحمت شامل حال ہوئی تو ضرور ہم کامیاب ہوں گے، اس سلسے میں حاجی

صاحب نے مزید کہا کہ ''اب کی بار ہم سب مل کر کوشش کریں گے، خدا کرے تو مثبت نتیجہ ضرور برآمد ہوگا''۔

حاجی صاحب کی اس امید افزا گزارش کو سن کر ان بزرگ ترین حضرات نے اپنی واپسی ملتوی کردی، اور ان سارے لوگوں کی کوشش کے نتیجے میں جناب عثمان جوہر کی رہائش گاہ ''نالہ فارہ چاٹگام'' میں ایک اجلاس بلانے میں کامیابی ملی، جس میں درج ذیل حضرات نے شرکت کی تھی:

(۱) حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہری، کواربیلی، منگڈو۔
(۲) حضرت حافظ حبیب اللہ صاحب سمبنوی، منگڈو۔
(۳) جناب ماسٹر عبدالغفار صاحب نکھوروی، منگڈو۔
(۴) الحاج جناب محمد ابوالکلام صاحب خونیہ فاروی۔
(۵) الحاج جناب محمد زہیر صاحب خایونگ خالوی، منگڈو۔
(۶) جناب ماسٹر شونا علی صاحب دابری چونگی، بوسیدنگ۔
(۷) جناب محمد جعفر حبیب صاحب علی چنگی، بوسیدنگ۔
(۸) جناب عثمان جوہر صاحب ذیمنگ خالوی، منگڈو۔
(۹) حضرت مولانا محمد زکریا محدث مدرسہ اشرف العلوم نوراللہ فاروی، منگڈو۔

یہ قابل قدر اجلاس ایک روایت کے مطابق ۱۸/ مارچ/ ۱۹۷۵ء سے شروع ہوکر ۲۲/ مارچ/ ۱۹۷۵ء تک مسلسل جاری رہا، جس میں حالات حاضرہ کے بھرپور جائزہ کے ساتھ مختلف ضروری موضوعات پر گفت وشنید اور مشورے ہوتے رہے تھے، لیکن بات وہاں جا اٹکی کہ مستقبل میں اس تحریک کے قائد کون ہوگا؟ اس حوالے سے رقم سطور نے اپنی تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی'' میں یوں لکھا ہے کہ:

''یہ اجلاس ۱۸/ مارچ/ ۱۹۷۵ء سے شروع ہوکر بائیس مارچ تک چلتا رہا، جس میں بہت سارے موضوعات پر گفتگو ہوئی تھی، لیکن ساری کی ساری کسی عنقاء کی تلاش بن کر رہ گئی تھی، ساری باتیں صرف اور صرف ایک قائد تحریک کی تلاش اور

اس کے انتخاب پر تھیں، ہر چند کوشش کی گئی تھی لیکن تمام حاضرین کو کسی ایک آدمی پر متفق نہ کیا جاسکا تھا، اب اجلاس پھر ختم ہونے جا رہا تھا، ٹھیک اسی وقت جناب محمد جعفر حبیب (مرحوم) نے ایک تجویز پیش کی کہ قائد تحریک کے انتخاب کا مسئلہ علمائے ارکان میں سے چند نامور بزرگوں کا حوالہ کیا جائے، اب ان کی خوب صورت تجویز پر تمام لوگ متفق ہوگئے تو علمائے ارکان میں چند ارباب بست وکشاد کی تلاش شروع ہوگئی، اور متفقہ ووٹ پانچ نامور شخصیتوں کے حق میں پڑے تھے''۔

اس کے بعد پروگرام ایسا بنایا گیا کہ ۲۸/ مارچ/ ۱۹۷۵ء کو مدرسہ اشرف العلوم نوراللہ فارہ اور ۳۱/ مارچ/ ۱۹۷۵ء کو مدرسہ دارالسنہ نہلا کا سالانہ جلسہ ہونے والا ہے، تو ارکان کے پانچ بزرگان دین نوراللہ فارہ جمع ہوں گے، جہاں مذکورہ امر پر مشورہ کے بعد فیصلہ کریں گے کہ اگلے قائد کون ہوگا، پھر ان میں سے کوئی ایک یا دو بزرگ نہلا کے جلسہ میں تشریف لائیں گے، وہاں ادھر چاٹگام سے ایک وفد پہنچے گا، جو فیصلہ سن کر چاٹگام واپس آئے گا۔ اور جن بزرگوں پر ذمے داری سونپی گئی تھی وہ یہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا شاہ مظفر احمد صاحب منگیزوی۔
۲۔ حضرت مولانا سید الامین صاحب منگنماوی۔
۳۔ حضرت مولانا عبدالسبحان صاحب گرھاخالوی۔
۴۔ حضرت مولانا سلطان احمد صاحب ریدوی۔
۵۔ حضرت مولانا اسعداللہ صاحب فیاضی فاروی۔

اس پروگرام کے مطابق پانچوں علمائے دین متین نوراللہ فارہ کے جلسہ میں جمع ہوئے اور ویسے ایک قائد کے انتخاب کی بات آئی تو طویل مشورے کے آخر میں محمد جعفر حبیب پر سب متفق ہوگئے تھے، پھر اس کے بعد کیا ہوا اس حوالے سے میری مذکورہ تصنیف کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''پروگرام کے مطابق پانچوں بزرگان دین نوراللہ فارہ پہنچے، اور جناب محمد جعفر حبیب پر پانچوں متفق ہوگئے تھے، ان دنوں سرحد پار کرنا بہت کٹھن کام ہوگیا تھا،

تو ان میں سے ایک بزرگ بھی وقت پر نہلا نہ پہنچ سکے، ادھر چاٹگام سے ایک وفد ٹھیک وقت پر نہلا پہنچا تھا، مگر مایوس واپس ہونا پڑا، البتہ جعفر حبیب پھر بھی ٹیکناف میں رہ کر منتظر وفد تھے مگر کام نہ ہوا، چند دن کے بعد حضرت پیر صاحب مینگز وی ٹیکناف تشریف لائے اور سجاد حسین رواسوگری کو اپنا ایک پرچہ حوالہ کرکے واپس تشریف لے گئے تھے، جس میں درج تھا کہ '' جناب جعفر حبیب اور ان کے رفقائے کار روہنگیا تحریک آزادی کے متعلق جو کچھ کررہے ہیں اس کا ہم نے جائزہ لیا اور اطمینان ہوا، ہم انہیں آئندہ بھی کام کرنے کی اجازت دیتے ہیں'' جس کے بعد ایک مجلس تشکیل ہوئی''۔

مجلس عاملہ کی تشکیل نو:

حضرت مولانا مظفر احمد صاحب اور ان کے ساتھی دیگر حضرات علمائے ارکان کی طرف سے محمد جعفر حبیب پر اعتماد اور آپ کو کام کی اجازت ملنے کے بعد محمد جعفر حبیب نے ایک مجلس عاملہ کی از سر نو تشکیل دی، جس میں یہ حضرات شامل تھے:

۱۹۷۵ء کے اراکین مجلس عاملہ:

(۱) صدر : جناب جعفر حبیب علی چنگی۔
(۲) جنرل سکریٹری: جناب شبیر حسین صاحب پوئما لوی۔
(۳) سکریٹری برائے امور خارجہ: جناب نوالاسلام صاحب شیل خالوی۔
(۴) مشیر اعلی: جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب باغکونوی۔
(۵) مشیر اعلی: جناب مولانا محمد کبیر صاحب خواندنگی۔
(۶) مشیر اعلی: جناب پرفیسر محمد زکریا صاحب تنگ بازاری۔
(۷) مشیر اعلی: جناب انعام اللہ صاحب کیلا دنگی۔

اس عاملہ کمیٹی کے حوالے سے عرض ہے کہ جناب اڈووکٹ نور الاسلام صاحب روہنگیا فدائین محاذ

کی تجدید سے تقریباً ایک سال پہلے چاٹگام آچکے تھے، جو اس سے پہلی والی مجلس عاملہ میں نائب صدارت کے عہدے پر فائز تھے، اب جہاں تک اندازہ ہوتا ہے کہ روہنگیا فدائین محاذ کی تجدید کے دوران پروفیسر محمد زکریا صاحب تنگ بازاری تو چاٹگام پہنچے لیکن ابھی تک ڈاکٹر محمد یونس صاحب باغکونوی نہیں پہنچے تھے، بعد میں انہوں نے محمد جعفر حبیب سے نئے معسکر میں ملاقات کی اور تنظیم میں شامل ہوگئے تھے، لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مؤخر الذکر ان دونوں حضرات نے آپ سے چاٹگام میں ملاقات کی اور تنظیم میں شامل ہوکر معسکر گئے تھے۔

بہر حال روہنگیا فدائین محاذ کی تجدید کے معا بعد محمد جعفر حبیب اپنے رفقاء کی ایک بڑی جماعت لے کر سرحد پہنچے اور دھر مرسرا کے مقام میں نئے معسکر کی بنیاد رکھی تھی۔

ادھر روہنگیا فدائین محاذ کی تجدید کی خبر اندرون وطن میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلی تو اندرون وطن سے جوانوں کی ایک بھاری تعداد معسکر میں پہنچی، جس میں دو طبقے کے افراد تھے:

(الف) رنگون یونیورسیٹی سے فارغ ہونے والے طلباء جن میں درج ذیل حضرات نا قابل فراموش ہیں:

(۱) حبیب الرحمن صاحب (ایم اے تاریخ) سائندہ فاروی، منگڈو۔
(۲) رشید احمد (کراٹے) گونہ فاروی، منگڈو۔
(۳) عبد الرشید شجاع فاروی، منگڈو۔
(۴) عبد الصمد بوسیدنگی۔

(ب) شمالی ارکان میں روہنگیا قوم کے مفاد میں کام کرنے والی طلبہ تنظیم (ROHINGYA YOUTH FRONT) کے اراکین اور ممبران جس میں کم سے کم ایک سو طلبہ تھے۔ ان دونوں طبقے کی شرکت نے تنظیم کی افرادی قوت کو مضبوط بنایا، اب تنظیم میں قدرے جان آچکی تھی۔

ان تمام مندرجات سے ایک حقیقت تو سورج کی طرح عیاں نظر آتی ہے کہ اس وقت محمد جعفر حبیب کی شخصیت قومی سطح پر گویا ایک سورج بن چکی تھی، اور قوم کے ان نازک حالات میں جن کے دلوں میں مستقبل کے حوالے سے امید کی کوئی رمق باقی تھی ان کی نظریں آپ کی ذات وشخصیت پر جم چکی تھیں، ورنہ اتنی جلدی کیسے ممکن ہو سکا کہ ابھی ابھی روہنگیا فدائین محاذ کی تجدید ہوئی تو ابھی روہنگیا اسکالرز اور طلباء کا اتنا بڑا ریلا آپ کے گرد جمع ہوگیا تھا؟ یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ روہنگیا فدائین محاذ

اگر چہ ۱۹۷۴ء کے دوران غیر متحرک ہوگئی تھی، لیکن اندرون وطن میں سابق ریف کے اراکین اور ممبران کافی متحرک تھے، جنہوں نے محاذ کی تجدید کے فوراً بعد روہنگیا اسکالرز اور طلباء کی اس بڑی تعداد کو یہاں بھیجا تھا، اس بات سے حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ تحریک میں ایک جان ہوا کرتی ہے، نری ایک تنظیم آسانی سے مرسکتی ہے جب کہ ایک تحریک آسانی سے دم نہیں توڑ سکتی۔

اس حوالے سے یہ الگ بات ہے کہ ان آنے والے طلبہ کو ایک لمحہ کے لئے اپنی جگہ چھوڑ دیے، اس وقت جو روہنگیا اسکالرز یہاں پہنچے تھے، ان کی اکثریت خود روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس کے ممبرز تھی، جن کی نظریں ہمیشہ محمد جعفر حبیب پر لگی ہوئی تھیں، ابھی روہنگیا فدائین محاذ کی تجدید ہوئی تو انہوں نے اس جماعت میں شریک ہوکر قومی کام کے سرانجام دینے کو وقت کے تقاضے کے ساتھ ساتھ اپنی قومی ذمے داری اور دینی فریضہ سمجھا تھا۔

ادھر افرادی قوت کا حال ایسا تھا، ادھر جناب لقمان حکیم اور ابوالہاشم نے ار این ایل پی کے جو چند ہتھیار ان کے پاس تھے ار پی ایف کے حوالے کر دیے، کہا جاتا ہے کہ ان اسلحے کے علاوہ اس ابتدائی مرحلہ میں جناب صالح احمد صاحب مرحوم نے چند اسلحے ار پی ایف کے لئے فراہم کئے تھے۔

محمد جعفر حبیب کو معزول کرنے کی پہلی کوشش:

مارچ/ ۱۹۷۵ء سے ستمبر/ ۱۹۷۶ء تک روہنگیا فدائین محاذ (RPF) مسلسل ترقی کی طرف گامزن تھی، معسکر میں چند تربیتی پروگرام بھی ہو چکے تھے، ہر طرف سے ممکنہ حد تک قوم کے مالی تعاون بھی پہنچ رہے تھے، مجاہدین کھانے پینے اور اخراجات کے حوالے سے کچھ پریشان تو تھے لیکن ان کی جو امیدیں روہنگیا فدائین محاذ اور اس کے عظیم قائد ورہنما محمد جعفر حبیب سے پوری طرح وابستہ ہو چکی تھیں، اس میں آئے دن اضافہ ہو رہا تھا، سب خوش تھے کہ اگلے دن ان کی امیدیں ضرور بھر آئیں گی، ایسے حالات میں اس کام کی طبیعت سے ابھی تک نابلد و ناآشنا ہمارے چند کم عمر، ناتجربہ کار بس تیس اکتیس سالہ نوجوان لیڈروں کو بدحواسی کی عفریت نے آدبوچا، جس کے دباؤ میں آکر انہوں نے اپنا ہوش وحواس تک کھو بیٹھا تھا، یہ وہ جوان اور نوجوان تھے جن کی پارٹی میں شمولیت کی مدت ابھی تک

ایک ڈیڑھ سال سے زیادہ نہیں ہوئی تھی، انہوں نے ایک منجھے ہوئے تجربہ کار سیاسی وانقلابی ہستی محمد جعفر حبیب پر نکتہ چینیوں پر چینیاں شروع دیں، اور الزام لگایا کہ آپ کام کے حوالے سے بڑے غافل اور سست رفتار ہیں۔

ستمبر/ ۱۹۷۶ء کو انہوں نے دشنام طرازی اور نکتہ چینیوں سے ایک قدم آگے بڑھ کر یہ کوشش کی کہ محمد جعفر حبیب کو عہدۂ صدارت سے ہٹا دیا جائے، آخر کار ڈاکٹر محمد یونس، محترم نور الاسلام، پروفیسر محمد زکریا، مولانا محمد کبیر، محترم شبیر حسین اور جناب انعام اللہ وغیرہ نے محمد جعفر حبیب کو منصب صدارت سے ہٹانے کی ٹھان لی، لیکن مجاہدین اور ان کے اعلی چند کمانڈروں کی شدید مخالفت کی وجہ سے وہ اپنی کوشش میں ناکام ہوگئے تھے۔

پارٹی کے ایسے داخلی حالات میں بھی محمد جعفر حبیب نے بڑی بردباری، حد سے زیادہ صبر اور دریا دلی کا مظاہرہ کیا، اور ان نکتہ چینوں بلکہ سازش کاروں کے خلاف کسی قسم کے ردعمل تو کجا ان کے خلاف ایک لفظ بھی اپنی زبان پر نہیں لایا تھا۔

ستمبر/ ۱۹۷۷ء کے دوران محمد جعفر حبیب اور آپ کے منصب صدارت کے حوالے سے پارٹی کے اندر اختلافات کا خلیج وسیع سے وسیع تر ہوگیا تھا، اور مجلس عاملہ کے تقریباً سارے اراکین نے سپریم کونسل/ بشمول اڈوائزری کمیٹی:

۱۔ مولانا شفیق احمد صاحب۔
۲۔ الحاج محمد ابوالکلام صاحب۔
۳۔ الحاج چیرمن صالح احمد صاحب۔
۴۔ الحاج محمود الحسن صاحب۔

وغیرہ کو روہنگیا فدائین محاذ کے تمام اختیارات سونپتے ہوئے وعدہ کیا کہ سپریم کونسل/ اڈوائزری کمیٹی اس حوالے سے جو بھی فیصلہ کرے گی اسے بلا چوں چرا تسلیم کیا جائے گا۔

اس کے بعد سپریم کونسل نے ایک اجلاس بلایا، جس میں موضوع کے متعلق طویل بحث ومباحثہ اور خاصی گفت وشنید کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ منصب صدارت پر محمد جعفر حبیب بحال رہیں گے

،جن کے نائب محترم نور الاسلام صاحب ہوں گے، پھر دونوں حضرات باہمی مشورے سے بقیہ اراکین عاملہ منتخب کریں گے۔

جناب نور الاسلام صاحب نے ابتدا میں اس فیصلہ کو تسلیم کر لیا تھا، لیکن بعد میں ڈاکٹر محمد یونس، مولانا محمد کبیر، اشرف عالم، پروفیسر محمد زکریا اور انعام اللہ کی وعدہ خلافی اور نافرمانی پر مشتمل شدید مخالفت کی وجہ سے اس فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، جس کی وجہ سے معارضین اور خود سپریم کونسل کے درمیان کشیدگی، تناؤ اور رسہ کشی کی حالت پیدا ہو چکی تھی۔

اب محمد جعفر حبیب کے مخالفین نے محاذ کے جوانوں کو ورغلانا شروع کر دیا تھا، یوں جناب حبیب الرحمن اور رشید (کراٹے) ان کے بہکاؤ میں آ گئے تھے، اور انہوں نے مخالفین سے ہم آہنگ ہوتے ہوئے محمد جعفر حبیب کو منصبِ قیادت سے ہٹانے کی ٹھان لی اور جوانوں کی قیادت کرتے ہوئے انہوں نے محمد جعفر حبیب کو قسماً معزول کر دیا تھا، جس کے نتیجے میں محمد جعفر حبیب معسکر سے نکل کر چیر من صالح احمد صاحب کے یہاں منتظر فردا ہو گئے تھے۔

لیکن اب لطف کی بات یہ ہوئی کہ ان مخالفین کے مابین اگلے ممکنہ صدر کا سوال آیا تو نور الاسلام صاحب کے حامیوں نے ان کا نام پیش کیا، تو ان مخالفین میں مولانا محمد کبیر خفا اور برگشتہ ہو گئے تھے، آخر کار جناب حبیب الرحمن وغیرہ نے نور الاسلام صاحب کو منصبِ قیادت پر جلوہ افروز ہونے کی دعوت دی تو مولانا محمد کبیر صاحب اور ان کے ہم نواؤں نے اس دعوت کو تسلیم کرنے سے سراسر انکار کر دیا تھا، ویسے ان مخالفین کی کوشش ناکامی کی شکار ہو گئی تھی۔

اب معسکر میں مجاہدین بڑے پریشان تھے، ایک طرف محمد جعفر حبیب بھی نکل نکالے جا چکے تو دوسری طرف مخالفین بھی آپس میں اختلاف کے شکار، ایسے حالات میں مجاہدین نے مشورہ کر کے فیصلہ کیا کہ محمد جعفر حبیب کو دوبارہ معسکر میں بلا لیا جائے، یوں مجاہدین کے سرکردہ افراد نے محمد جعفر حبیب کو واپس لانے کی کوشش کی تو آپ نے معذرت کر لی، لیکن آپ کے حامیوں نے کوشش کر کے منوا لیا تھا۔

اب کی بار ایک بات طے پائی تھی کہ محمد جعفر حبیب روہنگیا فدائین محاذ کا اگلے تین مہینے (مارچ/ ۱۹۷۸ء تا مئی/ ۱۹۷۸ء) کے اندر ایک قابل قبول دستور العمل تیار کر کے سپریم کونسل کے سامنے پیش

کریں گے، جس کے مطابق الکشن ہوگا، لیکن بد قسمتی سے ان تین مہینوں کے درمیان سرزمین ارکان میں ''ناگامن اپریشن'' کی شکل میں ایک بلائے ناگہانی نازل ہو گئی، جس کی وجہ سے اس دستور العمل کی تیاری کا کام ٹل گیا تھا۔

فدائین محاذ (RPF) مہاجرین کی خدمات میں:

۱۹۷۸ء میں داخلی اختلافات اور خلفشاریوں کی وجہ سے روہنگیا فدائین محاذ (RPF) مالی اعتبار سے بہت ہی کم زور ہو چکی تھی، یوں ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں آنے والے مہاجرین کو کسی بھی اعتبار سے سنبھالا دینا اس کے بس کی بات نہ تھی، تاہم محمد جعفر حبیب کے حکم سے محاذ نے ایک کام یہ کیا کہ آنے والے مہاجرین کے ریلوں کو کسی قدر جانی مدد کے بطور ان کی رہنمائی کی تھی، ان کو سہارا اور دلاسا دیا تھا، اور جہاں جہاں ان کو ٹھہرانا تھا وہاں ان کو ٹھہرایا گیا تھا، اس حوالے سے بنگلا دیشی حکومت اور عوام نے بھی کافی تعاون اور مدد کی تھی۔

دوسری جانب روہنگیا فدائین محاذ نے ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی قیادت میں ایک میڈیکل ٹیم تشکیل دی، جس نے ان مہاجرین کو مقدور بھر علاج و معالجہ کا فریضہ انجام دیا تھا، اس حوالے سے نہ صرف محمد جعفر حبیب کے ساتھ روہنگیا فدائین محاذ بلکہ ڈاکٹر محمد یونس بانگونوی صاحب بھی لائق تعریف ہیں، جنہوں نے ان مہاجرین کے علاج و معالجہ اور معاینہ میں کسی بھی قسم کی کوتاہی نہیں کی اور ان مہاجرین کی خدمات پر دن رات کو ایک کر دیا تھا۔

روہنگیا فدائین محاذ کی کوششوں کے نتیجے میں رابطۃ العالم الاسلامی مکہ مکرمہ سعودی عرب نے مریچہ پالنگ کے مقام پر ایک مستقل اور باضابطہ ہسپتال کی بنیاد رکھی، جو آج تک ماشاء اللہ جاری ہے، جس سے اس وقت بھی اور بعد میں بھی روہنگیا مسلمانوں کے علاوہ علاقہ باسیوں نے بڑا فائدہ اٹھایا تھا، اس حوالے سے میں نے ایک سے زیادہ مرتبہ جناب شبیر حسین صاحب فوئمالوی کی زبانی یہ بات سنی تھی کہ:

''یہ ہسپتال روہنگیا فدائین محاذ کی مسلسل کوشش سے روہنگیا مہاجرین کی تشخیص و علاج کے لئے رابطہ نے کھولا، تاہم یہ الگ بات ہے کہ روہنگیا مہاجرین کی واپسی

کے بعد علاقے کے باشندوں نے اس سے فائدہ اٹھایا، اور اب بھی اٹھا رہے ہیں“۔

اس ہسپتال سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا ہے کہ اس سے چند روہنگیا مجاہدین اور غیر مجاہدین نے بھی میڈیکل تعلیم اور تربیت حاصل کی تھی، جن میں میرے بہت سارے احباب بھی ہیں، جو روہنگیا مجاہدین ومہاجرین وغیرہ کے کام آئے اور اب بھی آرہے ہیں۔

عسکری اقدام کی ناکام کوشش:

اندرون ارکان میں ناگامن اپریشن (ڈراگون اپریشن) کی وجہ سے اندازے سے کہیں زیادہ روہنگیا مسلمانوں کی تباہی، ان کی لٹی پٹی حالت میں بنگلا دیش آمد، برمی درندوں اور مگھ شرپسندوں کے مسلسل مظالم نے عام روہنگیا مسلمانوں کے دلوں میں دینی غیرت، قومی حمیت اور ظالموں سے بدلہ لینے کی آگ کو مزید سلگا دیا تھا، لیکن ان عام روہنگیا مسلمانوں کو کیا اندازہ تھا اور کیا خبر تھی کہ ان کی واحد نمائندہ تنظیم ”روہنگیا فدائین محاذ“ کس مصیبت اور کس بلا کی شکار ہے، اس کے اندر کیا کچھ چل رہا ہے، اس کے پاس قوت واستعداد کے حوالے کیا کچھ تھا، آیا اس کے لیڈروں کے مابین ہم آہنگی تھی یا اس کے برعکس ان کے مابین ذہنی انتشار، فکری دوری پیدا ہو چکی تھی؟ اس بے خبری کے عالم میں روہنگیا عوام کی امید بھری نظریں ان کی واحد نمائندہ تنظیم کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ ان کی اس مصیبت کی گھڑی میں روہنگیا فدائین محاذ ظالموں کے خلاف کوئی عملی اقدام کرے گی۔

دوسری طرف خود روہنگیا فدائین محاذ کے کچھ ناتجربہ کار، کام کی طبیعت سے بے خبر جوشیلے نوجوانوں نے مطالبہ پر مطالبہ شروع کر دیا تھا کہ قوم کی اس بری حالت میں محاذ کی طرف سے لازمی طور پر عملی اقدامات ہونا چاہئے۔

تیسری طرف ”ارکان ہسٹریکل سوسائٹی“ جو اتنے دنوں تک اس قافلہ سخت جان کے لئے اپنے تن، من، دھن لٹا رہی تھی، وہ بھی کافی حرکت میں آگئی تھی، اس نے محاذ سے مطالبہ کر دیا کہ قوم کی اس بری حالت میں فدائین محاذ کو عملی اقدام کرنا ضروری ہے، ورنہ تنظیم کس کام کے لئے ہے؟۔

ایسے حالات میں محمد جعفر حبیب بڑے مخمصے میں پڑ گئے تھے، آپ کو تو اپنے علم وآگہی اور ماضی کے طویل تجربات کی بنیاد پر اندازہ تھا کہ عسکری اقدامات کس چیز کا نام ہیں، پھر بھی مسلسل دباؤ کے نتیجے

میں آپ نے مجلس عاملہ کا اجلاس بلایا، جس میں طول طویل مشورے ہوئے، مجاہدین کے فرنٹ لائن کمانڈر مونا محمد کبیر صاحب نے اپنے علم وآگہی، اپنے ماضی کے تجربات اور تنظیم کی قوت واستعداد کو سامنے رکھتے ہوئے عسکری اقدامات کے حوالے سے میدان میں اترنے کی سخت مخالفت کی۔ یوں ایک باوثوق روایت کے مطابق محمد جعفر حبیب نے بھی مولانا محمد کبیر کی ہم نوئی کرتے ہوئے اپنی ذاتی تجاویز اس طرح رکھیں کہ:

۱۔ ظاہر ہے کہ تنظیم کے لیڈروں کے مابین ہم آہنگی کا شدید فقدان ہے، تنظیم ذہنی اور فکری طور پر داخلی خلفشار کی شکار ہے۔

۲۔ تنظیم فی الحال اتنی استعداد واستطاعت نہیں رکھتی، جس کی بنیاد پر کوئی عسکری اقدامات کئے جاسکیں، یوں بھی ان ٹوٹی پھوٹے اسلحہ جات کے بل بوتے پر ایک حیثیت سے طاقتور دشمن سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

۳۔ لیڈروں کے مابین پائے جانے والے عدم اعتماد کی فضا نے تنظیم کو کھوکھلا بنا دیا ہے، جس کی وجہ سے بجٹ میں کوڑی تک جمع نہیں ہے، چوں کہ عسکری اقدامات کے اخراجات کے لئے ایک بڑی بجٹ کی ضرورت ہے، لیکن ہمارے ایسے حالات میں اس کی فراہمی بھی آسان نہیں۔

مذکورہ ان سارے حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے محمد جعفر حبیب نے بحیثیت تنظیم کے صدر حکم کے بجائے یہ سفارش کی کہ:

> ”بھائیو! عسکری اقدامات کے حوالے سے فی الحال جذباتیات سے پرہیز کرتے ہوئے حقیقت پسندی سے کام لیا جائے، نرے جذبات سے مشکلات کو تو بلایا جاسکتا ہے لیکن کوئی مسئلہ حل نہیں ہوسکتا، ابھی سب سے پہلے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہمارے مابین پائی جانے والی قلبی دوری کو دور کرتے ہوئے قومی وملی یک جہتی کے جذبات کو فروغ دیا جائے، اب میری شفارش ہے کہ آپ حضرات صبر وثبات سے کام لیتے ہوئے تھوڑے انتظار کریں، اپنے اندر طاقت، استعدااور صلاحیات پیدا کرنے کی کوششیں کیا کریں“۔

لیکن قومی ہمدردی اور ملی حمیت سے سرشار اکثر لیڈروں اور جوانان اسلام کچھ بھی سننے کو تیار نہیں تھے، آخر کاران کے جذبات کو دیکھ کر محمد جعفر حبیب نے فیصلہ دیا کہ ٹھیک ہے، سر دست مجاہدین کے دو دستے

میدان میں اتر جائیں، ویسے تھوڑی تیاری کے بعد دو دستے میدان میں اتار دیے گئے تھے۔

دونوں دستے میدان کارزار میں چند دن اپنی حد تک ہاتھ پیر مارنے کے بعد کسی بھی عملی اقدامات کئے بغیر دنگل سے واپس لوٹ آئے، بعد آزاں جن لیڈروں اور جوانوں نے مولانا محمد کبیر صاحب پر بزدل ہونے کا طعنہ دیا تھا انہیں سمجھ آ گیا کہ میدان کارزار میں اترنا کتنا آسان اور کتنا مشکل کام ہوتا ہے۔

محمد جعفر حبیب کو معزول کرنے کی دوسری کوشش:

مولانا محمد کبیر اور جناب انعام اللہ صاحب کی روہنگیا فدائین محاذ سے علیحدگی کے بعد بقیہ اراکین عاملہ اور سرکردہ لیڈروں کے درمیان اختلافات کے شعلے بھڑک اٹھے، یہاں ہر کوئی تو ماشاء اللہ بے گناہ اور صاف وشفاف تھے، مگر ایک گنہگار تھے ان کی نظر میں، وہ تھے صرف اور صرف محمد جعفر حبیب، یہاں آپ پر ناروا الزامات کی بارشیں برسائی گئیں، آپ کے حوالے سے بدنامی اور دشنام طرازی کی ساری حدیں پار کی گئیں، انہی عوام کی نظروں سے گرانے کی ہر چند کوششیں کی گئیں، لیکن آپ نے ہر حال میں صبر وثبات کا مظاہرہ کیا اور کبھی بھی اف تک نہیں کیا تھا۔

اب اختلافات کی تندی وتیزی کو دیکھ کر محمد جعفر حبیب نے روہنگیا مسلمانوں کے چار بزرگ ترین اور سن رسیدہ ہستیوں کے ہاتھوں پر تمام اختیارات سونپ دینے کا فیصلہ کیا، وہ ہستیاں یہ ہیں:

۱۔ اڈووکیٹ سلطان احمد صاحب بالوخالوی سابق برمی پارلیمنٹری سکریٹری۔

۲۔ حضرت مولانا اڈووکیٹ شفیق احمد صاحب تنگ بازاری۔

۳۔ جناب (DEO) مظفر احمد صاحب خیر فاروی سابق ممبر آف ریاست ارکان کونسل۔

۴۔ جناب الحاج ماسٹر عبدالغفار صاحب نکھوروی۔

ہمارے ان قومی بزرگوں کی اس وقت کی سرگرمی اور کارکردگی کے حوالے سے دو قسم کے متضاد آراء پائی جاتی ہیں:

(الف) بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان بزرگوں نے ہر چند کوشش کی تھی کہ روہنگیا فدائین محاذ کے نمایاں لیڈوں کے درمیان ہم آہنگی اور اعتماد بحال کیا جا سکے، لیکن ان کی ساری کوششیں دھری کی دھری رہ گئیں۔

(ب) لیکن بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس وقت ہمارے ان قومی بزرگوں نے اپنی قومی ذمے داری کو

نبھانے میں قدرے تساہل یا پہلو تہی کا مظاہرہ کیا تھا۔

اس درمیانی مدت میں سب سے بڑے دکھ کی بات یہ ہوئی تھی کہ محترم ڈاکٹر محمد یونس صاحب بانگونوی نے مجلس عاملہ کے تین اہم اور فعال اراکین:

۱۔ جناب حبیب الرحمن صاحب سائندہ فاروی۔

۲۔ جناب کمانڈر عبدالرحمن صاحب خائندہ فاروی۔

۳۔ جناب رشید احمد صاحب (کراٹے)

کو اپنا کران کے ذریعے محمد جعفر حبیب کو مستعفی ہونے پر مجبور کیا تھا۔ لیکن اب بھی لطف کی بات یہ سامنے آئی کہ جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب کے ہم خیالوں نے شاید ان کے اشارے پر ہو کہ اگلے ممکنہ صدر کے لئے آں جناب کا نام پیش کیا تو مخالفین کی صف میں اختلاف رونما ہو گیا، جس کی وجہ سے محمد جعفر حبیب کو معزول کرنے یا آپ کو بزور طاقت مستعفی کرنے کی ساری کوشش ناکام ہو گئی، یاد رہے کہ اس دوران مولانا محمد کبیر اور سید عالم صاحب کو ناکردہ جرم کی پاداش میں بنگلا دیشی حکومت نے حراست میں لے رکھا تھا۔

محمد جعفر حبیب کو معزول کرنے کی تیسری کوشش:

۱۹۷۸ء میں روہنگیا مسلمانوں کی ایک بڑی ہجرت نے پوری دنیا میں ہلچل مچا دی تھی، اور جس نے پوری دنیا کی نظروں کو روہنگیا مسلمانوں کے مسائل ومشکلات کی طرف متوجہ کر دیا تھا، ویسے یہاں کے حالات نے ہمارے ایک دردمند اور روشن ضمیر وخیال دانشور جناب الحاج امام حسین داروغہ شقدار فاروی کے دل ودماغ کو شدید متأثر کیا تھا، دراں حالیکہ وہ ولایات متحدہ امریکہ میں خوش حال اور ایک اعلی سرکاری عہدے پر فائز تھے۔

جناب امام حسین صاحب کی پیدائش شقدار فارہ منگڈو میں ایک معزز خاندان میں ہوئی، ابتدائی، متوسطہ اور ثانویہ کی تعلیم علاقے میں پا کر رنگون یونیورسیٹی میں داخلہ لیا، جہاں سے ڈگری حاصل کی، اس کے بعد آپ امریکہ پہنچے اور مزید تعلیم حاصل کرنے کے بعد شعبہ فلکیات کے مشہور ومعروف ادارہ

''ناسا''میں نوکری حاصل کر لی،جس میں عرصۂ دراز تک کام کرتے رہے تھے۔

۱۹۷۸ء میں روہنگیا مسلمانوں کے حالات موت وزیست نے امام حسین کو مجبور کیا کہ میدان میں اتر کر قومی ذمے داری اور دینی فرائض انجام دیے جائیں، یوں آپ ولایات متحدہ امریکہ سے براہ سعودی عرب بنگلا دیش پہنچے اور روہنگیا فدائین محاذ میں شامل ہو گئے تھے،اس حوالے سے آپ نے ایک بیان میں کہا کہ:

''ہم نے دنیا میں دولت، شہرت اور عزت بہت کمائی ہے، لیکن ان تمام چیزوں سے میرے دل کی تسکین نہیں ہوسکی، اب ہم اپنی زندگی کے آخری مراحل میں ملت وقوم کے کام آنا چاہتے ہیں، خدا معلوم ہماری تقدیر میں کیا لکھا جا چکا ہے؟ اور خدا کرے کہ ہم ملت وقوم کے کام آسکیں''۔

اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ جناب امام حسین صاحب ایک دل دردمند اور فکر ارمند کے مالک دانشور تھے، دین داری اور پرہیز گاری کے علاوہ آپ کی قومی ہمدردی کی بات بہت ہی مشہور ہے، جناب ماسٹر ابوالفیاض جیلانی صاحب کے بیان کے مطابق آپ ذہین تو تھے ہی، اس کے ساتھ عنفوان شباب سے ہی آپ کے اندر حد درجہ کی قومی ہمدردی اور دینی حمیت وغیرت دیکھی گئی تھی۔

۱۹۷۸ء میں امام حسین صاحب امریکہ کے عیش وآرام کو چھوڑ کے بڑے کشادہ دلی کے ساتھ یہاں آئے ہوئے تھے، لیکن چند دن گزرتے نہ گزرتے یہاں والوں کی داخلی سیاست کے بھنور میں بری طرح پھنس چکے تھے، یہاں آپ کی تشریف آوری نے روہنگیا فدائین محاذ کے بعض اعلی ممبروں کے دل موہ لئے، جنہوں نے آواز اٹھی یا اٹھائی گئی تھی کہ روہنگیا فدائین محاذ کے منصب قیادت ان کو سونپ دیا جائے، ورنہ معاملہ مزید بگڑ جائے گا۔

اڈووکیٹ نورالاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس صاحب اور ان کے ہمنوا اور ہم خیال اس بات پر ڈٹ گئے تھے کہ ہر قیمت پر منصب قیادت امام حسین کا حوالہ کیا جائے، لیکن محمد جعفر حبیب کو چاہنے والے کسی بھی قیمت میں امام حسین جیسے اس میدان میں نوآوردہ انسان کے ہاتھ پر زمام قیادت دینا مناسب نہیں سمجھ رہے تھے۔

آخر کار معاملہ یہاں تک پہنچا کہ جناب امام حسین صاحب کے خلاف چہ میگوئیاں شروع ہوگئی تھیں، روہنگیا فدائین محاذ کے اندر سے ایک گروپ نے ان پر لعنت وملامت کی بوچھار کرتے ہوئے یہ الزام لگایا کہ ''امام حسین صاحب ہی اب کی بار کے فتنے وفساد کا جڑ ہیں، انہیں ہر حال میں یہاں سے باہر

کر دیا جائے، ورنہ معاملہ اور بھی خراب ہونے کا شدید اندیشہ ہے''۔

لیکن ایسے حالات میں بھی محمد جعفر حبیب کی زبان سے جناب امام حسین کے خلاف کوئی حرف غلط صادر ہونا تو دور کی بات بلکہ آپ نے بڑے صبر وتحمل اور بردباری سے کام لیتے ہوئے ماحول کو پر سکون رکھنے کی کوشش کی، صرف یہی نہیں بلکہ جن لوگوں نے جناب امام حسین کے خلاف ہرزہ سرائی کی تھی ان سے کہا کہ:

''آپ حضرات امام حسین صاحب کے خلاف نازیبا الفاظ نکالنے سے گریز کریں، اور جہاں تک میں جانتا ہوں کہ وہ ایک مخلص اور کام کے رسیا انسان ہیں، شاید یہاں ان کے نام پر بلیک میلنگ ہو رہی ہو''۔

اب اختلافات کے وسیع وعریض خلیج اور آئے دن ہونے والی افراتفری کو دیکھتے ہوئے چند بڑے بڑوں نے محمد جعفر حبیب کو مشورہ دیا تھا کہ سردست مناسب یہی لگتا ہے کہ زمام قیادت جناب امام حسین کا حوالہ کر دیا جائے، جس پر خوشی خوشی سے محمد جعفر حبیب نے رضامندی کا اظہار کر دیا تے تھا، چنانچہ اس حوالہ سے جناب عبدالغفار صاحب لکھتے ہیں کہ:

''میں نے خود جناب محمد جعفر حبیب کو مشورہ دیا تھا کہ آج تک دنیا روہنگیا مسلمانوں کے حالات زار اور مصیبت وآزمائش کے خلاف اٹھ کھڑی ہونے والی تنظیم روہنگیا فدائین محاذ سے واقف ہو چکی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ وقت اور حالات کے پیش نظر آپ کو کچھ دن آرام کرنا چاہئے، آپ سے میرا مشورہ یہی ہے کہ آپ امام حسین کو قیادت کا لگام حوالہ کر دیں، موصوف کو میرا یہ مشورہ پسند آیا، مجھے ان کے ساتھ امام حسین کے پاس لے گیا اور ان سے کہا کہ آپ میرے بھی ایک مربی ہیں، قوم کو آپ پر اعتماد ہے، اب میری خواہش یہی ہے کہ آپ روہنگیا فدائین محاذ کا لگام ہاتھ لیں اور مجھے آرام کرنے کی اجازت دیں، امام حسین نے جواب میں جھٹ سے کہہ دیا کہ میں تو صرف روہنگیا فدائین محاذ کو تعاون کرنے آیا اور صدارت ولیڈرشپ ہاتھ لینے نہیں آیا ہوں، پھر محمد جعفر حبیب نے کہا کہ یہاں

آپ کے نام کی خرید وفروخت ہو رہی ہیں، جب کہ آپ منصب قیادت سے معذرت کر رہے ہیں، جواب میں امام صاحب نے کہا کہ وہ لوگ خیالات کا گھوڑا دوڑا رہے ہوں گے، بالآخر وہ قیادت اپنے ہاتھ لینے کو راضی نہ ہوئے اور خود محنت ومشقت کر کے چند دن کے اندر روہنگیا فدائین محاذ کے ایک دستور العمل کا مسودہ تیار کر کے چلے گئے''۔

ظاہر ہے کہ اس وقت یہاں جناب امام حسین صاحب کے نام پر گھناؤنا کھیل کھیلا گیا تھا، جب کہ وہ اس قسم کے کھیل سے بڑے ناراض تھے، بہر حال آپ نے روہنگیا فدائین محاذ کے دستور العمل مرتب کرنے کے بعد محمد جعفر حبیب کو مشورہ دیا کہ اب اس دستور کے مطابق کانگرس بلایا جائے، پھر مزید کہا کہ وہ روہنگیا فدائین محاذ کے چند حضرات کو عالم اسلام کے دورہ پر لے جائیں گے بشرطیکہ کانگرس اس پر راضی ہو اور منظوری مل جائے۔

محمد جعفر حبیب نے اس دستور کے مطابق ۲۷ر آگست ۱۹۷۸ء کو معسکر میں کانگرس کا اجلاس بلایا، جس میں اٹھارہ اراکین نے حاضری کی رسم ادا کی، جس میں ہر ایک رکن کی خدمات کا جائزہ کے ساتھ مذکورہ دستور العمل کو تھوڑے اضافہ وترمیم کر کے پاس کر لیا گیا تھا۔

۲۹ر آگست ۱۹۷۸ء میں منصب صدارت کے حوالے سے رائے لی گئی تو بھاری اکثریت کی رائے سے محمد جعفر حبیب اگلے تین سال کے لئے صدر منتخب ہوئے، اب صدر نے اراکین عاملہ کے اسمائے گرامی سامنے لائے تو کانگرس نے اس کی بھی منظوری دے دی۔

جناب محترم نور الاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس صاحب اور ان کے ہم خیالوں کی تمنا تھی کہ عہدۂ صدارت سے محمد جعفر حبیب کو ہٹا کر آپ کی جگہ امام حسین صاحب کو لایا جائے، لیکن امام حسین صاحب کی امریکہ واپسی کی وجہ سے ان کی آرزو دھری کی دھری رہ گئی تھی، اب ان کی یہی امید تھی کہ اب کی بار شاید کانگرس محمد جعفر حبیب کو عہدۂ صدارت سے ہٹا کر کسی اور ایک کو عہدۂ صدارت پر فائز کرے گا، لیکن اب کی بار ان کی یہی امید بھی بھر نہیں آئی، یوں کانگرس کے اجلاس کے اختتام کے بعد جناب نور الاسلام، ڈاکٹر محمد یونس اور ان دونوں کے سارے ہم خیال روہنگیا فدائین محاذ سے نکل بھاگے، اور اس

کے چند دن بعد انہوں نے ارکان مسلم آرگنائزیشن (AMO) نامی ایک تنظیم کا اعلان کر دیا، جس نے آگے چل کر روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا روپ دھارا تھا۔

روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں سدھار:

اڈووکٹ محترم نور الاسلام، ڈاکٹر محمد یونس اور پروفیسر محمد زکریا وغیرہ کی روہنگیا فدائین محاذ (RPF) سے علیحدگی کے بعد محاذ نے دوبارہ مجلس شوری (کانگرس) کا اجلاس بلایا، جس میں حالات حاضرہ پر طویل مذاکرات ہوئے، اور تنظیم کے داخلی امور پر خاصی گفت وشنید کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ مجلس عاملہ کی دوبارہ تشکیل دی جائے، چنانچہ دستور اساسی کے مطابق صدر کے انتخاب پر رائے لی گئی تو اب بھی محمد جعفر حبیب بھاری اکثریت کی رائے سے صدر منتخب ہوئے تھے، اس کے بعد مجلس عاملہ کی تشکیل ہوئی تو درج ذیل نو اراکین پر مشتمل عاملہ کمیٹی سامنے آئی:

۱۔ محمد جعفر حبیب صاحب علی چنگی:	صدر۔
۲۔ جناب ماسٹر عبد الغفار صاحب نکھوروی:	نائب صدر۔
۳۔ جناب ڈاکٹر محمد علی صاحب دھودائنگی:	جنرل سکریٹری۔
۴۔ جناب یونس احمد صاحب پیرخالوی:	رکن مجلس عاملہ۔
۵۔ جناب ماسٹر دلیل احمد صاحب رنگیادنگی:	رکن مجلس عاملہ۔
۶۔ جناب ماسٹر شونا علی صاحب دابری چنگی:	رکن مجلس عاملہ۔
۷۔ حضرت مولانا محمد سعید صاحب تمبر ووی:	رکن مجلس عاملہ۔
۸۔ جناب رواسوگری سجاد حسین صاحب کوانچی بنگی:	رکن مجلس عاملہ۔
۹۔ جناب محمد عالم صاحب:	رکن مجلس عاملہ۔

روہنگیا فدائین محاذ (RPF) جناب نور الاسلام وغیرہ کی علیحدگی کے بعد بظاہر ایک طرف رجال کار کے حوالے سے قدرے کم زور ہو گئی تھی، لیکن دوسری طرف باہمی تناؤ اور رسہ کشی ختم ہونے کی وجہ سے طاقتور ہو چکی تھی، اب کی مجلس عاملہ اور مجلس شوری (روہنگیا نیشنل کانگرس (RNC) اور مجاہدین

کے درمیان کسی بھی قسم کی دورائے اور اختلافات نہیں تھے، ویسے چند قابل قدر ساتھیوں کی مسلسل کوششوں کے ساتھ محمد جعفر حبیب کے اخلاص وللّٰہیت اور انتھک جدو جہد کے نتیجے میں قافلۂ سخت جان اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو چکا تھا، مجلس عاملہ، شوریٰ اور مجاہدین نے تنظیم کی ترقی اور کامیابی کے لئے دن رات کوایک کر دیا تھا۔

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ جناب شبیر حسین فوئیمالوی صاحب نے پچھلے اختلافات کے دوران اپنے آپ کو تنظیم سے قسماً علیحدہ رکھا تھا، لیکن اب تنظیم میں سدھار آیا تو محمد جعفر حبیب نے ان کو تنظیم میں بلاکر چیف آف اسٹاف کے عہدہ پر فائز کر دیا تھا، چنانچہ شبیر صاحب کی شمولیت کی وجہ سے تنظیم کافی طاقتور ہوگئی تھی۔

۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۵ء تک روہنگیا فدائین محاذ (RPF) نے بڑی بڑی سیاسی اور انقلابی کامیابیاں حاصل کیں، اس دوران اگرچہ تنظیم سے بچھڑ جانے والوں نے بھی ایک علیحدہ محاذ قائم کرلیا تھا، لیکن ان بچھڑنے والوں کی پیہم مخالفت بلکہ کسی حد تک مسلسل دشمنیوں کے باوجود روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے لیڈروں اور جان نثاروں کی راہ روکی نہیں جاسکی تھی، ویسے جوں جوں وقت گزرتا گیا محاذ ترقی کی طرف گامزن ہوتی گئی تھی، جس کی تفصیلات اگلی سطور میں نظر آئیں گی۔

قائد حبیب اور رابطۃ العالم الاسلامی:

کون نہیں جانتا ہے کہ رابطۃ العالم الاسلامی دنیائے اسلام کا ایک مؤقر ترین ادارہ ہے، جس کی تاسیس دنیا کی مقدس ترین نگری مکہ مکرمہ میں ہوئی، جس کا صدر دفتر بھی وہیں ہے۔ رابطۃ العالم الاسلامی کی ایک لمبی تاریخ ہے، انسانی خدمات کے میدانوں میں اس ادارہ کی نمایاں ترین اور ناقابل فراموش حصہ رہا ہے، انسانیت کے حوالے سے اس ادارہ کی خدمات کو بھولے سے بھی بھلایا نہیں سکتا۔

۱۹۸۸ء میں روہنگیا مسلمانوں کی ایک بھاری تعداد بنگلا دیش ہجرت کر کے پہنچی تو اس ادارہ نے ان مظلوم روہنگیا مسلمانوں کی خدمت کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا، اور تو اور مریچہ پالنگ کے مقام پر ان مہاجرین کی طبی سہولیات یا ان کو طبی امداد دینے کے لئے ایک مستقل شفا خانہ کھولا گیا، جو

آج بھی جوں کا توں جاری ہے۔

رابطہ کے سابق جنرل سکریٹری دنیائے اسلام کی معروف شخصیت ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف (اللہ تعالیٰ ان کی حیات میں برکت دے) کے عہد سکریٹریٹ میں رابطہ کے ساتھ محمد جعفر حبیب کا خوش گوار تعلق ہوا، اور یہ تعلق رابطہ کے ساتھ عموماً اور ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف کے ساتھ خصوصاً آئے دن بڑھتا چلا گیا تھا، ویسے ڈاکٹر صاحب کی انمول سرپرستی میں رابطہ العالم الاسلامی نے دنیائے انسانیت کو عموماً اور روہنگیا مظلوم مسلمانوں کو خصوصاً جو محبت دی اور جو پیار دیا وہ تاریخ انسانیت کا ایک ناقابل فراموش باب ہے، رابطہ نے ان روہنگیا مظلوموں (ان کا تعلق اندرون وطن سے ہو یا بیرون وطن سے) کی خدمت اور خیر خواہی کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی، نہ صرف انسانی خدمات بلکہ سیاسی اور اخلاقی مدد بھی بہم پہنچائی تھی، جس کا سلسلہ تا حال بھی باقی ہے، اللہ کرے کہ مسلمانوں کے اس ادارے کا سایہ انسانیت پر عموماً اور مظلوم روہنگیا مسلمانوں پر خصوصاً تا دیر باقی رہے۔

روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تجدید و احیاء کے بعد رابطہ نے اس کا بھاری مالی تعاون کیا تھا، اور ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف نے تو ایک اطلاع کے مطابق اس کی مکمل کفالت کی بھی سوچی تھی، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

۱۹۸۸ء یا ۱۹۸۹ء کے حج کے دوران رابطۃ العالم الاسلامی کے واسطے سے محمد جعفر حبیب اور آپ کے دو ساتھی جناب عبد الغفار صاحب نکھوروی (مرحوم) اور محترم ڈاکٹر محمد علی صاحب دھو دائنگی صاحب کو سرکاری مہمان کے بطور حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ کی توفیق ہوگئی، جنہوں نے حج و زیارت سے فراغت کے بعد ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف صاحب سے خصوصی ملاقات کی اور ان کو روہنگیا مسلمانوں کی حالت زار سے واقف کرانے کے علاوہ روہنگیا فدائین محاذ کی سرگرمیوں کی روداد بھی سنائی تھی، ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف صاحب نے ہمارے اس وفد سے مل کر بڑی مسرت کا اظہار کیا اور محاذ کے لئے کچھ مالی مدد بھی کی۔

محمد جعفر حبیب اور آپ کے ساتھیوں کو اس سفر کے دوران دنیائے اسلام کی اور ایک عظیم عالم دین اور بزرگ ترین شخصیت سماحۃ الشیخ عبداللہ بن باز (مفتی عام مملکت سعودی عرب) نے سعودی عرب

کے دارالحکومت ریاض بلایا تھا، چوں کہ آپ اور آپ کے دونوں ساتھی سرکاری مہمان تھے، ویسے ان کو ریاض پہنچنے میں کوئی پریشانی نہیں ہوئی تھی، بہر حال محمد جعفر حبیب نے حضرت شیخ سے تفصیلی ملاقات کی اور شیخ کو روہنگیا مسلمانوں کے حالات زار سے مطلع کیا تھا تو انہوں نے بہت افسوس اور نہایت پریشانی کا اظہار فرمایا تھا۔

اس کے بعد محمد جعفر حبیب نے سعودی عرب میں پائی جانے والی روہنگیا برادری کے نامور افراد اور تنظیم کے خیر خواہوں سے تفصیلی ملاقاتیں کیں، اس دوران آپ نے ایک موقع پر کہا کہ:

’’بھائیو! آپ جانتے ہیں کہ ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کی کیسی حالت ہے، ایسی حالت میں ان کے حولے سے کام کرنے والوں کے مابین اتحاد اور ہم آہنگی کی بڑی ضرورت تھی اور ہے، لیکن افسوس ہے کہ ہمارے چند قابل قدر بھائیوں نے وقتی جذبات میں آکر اس ضرورت کا خون کر دیا، پھر بھی میری خواہش ہے کہ وہ دوبارہ متحدہ صف میں آکر کام کریں، میں اور میرے ساتھی ہمیشہ ان کے منتظر رہیں گے‘‘۔

تنظیم برائے اسلامی تعاون (OIC) سے ہماری توقعات:

محمد جعفر حبیب کو تنظیم برائے اسلامی تعاون (OIC) سے بہت ساری توقعات تھیں، آپ نے ۱۹۷۵ء میں روہنگیا فدائین محاذ کی تجدید واحیاء کے بعد اس سے رابطہ استوار کیا تھا، جس میں آپ کو کسی قدر کامیابی بھی ہوئی تھی، کاش ہماری تنظیم داخلی خلفشاریوں کی شکار نہ ہوتی، اور قائد کو اطمینان سے کام کرنے کا موقع ملتا، شاید قائد کی اس تنظیم سے جو توقعات وابستہ تھیں، کلی طور پر نہ تو جزوی طور پر پوری ہوسکتیں، بہر کیف اس رابطے کے حولے سے راقم سطور نے اپنی ایک حالیہ تصنیف ’’ارکان کے روہنگیا مسلمان موت وحیات کی کشمکش میں‘‘ میں یوں لکھا ہے کہ:

’’راقم سطور کے علم کے مطابق روہنگیا فدائین محاذ کے صدر ہماری تاریخ کے عظیم مردمجاہد حضرت جعفر حبیب مرحوم کے زمانے سے روہنگیا مسلمانوں کے مفاد کے حوالے سے منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) سے رابطہ شروع ہو چکا تھا، جس کے دیگر مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ امت مسلمہ کی اس بین لاقوامی تنظیم میں روہنگیا مسلمانوں کا

ایک مقام حاصل ہوجائے، جس کی آخری شکل یا حیثیت مبصر یا مشاہد ممبر ہو سکتی ہے، پھر قائد حبیب کے انتقال کے بعد دیگر جماعتوں اور لیڈروں نے ان کا وہی سلسلہ متواتر جاری رکھا تھا، اور قومی مقصد کے حصول کے لئے جدوجہد میں کسی قسم کی کسر باقی نہیں رکھی تھی، اس حوالے سے عموما ہمارے دیگر لیڈروں کے علاوہ خاص طور پر محترم نور الاسلام صدر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) مولانا شیخ دین محمد مرحوم اور مولانا شیخ سلیم اللہ عبدالرحمن صاحب مرنگلوی حالیہ رہنما روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن برائے حقوق (RSOR) کی جدوجہد بھی قابل صد ستایش اور نا قابل فراموش ہیں‘‘۔

یہ تو ظاہر ہے کہ منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) کے مستقل اراکین میں ستاون اسلامی ملکوں کو علاوہ مبصرین/ مشاہدین (OBSERVER) میں بھی پانچ ممالک اور آٹھ تنظیمیں ہیں، ان آٹھ تنظیموں میں سے ایک ’’مورو لبریشن فرنٹ (MLF) بھی ہے، اگر روہنگیا مسلمانوں کی جانب سے اس میں ممبر شپ پانے کے حوالے سے بروقت صحیح اقدام ہوتا یا ہوسکتا تو اس میں روہنگیا مسلمانوں کو بھی ممبر شپ حاصل کرنے میں کامیابی مل جاتی، جس سے مورو کی طرح روہنگیا کے بھی بہت فائدے ہو سکتے تھے، یوں محمد جعفر حبیب نے اس مقصد کے حصول کے لئے اس سے رابطہ استوار کیا تھا۔

علاوہ ازیں محمد جعفر حبیب کا اس حوالے سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ چوں کہ اس بین الاقوامی اسلامی تنظیم کے بڑے مقاصد میں سے ایک مقصد: ’’تمام مسلم عوام کے وقار، آزادی اور قومی حقوق کے تحفظ کے لئے ان کی جدوجہد کو تقویت دینا تھا‘‘ تو روہنگیا فدائین محاذ (RPF) بھی تو ارکان کے روہنگیا عوام کی عزت و وقار، آزادی اور قومی حوق کے تحفظ کے لئے اٹھی اور اس میدان میں سردھڑ کی بازیاں لگا رکھی ہے نا!۔

محمد جعفر حبیب کو اس بین الاقوامی اسلامی تنظیم سے ایک توقع بھی تھی کہ اگر یہ تنظیم مسلمانان ارکان و برما کے حوالے سے روہنگیا فدائین محاذ کے ساتھ تعاون کرے گی تو ارکانی اور برمی مسلمانوں کی درپیش مشکلات ومسائل حل ہونے کا بہت امکان ہے۔

لیکن بڑا افسوس کا مقام کہ محمد جعفر حبیب اپنے اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے، جس کے دیگر اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ نہ صرف روہنگیا فدائین محاذ کے دور بلکہ اس کے بعد بھی

آج تک روہنگیا مسلمانوں کی کسی بھی ایک تنظیم نے ایک معقول ادارہ (INSTITUTION) کی شکل اختیار نہیں کرسکی، جب کہ ظاہر ہے کہ ہماری تحریک آزادی کے ہر دور میں ہر ایک تنظیم داخلی اختلاف اور خلفشاری کی شکار رہی ہے، جس کی وجہ سے ہم آہنگی اور اتحاد کے برعکس افراتفری، انتشار فکری وعملی کی کیفیت نمایاں رہی ہے، کاش ہماری مختلف جماعات کے ہوتے ہوئے بھی ہماری باہمی رسہ کشی سے بڑھ کر افتراق وعداوت کا سماں نہ ہوتا تو شاید منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) میں مورو لبریشن فرنٹ کی طرح روہنگیا مسلمانوں کو بھی ممبرشپ حاصل ہو چکا ہوتا۔

روہنگیا فدائین محاذ ۱۹۷۵ء میں تجدید ہوئی تو محمد جعفر حبیب کی امید بڑھ گئی تھی کہ منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) میں فدائین محاذ ضرور ممبرشپ حاصل کرلے گی، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس کی تجدید ہوئی ابھی چند مہینے بھی گذرنے نہیں پائے کہ اس کے اندر وہی ہماری تاریخی افراتفری اور باہمی رسہ کشی شروع ہوگئی کہ جس نے ہماری قومی کشتی کو ڈبا کر رکھ دیا تھا، بس چند ناتجربہ کار، جذباتی اور جوشیلے بظاہر چند لکھے پڑھے نوجوانوں نے محمد جعفر حبیب کے خلاف نبرد آزمائیاں شروع کردیں، جن کی وجہ سے ہماری قومی تحریک کا شیرازہ بکھر گیا تھا۔

روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے ساتھ لیبیا کا تعلق:

بعض ذرائع کے مطابق روہنگیا فدائین محاذ کا عرب اسلامی ملک لیبیا سے ۱۹۷۵ء میں تعلق ہوا تھا، جس میں محمد جعفر حبیب کی جدوجہد کا نمایاں حصہ رہا تھا، محاذ کی تجدید واحیاء کے بعد محمد جعفر حبیب نے کوشش کی کہ کسی بھی طرح اس وقت کے مشہور انقلابی اور انقلاب حامی عرب اسلامی ملک لیبیا سے تعلق ہوجائے، چنانچہ اس کوشش میں آپ کامیاب ہو چکے تھے، ظاہر ہے کہ لیبیا کے سابق مرحوم صدر معمر القذافی اپنے سیاسی، معاشی اور فکری نظریہ ''النظریۃ العالمیۃ الثالثۃ'' کی وجہ سے بین الاقوامی شہرت رکھنے والے ایک مسلم قائد تھے، جنہوں نے دنیا بھر کی مظلوم قوموں کی مدد کی تھی، ویسے اس سلسلے میں اور تو اور روہنگیا مسلمانوں کی فلاح ونجات کے حوالے سے اٹھنے والی تنظیم ''روہنگیا فدائین محاذ'' کے بھرپور تعاون ومدد کی ٹھان لی تھی، اس سلسلے میں انہوں نے قابل قدر خدمات بھی کی تھیں۔

بعد میں روہنگیا فدائین محاذ کے قائد محمد جعفر حبیب نے معمر القذافی سے ملاقات بھی کی، جس میں آپ کو لیبیا کی طرف سے بھرپور تعاون کا یقین دلایا گیا تھا، اور جس کا سلسلہ ۱۹۸۶ء تک برابر جاری رہا تھا، اگر ۱۹۸۵ء کے اواخر میں روہنگیا فدائین محاذ میں اختلافات رونما نہ ہوتے اور بطور خاص محاذ کی اعلی قیادتوں کے درمیان تناؤ اور رسہ کشی نہ ہوئی ہوتی تو اس تعاون وامداد کا سلسلہ برابر جاری رہتا، افسوس ہے کہ محاذ کے دو قائدین محمد جعفر حبیب اور شبیر حسین صاحب کے مابین ہونے والی تناؤ اور رسہ کشی اور اس کے نتیجے میں محاذ میں افراتفری نے اس تعاون وامداد کے سلسلوں کو ختم کرکے رکھ دیا تھا۔

لیبیا میں سیاسی وعسکری تربیت کا پروگرام:

لیبیا کے صدر معمر القذافی اور کرنل عبدالسلام جلود نے روہنگیا مظلوم مسلمانوں کے حق میں اٹھنے والی تنظیم ''روہنگیا فدائین محاذ'' کی طرف خاص توجہ دی تھی، اس سلسلے میں دونوں لیڈروں نے محمد جعفر حبیب اور بعد میں شبیر حسین صاحب اور ان کے رفقائے کار سے بھرپور مالی اور عسکری تعاون کا عندیہ دیا تھا، اور کچھ نقد تعاون کر بھی دکھایا تھا، اس تعاون کے سلسلے میں حکومت لیبیا نے فیصلہ کیا کہ دوسری تیسری امداد وتعاون سے پہلے روہنگیا فدائین محاذ کے افراد کو سیاسی اور عسکری اعتبار سے تیار کرنا ہوگا، تاکہ یہ تنظیم صحیح معنی میں کام کرنے کی اہل بن سکے۔

غالبا ۱۹۷۵ء کے فورا بعد لیبیا کے تعاون کا یہ سلسلہ جاری نہ ہوسکا، لیکن بعد میں ایسا جاری ہوا کہ اس میں کہیں ٹھہراؤ کا نام تک نہیں آرہا تھا، لیبیا نے روہنگیا فدائین محاذ کے یکے بعد دیگرے جوانوں کے چار گروپ کو سیاسی تربیت دی، جس میں اور تو اور محاذ کی اعلی قیادتوں نے بھی شرکت کی تھی۔

ساتھ ہی ساتھ روہنگیا مجاہدین کو بھی لیبیا نے عسکری تربیت دینا شروع کردیا تھا، محترم محمد امین صاحب کینیسوی (سابق کمانڈر روہنگیا فدائین محاذ) کے بیان کے مطابق یہ تربیتی پروگرام ۱۹۸۶ء کے ابتدائی مہینوں تک مسلسل جاری تھا، جس میں یکے بعد دیگرے روہنگیا نوجوانوں کے آٹھ گروپوں نے حصہ لیا تھا۔

بعض باوثوق ذرائع کے مطابق ان عسکری تربیتی پروگراموں میں روہنگیا کے علاوہ دیگر مظلوم اقوام

کے نوجوانوں نے بھی حصہ لیا تھا، جن میں روہنگیا نوجوانوں نے بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کی تھیں۔

محاذ میں بحران اور محمد جعفر حبیب کی معزولی:

۱۹۸۶ء کے ابتدائی مہینوں تک ایک طرف لیبیا میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) والوں کی سیاسی و عسکری تربیت چل رہی تھی، تو دوسری طرف رابطۃ العالم الاسلامی اور منظمۃ التعاون لاسلامی (OIC) کے ساتھ مراسم بھی جاری تھے، ایسے حالات میں راہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی اعلیٰ قیادتوں کے درمیان پھر رسہ کشی شروع ہوگئی تھی، اس رسہ کشی میں ایک جانب محمد جعفر حبیب اور آپ کے رفقائے کار تھے تو دوسری جانب آپ کے دیرینہ ساتھی اور رفیق سفر جناب شبیر حسین صاحب فوئمالوی اور ان کے ہم نوا۔

۱۹۷۹ء کے ابتدائی مہینوں سے ۱۹۸۶ء کے ابتدائی مہینوں تک روہنگیا فدائین محاذ سیاسی، انقلابی اور عسکری اعتبار سے خاطر خواہ ترقی پذیر رہی تھی، محترم نور الاسلام، ڈاکٹر محمد یونس اور پروفیسر محمد زکریا وغیرہ کی محاذ سے علیحدگی کے بعد جناب شبیر حسین صاحب کو بلا کر محمد جعفر حبیب نے سینے سے لگا لیا تھا، لیکن ۱۹۸۵ء میں جناب شبیر حسین صاحب اور ان کے ہم نواؤں نے محمد جعفر حبیب پر وہی الزم لگانا شروع کیا جو اس سے پہلے نور الاسلام، ڈاکٹر محمد یونس اور پروفیسر محمد زکریا وغیرہ نے لگایا تھا، تاہم اب کی بار آپ پر جو الزامات لگائے گئے تھے ان پر امعان نظر سے سوچا جائے تو چند چیزیں سامنے آتی ہیں کہ:

۱۔ جہاں تک اندازہ ہوا کہ محمد جعفر حبیب ایک زیرک، ہشیار اور مسائل کے تہ میں اتر کر سوچنے والے لیڈر تھے، آپ کسی بھی کام کو جوش سے نہیں ہوش سے کرنے کے حامی تھے، آپ کا نقطۂ نظر اس کام کی طبیعت کے حوالے سے کچھ ایسا تھا کہ یہاں جذباتیات سے بلند ہوکر عقلمندی، زیرکی اور ہوشمندی سے کام لینا ضروری ہے، نرے جذبات کے ذریعے مسائل کو حل کبھی نہیں کیا سکتا، اگر اس نوعیت کے کام کو جذبات سے حل کرنے کی کوشش کی جائے گی تو اس کا نتیجہ بھیانک اور منفی نکلنے کا شدید خطرہ اور اندیشہ ہے، ظاہر ہے کہ ہمارے لوگ بڑے بے صبرے ہوتے ہیں، ہر موقع پر رہنما اور قائد سے بڑھ کر سوچنے کی کوشش کرتے ہیں، اس لئے تو محمد جعفر حبیب پر الزام لگایا گیا تھا کہ کہ آپ بڑے سست رفتار اور غافل قسم کے انسان ہیں۔

۲۔ محمد جعفر حبیب ایک زیرک، ہشیار اور اس کام کی طبیعت سے آشنا ہونے کے علاوہ میدانی کام کی طبیعت سے بھی خوب خوب آگاہ تھے، ویسے آپ نہیں چاہتے تھے کہ روہنگیا فدائین محاذ کا انجام بھی جہاد کونسل، مجاہد پارٹی اور روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) جیسا ہو جائے، یوں آپ نے اپنے رفقائے کار اور احباب کو جذباتیات سے پرہیز کرتے ہوئے کام کو اس کی طبیعت کے مطابق چلنے دینے کی تلقین کی تھی، لیکن افسوس ہے کہ نرے جذبات سے سرشار جوانوں نے آپ کی ہوش مندی، دانائی، بینائی، گہری بصیرت اور کام کی طبیعت سے آشنائی کو برداشت نہیں کر سکا تھا، اور یہ کہتے ہوئے آپ پر الزام لگا دیا کہ ہم محمد جعفر حبیب کے ذریعے آگے نہیں بڑھ سکتے۔

۳۔ محمد جعفر حبیب کے افکار، نظریات اور خیالات پر گہری نظر کے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکلا کہ آپ روہنگیا فدائین محاذ کو ایک سیاسی، فکری، ثقافتی اور انقلابی ادارہ (INSTITUTION) بنانا چاہتے تھے، یوں ظاہر ہے کہ اس کے لئے خاطر خواہ وقت کی ضرورت تھی، دراصل آپ کو فرصت ہی کب ملی کہ اس تنظیم کو ایک باقاعدہ، منظم و باضابطہ ادارہ بنا کر دنیا اور قوم کے سامنے لا سکتے؟ ۱۹۷۵ء سے لے کر ۱۹۷۸ء تک آپ کے خلاف طرح طرح کی سازشیں ہوئیں، اس کے بعد قدرے سنبھلنے ہی نہیں پائے کہ ۱۹۸۵ء میں دوبارہ آپ کے خلاف سازشوں اور پروپیگنڈوں کا جال پھیلا دیا گیا تھا، اس سے پہلے آپ کے خلاف تین تین مرتبہ شازشیں کی گئی تھیں لیکن سازش کاروں کو کامیابی نہیں ملی تھی، لیکن اب کی بار کی سازش میں آپ کو رہائی نہیں ملی، کیوں کہ اب کی بار کی سازش پہلی والی کے بمقابلہ کافی بھیانک تھی، جن لوگوں پر آپ کا اعتماد تھا انہوں نے ہی آپ کے پیٹ پر چھرا گھونپ دیا تھا، کاش اس مرتبہ آپ سازش کے نذر نہیں ہوئے ہوتے شاید ہی روہنگیا مسلمانوں کا حال ایسا نہیں ہوتا جو آج سب کی نظروں کے سامنے ہے، فلپین والوں نے ہمارے بعد تحریک شروع کی تھی، آج وہ کہاں اور ہم کہاں ہیں؟ اس حال پر بھی گہرا مطالعہ کی ضرورت ہے۔

۴۔ دراصل دشمن ہمارے پیچھے ہر زمانے میں پڑے ہوئے تھے، ہم جسے دشمن جانتے ہیں وہ بھی ظاہر ہے کہ ہمیں اس کے دشمن جانتے ہیں، ماضی میں ہمارے دشمن نے اپنی گہری سازش کے ذریعے جہاد کونسل، مجاہد پارٹی اور روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی کو نیست و نابود کر دیا تھا، اب کی بار پوری قوم کی حمایت سے روہنگیا فدائین محاذ سامنے آئی تو دشمن کے ہوش اڑ گئے تھے، تو اس نے اس تنظیم کو بھی موت کی

اندھیری وادی میں دھکیلنے کی بڑی زوردار سازش کی، جس میں وہ کامیاب ہوا تھا۔

اس سے پہلے جس طرح عرض کی گئی ہے کہ ۱۹۷۵ء سے لے کر سازش کاروں نے چند مرتبہ محمد جعفر حبیب (جن پر پوری قوم کی امیدیں وابستہ تھیں) کو میدان سے ہٹانے یا کم سے کم معزول کرنے کی کوششیں کی تھیں، لیکن کامیاب نہیں ہو سکے تھے، لیکن یہاں افسوس کا مقام یہ ہے کہ اب کی بار محمد جعفر حبیب نے جن کو اپنا سمجھا اور جن پر بھرپور اعتماد کیا تھا خود ان ہی کے ذریعے دشمن نے کامیابی حاصل کی تھی:

موم سمجھا تھا جسے دل سے سو پتھر نکلا۔

غرض بات یہ ہے کہ ۱۹۸۵ء کے اواخر میں جناب شبیر حسین اور ان کے ہم نوا ساتھیوں نے محمد جعفر حبیب پر طرح طرح کے الزامات لگاتے ہوئے آپ سے یہ کہا کہ:

"آپ اگلے چھ مہینے تک روہنگیا فدائین محاذ کے سرپرست رہیں لیکن عہدۂ صدارت جناب شبیر حسین کے ہاتھ منتقل کر دیں، اور دیکھیں کہ جناب شبیر حسین اور ان کے ساتھی کیا کر سکتے ہیں"۔

اس مطالبہ کے بعد ہی عملاً محمد جعفر حبیب سے قیادت کی باگ ڈور چھین کر آپ کو گھر میں بیٹھے رہنے پر مجبور کر دیا گیا تھا، یاد رہے کہ اس وقت جناب شبیر حسین صاحب (رکن مجلس شوری و عاملہ اور چیف آف کمانڈر) کو ساتھ دینے والوں میں مجلس شوری (RNC) کے اہم راکین کے علاوہ مجلس عاملہ کے چند نمایاں ترین اراکین اور مجاہدین کے درج ذیل چند طاقتور کمانڈرز بھی شامل تھے:

۱۔ جناب حبیب الرحمن صاحب سائندہ فاروی (رکن مجلس شوری و عاملہ اور اعلی درجہ کا کمانڈر)

۲۔ کمانڈر جناب عبدالرحمن صاحب خائندہ فاروی، مقیم حال سعودی عرب۔

۳۔ کمانڈر جناب محمد امین صاحب کینسوی، مقیم حال بنگلادیش۔

۴۔ کمانڈر محمد ناصر صاحب، مقیم حال ملائشیا۔

۵۔ کمانڈر محمد سلیم شجاع فاروی، مقیم حال بنگلادیش۔

۶۔ کمانڈر جمال احمد تمبر ووی، متوفی ۲۲/۱۰/۲۰۱۹ء۔

ایسے حالات میں محمد جعفر حبیب کو ساتھ دینے والوں میں آپ کے صرف چند رفقائے کار اور

معدودے چند مجاہدین تھے، جنہوں نے بہر صورت آپ کا حوصلہ بلند رکھتے ہوئے کہا کہ "یہ حالات انشاء اللہ بدل جائیں گے، آپ کو مایوس اور مضمحل ہونے کی کوئی ضرورت نہیں" ایسے حالات میں جن حضرات نے آپ کو حوصلہ دیا تھا ان میں سے نمایاں ترین یہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا اڈووکیٹ شفیق احمد صاحب تنگ بازاری۔

۲۔ جناب الحاج صالح احمد صاحب، سابق چیرمن۔۔۔۔۔

۳۔ جناب محمد محمد یونس صاحب پیر خالوی۔

۴۔ جناب ماسٹر دلیل احمد صاحب رنگیا دنگی بوسیدنگی۔

۵۔ جناب سجاد حسین صاحب رواواگری کونچی بنگی۔

اور مجاہدین میں سے نمایاں یہ تھے:

۱۔ مولوی محمد یونس جہادی ہولافوی (شہید)

۲۔ محمد اسحاق بوسیدنگی۔

۳۔ محمد رفیق رنگیا دنگی بوسیدنگی۔

۴۔ محمد نور علی چنگی۔

اب عملاً محمد جعفر حبیب معزول ہو کر مضمحل اور پریشان حال ہو چکے تھے، کیوں کہ جس گلستان کو آپ نے اپنی قوم و ملت کی خاطر اپنے خون جگر سے سینچا تھا خود اسے اپنے لالے پالے بلبلوں نے زاغ و زغن کے روپ دھار کر ویران کر دیا ہے، جنہوں نے آپ پر ایسا وار کیا کہ ہزار کوشش کے باوجود اس سے خلاصی ممکن نہیں ہو سکی تھی، اب اس کا کیا نتیجہ نکلا اس پر بھی غور کرنے کی زحمت اٹھا لیجئے کہ:

۱۔ محمد جعفر حبیب کی عملاً معزولی کے بعد روہنگیا فدائین محاذ کے اراکین عاملہ و شوری دو حصوں میں منقسم ہو گئے تھے، ایسے حالات میں کم سے کم اراکین مجلس شوری میں یک جہتی رہتی تو شاید تنظیم اس بحرانی کیفیت سے نکلنے میں کامیاب ہو سکتی تھی۔

۲۔ معسکر میں مجاہدین کے دل مضمحل ہو گئے تھے، اگرچہ وہاں مجاہدین کی اکثریت جناب شبیر حسین صاحب کے حامی تھی، لیکن محمد جعفر حبیب کے حامیوں کے بھی تعداد کوئی کم نہیں تھی، ویسے مجاہدین بھی

عملاً دو حصوں میں منقسم تھے، یوں آگے چل کر جس کا نتیجہ بھیانک صورت میں نکلا تھا، جس سے نہ صرف تنظیم بلکہ قوم کا بھاری نقصان ہوا تھا۔

۳۔ پھر محمد جعفر حبیب کی معزولی کے منفی اثرات اس زمانے میں لیبیا میں زیر تربیت روہنگیا مجاہدین میں بھی پڑے تھے، وہاں مجاہدین دو گروپوں میں منقسم ہو کر ان کے درمیان فتنے، فسادات رونما ہو گئے تھے، اور تو اور تربیت سے واپس آنے والے مجاہدین کے مابین ڈھاکہ میں ہاتھا پائی اور کشتم کشتا ہوا تھا، جس کی وجہ سے محمد جعفر حبیب اور آپ کے رفقاء کو خاصی پریشانیاں اٹھانی پڑی تھیں، ایسی ایسی پریشانیاں اٹھانی پڑیں، جنہیں بیان کرنا بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے۔

۴۔ محمد جعفر حبیب کی معزولی کے نتیجے میں اگلے چند دن کے اندر کم سے کم دو ایسے واقعات سامنے آئے، جن کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

روہنگیا فدائین محاذ کو ازسرنو ترتیب دینے کی کوشش:

درحقیقت روہنگیا مسلمانوں کی انقلابی تاریخ ہی تناؤ، افراتفری اور رسہ کشی سے عبارت ہے، بانیٔ تحریک محمد جعفر حسین قوال کے زمانے سے آج تک ہماری تحریک آزادی کی تاریخ میں جتنی بھی تنظیمیں سامنے آئیں ان سب کا خاتمہ تقریباً اپنوں کے ذریعے یا اپنوں کے ہاتھوں سے ہوا تھا، دشمن کے حملوں اور سازشوں سے زیادہ اپنوں کے حملوں نے ان کو نقصان پہنچایا تھا، ارکان کی تحریک آزادی متنوع آزمائشوں مختلف پریشانیوں اور متنوع مصیبتوں کی پگڈنڈیوں سے گزرتی ہوئی ۱۹۷۵ء کو پہنچی تو اس کا پتوار روہنگیا مسلمانوں کا محبوب ترین قائد محمد جعفر حبیب نے سنبھالا، اور روہنگیا قوم نے آپ کی روشن قیادت میں اپنے خواب کی تعبیر دیکھی، اور یہ کہتے ہوئے آپ کی قیادت کا خیر مقدم کیا کہ:

''محمد جعفر حبیب کی قیادت میں ابھرنے والی تنظیم روہنگیا فدائین محاذ اس مظلوم قوم کے مفاد میں انشاء اللہ تعالیٰ کچھ کر دکھائے گی اور آپ کی روشن ومثقف قیادت میں قوم کو اپنے پرانے خواب کی تعبیر مل جائے گی''۔

لیکن ظاہر ہے کہ بدقسمتی سے محمد جعفر حبیب بھی روایتی اختلافات کے شکار اور اسی پرانی سازش کے نذر ہو گئے تھے، جس نے آپ کے پیش رووں کو تباہ کیا تھا۔

ہمارے لوگوں نے محمد جعفر حبیب پر سست رفتار اور غافل ہونے کا الزام لگایا تھا، اور آپ کی قیادت کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ آپ کی قیادت میں اتنا بڑا کام انجام نہیں پا سکتا، تو اب سوال آتا ہے کہ ۱۹۷۵ء سے لے کر اب تک ان الزام لگانے والوں نے روہنگیا قوم کے لئے ایسا کیا کچھ کر دکھایا کہ جس کی بنیاد پر ہمارے لئے اب یہ کہنا ممکن ہو سکے کہ محمد جعفر حبیب سست رفتار اور غافل تھے اور وہ حضرات بڑے تیز رفتار، چست اور چالاک ہیں؟۔

بہر حال ادھر شبیر حسین صاحب روہنگیا فدائین محاذ سے محمد جعفر حبیب کو معزول کر کے بزور بازو عہدۂ صدارت پر براجمان ہو گئے تو ادھر روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) بھی ۱۹۸۴ء کے دوران اختلافات کی شکار ہو چکی تھی، محترم نور الاسلام صاحب نے ڈاکٹر محمد یونس اور ان کے ہم خیالوں کو تنظیم سے نکال پھینکا تو ڈاکٹر محمد یونس صاحب اور ان کے ہم خیالوں نے روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کا دوسرا دھڑا قائم کر لیا، اس حوالے سے راقم کی تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی'' کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''اب ظاہر ہے کہ ایک طرف نور الاسلام ار ایس او دھڑا ڈاکٹر محمد یونس اور ان کے ہمنواؤں کو تنظیم سے باہر کرنے کے بعد افرادی قوت کے بحران کا شکار گیا تو دوسری طرف قائد حبیب کو معزول کر دینے کے بعد RPF بھی مختلف پریشانیوں اور آزمائشوں کی شکار ہو گئی تھی، اس حال میں نور الاسلام اور شبیر حسین کے درمیان ایک بار پھر سے رابطہ شروع ہوا، نتیجے میں دونوں لیڈروں نے ایک متحدہ محاذ بنا کر اس کے پرچم تلے کام کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور انہوں نے ۱۹۸۶ء میں اسٹیارنگ کمیٹی نامی ایک مجلس کی تشکیل دی اور ایک سال تک دونوں تنظیمیں اس کے پرچم تلے متحد رہیں اور کام کی تھیں، بعد میں کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ دونوں تنظیمیں اپنے اپنے نام کو ختم کر کے ایک دوسری میں ضم ہو جائیں، یوں اس فیصلہ کے مطابق انہوں نے

ایک اور مسلح تنظیم بنائی جس کا نام ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ(ARIF)رکھا گیا تھا‘‘۔

ظاہر ہے کہ اس انضمام کی وجہ سے روہنگیا فدائین محاذ والی تنظیم ایک طرح کی کالعدم ہوگئی تھی، لیکن محمد جعفر حبیب اور آپ کے جان نثار اب بھی باقی تھے، تو انہوں نے دوبارہ کوشش شروع کر دی کہ روہنگیا فدائین محاذ کو از سرنو بحال کیا جائے، یوں شبیر حسین صاحب اور نورالاسلام صاحب کے ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ کے اعلان کے بعد محمد جعفر حبیب نے اپنی کوشش کو تیز کر دیا تھا، جس میں جن چند حضرات نے آپ کا بھرپور ساتھ دیا تھا وہ یہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا اڈووکٹ شفیق احمد صاحب تنگ بازاری۔
۲۔ جناب ماسٹر دلیل احمد صاحب رنگیا دنگی۔
۳۔ جناب یونس احمد صاحب پیر خالوی۔
۴۔ جناب سجاد حسین رواسوگری صاحب کونچی بنگی۔
۵۔ جناب الحاج سلیم احمد صاحب خیر فاروی۔
۶۔ مولانا محمد کبیر صاحب خواندنگی۔

مولانا محمد کبیر صاحب کے متعلق کہا گیا کہ اگر چہ آپ نے ماضی میں محمد جعفر حبیب سے سخت اختلاف کیا تھا لیکن ان کو بعد میں سمجھ آ گیا کہ جس وجہ سے اختلاف کیا گیا تھا اس میں خود ان کی غلطیاں تھیں، گردش ایام نے ان کو یہ سمجھنے اور سوچنے پر مجبور کر دیا کہ جو کچھ بھی ہو دیگر حضرات کے مقابلے میں محمد جعفر حبیب کی قیادت ہی برمحل اور کارآمد تھی۔

اب کی بار محترم سلیم احمد صاحب خیر فاروی نے محمد جعفر حبیب کا دل وجان سے ساتھ دیا تھا، یوں بھی جہاں تک میں جانتا ہوں کہ مرحوم سلیم احمد صاحب کسی بھی آزمائش کے موقع پر محمد جعفر حبیب کے ساتھ نبھانے میں کسی قسم کی کسر نہیں چھوڑی تھی، اللہ تعالی ان کو جزائے خیر دے۔

وفات حسرت آیات:

۱۹۸۶ء کے اواخر میں محمد جعفر حبیب روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کو از سرنو زندہ کر کے ترتیب دینے اور اس کے پرچم تلے لوگوں کو جمع کرنے کے حوالے سے کافی آگے بڑھ چکے تھے، ہر طرف سے آپ کے خیر خواہوں نے آپ کے پاس خیر مقدم کا پیغام بھیجنا شروع کر دیا تھا، ایسے حالات میں آپ کو بیماری لاحق ہوگئی تھی، یہ وہ بیماری تھی کہ جس سے آخر کا آپ کو خلاصی نہیں ملی تھی۔

۱۹۸۷ء کے دوران آپ اکثر چاٹگام میں رہا کرتے تھے، اس زمانے میں آپ نے فدائین محاذ کو دوبارہ منظم کرنے کے لئے دن رات کو ایک کر رکھا تھا، اچانک آپ کو جنڈیس جیسی جان لیوا بیماری کا احساس ہوا، ڈاکٹر نے تشخیص وعلاج کے بعد مشورہ دیا کہ حالت بہت خراب ہے، آپ کو فورا چاٹگام میڈیکل ہسپتال میں داخل کیا جائے، چنانچہ مشورے کے مطابق آپ کو میڈیکل ہسپتال میں داخل کیا گیا تھا، لیکن وقت بہت گزر چکا تھا، چنانچہ ہزار کوششوں کے باوجود آپ کو موت سے رہائی نہ ملی، اور داخلے کے ایک دن بعد آپ نے اس جہان فانی سے ہمیشہ کے لئے رخصت لی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

انتقال کے بعد آپ کی نعش کو سلیم احمد صاحب خیر فاروی کی رہائش گاہ ’’مہدی باغ‘‘ لایا گیا تھا، یہاں تجہیز وتکفین کے بعد آپ کی پہلی نماز جنازہ پڑھی گئی تھی، اس کے بعد جنازہ نائکان سری لایا گیا، جہاں دوسری نماز جنازہ کے بعد آپ کو جامع مسجد نائکان سری کے بغل میں آسودۂ خاک کر دیا گیا۔

☆☆☆

حافظ حامد حسین آل نبیو صاحب گودام فاروی

مفکر اسلامی وسیاسی وانقلابی رہنما:

حافظ حامد حسین آل نبیو جنوبی بوسیدنگ کی مردم خیز بستی گودام فارہ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد جناب نور احمد صاحب ایک دین دار، پرہیزگار اور علماء دوست بزرگ تھے (یاد رہے کہ نور احمد صاحب مرحوم میرے نانا جناب مفضل احمد صاحب کے حقیقی خالہ زاد بھائی تھے، اسی اعتبار سے مولانا حافظ حامد حسین میرا ماموں لگتے ہیں) اور آپ کی والدہ بھی ہمارے بزرگوں کے بیان کے مطابق ایک نیک سیرت اور بلند اخلاق والی خاتون تھی، نیکی، سچائی اور سادگی کے حوالے سے یہ دونوں بزرگ بستی میں کافی شہرت کے حامل تھے۔

حافظ صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنی بستی کے مکتب میں ہوئی، قرآن کریم کا ناظرہ مکتب میں ختم کیا، کچھ بڑے ہوئے تو مدرسہ اشاعت العلوم سندی فرانگ میں داخلہ لیا، یوں ابتدائیہ اور متوسطہ کی دینی تعلیم آپ نے اس درسگاہ میں پائی، حافظ صاحب غضب کے ذہین تھے، آپ کی ذہانت کی شہرت آپ کے طالب علمی کے زمانے میں عام ہو چکی تھی، اس حوالے سے مشہور ہے کہ آپ نے متوسطہ کی تعلیم کے دوران قرآن کریم کا مکمل حفظ کر لیا اور ساتھ ہی ساتھ برمیز و انگریزی میں بھی مٹرک کا امتحان بھی بڑے شاندار نمبرات کے ساتھ پاس کر لیا تھا، جو بظاہر ایک انہونی سی بات لگتی ہے، جس کے بعد لوگوں میں آپ یہاں تک مشہور ہو چکے تھے کہ آپ انسان نہیں ایک جن کا بچہ ہیں، میں نے اپنے بچپن میں آپ کی ذہانت کی خاصی باتیں سن رکھی تھیں، طوالت کا خوف ہے، ورنہ یہاں ضرور لائی جاتیں۔

اس کے بعد حافظ صاحب جامعہ اسلامیہ عالیہ بوسیدنگ میں داخل ہوئے، یہاں سے آپ نے جلالین، مشکوۃ المصابیح اور فقہ میں ہدایہ وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کی نیت سے مغربی پاکستان پہنچے، مشہور روایت کے مطابق جہاں آپ نے ایک دینی درسگاہ میں داخلہ تو لیا تھا، لیکن تعلیم مکمل نہیں کر سکی تھی، تاہم وہاں آپ نے اردو، عربی، انگریزی زبانوں کے علاوہ ہندی میں بھی کافی مہارت حاصل کر لی تھی۔

فراغت کے بعد آپ نے قومی کاموں کے میدان میں اترنے کا فیصلہ کیا، اس حوالے سے آپ نے پاکستان میں پائی جانے والی روہنگیا برادری کے ارباب فکر وعمل سے مشورہ کیا تھا، بالآخر ۱۹۷۵ء میں برمیز مسلم آرگنائزیشن (BMO) کے نام سے ایک تنظیم کی بنیاد رکھی، جس میں آپ ۱۹۷۵ء سے لے کر ۱۹۷۷ء تک جنرل سکریٹری کے منصب پر فائز رہے تھے۔

اس دوران حافظ صاحب نے وہاں قوم کے ارباب فکر و دانش کو اپنی تنظیم کے پرچم تلے جمع کرنے کی کوششیں کیں، پھر قومی کاز کے سلسلے میں ۱۹۷۶ء کے دوران مغربی پاکستان سے براہ بنگلا دیش ارکان آئے اور اندرون وطن کا طویل دورہ کیا تھا، آپ اپنے علاقے گودام فارہ، سندی فرانگ، یونگ چنگ اور فوئمالی گئے، دراں حالیکہ میں مدرسہ اشاعت العلوم سندی فرانگ میں زیر تعلیم تھا، حافظ صاحب نے چند روز میری حقیقی خالہ گلہا روز کے گھر میں قیام کیا تھا، میرے خالو جناب فضل احمد صاحب نے آپ کو گھر کے تہ خانے میں چھپا رکھا تھا، اور گھر والوں کو حکم دیا کہ اگر حافظ صاحب کے متعلق کوئی پوچھے تو کوئی جواب نہیں دیا جائے، اس دوران راقم سطور سے آپ کی ملاقات ہو گئی تھی، حافظ صاحب دن میں گھر میں چھپے رہتے اور رات کو اپنے کام کو چلے جاتے تھے، ویسے عرصۂ دراز تک مدرسہ اشاعت العلوم سندی فرانگ، مدرسہ محی العلوم یونگ چنگ اور مدرسہ مدینۃ العلوم فوئمالی کے علماء کے علاوہ علاقے کے دیگر علمائے کرام سے مشورے کرتے رہے تھے، اس دوران برمی حکومت کو آپ کی آمد ورفت کا صحیح صحیح علم ہوا تو میرے خالہ کے گھر کی تلاشی لی گئی تھی، لیکن خدا کا فیصلہ تھا کہ اس دن آپ گھر میں نہیں تھے، یوں آپ کی جان بچ گئی تھی۔

حافظ صاحب کے اس دورے کے بعد معلوم ہوا کہ ارکان کے علمائے کرام کی طرف سے انقلاب کے حوالے سے مثبت جواب نہ پا کر آپ خاصے مایوس ہوئے بنگلا دیش چلے گئے تھے، وہاں سے بھی کچھ دن کے بعد مایوسی کے عالم میں پاکستان کی راہ لی تھی۔

۱۹۷۵ء سے لے کر ۱۹۷۷ء کے دوران روہنگیا فدائین محاذ (RPF) اور برمیز مسلم آرگنائزیشن (BMO) کے مابین خوش گوار تعلقات تھے، جن میں ایک طرف محمد جعفر حبیب تو دوسری طرف حافظ حامد حسین کے مابین کے روابط کارفرما تھے، جہاں تک معلوم ہوا ہے کہ حافظ صاحب

محترم محمد جعفر حبیب کے بڑے عقیدت مند تھے، چنانچہ محمد جعفر حبیب کے کاغذات کی فائل میں راقم کو حافظ صاحب کے چند خطوط ملے، جن سے ایک طرف برمیز مسلم آرگنائزیشن کی طرف سے روہنگیا فدائین محاذ کو تعاون کئے جانے کا پتہ ملا تو دوسری طرف اس بات کا بھی پتہ چلا کہ حافظ صاحب کی خواہش تھی کہ روہنگیا فدائین محاذ انقلابی میدان میں کام سرانجام دے جب کہ برمیز مسلم آرگنائزیشن سیاسی اور ڈپلومیٹک میدانوں میں قومی فریضہ انجام دینے کے ساتھ محاذ کو مالی تعاون کرے۔

برمیز مسلم آرگنائزیشن کے صدر اگرچہ کراچی میں مقیم مولانا عبدالسلام نامی ایک بزرگ تھے، لیکن اس کی روح رواں حافظ حامد حسین ہی متصور تھے، برمیز مسلم آرگنائزیشن نے کراچی کو مرکز بنا کر نمایاں خدمات انجام دیں، جن میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ برمیز مسلم آرگنائزیشن نے ممکنہ ذرائع ابلاغ کو بروئے کار لاتے ہوئے برمی مسلمانوں کے عموماً اور ارکانی مسلمانوں کے خصوصاً حالات اوران پر ہونے والے مظالم سے دنیا کو آگاہ کیا تھا۔

۲۔ برمیز مسلم آرگنائزیشن نے دنیا کے امن پسند ممالک اور بطور خاص پاکستان اور عالم اسلامی سے درخواست کی تھی کہ ارکان اور برما کے مسلمانوں کی مدد کی جائے، اسی طرح انسانیت سے ہمدردی رکھنے والی تنظیموں اور فورموں سے بھی تعاون وامداد کی اپیل کی تھی۔

۳۔ برمیز مسلم آرگنائزیشن نے اقوام متحدہ سے درخواست کی تھی کہ وہ ارکانی مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرے، ساتھ ہی ساتھ اپیل کی تھی کہ یہاں کے مسلمانوں کی حمایت اور تعاون کے لئے راہ ہموار کی جائے۔

کہتے ہیں کہ برمیز مسلم آرگنائزیشن کی روح رواں مولانا حافظ حامد حسین ایک غضب کے ذہین و فطین ہونے کے ساتھ بڑے بالغ نظر اور دل دردمند سیاست دان تھے، قوم کے بعض اہل نظر کو آپ کی ذات سے بڑی امید تھی کہ وہ قومی مفاد کے حوالے سے کچھ کر سکیں گے، لیکن مسلسل مایوسی اور پے در پے ناکامی نے ان کو نڈھال بنا چھوڑا تھا، ویسے آپ ایک طویل مدت تک خاموشی کے عالم میں زندگی بسر کر کے جنوری ۲۰۰۱ء میں کراچی میں انتقال کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جناب ڈپٹی حمید الرحمن صاحب (بھاسا پرو) کیاری فرانگی، منگڈوی، عظیم سیاست دان وقومی لیڈر:

ڈپٹی حمید الرحمن معروف بہ بھاسا پرو صاحب شمالی منگڈو کی بستی کیاری فرانگ میں ایک متمول گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ایک دین دار اور زمیندار ہونے کے ساتھ سخی اور ہر دلعزیز بزرگ تھے، جن کی خدمات کا چرچا چار دانگ عالم میں تھا۔

حمید الرحمن صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب کے ساتھ سرکاری پرائمری اسکول میں ہوئی، اسی زمانے میں شمالی منگڈو کی بستی قاضی آباد میں ایک سرکاری اردو اسکول تھا، یہاں سے آپ نے ساتھویں جماعت کا امتحان امتیازی نمبرات سے پاس کیا، اس کے بعد منگڈو ہائی اسکول میں پڑھ کر مٹرک کا امتحان پاس کیا تھا۔

اس کے بعد اگلی پڑھائی کے لئے جناب حمید الرحمن صاحب اکیاب گئے، لیکن مختلف اسباب و وجوہات کی وجہ سے وہاں آپ نے اپنی پڑھائی کے سلسلے کو آگے نہیں بڑھا سکا، پھر آپ نے بنگال کا سفر کیا اور ڈھاکہ یونیورسیٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کر کے وطن واپس آ گئے تھے۔

وطن واپسی کے بعد جناب حمید الرحمن صاحب اسکول کے استاد مقرر ہوئے، ترقی کے مختلف مدارج طے کرتے ہوئے ڈپٹی کے منصب پر فائز ہوئے تھے، کہتے ہیں کہ آپ کی پڑھائی میں خاصی سیاسی جان تھی، چنانچہ آپ نے اپنے تلامذہ میں سیاست کا رجحان پیدا کیا تھا، ویسے آپ کے بے شمار تلامذہ ہیں جنہوں نے سیاسیات سے دلچسپی لی اور ملک وملت کی خدمات انجام دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

جناب حمید الرحمن صاحب نہایت ذہین، تیز وطرار، ہشیار اور چالاک اور وقت شناس اور معاملہ فہم انسان تھے، آپ کی دانائی، دور اندیشی، معاملہ فہمی کی بے شمار کہانیاں مختلف لوگوں کی زبانی سنی گئیں، اور تو اور آپ نے اپنی خداداد صلاحیت کے ساتھ ذاتی محنت سے سینکڑوں لوگوں کو مگھ برمی درندوں کے مظالم سے بچالیا تھا، برما کی آزادی کے بعد جمہوری دور حکومت میں اور ۱۹۶۲ء کے بعد فوجی حکومت کے دوران بھی آپ نے حکومت اور حکمرانوں سے مختلف پنگھا لڑا تھا، ۱۹۷۰ء کے دوران برمی سوشلسٹ پروگرام پارٹی (BSPP) کے منگڈو ٹاؤن شپ کے جنرل سکریٹری اوسولا سے آپ کی بڑی

کشمکش ہوگئی تھی، اوسولا ایک مگھ ظالم حاکم تھا، جس نے منگڈو اور بوسیڈنگ کے مسلمانوں کی زندگیاں تنگ کررکھی تھی، اس کے خلاف جناب حمید الرحمن صاحب نے گویا جنگ کا اعلان کر رکھا تھا، ظاہر ہے کہ آپ ایک مسلم دانشور تھے، آپ کے پاس نہ طاقت تھی اور نہ اقتدار تھا، اس حوالے سے جو کچھ تھا اوسولا ہی کے پاس تھا، لیکن آپ نے اپنی دانشمندی سے اس ظالم کا اس ڈھب سے مقابلہ کیا کہ آخر اس کے لئے زمین تنگ ہو گئی اور اسے جیل جانا پڑا تھا، اس حوالے سے جناب ابوالفیض جیلانی صاحب کا بیان ملاحظہ ہو کہ:

''جناب حمید الرحمن صاحب مسلم ارکان کے ایک عظیم حوصلہ مند اور نہایت زیرک دانشور تھے، ۱۹۷۰ء کے دوران آپ نے اوسولا کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا، آپ نے شواہد کے ساتھ کچھ ایسی دستاویزات حاصل کر لیں جن سے مبینہ طور پر معلوم ہوتا تھا کہ اس اوباش کے ساتھ مگھ باغی تنظیم ''ارکان کمیونسٹ پارٹی'' سے نہ صرف خفیہ تعلقات تھے بلکہ اس نے بھاری رقوم اور ہتھیاروں سے اس پارٹی کی مدد بھی کی تھی، اب حمید الرحمن صاحب نے شواہد کے ساتھ یہ ساری دستاویزات مرکزی خفیہ سروس کے سامنے رکھی تو اوسولا کی تفتیش کے لئے رنگون سے خفیہ سروس کی ایک ٹیم آئی تھی، چنانچہ طویل تفتیش کے بعد جرم ثابت ہونے پر اوسولا کو گرفتار کر لیا گیا تھا، یوں جناب حمید الرحمن صاحب چاردانگ عالم میں اور بھی مشہور ہو گئے تھے کہ آپ نے ایک بڑے ظالم کے مظالم سے اپنی خداداد صلاحیت اور اپنی زیرکی کو بروئے کار لاتے ہوئے ارکانی مسلمانوں کو بچایا، اس واقعہ سے آپ کی دانشمندی اور بلند حوصلگی کا ثبوت پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تھا، کیوں کہ اس زمانے میں اوسولا اتنا با اقتدار تھا کہ اس کے سامنے انسان تو کجا بلکہ پرندہ بھی پر مارنے کی ہمت نہیں کرتا تھا، لیکن جناب حمید الرحمن صاحب کی یہ بلند حوصلگی تھی کہ اس نے ہمت سے کام لیتے ہوئے اس اوباش کو دنگل سے ہٹانے میں بڑی کامیابی حاصل کی تھی، یاد رہے کہ اس مذکورہ واقعہ میں بطور شاہد فروخ احمد نامی سامپان کے ایک ملاح نے آپ کا بھرپور ساتھ دیا تھا، جس نے مفتشین کے سامنے یہ گواہی دی کہ اوسولا نے

ایک روز بھاری رقوم کے ساتھ مختلف قسم کے ہتھیار اس کے ذریعے ارکان کمیونسٹ پارٹی کے یہاں بھیجا تھا''۔

غرض جمہوری دور حکومت کے بعد نیون کے دور حکومت میں بھی جناب حمید الرحمن صاحب نے اپنی دانش مندی اور زیرکی کے ذریعے ارکان کے مظلوم مسلمانوں کی ہر اعتبار سے خدمات انجام دینے میں کوئی بھی کسر نہیں چھوڑی تھی، ۱۹۸۸ء میں نیون حکومت کے خاتمے کے بعد آپ اس وقت جنرل اونجی کی زیر قیادت ابھرنے والی سیاسی جماعت میں شامل ہو گئے تھے، چنانچہ اس پارٹی کے ٹکٹ پر آپ نے شمالی منگڈو کے حلقے سے الکشن بھی لڑا تھا، لیکن ایک مسلم جماعت کے مقابلے میں آپ کی ہار ہوئی تھی۔

جناب حمید الرحمن صاحب سے میری مختلف ملاقاتیں رہیں، شک نہیں ہے کہ آپ ایک جہاں دیدہ دانشور اور منجھے ہوئے سیاست دان تھے، اللہ تعالی نے آپ کے دل میں قومی ہمدردی اور دین اسلام سے محبت کی صفات کوٹ کوٹ کر بھر دی تھیں، آپ کو ہر سطح کے لوگوں سے باتیں کرنے کا ملکہ حاصل تھا، میں نے ارکان کے کسی بھی دانشور کو آپ جیسا علمائے کرام کی زبان میں باتیں کرنے والا نہیں دیکھا، لوگوں سے محبت کرنا گویا آپ کا شیوہ بن چکا تھا، کوئی بھی آپ کے یہاں سے مایوس نہیں جا سکتا تھا، آپ حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ کی سعادت سے بھی سرفراز ہوئے، دین دار تو تھے ہی، لیکن مسلک کے حوالے آپ پر بعض لوگوں کے کچھ الزامات بھی تھے، لیکن جو الزامات آپ کے خلاف تھے، وہ میرے نزدیک آپ کی خدمات کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں، آپ نے ۲۰۰۱ء میں انتقال کیا، منگڈو میں مدفون ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆☆☆

جناب ماسٹر عزیز احمد صاحب زادی فرانگی، بوسیدنگی، ممتاز سیاست دان، وانقلابی شخصیت:

محترم ماسٹر عزیز احمد بن حضرت علامہ اصحاب الدین صاحب کی ولادت ۱۹۳۸ء میں شمالی بوسیدنگ کی بستی زادی فرانگ میں ہوئی، آپ کے والد حضرت علامہ اصحاب الدین صاحب ایک عظیم المرتبت عالم دین ہونے کی حیثیت سے اپنے زمانے میں علاقہ بھر میں معروف اور مشہور تھے، جن کا مختصر تذکرہ راقم کی تصنیف ''تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے'' میں موجود ہے۔

محترم عزیز احمد صاحب کی بسم اللہ خوانی اپنے بزرگ ترین والد صاحب کے ہاتھ میں ہوئی، اس کے بعد بستی کے مکتب میں پڑھے، ساتھ ہی فندوفرانگ کے سرکاری پرائمری اسکول میں برمیز اور انگریزی کی تعلیم بھی شروع کر دی تھی، آپ کے پرائمری کے اساتذہ میں ماسٹر عزیز الرحمن صاحب بڑے قابل قدر استاد تھے۔ پرائمری کے بعد ۱۹۵۵ء میں آپ نے بوسیدنگ ہائی اسکول میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۹ء میں ہائی اسکول فائنل کیا تھا، جو اس زمانے میں مٹرک کا مساوی تھا۔

اس کے بعد آپ نے رنگون کا سفر کیا، جہاں آپ نے ایک ملٹری شفا خانہ میں نوکری کی تھی، پھر ۱۹۶۱ء میں وطن واپس آئے اور دوبارہ اسکول میں داخلہ لے کر ۱۹۶۲ء میں مٹرک کا امتحان امتیازی نمبرات کے ساتھ پاس کیا تھا۔

عزیز احمد صاحب مٹرک پاس کرنے کے بعد بوسیدنگ ہائی اسکول میں پرائمری کے استاد مقرر ہوئے، یہاں آپ نے ۱۹۶۴ء تک تعلیم دی تھی، پھر ۱۹۶۵ء میں بوسیدنگ ٹاؤن کے ''سینپرا'' نامی اسکول میں منتقل ہوئے، جہاں آپ نے ۱۹۶۸ء تک تعلیم دی تھی، اس کے اگلے دو سال لاوادنگ اسکول میں بھی تعلیم دی تھی۔

۱۹۷۸ء میں آپ نے مہاجرین کے ساتھ بنگلا دیش کو ہجرت کی تھی، تقریباً نو مہینے تک ہجرت کی زندگی گزار کر وطن واپس لوٹے تھے، ماسٹر صاحب نے اپنی اس ہجرت کے دوران بنگلا دیش میں مقیم مہاجرین کی بساط بھر خدمت کی تھی، آں جناب کی مؤثر قیادت کی وجہ سے روہنگیا مظلوم مہاجرین کا بہت ہی فائدہ ہوا تھا۔

ماسٹر صاحب شروع ہی سے روہنگیا انڈی پینڈنٹ فورس (RIF) کے سینئر ممبر تھے، اس وقت وطن عزیز کے اندر زیر زمین کام کرنے والی اس تنظیم کے زیر سائے آپ نے قوم وملت کی بڑی بڑی خدمات انجام دی تھیں، روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورسس نے ۱۹۷۲ء کے بعد روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی شکل اختیار کر لی تو آپ نے اندرون وطن میں رہتے ہوئے اس زیر زمین کام کرنے والی روہنگیا تنظیم کا بھرپور تعاون کیا تھا، اور خفیہ طور پر اس تنظیم کے اجلاس اور مختلف پروگراموں میں بھرپور شرکت بھی کی تھی۔

ماسٹر صاحب طالب علمی کے زمانے سے وطن کے حوالے سے کی جانے والی سیاست میں حصہ لیتے رہے تھے، ارکانی مسلمانوں کی عزت و وقار اور ان مسلمانوں کے سیاسی استحکام کے لئے کوششیں کرتے رہے تھے، اس حوالے سے آپ چند مرتبہ جیل بھی گئے تھے، مختلف مصیبتیں بھی جھیلے تھے، ویسے اس حوالے سے آپ کی خدمات اور قربانیاں بڑی قابل قدر ہیں۔

آخر کار ۱۹۸۴ء میں آپ کے لئے وطن کی زمین تنگ کر دی گئی تو آپ نے ہجرت کی اور بنگلا دیش ہوتے ہوئے حجاز مقدس پہنچے تھے، چنانچہ آپ نے یہاں بھی مختلف قومی کاموں میں حصہ لیتے ہوئے ۲۰۱۷ء داعی اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جس طرح عرض کی گئی ہے کہ ماسٹر صاحب سعودی عرب میں بیٹھے ہوئے نہیں تھے، ایک طرف تعلیم وتعلم کے ذریعے ہماری نئی نسل کو قومی وملی خدمات کے لئے تیار کرتے رہے تو دوسری طرف روہنگیا مسلمانوں میں فلاح و بہبود کے حوالے سے کام کرنے والوں کا بھرپور تعاون کرتے رہے تھے، آپ کی ہمیشہ یہی آرزو رہی تھی کہ ارکانی مسلمانوں کی خدمات کے لئے ایک جامع، اصولی اور فعال تنظیم ابھر کر سامنے آئے، اور اس سلسلے میں آپ نے بذات خود بہتوں کوششیں کی تھیں، لیکن آپ کو ناکامی کا چہرہ دیکھنا پڑا تھا۔

سیاست، قیادت اور انقلاب کے متعلق کبھی مولانا حسین احمد ابوالفضل صاحب سے ماسٹر صاحب کا توقع وابستہ رہا تھا، کہ مولانا روہنگیا مسلمانوں کی خدمات کے حوالے سے کوئی اچھے اور بار آور کام کریں گے، لیکن بعد میں آپ کے بیان کے مطابق آپ کی توقع درہم برہم ہوگئی تھی، ویسے آپ کو

مولانا کے متعلق خاصا پریشان بھی دیکھا گیا تھا۔

۲۰۱۱ء میں ارکان روہنگیا یونین (ARU) کی تشکیل ہوئی تو آپ نے اس فورم کا مفکرانہ، مبصرانہ جائزہ لیا تھا، چنانچہ آپ کے بیان کے مطابق آپ کو اس میں فتور ہی فتور نظر آرہا تھا، یوں اس فورم پر آپ نے جو تنقیدی نظر ڈالی، میرے خیال میں وہ بڑے قابل قدر بھی تھی۔

ماسٹر صاحب نے مولانا سلیم اللہ عبدالرحمن صاحب مرنگلوی صدر روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن برائے حقوق (RSOR) سے بھی اپنی آخری حیات میں امید وابستہ کر لی تھی، لیکن جہاں تک میں نے دیکھا کہ بعد میں آں جناب سے بھی آپ اپنی مایوسی کا اظہار کر رہے تھے۔

ماسٹر صاحب بڑے ذہین اور تیز وطرار انسان تھے، ساتھ ہی ساتھ فصیح اللسان اور جادو بیان بھی، آپ کا ہر ایک بیان برجستہ، مرتب اور دلائل سے پر ہوا کرتا تھا، کہنے میں یوں تو آپ برمیز اور انگریزی دان دانشور تھے، لیکن آپ کے طرز زندگی اور انداز کلام میں عالموں کی شان نظر آتی تھی، آپ ہر حال میں نستعلیقی کیفیت کے انسان نظر آتے تھے، خاصی وضع داری کے ساتھ انداز کلام بھی دیکھے جانے کا قابل تھا، ارکان اور برما کی سیاست میں آپ بڑے درک رکھتے تھے، اور اس میں کسی قسم کے شبہ اور شک کی گنجائش نہیں ہے کہ آپ ایک مبصر اور ایک منجھے ہوئے سیاست دان تھے، اور وطن عزیز کے مسائل ومشکلات پر گہری نظر رکھنے والا ایک انقلابی ذہنیت کا انسان بھی۔

ظاہر ہے کہ ماسٹر صاحب ایک جلیل القدر عالم دین کا صاحب زادہ تھے، یوں طبیعی طور پر علماء اور طلبائے دینی مدارس سے خاصی محبت اور شفقت رکھتے تھے، میں نے اپنے طالب علمی کے زمانے میں جامعہ اسلامیہ عالیہ بوسیدنگ میں آپ کو بہت ہی قریب سے دیکھا تھا، آپ کے دوست، احباب اور ہم راز تقریباً سارے کے سارے علمائے کرام تھے، حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب مظاہریؒ (سابق مہتمم جامعہ اسلامیہ عالیہ بوسیدنگ) اور حضرت مولانا ابوسعید صاحب ہولی مرنگی (سابق ناظم جامعہ اسلامیہ عالیہ بوسیدنگ) ماسٹر صاحب کے بہت ہی قریبی دوستوں اور ہم رازوں میں سے تھے، ماشاء اللہ آپ کو علمائے کرام سے ان ہی کی زبان میں باتیں کرنے کی کافی لیاقت، استعداد اور ملکہ حاصل تھا، اللہ تعالی آپ کی زندگی کو قبول کرے۔

سعودی عرب میں تقریباً بارہ تیرہ سالوں تک مجھے آپ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، میں جبھی آپ سے ملاقات کو پہنچتا تو آپ کے چہرے میں روشنی سی آجاتی تھی، مجھے بڑے پرتپاک استقبال کرتے، اور باتوں باتوں میں اپنا دل کھول کر رکھ دیتے تھے، ویسے تو آپ کی بہت ساری باتیں مجھے اب بھی یاد ہیں، طوالت کا خوف تو ہے، لیکن پھر بھی چند باتیں یہاں حاضر خدمت ہیں:

۱۔ روہنگیا مسلمانوں کی شادیوں کے مواقع پر جو بعض رسومات دیکھی جاتی ہیں، وہ صرف اور صرف ان مسلمانوں کی قومی تہذیب سے متعلق ہیں، ان کا دینیات سے کوئی بھی تعلق نہیں۔

۲۔ شادیوں کے مواقع پر جو گڑھا دیا جاتا تھا (آج کل یہ رسم ہمارے یہاں متروک ہے) اس کا تعلق کسی بدعات وخرافات سے نہیں تھا، بلکہ وہ بھی صرف روہنگیا قومی تہذیب سے متعلق تھا۔

۳۔ ہمارے یہاں کھانے سے پہلے جو فاتحہ خوانی ہوتی تھی، اور وہ بھی صرف کھانے پینے کے موقع پر، وہ اس لئے کی جاتی تھی کہ اس زمانے میں چوں کہ ہماری اکثریت علم دین سے محروم تھی، لوگ دین سے بےگانے تھے، اس لئے مولوی حضرات کم سے کم کھانے کے مواقع پر ہی سہی اللہ تعالی کا نام لئے کچھ مختصر سورتیں اور دعائیں بلند آواز سے پڑھتے تھے، تاکہ تدریجاً لوگ کچھ دینی امور سے مانوس ہوسکیں، حضرات مولویوں کا یہ فلسفہ اور حکمت اس وقت کے لحاظ سے بڑی بیش قیمت تھی، اور میں نے دیکھا کہ معاشرہ میں اس کا فائدہ بھی بہت ہوا تھا۔

۴۔ تہذیب ایک قوم کی بقاء کی ضامن ہوتی ہے، اس لئے روہنگیا مسلمانوں کو اپنی قومی تہذیب کی بقاء کے لئے کوشش کرنا بےحد ضروری ہے۔

۵۔ شادی کے مواقع پر خواتین اور لڑکیاں جو قومی راگنیاں الاپتی ہیں، ان میں روہنگیا قوم کے ماضی کی داستانیں ہوا کرتی ہیں، اپنے ماضی اور تاریخ کی طرف اشارات ہوتے ہیں، اس لئے میرے نزدیک ان کی بقاء کی بےحد ضرورت ہے۔

اللہ تعالی ماسٹر صاحب کی مغفرت کرے اور آپ کی تمام قومی اور ملی کوششوں کو شرف قبولیت عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

مولانا محمد کبیر صاحب خواندنگی،
سیاسی مفکر وانقلابی رہنما برائے امورقومی:

مولانا محمد کبیر بن حضرت مولانا راغب اللہ صاحب مجددی نقشبندی بن حضرت مولانا رحمت اللہ کی پیدائش ۱۹۳۶ء میں مشرقی بوسیدنگ کی معروف بستی خواندنگ میں ہوئی، پیدائش کے متعلق خود مولانا محمد کبیر کا ایک دل چسپ بیان ہے کہ:

> ''خاندانی ریکارڈ کے مطابق میری ولادت ۳؍فروری؍۱۹۳۶ء میں ہوئی، میرے والد حضرت مولانا راغب اللہ صاحب مرحوم کا بیان ہے کہ آپ میری ولادت سے قبل کسی ضروری کام کے لئے بوسیدنگ گئے ہوئے تھے، آپ کے ساتھ ماسٹر عبد الکریم نلبنیا وی، منگڈ وی بھی تھے، واپسی پر ان دونوں کو ایک جنگلی شیر نے روکا تو ماسٹر عبدالکریم صاحب نے آپ (میرے والد) سے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ آپ کے گھر میں ایک شیر جیسا بچہ پیدا ہوگا، چناں چہ آپ گھر پہنچے تو میری ولادت کا مژدہ سنے، اور بڑے خوش ہوئے، یوں مرحوم ماسٹر عبدالکریم صاحب کی فراست بھری پیش گوئی بھی صحیح اور برمحل نکلی''۔

مولانا محمد کبیر کے والد حضرت مولانا راغب اللہ صاحب سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے مجاز بیعت تھے، انہوں نے اپنے والد حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحب کے ہاتھ میں بیعت کی اور خلافت مع اجازت بیعت سے سرفراز ہوئے تھے، مولانا راغب اللہ صاحب نے اپنے والد کی طرح اپنے علاقے میں سلوک وطریقت کے حوالے سے بڑی خدمات انجام دی تھیں، تاہم بڑی کوشش کے باوجود حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کے شیخ کا پتہ نہیں چل سکا۔

مولانا محمد کبیر کے والد حضرت مولانا راغب اللہ صاحب ایک جلیل القدر عالم دین اور درویش صفت انسان تھے، آپ کو قرآن کریم کی تعلیم دینے اور مسلم بچوں کو دین سکھانے سے گویا عشق تھا، علاوہ ازیں آپ ایک سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے علاقے بھر میں معروف تھے۔

مولانا محمد کبیر کی والدہ نصوحہ خاتون بنت محمد امین رواسوگری بن سعید احمد رواسوگری بن عبدالسلام رواسوگری دابری چنگی بڑی عابدہ اور نیک صفات خاتون تھی، تو ظاہر ہے کہ مولانا کا دادہالی خاندان اور علماء والا خاندان ہے، جب کہ نانہالی خاندان ایک حکمران اور زمیندار خاندان ہے۔

مولانا محمد کبیر کی ابتدائی تعلیم اپنے بزرگ والد کے مبارک ہاتھ میں ہوئی تھی، قرآن کریم کا ناظرہ، عربی ، فارسی اور اردو زبان کی ابتدائی ریڈرز آپ نے اپنے والد سے پڑھیں، آپ نے ۱۹۴۷ء میں مدرسہ عالیہ خواندنگ میں داخلہ لیا تھا، یہاں حضرت مولانا اسد اللہ اور حضرت مولانا مقبول احمد جیسے کامیاب اساتذہ سے پڑھے تھے، اس کے بعد مدرسہ اشاعت العلوم سندی فرانگ گئے، جہاں حضرت مولانا محمد صاحب اور حضرت مولانا سکندر صاحب وغیرہ سے خوب خوب استفادہ کیا تھا، اس کے بعد حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب ندوی جو آپ کے والد صاحب کے دوست تھے نے آپ کو مدرسہ معین الاسلام تمنگ چنگ بلا لیا تھا، یہاں آپ نے دوسال میں چھٹی اور ساتویں جماعت کی کتابیں پڑھ لی تھیں۔

اس کے بعد مولانا مزید تعلیم کے لئے مشرقی پاکستان گئے اور ۱۹۵۲ء میں گارنگیہ، ساتکانیہ کی معروف درس گاہ میں آٹھویں جماعت کی کتابیں پڑھیں، اس کے اگلے سال سے مدرسہ حکیمیہ عالیہ چنوتی میں پڑھتے رہے اور یہاں سے عالمیت کا امتحان پاس کیا تھا، پھر اس کے بعد ۱۹۵۴ء میں مدرسہ عالیہ چندن پورا چاٹگام میں داخلہ لیا، جہاں آپ نے مخصوص طور پر حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب، حضرت مولانا عبدالحی صاحب، حضرت مولانا مفتی عمیم الاحسان مجددی برکتی اور حضرت مولانا شیخ عبد الرحمن صاحب کاشغری جیسے وقت کے عظماء سے تعلیم حاصل کی تھی، یہاں سے آپ نے ۱۹۵۶ء میں فضیلت اور ۱۹۵۷ء میں کاملیت کے امتحانات پاس کر کے سند فراغت حاصل کی تھی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۵۸ء میں آپ وطن لوٹے اور مارچ ۱۹۵۸ء میں ہی اپنے والد گرامی کے حکم سے برما کے دارالحکومت رنگون گئے تھے، تاہم والد صاحب نے ایک سال بعد ۱۹۵۹ء میں آپ کو واپس بلا لیا تھا، لیکن آپ اپنی بستی میں چند دن سے زیادہ مدت نہیں رہ پائے اور ارکان کے دارالحکومت اکیاب کو چلے گئے تھے، جہاں آپ نے المدرسۃ الاسلامیہ قصائی فارہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب وغیرہ کے ساتھ تدریسی خدمات انجام دی تھیں۔

۱۹۶۰ء میں آپ دوبارہ رنگوں گئے اور ایک نجی تجارت شروع کی تھی، یہاں آپ نے تجارتی میدان میں بڑا نام کمایا تھا۔ آٹھ سال ایسے میں گزر گئے تھے، پھر ۱۹۶۸ء کا سال آپ کے لئے پریشانی کا سال ثابت ہوا تھا، کیوں کہ اسی سال آپ کے والد صاحب اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے تھے۔

والد کے انتقال کی خبر ملتے ہی آپ نے وطن کی راہ لی، وطن پہنچے تو تھے لیکن ہمیشہ سہمے ہوئے اور اداس سے رہتے تھے، ایسی پریشانی اور اداسی کی حالت میں ایک سال گزر گیا تھا، یعنی آپ کے مطابق آپ کے والد کے انتقال نے آپ کو نڈھال بنا دیا تھا۔

۴؍جنوری؍۱۹۶۹ء میں آپ کی شادی ہاجرہ خاتون بنت ابوالباصر چوہدری تمنگ چنگی سے ہوئی، لیکن شادی کے چند مہینے بعد آپ نے پھر سے رنگون کی راہ لی تھی۔

ادھر تعلیم سے فراغت کے بعد آپ پہلی مرتبہ رنگون پہنچے تو آپ کی ملاقات وہاں کے معروف عالم دین حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مظاہری سے ہوئی تھی، آپ نے حضرت سے مختلف علمی، فکری، ثقافتی اور سیاسی موضوعات پر گفتگو کی تھی، مولانا محمد کبیر کے بیان سے معلوم ہوا کہ آپ مولانا مظاہری کی بعض آراء سے بالکل متفق نہیں ہو پائے تھے، البتہ یہ الگ بات ہے کہ جہاں تک اندازہ ہوا کہ ان دونوں کے مزاج، افتاد طبع اور خیالات ہی مختلف تھے، مولانا ابراہیم صاحب مظاہریؒ ایک جلیل القدر عالم دین، داعی، منجھے ہوئے صحافی اور سیاسی بزرگ تھے، جب کہ مولانا محمد کبیر صاحب ایک عالم ہونے کے علاوہ ایک انقلابی ذہن کا انسان تھے، فکری اور سیاسی اعتبار سے آپ کا میلان طبع ایک تعمیری انقلاب کی طرف تھا، اور یہ بھی ایک غور طلب بات ہے کہ مولانا محمد کبیر کا جس علاقہ سے تعلق ہے، وہاں کے مسلمانوں کے حالات بالعموم برمی مسلمانوں کے حالات سے مختلف تھے، اور جس پریشانی اور مصائب کی دنیا مولانا محمد کبیر صاحب نے دیکھی، اس کا مولانا مظاہری صاحب کو کب سامنا کرنا پڑا تھا؟۔

مولانا محمد کبیر کے بیان کے مطابق مولانا محمد ابراہیم مظاہری سے اس طویل گفتگو کے دوران آپ کے ذہن میں یہ بات جاگزین ہو چکی تھی کہ اگر ملک میں روہنگیا مسلمانوں کے مفاد کے حوالے سے کام کرنا ہو تو برمی زبان پر قدرت حاصل کرنا از حد ضروری ہے، اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لئے آپ نے رنگون ہی میں ایک نائٹ اسکول میں داخلہ لیا اور چند مہینے کی محنت سے آپ نے برمی زبان

پر خاصی مہارت حاصل کر لی تھی، یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت محمد جعفر حبیب رنگون میں زیر تعلیم تھے، اور ''روہنگیا یوتھ فیڈریشن'' کی قیادت کر رہے تھے۔

مولانا محمد کبیر نے ''روہنگیا یوتھ فیڈریشن'' میں شمولیت اختیار کی اور بعد میں آپ کو اسی تنظیم کے مرکزی سکریٹری برائے امور تنظیم بھی چن لیا گیا تھا، یہ وہ زمانہ تھا کہ بدنام زمانہ جنرل نیون نے روہنگیا مسلمانوں کی آمد و رفت پر سخت سے سخت ترین پابندی لگا دی تھی، تو آپ نے ۱۹۶۶ء میں سابق برمی وزیر معدنیات جناب ایم اے رشید صاحب کی زیر سرپرستی روہنگیا مسلمانوں کی طرف سے سپریم کورٹ آف رنگون میں ایک مقدمہ دائر کیا تھا، دراں حالیکہ بدنام زمانہ سابق برمی صدر ڈاکٹر مونگ مونگ چیف جسٹس آف سپریم کورٹ تھے، آپ کے دائر کردہ اس مقدمہ کے خلاف بڑی حد تک سازش کی گئی اور آخر کار مقدمہ ہی خارج کر دیا گیا تھا، اب آپ نے بھانپ لیا کہ روہنگیا مسلمانوں کی مکمل استیصال کے لئے یہاں سازش پایۂ تکمیل کو پہنچنے والی ہے، اور اب اس کے خلاف مسلح جدو جہد کے علاوہ اور کوئی بھی چارہ نہیں ہے۔

۱۹۷۲ء میں تھائی لینڈ کے دار الحکومت بنکاک میں سابق برمی وزیر اعظم مسٹر اونو کی زیر قیادت پیپل ڈیموکریٹک پارٹی (PDP) نامی تنظیم کی بنیاد پڑی تو مولانا محمد کبیر کی توجہ اس طرف گئی تھی، اس وقت آئے دن اگر چہ بدلتے ہوئے سیاسی حالات نے آپ کو پریشان کر رکھا تھا، تاہم تلاش معاش کے بطور ذاتی تجارت کو فروغ دینے میں کوئی بھی کسر آپ نے نہیں چھوڑی تھی، لیکن پیپل ڈیموکریٹک پارٹی کا اعلان ہوا تو آپ کے دوست جناب مایو رشید (بامونگ) نے اصرار شروع کر دیا کہ آپ بھی ان کے ساتھ تھائی لینڈ جائیں اور نت نئی اعلان شدہ تنظیم میں شامل ہو کر اپنی قومی خدمات کی کوئی راہ تلاش کریں، تو اس احساس نے کہ ملک میں روہنگیا مسلمانوں کے حالات ابتر سے ابتر ہو چکے ہیں اور اس قوم کو اپنے ہی وطن میں بے وطن بنا کر سماجی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی غرض ہر اعتبار سے مفلوج اور اپاہج بنا دیا گیا ہے، یعنی اس احساس نے ہی آپ کو اونو کی پارٹی میں شامل ہو کر کام کرنے پر مجبور کیا تھا، یوں ۴؍فروری؍۱۹۷۲ء میں آپ نے اپنے چھ ساتھی:

۱۔ رشید احمد بامونگ معروف بہ مایو رشید شیل گھاٹوی،

۲۔ عبدالرحمن،

۳۔ عبدالصمد،

۴۔ عنایت اللہ،

۵۔ خلیل الرحمن،

۶۔ محبوب الرحمن،

کی شمولیت کے ساتھ تھائی لینڈ کی راہ لی اور پیپل ڈیموکریٹک پارٹی میں شامل ہوکر انقلابی کام انجام دیئے تھے، یہاں آپ نے پیپل ڈیموکریٹک پارٹی کے سکریٹری اور سپہ سالار اوٹو ٹینگ سے ملاقات بھی کی تھی۔

لیکن مولانا محمد کبیر اور ان کے ساتھیوں کی پیپل ڈیموکریٹک پارٹی میں ایسی مخلصانہ شمولیت کے باوجود یہاں والوں کو ان حضرات کی شمولیت پسند نہیں آئی تھی، ویسے اگلے چند مہینے آپ اور آپ کے تمام ساتھی بڑے الجھن میں مبتلا رہے تھے، بالآخر آپ اور آپ کے ساتھیوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کر لیا کہ ایسے حالات میں ہمیں ارکان پہنچ کر مسلم انقلابیوں سے مل کر قومی وملی خدمات انجام دینا ہی ضروری ہے، ویسے انہوں نے پیپل ڈیموکریٹک پارٹی سے علیحدگی اختیار کر لی اور ۱۹ / جولائی / ۱۹۷۲ء میں علیحدہ علیحدہ شکل میں بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے ارکان کے دارالحکومت اکیاب میں پہنچے، پھر یہیں سے جنوبی بوسیدنگ کے معروف قصبہ یونگ چنگ میں پہنچ گئے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ محمد جعفر ثانی کی قیادت میں ''ارکان آزاد فوج'' بڑی خوش اسلوبی سے ارکان میں فریضۂ جہاد انجام دے رہی تھی، چناں چہ مولانا محمد کبیر نے ۱۶ / جولائی / ۱۹۷۲ء میں جعفر ثانی سے ملاقات کی اور بات بننے پر آپ ارکان آزاد فوج میں شامل ہو گئے تھے۔

ستمبر / ۱۹۷۲ء میں محمد جعفر ثانی نے بنگلا دیش کے دورہ کے لئے ایک وفد کی تشکیل دی اور رشید احمد باموئنگ کی زیر قیادت اس وفد نے بنگلا دیش کا دورہ کیا تھا، جس میں مولانا بھی شامل تھے، اس وفد نے بنگلا دیشی اعلی حکام سے سرزمین ارکان اور یہاں کے بے بس اور مظلوم مسلمانوں کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی، ویسے حکومت بنگلا دیش نے اس وفد کو تعاون کی امید دلائی تھی، آپ نے اس وفد میں شامل ہوکر وہ خدمات انجام دیں جو ایک نڈر، جری اور مبصر سیاست دان سے توقع کی جاسکتی تھی، آپ کی سیاسی بصیرت، فکری اور انقلابی زیرکی نے بنگلا دیشی حکام کو سکتہ میں ڈال دیا تھا۔

اس وفد کی بنگلا دیش سے واپسی کے فورا بعد پارٹی کی جانب سے آپ کو تنگ بازار والے علاقہ جات کا ذمے دار بنایا گیا تھا، یہاں آپ نے بڑی خوش اسلوبی سے تنظیمی خدمات انجام دی تھیں۔

۱۹۷۳ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تاسیس ہوئی، جس میں آپ مجلس تاسیسی کے ممبر ہونے کے ساتھ مجلس عاملہ کا رکن بھی چن لئے گئے تھے، بعد میں آپ کو اس تنظیم کے سپہ سالار بھی بنایا گیا تھا، لیکن بعض وجوہات کی بناء پر آپ نے ۱۹۷۹ء میں اس تنظیم سے علیحدگی اختیار کر کے بنگلا دیش میں نجی تجارت سے دلچسپی لی، جس میں آپ کو قدرے کامیابی بھی ملی تھی۔

۱۹۸۸ء میں جناب سلیم احمد کی زیر قیادت روہنگیا لیبریشن آرگنائزیشن (RLO) کی بنیاد پڑی تو اس میں درحقیقت مولانا محمد کبیر ہی روح رواں تھے، لیکن اس مؤخر الذکر پارٹی کو میدان عمل میں استقرار ہی نصیب نہیں ہوا تھا، جس کی قدرے تفصیلات راقم کی تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی پس منظر میں'' دیکھی جاسکتی ہیں۔ غرض اس تنظیم کی وفات کے ساتھ مولانا کی سیاسی اور انقلابی زندگی کا بھی خاتمہ ہو گیا، جس کے بعد آپ نے چند سال گوشۂ عزلت میں کاٹے تھے، اس دوران حجاز مقدس بھی گئے اور کچھ تجارت سے دلچسپی لینے کی بھی کوشش کی تھی، لیکن صحیح طور پر کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ بعد میں بنگلا دیش واپس آئے اور نائکان سری، کوکس بازار کے مقام پر ایک ذاتی مکان تعمیر کی، پھر اگلے چند سال کے بعد غالبا ۲۰۱۰ء میں آپ نے انتقال کیا اور نائکان سری میں دفن ہوئے۔

مولانا کے تین بچے ہیں، محبوبہ جو ایک ڈاکٹر بنی ہے، باقی ایک صاحب زادہ محبوب اور ایک صاحب زادی بھی ہیں، لیکن ان کے حالات معلوم نہیں، بس اتنی ہی بات معلوم ہو سکی کہ سب حیات سے ہیں، اللہ تعالی ان کی عمر دراز کرے۔

مولانا محمد کبیر صاحب ایک ذہین ترین اور انقلابی ذہنیت کے حامل انسان تھے، اور بلند پایہ کے عالم بھی، آپ جرجی زیدان سے کافی متاثر تھے اور وسیع الاطلاع اور ذکی الحس بھی۔

سیاسی اور فکری حوالے سے مولانا حسین احمد ابوالفضل صاحب لمبابیلی بوسیدنگی سے مولانا محمد کبیر شاید کبھی ہم آہنگ ہو سکے ہوں گے، اور ہوتے بھی کیسے؟ ان دونوں شخصیات کے مابین فکریات اور سیاسیات کے حوالے سے بعد المشرقین تھا، اللہ تعالی مولانا محمد کبیر کی بال بال مغفرت کرے۔

☆☆☆

جناب شبیر حسین صاحب فوئمالوی، بوسیدنگی،
سیاسی وانقلابی قائد ومربی، ومجاہد فی سبیل اللہ:

جناب شبیر حسین کی ولادت ۱۹۴۱ء میں جنوبی مشرقی بوسیدنگ کے معروف قصبہ فوئمالی میں ہوئی، آپ کے والد مرحوم الحاج احمد الرحمن صاحب ایک متدین، پرہیزگار اور ہر دل عزیز بزرگ تھے، جو سرکاری اسکول کے عرصۂ دراز تک ہڈ ماسٹر رہ چکے تھے۔

جناب شبیر حسین صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب اور پرائمری سرکاری اسکول میں ہوئی، پھر بوسیدنگ، اکیاب اور چوکپرو کے سرکاری اسکولوں سے ثانویہ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اعلی تعلیم کے لئے رنگون گئے، آپ نے ۱۹۶۰ء میں رنگون یونیورسیٹی میں داخلہ لیا، جہاں سے ۱۹۶۵ء میں اقتصادیات/معاشیات میں ڈگری حاصل کی تھی۔

شبیر حسین صاحب رنگون میں دران تعلیم سیاسی تحریکوں سے منسلک رہے، جن میں سے کچھ یہ ہیں

۱۔ ۱۹۶۱ء سے لے کر ۱۹۶۴ء تک آپ رنگون یونیورسیٹی روہنگیا طلباء تنظیم ''روہنگیا اسٹوڈنٹ آرگنائزیشن'' (RSO) کا جنرل سکریٹری رہے تھے۔

۲۔ اسی طرح ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۴ء تک رنگون یونیورسیٹی کی اور ایک روہنگیا طلباء تنظیم ''رنگون یونیورسیٹی مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن'' (RUMSA) کے کارکن رہے تھے۔

۳۔ ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۴ء تک اور ایک مسلم طلباء تنظیم ''اسٹوڈنٹ یونین'' (SU) کے شعبۂ نشرواشاعت میں سکریٹری برائے نشرواشاعت اور پروپیگنڈے کے انچارج رہے تھے۔

آپ نے ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۵ء تک رنگون یونیورسیٹی کے دوران تعلیم یونیورسیٹی گروپ میں شامل ہوکر فوجی تربیت حاصل کر لی تھی، ڈگری حاصل کرنے کے بعد پونجیا (جو پیگو کے قریب ہے) میں مرکزی ٹرینگ انسٹیٹیوٹ میں دفتری تربیت حاصل کرنے کے لئے داخلہ لیا تھا، اس کے بعد وزارت برائے امور تجارت اور کارپوریشن میں بھی داخلہ لیا، جس میں آپ نے ٹاؤن شپ ٹریڈ منیجری کا عہدہ سنبھالا تھا۔

۱۹۶۶ء میں روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) میں آپ خفیہ طور پر شامل ہوگئے تھے، جس کے بعد آپ وطن واپس آگئے، یہاں ارکان پہنچنے کے بعد دیکھا کہ سرکاری خفیہ ایجنسی آپ کے پیچھے

پڑ چکی ہے تو آپ زیر زمین چلے جانے پر مجبور ہوگئے تھے۔

۱۹۶۶ء میں شبیر حسین صاحب محمد جعفر ثانی کی زیر قیادت چلنے والی تنظیم ارکان آزاد فوج میں شامل ہوگئے تھے، ارکان آزاد فوج کے بڑے بڑے اراکین کے ایک گوشوارہ سے پتہ چلا کہ آپ ابھی ارکان آزاد فوج میں شامل ہوگئے تو آپ کو مجلس شوری کا رکن چن لیا گیا تھا۔

۱۹۷۳ء میں اس تنظیم کو بنگلا دیش کی طرف سے دعوت ملی تو شبیر حسین صاحب محمد جعفر ثانی کی زیر قیادت جانے والے وفد میں شامل ہوئے تھے، جہاں آپ نے بنگلا دیشی متعلقہ اعلی حکام سے گفتگو کی تو آپ کو بہت پسند کیا گیا تھا، اس وفد کے حوالے سے تفصیلات راقم سطور کی تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی'' میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

۱۹۷۳ء میں روہنگیا انڈی پنڈنٹ فوس (RIF) کو روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں تبدیل کر دیا گیا تو شبیر حسین صاحب محمد جعفر حبیب کے دست راست بن گئے تھے، اس ضمن میں کہا جاتا ہے کہ روہنگیا فدائین محاذ جیسے خوب صورت نام کی تجویز بھی آپ ہی نے دی تھی، جسے سارے لوگوں نے پسند کیا تو پاس ہوگئی تھی۔

۱۹۷۵ء میں روہنگیا فدائین محاذ کی تجدید ہوئی تو شبیر حسین صاحب نے بحیثیت استاد محاذ کے جوانوں کی عسکری تربیت دی تھی، جس میں ڈاکٹر محمد یونس، پروفیسر محمد زکریا اور نور الاسلام صاحب سمیت بہت سے اعلی تعلیم یافتہ جوان شریک ہوئے تھے، ویسے آپ ہماری تحریک آزادی کی تاریخ میں ''ماسٹر شبیر'' کے نام سے معروف ومشہور ہیں۔

۱۹۸۴ء میں جناب شبیر حسین صاحب اپنے ہم خیالوں سے مل کر محمد جعفر حبیب کو عہدۂ صدارت سے ہٹا کر خود محاذ کے عہدۂ صدارت پر براجمان ہوگئے تھے، آپ کی اس حرکت کی وجہ سے اس زمانے میں اور بعد میں بھی آپ کی طرف انگلیاں اٹھیں اور میرے خیال میں ارکان کی تحریک آزادی پر لکھنے والے مورخین اس واقعہ پر سدا افسوس کرتے ہی رہیں گے۔

۱۹۸۶ء میں اڈووکٹ نور الاسلام صاحب کی زیر قیادت روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) اور شبیر حسین صاحب کی زیر صدارت روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے مابین ایک

معاہدہ ہوا، جس کے نتیجے میں ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) نامی تنظیم وجود میں آئی تھی، جس میں شبیر حسین صاحب مؤسس صدر چنے گئے تھے، لیکن افسوس ہے کہ جناب نورالاسلام صاحب نے آپ کو چند مہینے گزرتے نہ گزرتے معزول کردیا تھا، جس کے بعد آپ بہت پریشان ہوگئے تھے۔

لیکن ۱۹۹۲ء میں جناب نورالاسلام صاحب نے شبیر حسین صاحب کو دوبارہ ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ میں بلاکر آپ کے ہاتھ نائب صدارت کا قلمدان سپرد کیا تھا، جس کی وجہ سے آپ کے بہت سارے رفقاء نالاں ہوکے آپ سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ گئے تھے، بہرحال آپ اس مذکورہ عہدہ پر فائز رہنے کی حالت میں ۲۷؍رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ بمطابق ۱۹۹۷ء کو چاٹگام میں انتقال فرمایا، اور چاٹگام کی معروف قبرستان ''سوتو یئہ گلی'' میں مدفون ہوئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

محترم جناب شبیر حسین صاحب دل کے سچے، زبان کے پکے، دل دردمند اور فکر ارجمند کے مالک ایک عظیم وکریم دانشور لیڈر تھے، جن کی قربانیاں قوم کی تاریخ ہمیشہ یاد رکھے گی۔

☆☆☆

ماسٹر عبدالغفار صاحب نکھوروی مرحوم، سیاسی وانقلابی اور سماجی کارکن:

جناب عبدالغفار بن مولانا ولی احمد صاحب ۲۲؍جون؍۱۹۲۲ء میں شمالی منگڈو کے معروف قصبہ نکھورہ میں پیدا ہوئے تھے، آپ کے والد مولانا ولی احمد صاحب ایک بلند پایہ کے عالم دین ہونے کے علاوہ ایک درویش صفت داعی بزرگ تھے، جنہوں نے دعوت وتبلیغ کے ذریعے یہاں ہزاروں لوگوں کو راہ راست پر لایا تھا، کہتے ہیں کہ ان کا مزاج بڑا نرالا اور زبان بڑی شوخ تھی۔

ماسٹر صاحب کی ابتدائی دینی تعلیم اپنی آبائی بستی میں ہوئی تھی، اس کے بعد قاضی آباد کے اردو اسکول سے ساتویں جماعت تک تعلیم پائی تھی، اس کے بعد آپ علاقے میں استاد مقرر ہوئے تھے، یوں ہزاروں مسلم طلباء آپ سے مستفید ہوسکے، جس کی وجہ سے آپ کو ماسٹر عبدالغفار کہا جاتا ہے۔

ماسٹر عبدالغفار صاحب ایک طرف جناب مرحوم رشید احمد قاضی آبادی (MP) کے حقیقی ماموں یعنی مرحوم چوہدری ابوالخیر صاحب آپ کے بہنوی تھے تو دوسری طرف اڈووکٹ سلطان احمد بالوخالوی (MP) اور جناب مولانا عبدالغفار (MP) و پارلیمنٹری سکریٹری دونوں بھی آپ کے بہنوی تھے۔

دوسری عالمی جنگ کے دوران جناب ماسٹر عبدالغفار صاحب ایک پولیس افسر تھے، اس دوران ٹیچر ٹریننگ کے لئے رنگون کا سفر کیا تھا، برما کی آزادی کے بعد اردو کی سرکاری حیثیت ختم کردی گئی تو آپ ایک حیثیت سے مفلوج ہوکر رہ گئے تھے، جس کا آپ کو مرتے دم تک افسوس رہا تھا۔

ماسٹر صاحب نے دو شادیاں کیں:

۱۔ آپ کی پہلی اہلیہ وظیفہ بیگم بنت اڈووکٹ قاضی عبدالعلی تھی، کہتے ہیں کہ آپ کی یہ اہلیہ بڑی نیک، پارسا اور عابدہ خاتون تھی۔

۲۔ آپ کی دوسری اہلیہ چمن آرا بنت ماسٹر محمد شریف تھی۔ اللہ تعالی نے ماسٹر صاحب کی اولاد میں بڑی برکت دی، دونوں کے بطن سے چھ صاحبزادیاں اور نو صاحبزادے پیدا ہوئے۔

ماسٹر صاحب نے دوسری عالمی جنگ کے بعد قوم کی بڑی بڑی خدمات انجام دی تھیں، جن میں نمایاں یہ ہیں:

١۔ آپ جہاد کونسل کے ممبر رہے۔

٢۔ آپ روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کے فعال کارکن رہے۔

٣۔ آپ روہنگیا جمعیت علماء کے لیڈر رہے۔

٤۔ ١٩٧٥ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کو احیاء وتجدید کرنے میں آپ کا بڑا ہی رول تھا، جس کی تفصیلات کے ساتھ آپ کی دیگر خدمات کے متعلق بعض چیزیں میری مختلف کاوشوں میں پھیلی ہوئی دیکھی جاسکتی ہیں۔

٥۔ بعد میں آپ روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے لیڈر بنے، اور اس کی مجلس عاملہ میں نائب صدارت کا عہدہ سنبھالا تھا۔

میری نظر میں آپ کی سب سے بڑی خدمات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے ''ارکانی مسلمانوں کے عروج وزوال'' نامی اردو میں ایک کتاب لکھی، جو مخطوط شکل میں میرے پاس موجود ہے، جس پر الحمدللہ میں نے ایک مقدمہ لکھ کر اس قابل بنائی کہ منظر عام پر آسکے، دعا ہے کہ اللہ تعالی اس بیش قیمت کتاب کو زیور طباعت سے آراستہ کرنے کی توفیق عنایت کرے، آمین۔

میں نے ماسٹر صاحب کو براہ راست نہیں دیکھا، لیکن آپ کے متعلق بیان کرنے والوں کے بیان سے جہاں تک پتہ چلا کہ آپ نہایت دین دار، خدا ترس ہونے کے ساتھ قوم وملت سے بڑی ہمدردی رکھنے والے مخلص بزرگ تھے، اللہ تعالی ان کے درجات بلند فرمائے۔

☆☆☆

جناب ماسٹر شونا علی صاحب دابری چنگی مرحوم، محرک وسیاسی:

جناب شونا علی صاحب ٦/ مارچ/ ١٩٣٦ء میں مشرقی بوسیدنگ کی بستی دابری چنگ میں پیدا ہوئے، یہ بستی بوسیدنگ شہر کے بالمقابل دریائے مایو کے مشرق میں دامن وادی میں صدیوں سے آباد ہے، جس کی زمین قدرتی طور پر بڑی زرخیز ہے، یوں علاقۂ بوسیدنگ کی دیگر بستیوں کی بہ نسبت اس بستی کے باشندے خاصے خوش حال ہیں۔

شونا علی صاحب کے والد نجو میاں مرحوم اس بستی کے سرکردہ آدمی ہونے کے ساتھ ہر دل عزیز بزرگ تھے، قدرت کو یہی منظور تھا کہ ابھی شونا علی صاحب بہت چھوٹے تھے کہ آپ کے سر سے پدر کا سایہ اٹھ گیا تو والدہ نے آپ کے چچا سے شادی کر لی تھی۔

١٩٤١ء میں شونا علی صاحب کی مکتب نشینی ہوئی تھی، جناب ماسٹر دودو میاں (صلاح الدین صاحب باغگونوی منگڈوی) سے آپ نے قرآن کریم کا ناظرہ پڑھا، ١٩٤٥ء میں اگرچہ عالمی جنگ کی مصیبت کے عالم میں سہی آپ نے رنگیہ دنگ (بوسیدنگ) کے پرائمری اسکول میں داخلہ لیا تھا، ذہانت کا عالم تھا کہ اساتذہ نے پہلی جماعت کی پڑھائی کے بعد درمیان کی دوسری جماعت کو چھوڑ کر تیسری جماعت میں داخل کرا دیا تھا، یوں تیسری اور چوتھی جماعت مکمل کر کے ١٩٤٨ء میں بوسیدنگ ڈاک بنگلا میں آپ نے اختصاصی طور پر امتحان دیا تھا، جس میں کامیابی کے بعد اکیاب گئے تھے، یہاں چند سال پڑھتے رہے تھے، اس کے بعد چوکپرو سے مٹرک کا امتحان پاس کر کے گھر واپس آ گئے تھے۔

اس پڑھائی کے دوران ایک واقعہ یہ ہوا کہ آپ کے چچازاد بھائی جناب سید حسین صاحب (جو بانی تحریک آزادی محمد جعفر حسین قوال کے معتمد خاص اور جہاد کونسل کے سرکردہ لیڈروں میں سے تھے) اپنے پورے گھرانے کے ساتھ مشرقی پاکستان کے سرحدی علاقہ میں ہجرت کر گئے تو ماسٹر شونا علی صاحب بھی پڑھائی کے اختتام پر ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے، آپ ہجرت کی اس زندگی میں لیموسری کے مقام پر ایک سال بے کار پڑے رہے تھے، اس کے بعد ١٩٥٦ء سے ١٩٦٢ء تک ٹیکناف میں مقیم رہے، یہاں آپ نے دیگر قومی سرگرمیوں کے ساتھ ایک نجی تجارتی لائبریری بھی کھول

رکھی، جس میں آپ کو خاصی کامیابی ملی تھی۔

۱۹۵۸ء میں ماسٹر شونا علی صاحب نے اپنے استاد و مربی دودو میاں صاحب کی لڑکی سے شادی کی، لیکن ۱۹۶۲ء میں اہلیہ میکہ (بانگو نہ منگڈو) گئی اور واپسی کا نام نہیں لیا تو آپ کو مجبوراً وطن واپس لوٹنا پڑا تھا، اب آپ نے اپنی بستی میں کھیتی باڑی کا کام شروع کر دیا تھا، اس دوران آپ کو بعض مصلحت کی بنیاد پر برمی سوشلسٹ پروگرام پارٹی کا ممبر بھی بننا پڑا تھا۔

۱۹۶۴ء میں روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کی تشکیل میں آپ نہ صرف اس کے تاسیسی ممبر رہے بلکہ آپ علاقۂ بوسیدنگ کے ذمے دار بھی چنے گئے تھے، یوں اس قومی تنظیم کے زیر سائے آپ نے نمایاں خدمات انجام دی تھیں۔

۱۹۶۹ء میں برمی حکومت کو اس بات کا پتہ چل چکا تھا کہ ماسٹر شونا علی صاحب ریف کے مؤسسین میں سے ہیں، یوں برمی سوشلسٹ پروگرام پارٹی کی جانب سے آپ کو پروانہ ملا کہ آپ بوسیدنگ کے پارٹی دفتر میں فوراً حاضر ہوں، اس سلسلے میں پارٹی کی طرف سے یکے بعد دیگرے تین تین خطوط ملتے رہے تھے، اب سمجھ چکے تھے کہ وطن کی زمین آپ کے لئے تنگ ہو چکی ہے، ایسے حالات میں اور ایک خط آیا تھا، جس میں لکھا گیا کہ آپ فوراً حاضری نہیں دیں گے تو آپ کو باغیوں کی فہرست میں شامل کر لیا جائے گا، ویسے ترک وطن آپ کے لئے گویا واجب ہو گیا تھا، یوں کسی طرح جان بچا کر بنگلا دیش پہنچ گئے تھے۔

سن ۱۹۶۹ء میں آپ اپنی آبائی بستی سے نکلے، تنگ بازار اور تامی سے ہو کر فانسی پہنچے، یہاں آپ کی ملاقات روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) کے نائب صدر جناب ماسٹر شونا علی صاحب زادی فرانگی اور ان کے دست راست جناب عبدالجلیل صاحب سے ہوئی تھی، ان دونوں کو اپنا حال سنایا اور تحریک آزادی کے حوالے سے طول طویل گفتگو کی تھی، اس کے بعد آپ درۂ گرجنیہ عبور کر کے بائس فاری پہنچے، یہاں آپ نے ماسٹر دلیل احمد رنگیا دنگی اور محمد جعفر حبیب سے ملاقات کی تھی، اس کے بعد آپ ٹیکناف میں مقیم ہو گئے تھے۔

۱۹۷۳ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کا تاسیسی پروگرام شروع ہوا تو ماسٹر شونا علی صاحب

اس میں شریک ہوئے تھے، لیکن ۱۹۷۴ء میں آپ نے اس تنظیم سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، تاہم بعد میں اس کے بعض اجلاس میں آپ شریک بھی ہوئے لیکن مرتے دم تک جنگل جانے کا نام نہیں لیا تھا۔

ماسٹر شونا علی صاحب الحاج ابوالکلام خونیہ فاروی کے دوستوں اور ہم نشینوں میں سے تھے، اور تجارت کے حوالے سے حاجی صاحب کے معاون بھی رہے تھے، آپ نے ایک طویل زندگی نائکان سری میں گزار کر وہیں انتقال کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆☆☆

جناب ابوالفیاض صاحب (BA) نافیتارڈیلوی
سیاسی، انقلابی اور سماجی کارکن:

جناب ابوالفیاض صاحب ۱۹۳۶ء میں نافیتارڈیل منگڈو میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم بستی کے مکتب اور پرائمری سرکاری اسکول میں پائی تھی، اور ۱۹۶۵ء میں منگڈو ہائی اسکول سے مٹرک کا امتحان پاس کیا تھا، اس کے بعد رنگون گئے تھے، ۱۹۶۹ء میں رنگون یونیورسیٹی سے فن تاریخ میں بی اے کی ڈگری حاصل کی تھی، اس کے بعد وطن واپس آئے اور ۱۹۷۰ء میں کھاری فارہ منگڈو والی ایک لڑکی سے شادی کی تھی۔

ابوالفیاض صاحب اس درمیان روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کے ممبر بن کر قومی سیاست سے وابستہ ہوئے تھے، اس کے بعد ۱۹۷۱ء میں بنگلادیش پہنچے تھے، بنگلادیش کی جنگ آزادی کے دوران آپ بالکل غیر جانب دار رہے تھے، پھر بھی ۱۹۷۲ء میں آپ اور آپ کے ساتھیوں پر یہ الزام لگایا گیا کہ آپ اور آپ کے تمام ساتھی پاکستان کے حامی تھے، جس کی وجہ سے مجبور ہو کر آپ نے روپوشی اختیار کی تھی، بعد میں ارکان آزاد فوج / روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) میں شامل ہو گئے تھے۔

جناب ابوالفیاض صاحب ۱۹۷۳ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے تاسیسی ممبر تھے، پھر ۱۹۷۵ء میں روہنگیا فدائین محاذ کی تجدید ہوئی تو آپ مجلس عاملہ کے رکن چن لئے گئے تھے، ۱۹۸۶ء کے دوران روہنگیا فدائین محاذ (RPF) اور روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) نور الاسلام دھڑا کے مابین ایک معاہدہ ہوا، جس کے بعد ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) وجود میں آئی تو آپ مجلس شوری (RNC) کے چیر من رہے، بعد میں اس تنظیم کے عاملہ ممبر بھی چن لئے گئے تھے۔

۱۹۹۸ء میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی بنیاد کے دوران ابوالفیاض صاحب نیشنل اسٹنڈنگ کمیٹی (NSC) کے ممبر تھے، ہر حال میں قومی اتحاد کو برقرار رکھنے کی کوشش کی تھی، آپ نے ۲۰۰۵ء میں چاٹگام میں انتقال کیا اور یہاں کی معروف قبرستان ''سوتو ئنہ گلی'' میں مدفون ہیں۔ جناب ابوالکلام صاحب بڑے مدبر اور نہایت عالی ظرف کے انسان تھے، آپ محمد جعفر حبیب کے بہت ہی قریبی دوستوں اور خیر اندیشوں میں سے تھے، اللہ تعالی آپ کی مغفرت فرمائے۔

الحاج محمد ابوالکلام خونیہ فاروی،
تاجر، بنک کار، انڈسٹریلز و سیاسی:

الحاج محمد ابوالکلام بن ماسٹر محمد ہاشم کی ولادت خونیہ فارہ منگڈو میں ہوئی، ان کے والد ایک ماسٹر ہونے کے ساتھ ایک دین دار آدمی تھے، اور والدہ بھی سن رکھا تھا کہ نہایت نیک صفات خاتون تھی۔

ہوش سنبھالتے ہی ابوالکلام صاحب کو بستی کے مکتب میں بیٹھا دیا گیا، جہاں سے انہوں نے دینی مبادیات کے ساتھ اردو زبان میں کچھ لکھنا پڑھنا سیکھا، اس کے ساتھ بستی کے سرکاری پرائمری اسکول میں پڑھتے رہے تھے۔

اس کے بعد تعلیم کو آگے بڑھانے کے سلسلے میں منگڈو گئے تھے، وہاں ان کے چچا صدیق احمد صاحب کے گھر ٹھہرتے ہوئے اسٹیٹ ہائی اسکول آف منگڈو میں اپنی پڑھائی کو آگے بڑھائے، دراں حالیکہ ان کے چچا صدیق احمد صاحب جمعیت علماء منگڈو برانچ کے صدر اور فیاضی فارہ کے رہائشی تھے۔

کہتے ہیں کہ ابوالکلام صاحب نے چند سالوں تک مذکورہ اسکول میں تعلیم پائی تھی، لیکن تعلیم کو آگے بڑھانے میں بعض نا مساعد حالات آڑے آ گئے تھے، یوں انہوں نے تعلیم کو آگے نہ بڑھا سکا تھا، کہتے ہیں کہ ایک طرف ملک کے نا مساعد حالات تو دوسری طرف معاشی مشکلات وہ اور ان کی تعلیم کے مابین حائل ہو گئی تھیں، آخر کار انہوں نے ترک وطن کر کے مشرقی پاکستان میں پناہ لی تھی۔

پہلے پہلے محمد ابوالکلام صاحب نے مشرقی پاکستان کے بالکل آخری سرحدی علاقہ شاہی فریردیپ میں قیام کیا تھا، جہاں انہوں نے تجارت سے دل چسپی لینی شروع کی تھی، اس کے بعد انہوں نے چاٹگام کے تجارتی مرکز خاتون گنج میں ایک دکان لگائی تھی، جاپان وغیرہ ملکوں سے پرانے کپڑے منگوا کر یہاں کے مختلف بازاروں میں سپلائی کرتے رہے تھے، ماشاء اللہ تجارت کے حوالے سے وہ ایک قسمت کے دھنی انسان نکلے، دیکھتے ہی دیکھتے ان کی تجارت نے کافی ترقی کی، یوں اگلے چند سال گزرتے نہ گزرتے کم سے کم ہماری برادری کے تجارتی حلقوں میں ان کی خاصی شہرت ہو گئی تھی۔

اس سلسلے میں یہ ایک حیرت کا مقام ہے کہ جسمانی اعتبار سے ایک کم زور انسان کا دماغ بھی

تجارت کے حوالے سے اتنا حیرت انگیز اور پختہ ہوسکتا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ طبعی طور پر وہ ایک شاندار تاجر اور اعلی ذہن کے مالک آدمی ہیں، اور یہ قدرت کا ایک کرشمہ ہے کہ جس نے ان کو تجارت کے حوالے سے ایک مضبوط اور طاقتور انسان بنایا ہو۔

اس کے بعد انہوں نے بنگلا دیش کا حالیہ معروف بنک یونائٹڈ کمرشیل بنک لمیٹڈ (UCBL) میں اپنا سرمایہ لگایا، جس میں وہ مرکزی ڈائرکٹر بھی بنے تھے، پھر ایک سال کے بعد وہ اس بنک کے مرکزی چیرمن بھی منتخب ہوئے، یوں بنک کاری کے ذریعے انہوں نے اتنی دولت کمائی کہ اگلے چند سالوں میں ان کو روہنگیا برادری میں سب سے چوٹی کے دولت مند سمجھا جانے لگا تھا، بعد ازاں انہوں نے کروڑوں مالیت کی جائدادیں خریدیں، اور تو اور مذکورہ بنک کے تعاون سے شہر چاٹگام کے شمال میں ''کومیرا'' کے مقام پر دو بڑی فکٹر یاں لگائیں، ویسے جو کل تک ایک تاجر اور بنکار تھے آج روہنگیا برادری میں میرے علم کے مطابق پہلا انڈاسٹر یلز کی حیثیت سے سامنے آئے تھے۔

دولت کمانے اور جمع کرنے کے حوالے سے ابوالکلام صاحب کی ذہانت کو داد دیے بغیر رہا نہیں جاتا نہ رہا جا سکتا ہے، انہوں نے اپنی خداداد صلاحیت کو وقت وقت پر کام میں لایا اور لگایا تھا، اگر چہ ان کی ساری دولت وثروت ان کی اپنی ذاتی ہے لیکن روہنگیا جیسی ایک محروم برادری کے لئے یہ ایک فخر کا مقام ہے کہ ان کی شکل میں ایک کامیاب تاجر، بنک کار اور انڈسٹر یلز پہلی مرتبہ اس برادری کے مابین نمودار ہوا ہو۔

مذکورہ فکٹر یوں میں انہوں نے اپنی برادری کے درجنوں جوانوں اور نوجوانوں کو نوکریاں دے کر سہارا دیا تھا، جب کہ اس حوالے سے ہمارے بعض نادان یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے ان جوانوں اور نوجوانوں کی وجہ سے بہت ہی فائدے ہوئے تھے، لیکن نادان جو بھی کہے شاید کہنے کا حق حاصل ہے، لیکن میرے ناقص خیال میں انہوں نے اس وقت کے پیش نظر اپنی ان فکٹر یوں میں ان بے سہاروں کو سہارا دے کر ایک بڑی خدمت کی تھی، جس پر ان کو داد تحسین ضرور ملنا چاہئے، خدا کرے کہ ان کو اس مستعار زندگی میں مزید خدمت کی توفیق ہوجائے۔

ابوالکلام صاحب مجموعی حیثیت سے ایک سیاسی ذہنیت کا مالک انسان ہیں، ۱۹۷۵ء کے بعد

روہنگیا مسلمانوں کی قومی سطح پر ابھرنے والی سیاسی اور انقلابی تنظیم روہنگیا فدائین محاذ (RPF) منظر عام پر آئی تو وہ اس میں باضابطہ طور پر شامل ہوگئے تھے، وہ کبھی محاذ کے قائد ورہنما محمد جعفر حبیب کے مشیر خاص بھی رہ چکے ہیں، لیکن محاذ میں انتشار اور بطور خاص محمد جعفر حبیب کے انتقال کے بعد ایک طویل عرصہ تک روہنگیا برادری کے حوالے سے نت نئی بننے اور ابھرنے والی کسی بھی تنظیم کے ساتھ تعاون نہیں کیا تھا، تاہم اس حوالے سے بعض حضرات کا خیال ہے کہ محاذ میں انتشار کے بعد انہوں نے ہمارے انقلابیوں کے مابین پائی جانے والی رسہ کشی، تناؤ اور اختلافات کو مٹانے اور ان کو ہم آہنگ کر کے اتحاد کے پرچم تلے جمع کرنے کی مقدور بھر کوشش کی تھی، جب کہ ان پر بعض ناقدین کی یہ رائے بھی ہے کہ اس حوالے سے ان کی کوشش کوئی مثبت ہونے کے بجائے منفی اور تعمیری ہونے کے بجائے تخریبی تھی، لیکن میرے ناقص خیال میں شاید کہ جناب محمد ابوالکلام صاحب ایک دل جلے انسان ہوں، ان پر یہ اور اس جیسے لزام شاید حقیقت کی منافی ہو۔

وقت کے تقاضے اور حالات کی نزاکت کے پیش نظر ان کا یہ کردار ضرور قابل ملاحظہ ہے کہ محمد جعفر حبیب کو عہدۂ صدارت سے معزول کرتے ہوئے جناب شبیر حسین صاحب کو عہدۂ صدارت پر بٹھانے میں باوثوق ذرائع کے مطابق الحاج محمد ابوالکلام صاحب کا بھی ہاتھ تھا، دراں حالیکہ وہ مجلس شوری (RNC) کے چیرمن تھے، بعض لوگوں کا دعوی ہے کہ اگر اس وقت وہ ساتھ نہیں دیے ہوتے تو جناب شبیر حسین صاحب محمد جعفر حبیب کو معزول کر کے عہدۂ صدارت پر براجمان نہیں ہوسکتے تھے، لیکن میرے ناقص خیال میں محمد ابوالکلام صاحب پر یونہی ایسا الزام لگانا حق بجانب نہیں ہے، ممکن ہے کہ اس وقت کے حالات کی رو سے ان کی کچھ مجبوریاں اور معذوریاں بھی رہی ہوں، یا یہ بھی ممکن ہے کہ ان پر اس قسم کا الزام مخالفین ومعاندین کا تراشا ہوا ہو۔

۱۹۷۵ء میں چاٹگام بنگلا دیش میں رجسٹر شدہ روہنگیا برادری کی واحد فلاحی/ رفاہی تنظیم ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) اپنی ابتدا سے تقریبا گروپ بندی کی شکار رہی ہے، چنانچہ جناب الحاج محمد ابوالکلام صاحب کے ناقدین ان پر یہ الزام بھی لگاتے پھرتے ہیں کہ اس تنظیم کے حوالے سے ہر دور میں اختلافات کو ہوا دینے میں وہ پیش پیش تھے، ۱۹۹۸ء تک قوم کی یہ معروف فلاحی تنظیم دومختلف

اور متحارب گروپوں میں منقسم تھی، جن میں ایک کا سرغنہ یہی محمد ابوالکلام جب کہ دوسرے گروپ کا سرخیل اڈووکٹ ابوالکلام نیا فاروی تھے، لیکن ۱۹۹۸ء کے دوران ان دونوں گروپوں کے چند دل جلے حضرات کی مسلسل کوششوں کے نتیجے میں کسی قدر اتحاد عمل میں آیا تھا، اور الحاج محمد ابوالکلام کو چیرمن بھی بنایا گیا تھا، لیکن اگلے دو سال کے بعد الکشن ہوا تو محمد ابوالکلام صاحب چیرمن نہیں بن سکے تھے، جس کے بعد دوبارہ دھڑا بندی کی ہوائیں چالو ہوگئی تھیں، جن کے نتیجے میں یہ تنظیم انتشار کی شکار ہوگئی تھی، اور انتشار بھی اس ڈھب سے ہوا کہ اس تنظیم کے اراکین عاملہ وشوری کی ایک بھاری اکثریت نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس سے علیحدہ ہوکر ایک دوسری رفاہی تنظیم قائم کر لی تھی، ویسے جناب محمد ابوالکلام صاحب کے معارضین کا خیال ہے کہ اگر اس وقت انہوں نے منفی کے بجائے کچھ مثبت کردار ادا کیا ہوتا تو ارکان ہسٹریکل سوسائٹی اس انتشا کی شکار کبھی نہیں ہوتی۔

بہرکیف محمد ابوالکلام صاحب نے اس ارکان ہسٹریکل سوسائٹی کی اپنے انداز سے ایک مجلس عاملہ اور ایک شوری تشکیل دی، جس میں وہ آج ۲۰۲۳ء تک چیرمن ہیں، پھر میری جانکاری کے مطابق انہوں نے اس تنظیم کے بحیثیت چیرمن عرب امارات اور سعودی عرب کے مختلف دورے کئے تھے، بعد میں اس تنظیم نے ارکان روہنگیا یونین (ARU) میں ممبر شپ بھی حاصل کر لی تھی۔

چلتے چلتے الحاج محمد ابوالکلام صاحب کے متعلق اور ایک ضروری بات بھی بتا دوں کہ ۱۹۹۸ء میں روہنگیا قوم کی قومی سطح پر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا اعلان ہوا (یاد رہے کہ یہ وہ تنظیم ہے جسے اس وقت قوم کے ایک حیثیت سے سواد اعظم نے اپنی متحدہ کوشش کے ذریعے منظر عام پر لایا تھا، جس میں ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) اور روہنگیا سالیڈیریٹی آرنائزیشن (RSO) کے علاوہ روہنگیا مسلمانوں کے اعلی درجہ کے چند علماء اور دانشوروں کی کوششیں شامل تھیں، اور مذکورہ دونوں تنظیموں نے اپنے اپنے ناموں کو کالعدم کر کے ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کے پرچم تلے جمع ہونے کو مناسب سمجھا تھا) اس ابھرنے والی تنظیم میں الحاج محمد ابوالکلام صاحب (ایک طویل عرصے یعنی روہنگیا فدائین محاذ کے انتشار کے بعد) قائمہ کمیٹی (NSC) کے ممبر بنے تھے۔

لیکن روہنگیا قوم کی بدقسمتی تھی اور ہے کہ چند مہینے گزرتے نہ گزرتے ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کو اختلاف، انتشار اور افتراق کی عفریت نے آدبوچا تھا، اس حوالے سے بعض لوگوں کا یہ خیال بھی شاید خیال ہو کہ ''اس وقت بعض فتنہ پردازوں نے محمد ابوالکلام صاحب کو ورغلایا تھا کہ وہ اس تنظیم سے لاتعلق یا علیحدہ ہو جائیں، ویسے انہوں نے اس تنظیم سے لاتعلقی اور علیحدگی اختیار کر لی تھی' لیکن اس بات میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ ان کی اس علیحدگی اور لاتعلقی کے پیچھے دیگر اسباب وعلل بھی کارفرما تھے۔

بہرحال ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کے اعلان کے چند مہینے گزرتے نہ گزرتے اور اس کے قائدین کے قدم سنبھلتے نہ سنبھلتے محمد ابوالکلام صاحب نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔

شاید اس علیحدگی میں ان کی کچھ مجبوریاں بھی رہی ہوں، لیکن یہ ایک امر واقعی ہے کہ ان جیسے ایک آدمی کا اس متحدہ پلیٹ فارم سے علیحدہ یا لاتعلق ہوجانا فتنہ پردازوں کو تعاون کا مترادف ہوا تھا، اس وقت ان کی علیحدگی اور لاتعلقی کی وجہ سے ایک طرف اس متحدہ تنظیم کا بھاری نقصان ہوا تو دوسری طرف انتشار پھیلانے والوں کو مزید انتشار پھیلانے میں کافی مدد مل گئی تھی، شاید اس شکایت کے خلاف ان کا کوئی قابل قبول بیان بھی رہا ہو؟۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ الحاج محمد ابوالکلام صاحب کے دربار سے وابستہ بعض حضرات گرامی ان کی بعض مجبویوں اور کم زوریاں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مفاد پرستانہ مشوروں سے ان کو گم راہ کرتے رہتے ہیں، لیکن میرے ناقص خیال میں محمد ابوالکام صاحب بڑے حاضر دماغ اور ہر معاملہ میں ذاتی رائے رکھنے والا آدمی ہیں، شاید کہ یہ سچ ہو کہ ان کے دربار سے وابستہ بعض بونواسوں کی با نواسی کے زد میں آکر وہ کچھ متأثر ہوتے بھی ہوں، لیکن میرے علم کے مطابق وہ مفاد پرستوں کی مفاد پرستی پر مبنی چڑھاوے میں چڑھنے والے نہیں ہیں، بونواس جتنا بھی چالاک اور ہشیار کیوں نہ ہو لیکن جناب حاجی صاحب کو اپنے جال میں پھنسانا آسان نہیں بلکہ میرے علم کے مطابق ناممکن بھی ہے۔

بہرحال میرے نزدیک الحاج محمد ابوالکلام صاحب ایک بڑے دولت مند ہونے ساتھ قوم کے حوالے سے ایک دردمند انسان بھی ہیں، اور سیاست وقیادت کے شائق بھی، ۱۹۷۵ء سے تادم تحریر

جس انداز سے بھی کیوں نہ ہوں قومی خدمات کے حوالے سے پیچھے نہیں ہیں، ارکان ہسٹریکل سوسائٹی کے حوالے سے وہ ہمیشہ ہشیار اور حاضر دماغ رہے ہیں، انہوں نے اس تنظیم کی قیادت کرتے ہوئے مختلف ملکوں کا دورے کئے اور جہاں بھی گئے روہنگیا مسلمانوں کے اتحاد باہمی اور قومی یک جہتی پر زور دیا، جو قابل قدر ہے۔

محترم الحاج ابوالکلام صاحب کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا اور بہت کچھ اب بھی لکھنا باقی ہے، میری کاوش ''تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے'' میں ان پر طویل تبصرہ کیا گیا ہے، تفصیلات وہاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ سن رسیدہ ہو چکے ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالی ان کی حیات میں مزید برکت دے۔

☆☆☆

جناب ماسٹر ابوالفیض جیلانی، خائندہ فاروی منگڈوی،
سیاسی رہنما و مصنف برائے قومی امور:

دور آخر کے نامور روہنگیا مصنف جناب ماسٹر ابوالفیض بن ابوالخیر صاحب جیلانی کی پیدائش مشرقی منگڈو کی بستی خائندہ فارہ میں ہوئی، آپ کے والد جناب ابوالخیر معروف بہ ابوالخیر داروغہ صاحب ایک پارلیمنٹ ممبر ہونے کے ساتھ قوم کے بڑے خادم انسان تھے، جو عرصہ دراز تک پولیس انسپکٹر رہنے کے ساتھ حضرت مولانا عبدالجبار معروف بہ فقیر مولوی صاحب کے مرید خاص بھی تھے۔

جناب ابوالفیض صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب اور سرکاری پرائمری اسکول میں ہوئی، اس کے بعد منگڈو ہائی اسکول میں داخلہ لیا، یہاں سے آپ نے مٹرک پاس کر کے رنگون یونیورسیٹی سے بی اے (BA) کی ڈگری حاصل کی تھی۔

فراغت تعلیم کے بعد آپ وطن آئے اور مختلف اسکولوں میں پڑھاتے رہے تھے، بعد میں آپ منگڈو ہائی اسکول کے استاد بنے تھے، یوں اندرون وطن اور بیرون وطن میں آپ کے سینکڑوں تلامذہ پائے جاتے ہیں، آپ کے تلامذہ میں بہت سوں کو ایسا دیکھا گیا کہ جو قوم وملت کی خدمات میں نمایاں ہیں، اور جن میں بھی جناب محترم اڈووکٹ نور الاسلام صاحب شیل خالوی حالیہ صدر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) نمایاں ترین ہیں۔

جناب ابوالفیض صاحب روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کے بانیوں میں سے ایک تھے، آپ نے اس تاریخی تنظیم کے زیر سائے قوم وملت کی بڑی بڑی خدمات انجام دی تھیں، اس حوالے سے مشرقی پاکستان بھی گئے اور عرصہ دراز تک محمد جعفر حبیب کے ہاتھ بٹھاتے رہے تھے۔

۱۹۸۸ء میں نیون کے مستعفی ہو جانے کے بعد جناب ابوالفیض جیلانی صاحب اونگ سان سوچی کی جماعت ''نیشنل لیگ فارڈیموکریسی'' (NLD) میں شامل ہو گئے تھے، جس میں رہ کر روہنگیا قوم کی سیاسی رہنمائی کی کوشش کی تھی، لیکن آپ اس میں بری طرح ناکام رہے تھے، ۱۹۹۰ء کے عام انتخابات میں سوچی کی بھاری اکثریت سے جیت ہونے کے باوجود فوج نے الکشن کو ناروا طور پر مسترد

کرتے ہوئے اقتدار اپنے ہاتھ میں لے رکھا اور ملک بھر میں کریک ڈاؤن کی مہم شروع کردی تو جس سے تنگ آکر جیلانی صاحب نے ترک وطن کر کے بنگلا دیش کے معروف شہر چاٹگام میں پناہ لی تھی۔

جیلانی صاحب نے بعد میں ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) سے قدرے ناطے جوڑ لئے تھے، جناب محمد ابوالکلام صاحب خونیہ فاروی کے خاص دفتر میں عرصۂ دراز تک کام کرتے رہے تھے، اس دوران آپ نے روہنگیا مسلمانوں کی تاریخ وتحریک پر انگریزی میں ایک گرانقدر تصنیف کی، جو شائع ہوکر منظر عام پر آئی اور ہاتھوں ہاتھ لی گئی تھی۔

۱۹۹۸ء کے اواخر میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کے قیام کے دوران جناب ابوالفیض جیلانی صاحب اس تنظیم کی قائمہ کمیٹی (NSC) کے ممبر چنے گئے تھے، چنانچہ اس متحدہ تنظیم کے قیام اور اس کے بعد بھی آپ نے نمایاں ترین خدمات انجام دی تھیں، جن کی تفاصیل میری دیگر تصانیف میں دیکھی جاسکتی ہیں، بعد میں آپ مجلس عاملہ (CEC) کے رکن بھی چنے گئے اور ۲۰۱۱ء کے دوران نائب صدر بھی بنائے گئے تھے۔

۲۰۱۱ء کے دوران سعودی عرب کے شہر جدہ میں منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) کی زیر سرپرستی ارکان روہنگیا یونین (ARU) کا قیام عمل میں آیا، جس میں جیلانی صاحب چار موسسین میں سے ایک تھے، چوں کہ اس فورم کے ڈائرکٹر جنرل مرحوم ڈاکٹر وقار الدین صاحب جیلانی صاحب کے رشتے کے بھائی تھے، ویسے جیلانی صاحب نے مرتے دم تک ڈاکٹر وقار الدین صاحب کو ہر اعتبار سے تعاون کرنے میں کسی قسم کی کسر نہیں چھوڑی تھی، اس حوالے سے آپ کو طرح طرح کے الزامات اور اتہامات کے تیر بھی سہنے پڑے تھے، جن میں کہاں تک سچائی اور صداقت ہے وہ ایک الگ باب ہے، یہاں اس طرف جانا مناسب نہیں۔

محترم ابوالفیض جیلانی ایک بلند پائے کے مصنف تھے، میرے نزدیک آپ کی سب سے بڑی قومی خدمات میں آپ کی چند گرانقدر انگریزی تصانیف نمایاں ہیں، آپ نے اپنے چاٹگام کے قیام کے دوران چند یادگار تصانیف لکھ چھوڑیں، جن میں سے درج ذیل ناقابل فراموش تصانیف میرے سامنے ہیں:

(۱) THE ROHINGYAS OF ARAKAN THEIR QUEST OF JUSTIC

(۲) A CULTURAL HISTORY OF ROHINGYA

(۳) HUMAN RIGHTS VIOLATION IN ARAKAN

(۴) AUNG SAN SUU KYI

ان مذکورہ تصانیف کے علاوہ شاید جیلانی صاحب کی دیگر تصانیف بھی رہی ہوں گی، لیکن میری نظر سے نہیں گزریں، بہر حال غالبا ۲۰۱۱ء سے کچھ سال پہلے جناب جیلانی صاحب ملائشیا چلے گئے تھے، وہاں کے دار الحکومت کوالالمپور میں رہتے ہوئے قومی سیاست کے حوالے سے مختلف لوگوں کے ہاتھ بٹھاتے رہے تھے، جن میں سے جناب ڈاکٹر وقار الدین، جناب ڈاکٹر محمد یونس اور محترم نور الاسلام صاحب قابل ذکر ہیں، چوں کہ اس دوران اور بعد میں بھی ارکان روہنگیا یونین (ARU) کے حوالے سے ان مذکورہ لیڈروں کے مابین تناؤ اور رسہ کشی چل رہی تھی، چنانچہ جناب ابوالفیض جیلانی صاحب نے ہر چند کوشش کی کہ متحارب دھڑوں کو ہم آہنگ کر کے قومی خدمات کے میدان میں اتارا جاسکے، لیکن آپ کی یہ کوشش بھی دھری کی دھری رہ گئی تھی۔

جیلانی صاحب ایک دین دار، پرہیزگار اور صوم وصلاۃ کے بڑے پابند لیڈر تھے، بہت خوب صورت بھی تھے اور نہایت خوب سیرت بھی، کہتے ہیں کہ آپ اپنے طالب علمی کے زمانے سے متدین داڑھی رکھے ہوئے تھے، جو زندگی بھر آپ کے چہرۂ زیبا کی خوب صورتی بنی رہی تھی، بڑے نظافت پسند اور نستعلیقی کیفیت کے بزرگ نما انسان تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جیلانی صاحب ایک قابل قدر مفکر و مدبر اور ایک منجھے ہوئے سیاست دان ہونے کے ساتھ دل دردمند اور فکر ارجمند کے مالک مصنف وقلمکار تھے، آپ کی یہ تصانیف روہنگیا مسلمانوں کے لئے ایک بڑے سرمایہ کے بطور یادگار رہیں گی، جن سے انشاء اللہ تعالی قوم کی اگلی نسلیں مستفید ہوسکیں گی، اللہ تعالی مرحوم کو جزائے خیر دے، بہر حال آپ نے ۲۰۱۷ء میں کوالالمپور میں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆☆☆

حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہری،
سیاسی وانقلابی رہنما ومفکر اسلامی:

مولانا عبدالقدوس بن عبدالجبار بن اولی میں ۱۹۲۲ء میں شمالی منگڈو کی بستی جیمنگ خالی میں ایک دین دار گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ نے لڑکپن ناز ونعمت میں گزارا تھا، ابتدائی تعلیم اپنی بستی کے مکتب اور متوسطہ کی تعلیم علاقے کے مدارس میں پاکر اعلی تعلیم کے لئے ہندوستان کا سفر کیا اور ۱۹۴۵ء میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا تھا، آپ بڑے ذہین وفطین طالب علم تھے، ویسے بڑی قلیل مدت میں اساتذۂ کرام کے منظور نظر بن گئے تھے، یہاں آپ بطور خاص حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی سے مستفید ہوئے تھے، آپ نے یہاں مسلسل چار سال تعلیم حاصل کی اور ۱۹۴۹ء میں سند فراغت حاصل کرکے وطن واپس آئے تھے۔

۱۹۵۰ء میں مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہری نے اپنی بستی جیمنگ خالی میں ایک ادارہ بنام "مدرسہ خدام الاسلام" قائم کیا تھا، اور ساتھ ہی ساتھ دعوت دین کی خدمات بھی شروع کیں، چوں کہ آپ جمعیت علمائے ہند کی سیاست سے متأثر ہوکے آئے تھے، ویسے یہاں آپ نے جمعیت علمائے ارکان میں شامل ہوکر قومی وملی خدمات بھی انجام دینا شروع کیا تھا۔

۱۹۶۲ء کے بعد ارکان اور برما کی تمام سیاسی پارٹیوں کو کالعدم قرار دے کر تمام لیڈروں کی زبانیں بند کردی گئیں تو جمعیت علمائے ارکان کو بھی خاموشی اختیار کرنی پڑی تھی، ایسی حالت میں مولانا اور آپ کے رفقائے کار ایسی ایک راہ کے متلاشی ہوئے تھے کہ جس پر چلتے ہوئے ملت وقوم کی خدمات نبھائی جاسکے، اور طول طویل سوچ وبچار کے بعد آپ اور آپ کے رفقائے کار نے زیر زمین جاکر مسلح جدوجہد کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا، ویسے ۱۹۷۵ء کے اواخر میں جمعیت علماء کی مسلح جدوجہد کا آغاز ہوگیا تھا، مولانا نے اس مسلح جدوجہد کی مدت دراز تک سرپرستی اور نگرانی کی تھی، اس کے بعد بعض وجوہات کی بنیاد پر آپ مع اہل خانہ پاکستان چلے گئے تھے۔

۱۹۷۵ء میں جمعیت علماء میدان عمل وتطبیق میں سرگرم عمل تھی، لیکن نہ جانے کس مصلحت کی بنیاد پر جمعیت نے "خلافت کمیٹی" نامی ایک تنظیم کی تاسیس کا فیصلہ کیا تھا، ویسے طویل مشورے کے بعد

۱۹۷۷ء میں "خلافت کمیٹی" کا اعلان کردیا گیا تھا، یہاں اس نوزائدہ تنظیم کے ارباب بست وکشاد کے اسمائے گرامی اور مناصب درج کردیئے جاتے ہیں:

۱۔حضرت مولانا شاہ مظفر احمد صاحب منگیزوی: صدر۔

۲۔حضرت مولانا عبدالقدوس مظاہری صاحب: نائب صدر۔

۳۔حضرت مولانا محمد زکریا بن مولانا محمد شفیع صاحب کوار بیلوی: رکن عاملہ۔

۴۔حضرت مولانا نذیر حسین صاحب: رکن عاملہ۔

۵۔حضرت مولانا میر احمد مبارک صاحب: رکن عاملہ۔

۶۔حضرت مولانا ابوبکر صدیق صاحب منگنی فاروی: رکن عاملہ۔

۷۔حضرت مولانا محمد ادریس صاحب مہتمم مدرسہ احمدیہ: رکن عاملہ۔

۸۔حضرت مولانا نجم الدین صاحب نلبنوی: رکن عاملہ۔

۹۔حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ صاحب چارکمبوی: رکن عاملہ۔

مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہری اس زمانے میں ایک طرف خلاف کمیٹی میں فعال کردار ادا کر رہے تو دوسری طرف جمعیت علماء میں بھی ہر اعتبار سے سرگرم عمل تھے، چنانچہ ۱۹۷۵ء سے ۱۹۷۹ء تک آپ کی صدارت میں جمعیت علماء میدان جہاد وکفاح میں منزل کی جانب رواں دواں تھی۔

۱۹۷۹ء میں جمعیت علماء کے صدر حضرت مولانا عقیل احمد صاحب قاسمی منتخب ہوئے تو یہ تنظیم اور بھی فعال ہوگئی تھی، مولانا قاسمی صاحب کی زیر قیادت کام کرنے والی مجلس عاملہ یہ تھی:

۱۔سرپرست اعلی: حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہری۔

۲۔صدر تنظیم: حضرت مولانا عقیل احمد صاحب قاسمی۔

۳۔سکریٹری جنرل: حضرت مولانا قاری بدر الاسلام صاحب کوار بیلوی۔

۴۔رکن عاملہ: جناب سید عبداللطیف صاحب فوئما لوی۔

۵۔رکن عاملہ: حضرت مولانا کرامت علی صاحب استاد مدرسہ دار السنہ نہلا۔

۶۔رکن عاملہ: حضرت مولانا محمد حنیف صاحب فرندگی۔

۷۔رکن عاملہ: جناب شہید لطیف صاحب بلی بازاری۔

۸۔رکن عاملہ: حضرت مولانا محمود الحسن صاحب استاد مدرسہ دار السنہ نہلا۔

۹۔رکن عاملہ: جناب شاہ عالم صاحب۔

۱۰۔رکن عاملہ: حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب گراڈ بیلوی۔

مولانا عبدالقدوس مظاہری ۱۹۸۰ء کے دوران مع اہل خانہ پاکستان چلے گئے تھے، جہاں آپ برمی کالونی کراچی میں دومرتبہ بلدیہ کے کونسلر منتخب ہوئے تھے، اس کے ساتھ دار العلوم حسینیہ برمی کالونی کراچی کی سربراہی کے علاوہ دیگر اسلامی جماعات کی سرپرستیاں بھی کی تھیں، جن میں حرکۃ الجہاد الاسلامی نامی تنظیم قابل ذکر ہے۔

مولانا مظاہری صاحب نے حرکۃ الجہاد الاسلامی کی طرف سے متحدہ عرب امارات اور سعودی عرب کا بھی دوہ کیا تھا، غرض علم وعمل کا یہ کوہ گراں اپنی مستعار زندگی کو دین ودعوت، جہاد وکفاح اور درس وتدریس میں لگاتے ہوئے ۱۹۹۳ء میں کراچی میں انتقال کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کے انتقال پر ملال پر صدیق مکرم مولانا حافظ محمد صدیق صاحب لکھتے ہیں کہ:

"۱۹۸۳ء میں علامہ مظاہری پاکستانی سیاست میں آئے اور چھا گئے، ۱۹۸۳ء سے ۱۹۹۳ء تک کی مدت میں علامہ مظاہری رحمۃ اللہ علیہ برمی کالونی لانڈھی کراچی سے بھاری اکثریت سے دومرتبہ کونسلر بنے، مولانا عبد القدوس مظاہری کے سابق سکریٹری مولانا الحاج محمد رفیق صاحب نائسا فورو والے کے مطابق ایک دفعہ ۱۹۸۳ء میں اور دوسری دفعہ ۱۹۸۷ء میں منتخب ہوئے تھے، اور قوم وملت کی خوب خوب خدمت کی تھی، سچی اور پکی بات ہے کہ کراچی میں علامہ مظاہری رحمۃ اللہ علیہ نے سیاسی میدان میں قوم وملت کی جو خدمت کی وہ بہت ہی کم لوگوں نے کی ہے، مدرسہ حسینیہ برمی کالونی کو بام عروج تک پہنچانے کا سہرا انہی کے سر ہے"۔

اسی طرح حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہری کی وفات حسرت آیات پر سہ ماہی انصاف کے فاضل ایڈیٹر مولانا سیف اللہ خالد لکھتے ہیں کہ:

"مولانا عبد القدوس مظاہری بیک وقت علمی، سیاسی، مذہبی اور سماجی شہرت کے حامل انسان تھے، مظاہر علوم سہارنپور کے فارغ التحصیل تھے، ہمیشہ درس وتدریس میں مشغول رہے، ساتھ ساتھ قومی سیاست وقیادت سے بھی وابستہ رہے، بذلہ سنجی اور حاضر جوابی ان کی نمایاں خصوصیت تھی، جہاں بیٹھ جاتے میر مجلس وہی ہو جاتے، "وفاداری بشرط استواری" کے قائل اور عامل تھے، جمعیت علمائے ہند طرز کی سیاست کرتے تھے، اور روہنگیا جمعیت علماء کے بانیوں میں سے تھے، (شاید خالد صاحب کا مطلب جمعیت علماء مسلح ہو) مولانا محمد عاقل (عقیل احمد) صاحب کی وفات کے بعد تنہا وہی اس کا نام لیوا رہ گئے تھے، ۱۹۷۸ء کے آپریشن ناگامن کے دوران پاکستان ہجرت کر گئے تھے، جہاں کراچی میں دار العلوم حسینیہ کے نام سے ایک مدرسہ کی سربراہی کرتے رہے، اور دومرتبہ بلدیہ کے کونسلر منتخب ہوئے، اس حیثیت سے اپنے حلقۂ انتخاب میں بہت سے ترقیاتی کام کروائے، بھرپور زندگی گزاری، اور وفات تک چاق چوبند، متحرک اور سرگرم رہے، مسجد، مدرسہ اور حلقہ کے ترقیاتی کام ان کی یاد دلاتے ہیں"۔

مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہری کے لواحقین میں مولوی عبدالحلیم، حافظ عبدالباسط، مولوی حافظ عبدالماجد او دو صاحب زادیاں ہیں، مولوی حافظ عبدالماجد صاحب سعودی عرب کے شہر جدہ میں مقیم ہیں، ان سے راقم کی متعدد ملاقاتیں رہیں، ماشاء اللہ قوم کے بڑے ہمدرد ہیں، اللہ تعالی ان سب لواحقین کی حیات دراز کرے، آمین۔

☆☆☆

حضرت مولانا عقیل احمد صاحب قاسمی،
سیاسی وانقلابی رہنماومفکراسلامی وقائد:

مولانا عقیل احمد صاحب قاسمی شمالی منگڈو کی بستی کیانگ بنگ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد جناب یوسف علی صاحب ایک خداترس اور علم وعلماء دوست انسان ہونے کے ساتھ بڑے شریف النفس بزرگ تھے، آپ کی والدہ بھی ایک نیک صفات خاتون تھی۔

پانچ سال کی عمر میں مولانا عقیل احمد کی مکتب نشینی ہوئی، جہاں سے آپ نے ناظرۂ قرآن کریم کے ساتھ عربی، اردو اور فاسی کی ابتدائی تعلیم پاکر شمالی منگڈو کی نامور دینی اور روحانی درس گاہ مدرسہ احمدیہ سعداللہ سر میں داخلہ لیا تھا، یہاں سے آپ نے متوسطہ اور ثانویہ کی تعلیم پائی تھی۔

مولانا عقیل احمد صاحب نے اعلی دینی تعلیم کے حصول کے لئے ہندوستان کا سفر کیا اور دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا تھا، لیکن یہاں چند سال پڑھ کے بعض وجوہات کی بنیاد پر دوبارہ بنگلادیش چلے آئے اور مدرسہ ضمیریہ قاسم العلوم پٹیہ میں داخلہ لیا تھا، یہاں سے آپ نے دورۂ حدیث اور فنونات کی کتابیں پڑھ کر سند فراغت حاصل کی تھی۔

فراغت تعلیم کے بعد مولانا عقیل احمد صاحب وطن واپس آئے اور اپنی بستی کیانگ بنگ میں ایک مدرسہ بنام ''مدرسہ قاسم العلوم'' قائم کیا تھا، لیکن افسوس ہے کہ چند سال گزرتے نہ گزرتے مولانا کو اپنے قائم کردہ مدرسہ سے دستبردار ہونا پڑا تھا۔

مولانا عقیل صاحب کے اس دستبرداری کو جان کر حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہری نے آپ کو مدرسہ خدام الاسلام جیمنگ خالی تشریف لانے کی دعوت دی تو آپ یہاں آئے، لیکن اگلے چند سال کے بعد آپ نے شیل خالی کے مقام پر مدرسہ مدینۃ العلوم کی بنیاد رکھی، جہاں آپ نے ۱۹۷۸ء تک تدریسی خدمات انجام دی تھیں۔

مولانا عقیل احمد صاحب قاسمی اور مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہری جمعیت علمائے ارکان میں شامل ہو چکے تھے، مولانا عقیل احمد صاحب ایک مستند اور مستعد عالم دین ہونے کے ساتھ ایک قابل قدر سیاست داں بھی تھے، ویسے جمعیت نے آپ کی قابلیت اور استعداد سے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا، یوں

شمولیت کے چند سال بعد آپ کو مرکزی عاملہ میں شامل کرنے کے ساتھ مرکزی خزانچی بنایا گیا تھا۔

۱۹۵۹ء میں برما کی مرکزی حکومت میں سیاسی رسہ کشی شروع ہو چکی تھی، وزیر اعظم اونو کی حکومت ایک طویل مدت کی حکمرانی کے بعد گرتی جارہی تھی، ملک کی مختلف ریاستوں میں افراتفری کا عالم تھا، ہر کہیں سے خودمختاری یا علیحدگی کی آوازیں بلند ہورہی تھیں، بالآخر اونو کی برطرفی کے بعد فوج نے اقتدار پر قبضہ کرلیا تو اس کے بعد ملک کی دیگر سیاسی جماعتوں کے ساتھ جمعیت علمائے ارکان کو کالعدم کردیا گیا تھا۔

اب ملک بھر میں ہر طرف اداسی چھائی ہوئی تھی، اس پریشان کن حالات کے پیش نظر جمعیت علمائے ارکان کو اپنے مستقبل کے حوالے سے لائحۂ عمل ترتیب دینا پڑا تھا، ایسی حالت میں جمعیت نے زمام قیادت مولانا عقیل احمد صاحب کا حوالہ کردیا تھا، یوں جمعیت نے آپ کی قیادت میں خفیہ طریقے سے اندرون وطن میں بڑی بڑی خدمات انجام دی تھیں۔

۱۹۷۸ء میں ارکانی مسلمانوں کے خلاف ناگامن اپریشن ہوا تو مولانا عقیل احمد صاحب اور آپ کے رفقائے کار کے لئے ارکان کی زمین بالکل تنگ ہوگئی تھی، یوں آپ نے ہجرت کی اور مسلح جدوجہد کا آغاز کردیا تھا۔

مولانا عقیل احمد صاحب نے بنگلادیش آتے ہی زیرزمین کام کرنے والے، لیڈروں کا جائزہ لیا اور ان کو ایک ہی پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی بھرپور کوشش بھی کی تھی، لیکن آخرکار ناکام ہو کے آپ نے ۱۹۷۹ء میں جمعیت علماء ارکان مسلح کا اعلان کردیا تھا۔

بعد میں مولانا کی جماعت اور روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے مابین کشمکش ہوئی تھی، لیکن پھر بھی جمعیت اپنی منزل طرف رواں دواں تھی، لیکن بعد میں ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کے ساتھ اس جماعت کی مدبھیڑ ہوئی تو جمعیت علمائے ارکان میدان میں نہیں ٹک سکی تھی۔

غالباً ۱۹۸۵ء کے دوران مولانا عقیل احمد قاسمی صاحب شدید علالت میں مبتلا ہوگئے تھے، آخرکار مرض سے رہائی نہیں ملی اور جان جان آفرین کا حوالہ کردیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جناب الحاج سلیم احمد صاحب خیر فاروی مرحوم،

سیاسی وانقلابی قائد:

الحاج سلیم احمد صاحب خیر فاروی بن ماسٹر نور الزمان شمالی منگڈو کی مردم خیز بستی خیر فارہ میں ۱۹۴۲ء میں پیدا ہوئے، آپ کے والد صاحب ایک پرئمری اسکول کے استاد ہونے کے علاوہ ایک دین دار، عالم دوست، نہایت سخی اور ہر دل عزیز بزرگ تھے، اور آپ کے بیان کے مطابق آپ کی والدہ ماجدہ بھی نہایت پرہیزگار اور خداترس خاتوں تھی۔

سلیم احمد صاحب نے ابتدائی تعلیم بستی کے مکتب اور سرکاری پرائمری اسکول میں پائی، چوتھی جماعت کی تعلیم پاکر منگڈو ہائی اسکول میں داخلہ لیا، جہاں سے آپ نے ساتھویں کی تعلیم مکمل کی تھی، اس کے بعد آپ برما کے دارالحکومت رنگون گئے، جہاں ایک روایت کے مطابق آپ نے اپنے اگلے تعلیمی مراحل کو مزید آگے بڑھایا تھا۔

۱۹۶۰ء کے دوران رنگون ہی میں آپ نے پولیس کی نوکری اختیار کی تھی، پہلے پہلے غیر کمیشن پھر کمیشن افسر بنے، ویسے آپ نے چار سالوں تک برمی پولیس میں نوکری کی تھی، اس کے بعد بعض پریشانیوں کی وجہ سے پولیس سے مستعفی ہوگئے تھے، اس کے معا بعد وطن واپس آگئے اور اگلے چند دن وطن میں گزار کر مشرقی پاکستان (حالیہ بنگلا دیش) کی طرف ہجرت کی تھی۔

مشرقی پاکستان پہنچنے کے بعد آپ نے الحاج نبیہ حسین صاحب شاہی فریر دیپ والے کی صاحب زادی (ہمشیرۂ الحاج بدیع الرحمان اور شفیع الرحمان وغیرہ) سے نکاح کیا، اللہ تعالی نے اس نکاح میں کافی برکت دی، ان کے بطن سے دو صاحب زادے اور دو صاحب زادیاں پیدا ہوئیں، جو تا دم تحریر الحمدللہ حیات سے ہیں، اللہ تعالی ان ساروں کی حیات دراز کرے، آمین۔

سلیم احمد صاحب کا صاحب زادہ سیف الدین (منا) ماضی میں میرے قدرے قریبی ساتھی رہ چکا تھا، بڑا ذہین وفطین، نہایت حساس تھا، شاعر مشرق علامہ سر محمد اقبال کے فریفتہ تھا، اس کے والد صاحب جناب سلیم احمد کو اس پر کافی اعتماد اور بھروسہ تھا، لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا اور شاید اب بھی ہو کہ آج تک وہ کسی بھی قومی کام میں نظر نہیں آرہا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالی اس کی ہدایت کا فیصلہ کرے۔

الحاج سلیم احمد صاحب روہنگیا انڈی پینڈنٹ فورس (RIF) کے فعال کارکن رہ چکے تھے، کہتے ہیں کہ اندرون وطن میں اس تنظیم کے زیر سائے آپ نے قابل قدر اور ناقابل فراموش خدمات انجام دی تھیں، آپ ریف کے سربرآوردہ رکن جناب سرفراز احمد بن ماسٹر ولی احمد صاحب شجاع فاروی مرحوم کے قریبی دوستوں میں سے تھے، ساتھ ہی ساتھ قائد تحریک حضرت محمد جعفر حبیب کے بڑے چہیتے ساتھیوں میں سے بھی۔ ۱۹۷۳ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تشکیل ہوئی تو آپ اس تنظیم کے اعلی رکن قرار پائے تھے، بعد میں رکن عاملہ بھی بنے، جس میں آپ نے قابل قدر خدمات انجام دی تھیں، اس حوالے سے آج بھی ہمارے بعض سیاسی اور انقلابی حلقوں میں آپ سراہے جاتے ہیں، جس کی بڑی تفصیلات ہیں۔

۱۹۸۶ء اور اس سے پہلے روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں حضرت محمد جعفر حبیب اور جناب شبیر حسین فوئما لوی کے درمیان اختلاف رونما ہوا، تو سلیم احمد صاحب نے بعض سیاسی اور انقلابی وجوہات کی بنیاد پر شبیر حسین صاحب کا ساتھ دیا تھا، بایں ہمہ حضرت محمد جعفر حبیب سے بھی آپ نے دوستی اور راہ ورسم کو بحال رکھا تھا، چنانچہ ۱۹۸۷ء میں حضرت محمد جعفر حبیب کا چاٹگام میڈیکل ہسپتال میں انتقال ہوگیا تو حضرت کی نعش مبارک کو سلیم احمد صاحب کی رہائش گاہ لایا گیا تھا، اور آپ کی پہلی نماز جنازہ بھی وہیں ہوئی تھی۔

۱۹۸۸ء کے دوران سلیم احمد صاحب کی سرکردگی اور قیادت میں روہنگیا لیبریشن آرگنائزیشن (RLO) کا قیام چاٹگام میں ہوا، جس میں آپ صدر منتخب ہوئے تھے، اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ آپ کا عہدۂ صدارت بلا کسی بھی چوں وچرا کے آپ کے انتقال تک بحال رہا تھا۔

جناب سلیم احمد صاحب کو میں ۱۹۸۶ء سے دیکھ رہا تھا، جتنا بھی دیکھا کہ بہت قریب سے دیکھا تھا، آپ کی رہائش گاہ گویا ہمارا دوسرا گھر تھا، جبھی ملاقات ہوتی تو آپ نہایت شفقت سے پیش آتے تھے، بہرحال آپ نے اپنی عمر مستعار میں حجاز مقدس کی زیارت کی سعادت چند مرتبہ حاصل کی، ۲۰۰۴ء کے دوران راقم حجاز مقدس میں تھا، آپ وہاں پہنچے اور چند مہینے وہیں گزارے تھے، رہ رہ کر وہیں بھی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں، جہاں تک اندازہ کیا گیا تھا کہ اس زمانے میں آپ بڑے اداس، سہمے ہوئے

بہت ہی پریشان حال تھے، سیاسی وفکری اعتبار سے بھی اور اقتصادی ومعاشی اعتبار سے بھی، وہیں چند مہینے گزار کر بنگلا دیش چلے آئے تھے۔

جناب سلیم احمد صاحب نہایت علم اور عالم دوست انسان تھے، مخصوص طور پر وطن کے علماء، صلحاء اور طلباء سے محبت اور شفقت کا برتاؤ کیا کرتے تھے، آپ مولانا حسین احمد ابوالفضل صاحب کے بڑے مداح تھے اور قدر دان بھی، اور وطن کے حوالے سے مولانا محترم کی ذات، شخصیت اور ان کی لیاقت و صلاحیت پر خاصے پر امید تھے، آپ کا تقریبا یقین تھا کہ مولانا وطن کے حوالے سے ضرور کچھ کر پائیں گے، اور جو بھی کریں گے تاریخ ساز کریں گے، ویسے بھی جہاں تک میں نے دیکھا کہ وطن عزیز کے حوالے سے دونوں شخصیات کے خیالات وآراء تقریبا ایک جیسی تھیں، اور فکری اعتبار سے بھی دونوں قریب قریب ہم آہنگ اور ہم نوا تھے۔

روہنگیا لیبریشن آرگنائزیشن (RLO) میں مولانا حسین احمد ابوالفضل صاحب اور جناب سلیم احمد صاحب کے علی الرغم اور ایک نمایاں شخصیت بھی تھی، وہ تھے مولانا محمد کبیر خواندگی صاحب، جنہیں کبھی اس تنظیم میں ایک حیثیت سے روح رواں بھی سمجھا جاتا تھا، تنظیم کے بعض امور کے حوالے سے مولانا حسین احمد اور مولانا محمد کبیر کے مابین اختلافات رونما ہوا کرتے تھے، جو کبھی کبھار شدت بھی اختیار کر جاتے تھے، ان اختلافات کے دوران اکثر دیکھا اور اندازہ کیا گیا تھا کہ جناب سلیم احمد صاحب مولانا حسین احمد صاحب کے ہم نوا اور ہم خیال ہوا کرتے تھے، جس کی وجہ سے مولانا محمد کبیر صاحب کبھی کبھار جناب سلیم احمد صاحب پر برہم بھی ہو جایا کرتے تھے۔

مؤخر الذکر تنظیم سے مولانا محمد کبیر صاحب کی مکمل علیحدگی کے بعد مولانا حسین احمد اور جناب سلیم احمد صاحب نے ۱۹۹۱ء کے دوران اس تنظیم کو از سر نو احیاء کرنے کی کوشش کی تھی، اس احیاء اور تجدید نو کے دوران جناب سلیم احمد صاحب نے بڑا کردار ادا کیا تھا۔

سلیم احمد صاحب بڑے ذہین اور فکر رسا کے مالک انسان تھے، عالمی سیاسیات پر عموما اور ہماری قومی سیاسیات پر خصوصا آپ کی نظر گہری اور دور رس تھی، اور امت مسلمہ کے حالات زار پر عموما اور ہمارے قومی وملی حالات پر خصوصا ہمیشہ تڑپتے رہتے تھے، کہنے میں تو بظاہر ایک دانشور اور تجارت

خیال کے انسان تھے، لیکن دینی حمیت اور ایمانی غیرت کے حوالے سے آپ کی تڑپ کبھی کبھار دیکھی جانے کی قابل تھی۔

غرض جناب سلیم احمد صاحب مولانا حسین احمد صاحب کے بڑے خیر خواہ انسان تھے، آپ کی اس خیر خواہانہ صفات سے مجھے بھی بہت کچھ ملا تھا، آپ نہایت کریمانہ اور مشفقانہ اخلاق کے مالک ایک قومی لیڈر تھے، آپ کی زندگی کے آخری ایام جہاں تک اندازہ کیا گیا تھا کہ بڑی عسرت سے گزرے، ان ایام میں غیروں کے ساتھ ساتھ آپ کو اپنوں کے بھی تیر سہنے پڑے تھے، اور زخم سے چور ہو کر بالآخر قوم کے اس نڈر، بہادر، انقلابی اور سیاست دان نے سرزمین چاٹگام میں داعی اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ افسردل افسردہ کند انجمنے را۔

☆☆☆

جناب پروفیسر محمد زکریا صاحب تنگ بازاری، رہنما وانقلابی لیڈر ومجاہد فی سبیل اللہ:

پروفیسر محمد زکریا کی ولادت ۱۹۴۲ء میں شمالی بوسیدنگ کے معروف ومردم خیز قصبہ تنگ بازار میں ہوئی، آپ کے والد حضرت مولانا تراب الدین صاحب ایک جلیل القدر عالم دین و مایۂ ناز معلم و مدرس ہونے کے علاوہ ایک فنافی الرسول بزرگ تھے، علاقے کے علاوہ شمالی منگڈو کے قصبہ بلی بازار اور قاضی آباد میں آپ کے شیدائی اور بڑی تعداد میں چاہنے والے دیکھے گئے تھے۔

محمد زکریا صاحب کی ابتدائی دینی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب میں ہوئی، آپ نے اپنے نامور والد سے دینیات اور اخلاقیات کی تعلیم پائی تھی، ساتھ ہی ساتھ تنگ بازار کے سرکاری اسکول میں پڑھتے رہے تھے، بعد میں مٹرک کے امتحان امتیازی شان سے پاس کر کے اعلی تعلیم کے لئے رنگون گئے اور رنگون یونیورسیٹی سے بی ایس سی پھر ایم ایس سی کی ڈگریاں حاصل کیں، غالبا علم النباتات میں آپ کا تخصص ہے، اس کے بعد برما اور ارکان کے مختلف کالجوں اور یونیورسیٹیوں میں آپ بحیثیت لکچرر فرائض انجام دیتے رہے تھے۔

۱۹۶۶ء کے دوران ارکان کے حوالے سے روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کی تشکیل ہوئی تو آپ اس میں شامل ہو گئے تھے، آپ نے بڑی ہی رازداری کے ساتھ قومی کاموں کو آگے بڑھایا تھا، آپ کی کوششوں کے نتیجے میں بہت سارے اسکولوں اور کالجوں کے روہنگیا طلباء ریف میں شامل ہو گئے تھے۔

۱۹۷۵ء میں روہنگیا فدائین محاذ کی احیاء ہوئی تو آپ ارکان کے دارالحکومت اکیاب سے اپنے دیرینہ ساتھی ڈاکٹر محمد یونس باغگونوی سمیت ترک وطن کر کے ار پی ایف میں شامل ہو گئے اور ماسٹر شبیر حسین صاحب فوئمالوی سے عسکری تربیت حاصل کی تھی۔

۱۹۷۸ء کے دوران روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں انتشار ہوا تو پروفیسر صاحب نے اڈووکٹ نورالاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس کا ساتھ دیا اور تنظیم سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔

۱۹۸۲ء کے دوران روہنگیا مسلم آرگنائزیشن (AMO) کی تاسیس اور اعلان میں پروفیسر

صاحب بھی شریک تھے، اس کے بعد جناب نورالاسلام صاحب کی سربراہی میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا اعلان ہوا تو آپ اس میں شوری اور عاملہ کے رکن رہے تھے۔

۱۹۸۴ء کے دوران روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) میں اختلافات سامنے آئے، جس کے نتیجے میں جناب نورالاسلام صاحب نے ڈاکٹر محمد یونس اور پروفیسر محمد زکریا اور ان کے ہم خیالوں کو پارٹی سے نکال دیا تو پروفیسر صاحب ڈاکٹر محمد یونس کا ساتھ دیتے ہوئے چاٹگام آئے تھے، جس کے بعد روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا دوسرا دھڑا سامنے آیا تھا۔

۱۹۸۵ء میں مولانا سیف الاسلام صاحب شرف الدین بیلوی کی زیر قیادت اور ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی رہنمائی میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے اس دھڑا نے جماعت اسلامی کے تعاون سے کافی ترقی کی تو اس دھڑے میں پروفیسر صاحب مرکزی جنرل سکریٹری مقرر ہوئے تھے۔

۱۹۹۴ء میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) نے اندرون وطن میں عسکری اقدامات کئے تو مرکزی عاملہ میں اختلافات رونما ہوئے تھے، مولانا سیف الاسلام صاحب اور ان کے ہم خیالوں نے ان اقدامات کی سخت مخالفت کی تھی، جس میں پروفیسر صاحب پیش پیش تھے۔

۱۹۹۵ء میں پروفیسر صاحب، مولانا سیف الاسلام، اظہار میاں ایم پی، اور سعید الرحمن وغیرہ نے ڈاکٹر محمد یونس سے علیحدہ ہوکر روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے اور ایک دھڑے کا اعلان کر دیا تھا، جس میں پروفیسر صاحب صدر مقرر ہوئے تھے۔

۱۹۹۸ء کے اواخر میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے دونوں دھڑے اور نورالاسلام کی زیر قیادت ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) نے متحد ہوکر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا اعلان کیا تو پروفیسر صاحب مرکزی جنرل سکریٹری چنے گئے تھے، لیکن چند مہینوں کے بعد آپ نے اس تنظیم سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، پھر اس کے چند سال بعد آپ سعودی عرب چلے گئے تھے۔

سعودی عرب کے قیام کے دوران پروفیسر صاحب نے مولانا دین محمد والی روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا ساتھ دیا تھا، لیکن مولانا دین محمد صاحب کے انتقال کے بعد آپ نے اس

دھڑا سے بھی علیحدگی اختیار کر لی تھی۔

سعودی عرب میں چند سال بڑی عسرت میں گزارنے کے بعد پروفیسر صاحب بنگلادیش چلے آئے، ضعف جسمانی تو ہے ہی، یوں آج کل صاحب فراش ہیں، اللہ تعالی آپ کی عمر میں برکت دے، آمین۔

پروفیسر صاحب نہایت دین دار، پرہیزگار اور ملت وقوم پر فدا انسان ہیں، آپ کی طویل قومی وملی خدمات کے حوالے سے لکھا جائے تو کم سے کم ایک دفتر کی ضرورت ہوگی، اللہ تعالی آپ کی تمام خدمات کو شرف قبولیت بخشے، آمین یارب العالمین۔

☆☆☆

جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب باغکونوی، منگڈوی،
سیاسی رہنما وانقلابی قائد ومفکر قومی امور:(۱)

ڈاکٹر محمد یونس بن ماسٹر علی احمد بن تعظیم الدین بن واعظ الدین بن سرفراز الدین بن زین العابدین بن محمد الیاس بن کلی یاس بن کالا حاجی کی ولادت ۱۹۴۵ء میں جنوبی منگڈو کی بستی باغکونہ میں ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب کے جد امجد کالا حاجی (شاید ان کا ایک اسلامی نام بھی رہا ہو) کے متعلق آپ کے خاندان کے بعض راویوں کا بیان ہے کہ وہ ایک بڑے عالم دین، داعی الی اللہ اور نہایت خداترس اور سخی بزرگ تھے، خاندانی روایت کے مطابق اس خاندان کا تعلق عرب کی سرزمین یمن سے تھا، حاجی صاحب سے پہلے کوئی داعی اسلام یمن سے ہندوستان ہو کے ارکان تشریف لائے اور اس سرزمین کو اپنی دعوت کا مرکز بنایا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کے خاندان کو علاقے میں (عزی بارو گشٹی) کہا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے جد گرامی مرحوم تعظیم الدین کے بڑے بھائی کا نام عزیز الرحمن تھا۔

ڈاکٹر صاحب کے والد جناب ماسٹر علی احمد صاحب بن تعظیم الدین کی پیدائش ۱۹۱۰ء میں باغکونہ منگڈو میں ہوئی، انہوں نے اردو اور برمیز کی تعلیم حاصل کی، ساتویں جماعت پاس کرنے کے بعد سرکاری ٹیچر کی حیثیت سے ارکان کے مختلف مقامات میں تعلیمی خدمات انجام دیں، آپ نہایت خلیق، مسلمانوں کے خیر خواہ، بڑے نفاست پسند اور نستعلیقی کیفیت کے مالک تھے، صاف گو دانش مند بھی۔

ڈاکٹر صاحب کے خاندان میں بڑے بڑے بزرگان دین اور خدامان وقوم گزرے ہیں، جن میں ماسٹر امیر حمزہ بن عزیز الرحمن، ماسٹر صلاح الدین دودو میاں، ماسٹر جعفر احمد بن مولانا خلیل الرحمن کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، اللہ تعالی ان کو جزائے خیر دے۔

---

(۱) یاد رہے کہ راقم سطور کی تصنیف ''تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے'' جلد پنجم جناب ڈاکٹر محمد یونس اور محترم اڈووکٹ نور الاسلام صاحب کے حالات پر وقف ہے، دونوں کی زندگی کی تفصیلات مطالعہ کرنا ہو تو اسے مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کچھ بڑے ہوئے تو آپ کو مکتب میں بیٹھایا گیا تھا، قرآن کریم کے ناظرہ کے علاوہ کچھ ابتدائی دینیات کی تعلیم بستی کے مکتب میں پائی، ساتھ ساتھ ارکانی مسلمانوں کی عام روایت کے مطابق سرکاری پرائمری اسکول میں بھی بھرتی کرایا گیا تھا، جہاں سے آپ نے چوتھی جماعت پاس کی تھی، اس کے بعد آپ منگڈو ہائی اسکول میں داخل ہوئے اور ۱۹۶۱ء میں امتیازی نمبرات کے ساتھ مٹرک پاس کیا تھا، مٹرک پاس کرنے کے بعد آپ رنگون جا کے رنگون یونیورسیٹی کے انسٹی ٹیوٹ آف میڈیسن میں داخل ہوئے، ویسے ۱۹۶۹ء میں ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کی تھی۔

منگڈو میں دوران تعلیم ڈاکٹر صاحب نے خفیہ طور پر روہنگیا قوم کے مفاد میں کام کرنے والی بعض تنظیموں سے رشتہ جوڑ لیا تھا، لیکن رنگون یونیورٹی کے دوران تعلیم آپ علانیہ طور پر رنگون یونیورسیٹی مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن (RUMSA) میں شامل ہو گئے تھے، اگرچہ یہ تنظیم بظاہر ایک طلبہ تنظیم تھی لیکن ملک کی مسلم سیاست سے ان تنظیم کی خاصی وابستگی رہی تھی، جس میں شمولیت کی وجہ سے ایک طرف اس تنظیم میں جان آ گئی تو دوسری طرف سیاسی اور فکری اعتبار سے آپ کی تربیت بھی ہو پائی تھی۔

۱۹۶۶ء میں ڈاکٹر صاحب رنگون یونیورسیٹی کے دوران تعلیم روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) میں شامل ہوئے تھے، اس تنظیم کے زیر سائے بڑی رازداری سے ملی وقومی فریضے انجام دیتے رہے تھے، جن کی تفصیلات راقم سطور کی تصنیف ''سرزمین ارکان کے درخشان ستارے جلد پنجم'' میں دیکھی جا سکتی ہیں، یہاں صرف اتنی سی بات عرض ہے کہ اس تنظیم میں شمولیت نے آپ کے اندر احساس ذمے داریوں کے جذبات بھرے تو سیاسی کے اعتبار سے آپ کافی بالغ نظر بن گئے تھے۔

۱۹۶۹ء میں ڈاکٹر صاحب نے تعلیم سے فراغت حاصل کی اور ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۵ء تک برمی وزارت صحت کے تحت برما اور ارکان کے مختلف مقامات کے سرکاری ہسپتالوں میں ملازمت کی تھی، جن کا اجمال ہے کہ:

۱۔ تھا بک ین (برمی علاقہ) میں بحیثیت ٹاؤن شپ میڈیکل افسر۔
۲۔ اکیاب ڈویزن ہسپتال آف ارکان میں بحیثیت اسسٹنٹ سول سرجن۔

۳۔ کیوکتو (ارکان) میں بحیثیت ٹاؤن شپ میڈیکل افسر۔

ڈاکٹر صاحب کے قریبی دوستون کے بیان کے مطابق آپ نے بحیثیت ایک ڈاکٹر جہاں بھی کام کیا تھا، مریضوں اور لوگوں کی نظریں آپ پر لگی رہتی تھیں، اللہ تعالی نے جسمانی اعتبار سے آپ کو بڑی خوب صورت بنایا ہے، بڑی جاذب نظر شخصیت کے مالک انسان ہیں، آپ کی زبان میں شیرینی بھری ہے، بعض جاننے والوں کا کہنا ہے کہ مریض آپ کو پاتے ہی ایک طرح کے سکون اور طمانیت محسوس کرتے تھے، یوں ہر ایک آپ کو بڑی عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا، نہ صرف روہنگیا بلکہ برادران وطن بھی آپ کو قدرو منزلت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے۔

بایں ہمہ ڈاکٹر صاحب کے دل ودماغ میں بے قراری کا طوفان برپا تھا، کہ آہ! ارکان کے مسلمان کیوں ظلم واستبداد کے بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں؟ ان مظلوموں کو ان مصائب سے نجات دلانے والا کون ہے؟؟ ویسے آپ ایک بڑی ذہنی الجھن میں پڑے ہوئے تھے، اب کیا کریں اور کیا کرنا چاہئے؟ لیکن اس الجھن میں بھی آپ بڑے پرامید تھے، ویسے آپ نے اپنے بعض قریبی دوستوں سے مشورہ کیا کہ ایسے حالات میں کیا کرنا چاہئے؟۔

کہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کے دوستوں میں پروفیسر محمد زکریا صاحب سرفہرست تھے، چوں کہ پروفیسر صاحب بھی روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کے ممبر تھے، تو ان کے سامنے ڈاکٹر صاحب کو اپنے دل کی باتیں چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، چوں کہ اسی زمانے میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے قیام کا اعلان ہو چکا تھا، تو دونوں دوستوں نے فیصلہ کر لیا کہ ترک وطن کر کے اس نئی قومی تنظیم میں شامل ہو جائیں، چنانچہ ۱۹۷۵ء میں دونوں نے ترک وطن کر کے روہنگیا فدائین محاذ میں شمولیت اختیار کی تھی۔

ڈاکٹر صاحب اور پروفیسر صاحب شاہی فریر دیپ پہنچے تو روہنگیا فدائین محاذ کے لوگوں نے ان کا پرتپاک استقبال کیا تھا، یاد رہے کہ یہ دونوں حضرات جس وقت روہنگیا فدائین محاذ میں شامل ہو رہے تھے تب تک روہنگیا فدائین محاذ کی تجدید ہو چکی تھی، تاہم ان کی شمولیت کے بعد مجلس عاملہ کی دوبارہ تشکیل کی گئی تو ڈاکٹر صاحب اور پروفیسر صاحب کو عاملہ میں شامل کر لیا گیا تھا، ذیل میں اس کے

بعد کی مجلس عاملہ میں شامل اراکین کے اسمائے گرامی اور مناصب درج کئے جارہے ہیں:

۱۔ محمد جعفر حبیب علی چنگی: صدر تنظیم۔
۲۔ جناب شبیر حسین صاحب فوئمالوی: جنرل سکریٹری۔
۳۔ جناب اڈووکٹ نورالاسلام صاحب: سکریٹری برائے امور خارجہ۔
۴۔ جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب باغکونوی: رکن عاملہ۔
۵۔ مولانا محمد کبیر صاحب خواندنگی: رکن عاملہ۔
۶۔ پروفیسر محمد زکریا صاحب تنگ بازاری: رکن عاملہ۔
۷۔ جناب انعام اللہ صاحب کلادنگی: رکن عاملہ۔

۲ رنومبر ۱۹۷۵ء میں عسکری تربیت شروع ہوئی تو اس میں ڈاکٹر صاحب نے بھرپور حصہ لیا تھا، یوں تو کہا جاتا ہے کہ ڈاکٹر لوگ بڑے آرام کے طالب ہوتے ہیں، ان کی آرام طلبی کا یہی عالم ہوتا ہے کہ وہ سنت رسول میں سے اپنے لئے وہی چیزیں منتخب کیا کرتے ہیں جن میں ان کی زندگی کے لئے کوئی گرانی اور پریشانی نہ ہو، لیکن ڈاکٹر محمد یونس کا معاملہ اس کا برعکس تھا، آپ نے اپنی زندگی کے آرام وعیش ترک کر کے خاک وخون میں تڑپنے والی زندگی اختیار کی تھی، اپنی زندگی کو داؤ پر لگاتے ہوئے میدان کارزار کی راہ چن لی تھی۔

ستمبر ر۱۹۷۶ء کے اواخر میں روہنگیا فدائین محاذ کے اراکین عاملہ کے مابین اختلاف رونما ہوا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ جناب اڈووکٹ نورالاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس، پروفیسر محمد زکریا، مولانا محمد کبیر، جناب شبیر حسین اور جناب انعام اللہ کی رائے یہی تھی کہ محمد جعفر بڑے سست اور غافل ہیں، اس لئے وہ عہدۂ صدارت سے مستعفی ہوجائیں، محمد جعفر حبیب تو مستعفی نہیں ہوئے لیکن اختلافات کا خلیج وسیع سے وسیع تر ہوگیا تھا، پھر بھی روہنگیا فدائین محاذ رینگتے رینگتے چل رہی تھی۔

ستمبر ر۱۹۷۷ء میں عاملہ کے تقریبا تمام ممبروں نے اختیارات کو سپریم کونسل کے حوالے کرتے ہوئے وعدہ کیا کہ کونسل جو بھی فیصلہ کرے گا اس پر سر تسلیم خم کیا جائے گا، چنانچہ کونسل نے بڑے غور وخوض اور فکر کے بعد فیصلہ کیا کہ محمد جعفر حبیب صاحب عہدۂ صدارت پر بحال رہیں گے اور ان کے نائب اڈووکٹ نور

الاسلام صاحب ہوں گے، لیکن مجلس عاملہ کے وہ اراکین جنہوں نے محمد جعفر حبیب کے خلاف محاذ آرائی کی تھی، انہوں نے سپریم کونسل کے اس فیصلہ کو ماننے سے انکار کردیا تو بات بننے کی جگہ مزید بگڑ گئی تھی۔

۱۹۷۸ء میں بڑی تعداد میں روہنگیا مہاجرین بنگلا دیش پہنچے تو روہنگیا فدائین محاذ کی جانب سے ڈاکٹر محمد یونس نے ایک گروپ کی قیادت کرتے ہوئے مہاجرین کی مقدور بھر طبی خدمات کیں، آپ کی ان خدمات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان خدمات کے میدان میں آپ نے دن رات کو ایک کر دیا تھا۔

لیکن برمی حکومت کے مظالم کے ردعمل کے بطور روہنگیا فدائین محاذ کی جانب سے کوئی بھی قابل قدر یا ناقابل فراموش سرگرمی نہیں ہوسکی تو حساس روہنگیاؤں میں عموما اور روہنگیا فدائین محاذ کے باشعور افراد میں خصوصا تنظیم کے اعلی قیادت پر شکوک وشبہات پیدا ہو گئے تھے، جن میں ڈاکٹر محمد یونس صاحب بھی تھے، ایسے حالات میں محمد جعفر حبیب صاحب پریشانی میں مبتلا ہو گئے تھے، بالآخر محمد جعفر حبیب نے مجلس عاملہ سے مشورے کے بعد مجاہدین کے دو دستے میدان کارزار میں اتار دیے، اس حوالے سے راقم سطور کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو کہ:

> ''ایسے حالات میں فدائین محاذ کے بعض اراکین نے مطالبہ کر دیا کہ محاذ برمی درندوں کے خلاف عسکری سرگرمیوں کا آغاز کرے، چنانچہ حالات کے تقاضے کے پیش نظر محمد جعفر حبیب نے مرکزی مجلس عاملہ کا اجلاس بلایا اور طویل غور وخوض کے بعد مجاہدین کے دو دستے میدان میں اتارنے کا فیصلہ کیا تھا، تاہم اس فیصلہ کے خلاف فرنٹ لائن کمانڈر مولانا محمد کبیر خواندنگی صاحب نے سخت مخالفت کی تھی، ان کا کہنا تھا کہ فدائین محاذ میں اب تک وہ استعداد پیدا نہیں ہوئی جس کے بل بوتے پر گوریلا انداز کی سہی کوئی کاروائی کی جاسکے، لیکن اکثریت کے فیصلے پر مجاہدین کے دو دستے میدان کارزار میں اتارے جاچکے تھے، مگر چند دن جاتے نہ جاتے دونوں دستے کوئی بھی قابل ذکر کاروائی کے بغیر واپس آئے تھے''۔

۱۹۷۸ء کے بعد بدنام زمانہ ''ناگامن اپریشن'' کے دوران اور اس کے بعد کے حالات روہنگیا فدائین محاذ کے لئے بڑی اہمیت کے حامل تھے، ایک طرف مہاجرین کی پریشانیوں پر پریشانیاں تو

دوسری طرف اندرون وطن میں بچے کچے روہنگیا مسلمانوں کی غیر یقینی صورت حال، جن کی وجہ سے روہنگیا فدائین محاذ میں خصوصاً ایک ہو کا عالم چھایا ہوا تھا۔

محاذ کے دونوں عسکری دستوں کی نامراد واپسی اور روہنگیا فدائین محاذ کی جانب سے کوئی قابل قدر خدمات کے نہ ہونے کی وجہ سے تنظیم کے اراکین میں مزید شکوک وشبہات پیدا ہو گئے تھے، اب محمد جعفر حبیب نے اس عدم اعتماد کی فضا کو دیکھ کر محاذ کے تمام اختیارات چار سن رسیدہ روہنگیا بزرگوں کے حوالے کر دیے، جو یہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا اڈووکٹ شفیق احمد صاحب تنگ بازاری۔

۲۔ جناب اڈووکٹ سلطان احمد صاحب بالوخالوی۔

۳۔ جناب الحاج مظفر احمد صاحب (DEO) خیر فاروی۔

۴۔ جناب الحاج محمد عبد الغفار صاحب نکھوروی۔

ایسے حالات میں ڈاکٹر محمد یونس بڑے پریشان تھے، درحقیقت بات یہ تھی کہ ڈاکٹر صاحب کی آنکھیں ارکان میں جہاد وقتال کے حوالے سے اتنی کھلی نہیں تھیں جتنی بعد کے طویل تجربات میں کھل چکی ہیں، تاہم ڈاکٹر صاحب بنیادی طور پر آپسی سیاست اور باہمی رسہ کشی کے داؤ پیچ میں الجھے بغیر ہر حال میں جہاد وقتال کے طرف دار نکلے ہیں، اور ہماری قومی وملی مشکلات کا واحد حل بعض ضروری سیاسی جدوجہد کے ساتھ صرف اور صرف جہاد وقتال کی شکل میں دیکھا کرتے رہے ہیں۔

بہر حال وقت کے ساتھ ساتھ روہنگیا فدائین محاذ میں اختلاف کا خلیج بڑھتا ہی گیا تھا، بڑے بڑوں نے اس آپس کے اختلاف کو مٹانے کی کوششیں کی تھیں، لیکن ان کی تمام کوششیں دھری کی دھری رہ گئی تھیں، بالآخر ڈاکٹر محمد یونس، اڈووکٹ نورالاسلام، پروفیسر محمد زکریا سمیت چند لوگوں نے فدائین محاذ سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، یاد رہے کہ اس واقعہ سے پہلے جناب شبیر حسین صاحب فوئمالوی بھی محاذ سے علیحدہ ہو گئے تھے، جب کہ مولانا محمد کبیر اور انعام اللہ صاحب نے محاذ سے علیحدہ ہوتے ہوئے ایک نئی تنظیم کا اعلان کر دیا تھا۔

روہنگیا فدائین محاذ سے علیحدہ ہو جانے کے بعد جناب نورالاسلام، ڈاکٹر محمد یونس اور پروفیسر محمد زکریا وغیرہ نے ارکان مسلم آرگنائزیشن (AMO) نامی تنظیم کی بنیاد رکھی اور بنگلادیش کے علاوہ متحدہ

عرب امارات، پاکستان اور سعودی عرب میں رہائش پذیر روہنگیا برادری کے باشعور لوگوں کو ہم نوا بنانے کی کوشش کی تھی، جس میں یہ حضرات ایک گونہ کامیاب بھی ہوئے تھے، اس کے بعد اس تنظیم نے جماعت اسلامی والوں سے ناطہ استوار کر لیا تھا، جس کے بعد ارکان مسلم آرگنائزیشن میں جان سی آ گئی تھی، اس حوالے سے راقم سطور کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو کہ:

''ارکان مسلم آرگنائزیشن (AMO) کے زیر سائے ڈاکٹر محمد یونس، جناب نورالاسلام اور پروفیسر محمد زکریا وغیرہ نے اس نئی تنظیم کو آگے بڑھانے کی مسلسل کوششیں کیں، اس حوالے سے قابل ذکر بات یہ ہے کہ انہوں نے جماعت اسلامی کے اہل حل وعقد سے رابطہ استوار کر لیا تھا، اور جماعت اسلامی نے بھی نہ صرف اس کی حمایت کی بلکہ مادی ومعنوی اعتبار سے اس مظلوم قوم کی اس تنظیم کی طرف تعاون کا ہاتھ بڑھایا، اگرچہ بعد کے حالات نے ظاہر کیا کہ اس تعاون وحمایت نے ہماری اندرونی سیاست کے علاوہ دیگر حالات اور علاقائی سیاست کے پس منظر میں دیکھا جائے تو ہمارا بڑا نقصان ہوا تھا، لیکن اس تعاون واکرام کی وجہ سے ہمارے لئے بعض ضروری اسلامی انقلاب وسیاست کا بڑا فائدہ بھی ہوا تھا، ہمارے لوگ اسلامی سیاسیات سے تقریباً نابلد تھے تو جماعت اسلامی کے تعاون کی وجہ سے ہمارے برادری کے باشعور اور اسلام پسند افراد کا ذہنی اور فکری اعتبار سے کافی فائدہ ہوا تھا، خصوصاً فریضۂ اقامت دین کے نقطۂ نظر سے ہمارے لوگوں کے کردار وعمل میں ایک گونہ انقلاب آ چکا تھا، جماعت اسلامی کے ساتھ ہماری اس تنظیم کی وابستگی نے اگرچہ خود اس تنظیم کے اعلی قیادت کے مابین بعد میں نظریات کے حوالے سے اختلافات بھی رونما ہوئے تھے، تاہم جب ارکان مسلم آرگنائزیشن نے بعد میں ڈاکٹر محمد یونس اور مولانا سیف الاسلام صاحب کی قیادت میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کا روپ دھارا تو جماعت اسلامی والوں نے مادی اور معنوی اعتبار سے کھل کر وہ تعاون کیا جسے ارکانی مسلمانوں کی سیاسی اور

انقلابی تاریخ کبھی بھی بھولنے نہیں پائے گی‘‘۔

ارکان مسلم آرگنائزیشن کے اعلان کے تین ساڑھے تین سال کے بعد اس کے نام میں تبدیلی لائی گئی اور اس کی جگہ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن سامنے آئی تھی، جس میں اڈووکٹ نورالاسلام صاحب صدر اور ڈاکٹر محمد یونس صاحب نائب صدر منتخب ہوئے تھے، ان دونوں رہنماؤں کے علاوہ اس تنظیم کے اولین میں پروفیسر محمد زکریا، ایم پی اظہار میاں اور سعید الرحمن صاحب رامو یا فاروی ناقابل فراموش شخصیات ہیں۔

اب قومی سطح پر دو تنظیمیں سرگرم عمل ہو چکی تھیں، روہنگیا فدائین محاذ (RPF) محمد جعفر حبیب اور شبیر حسین کی قیادت میں روہنگیا کاز کو آگے بڑھا رہی تو روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) اڈووکٹ نورالاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس وغیرہ کی قیادت میں قدم آگے بڑھا رہی تھی، مؤخر الذکر تنظیم نے بڑی تگ و دو کے بعد چند اسلحے حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی تو روہنگیا مسلمانوں کے حوالے سے میدان میں کام کرنے والی دو مسلح تنظیمیں سرگرم عمل ہو چکی تھیں۔

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) اب ایک مسلح تنظیم بن چکی تھی، جناب نورالاسلام، ڈاکٹر محمد یونس اور مولانا سیف الاسلام کی کوششوں کے نتیجے میں جماعت اسلامی سے رشتہ استوار ہوا تو رہ رہ کر یہاں اسلامی تربیتی پروگراموں کے ذریعے لوگوں کو اسلامی سیاست اور انقلاب کے نظریات سے واقفیت ملی تھی، ایسے حالات میں اس تنظیم میں اختلافات رونما ہو گئے تھے۔

۱۹۸۴ء کے دوران جناب نورالاسلام اور ان کے ہم نوا وہم خیال جناب ڈاکٹر محمد یونس اور ان کے ہم خیالوں سے نالاں اور برگشتہ ہو گئے تھے، جناب نورالاسلام صاحب اور ان کے ہم خیالوں کا نقطۂ نظر تھا کہ سرزمین بنگلا دیش میں جماعت کے علاوہ بھی دیگر بہت سی تنظیمیں موجود ہیں، نظریاتی اعتبار سے دیکھا جائے تو تقریبا ساری دینی اور سیاسی تنظیمیں جماعت اسلامی کی مخالف ہیں، اب روہنگیا جیسی ایک کم زور، مجبور اور معذور قوم کی ایک تنظیم نے جماعت اسلامی سے رشتہ جوڑ لیا تو یہاں کی بقیہ تمام تنظیمیں روہنگیا اور اس کی تمام سرگرمیوں کی مخالف ہو جائیں گی، ان کی مخالفت روہنگیا قومی کاز کے لئے خطرناک ثابت ہو جائے گی، اس لئے ہمارے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ جماعت اسلامی

سے اس قدر رشتہ استوار کرنے کے بجائے ہمارے ساتھ ساری تنظیموں کے یکساں تعلقات رہے، تاکہ موافقت نہ بھی ہو سکی تو کم سے کم مخالفت کا سامان بھی پیدا نہ ہو جائے۔

جماعت اسلامی کے ساتھ تعلقات کے حوالے سے جناب نورالاسلام صاحب اور ان کے ہم خیالوں کا نقطۂ نظر کا ایک گوشہ یہاں بیان کیا جا چکا ہے، پھر اس کا دوسرا گوشہ کچھ اس طرح کا ہے کہ:

’’چوں کہ سرزمین ارکان کے تقریبا تمام علمائے کرام اور مدارس دینیہ کا تعلق دیوبندی مکتب فکر سے ہے، جو ظاہر ہے کہ جماعت اسلامی کے مخالف ہیں، اور جو ہمارے معاشرہ کے بڑے با اثر حصے ہیں، جن کی مخالفت ہمارے لئے بڑے نقصان کا باعث بن سکتی ہے، اس لئے بھی ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک ایسی جماعت سے دائمی طور پر رشتہ استوار نہ کیا جائے جس سے ہمارے علماء کو ناگوار گزرے‘‘۔

بالآخر جناب نورالاسلام صاحب نے ڈاکٹر محمد یونس اور ان کے تمام ہم خیالوں کو روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن سے باہر کر دیا تو اس اخراج کے بعد ڈاکٹر صاحب اور ان کے ہم خیالوں نے روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کا دوسرا دھڑا قائم کر لیا تھا، پہلے پہلے ۱۹۸۵ء سے ۱۹۸۹ء تک اس مؤخر الذکر دھڑا نے مولانا سیف الاسلام صاحب کی زیر صدارت کافی ترقی کی تھی۔

۱۹۸۹ء میں مولانا سیف الاسلام صاحب عہدۂ صدارت سے مستعفی ہو گئے تو ڈاکٹر محمد یونس کو قائم مقام صدر چنا گیا تھا، پھر چند مہینے کے بعد مجلس شوری کا اجلاس بلایا گیا، جس میں انتخابات ہوئے تو ڈاکٹر صاحب صدر/ امیر اور مولانا سیف الاسلام صاحب ان کے نائب منتخب ہوئے تھے۔

۱۹۹۴ء میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن نے اندرون وطن میں مسلح کاروائیاں کیں، لیکن بری طرح ناکامی کی شکار ہو گئی تو تنظیم میں اختلافات رونما ہوئے تھے، جن کے نتیجے میں پھر یہ تنظیم دو متحارب دھڑوں میں تقسیم ہو گئی تھی، ایک کی رہنمائی ڈاکٹر صاحب کر رہے تو دوسرے کی قیادت پروفیسر محمد زکریا اور مولانا سیف الاسلام کر رہے تھے۔

۱۹۹۸ء میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا قیام ہوا تو یہ دونوں دھڑے بھی اس مؤخر الذکر تنظیم میں شامل ہو گئے تھے، بعد میں ڈاکٹر صاحب نے یہاں سے بھی نکل کر اے ایل جی

ایف(ALGF)نامی تنظیم کا اعلان کیا تھا،لیکن اس تنظیم کی کوئی بھی خاطر خواہ ترقی نہ ہوسکی تو انہوں نے دوبارہ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن(RSO)کے صدر ہونے کا دعوی کردیا تھا، آج ۲۰۲۲ء کا سال ہے، ظاہر ہے کہ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن چند دھڑوں میں منقسم ہے، تاہم ایک دھڑا کے صدر خود ڈاکٹر صاحب ہیں۔

سن ۲۰۲۲ء میں ارکان روہنگیا نیشنل الائنس(ARNA) کا اعلان ہوا، جس کا صدر جناب اڈووکٹ نورالاسلام صاحب ہیں، جبکہ نائب صدر محترم ڈاکٹر محمد یونس صاحب ہیں، خدا کرے کہ اس الائنس سے قوم کی جو امید وابستہ ہو چکی ہے، وہ بھر آئے۔

☆☆☆

جناب اڈووکٹ نورالاسلام صاحب شیل خالوی، منگڈوی، سیاسی وانقلابی قائد ورہنماو مفکر قومی:

سرزمین ارکان کے معروف انقلابی اور سیاسی رہنما محترم نورالاسلام صاحب ۱۳ر دسمبر ر ۱۹۴۸ء میں شمالی منگڈو کی معروف بستی شیل خالی میں پیدا ہوئے، آپ کے والدگرامی جناب ماسٹر عمر حمزہ صاحب علاقے کے ایک بڑے زمیندار اور سردار ہونے کے ساتھ سرکاری اسکول کے استاد تھے، ساتھ ہی ساتھ نہایت انصاف پسند، عدل دوست اور بڑے سخی اور فراغ دل بھی، کہتے ہیں کہ ماسٹر صاحب علاقے بھر کے غریبوں، مسکینوں مصیبت زدوں اور پریشان حالوں کے ملجا و ماوی ہونے کی حیثیت سے نہ صرف اپنے علاقے بلکہ منگڈو شہر میں بھی معروف تھے۔

نورالاسلام صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب اور پرائمری سرکاری اسکول میں ہوئی، مکتب میں ناظرۂ قرآن کریم اور کچھ دینیات کی تعلیم کے ساتھ سرکاری اسکول سے چوتھی جماعت کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد منگڈو ہائی اسکول میں داخلہ لیا تھا، یہاں سے ۱۹۶۸ء میں مٹرک کا امتحان امتیازی نمبرات کے ساتھ پاس کیا تھا، یہاں کے دوران تعلیم کے متعلق جناب اقبال صاحب باغکونوی کا بیان ہے کہ:

> ''نورالاسلام صاحب کا منگڈو کے دوران تعلیم شعور خاصا بیدار ہو چکا تھا، آپ ایک ذہین وفطین طالب علم تھے، اسی ایام میں دماغ کی روشنی کے ساتھ ساتھ ان کے قلب میں قوم کے حوالے سے ایک طوفان بپا تھا، ظاہر ہے کہ ہر طرف مگھ برمیوں کے مظالم عروج پر تھے، یہاں کے مسلمانوں کی زندگی اجیرن کردی گئی تھی، تو انہوں نے ان مظالم کے خلاف آوازیں اٹھانی شروع کیں، اندر ہی اندر میں مسلم طلباء کو حرکت میں لانا شروع کردیا تھا، ان کی ایسی جدوجہد سے صاف نظر آرہا تھا کہ نور الاسلام صاحب مستقبل میں قوم کی رہنمائی کریں گے، بعد میں اس کا تحقق بھی ہوا''۔

جناب نورالاسلام صاحب مٹرک کے امتحان پاس کرنے کے بعد اعلی تعلیم کے حصول کے لئے

۱۹۶۶ء میں رنگون پہنچے، یہاں سے ۱۹۷۳ء میں بی اے کی ڈگری حاصل کی تھی، پھر اگلے سال ۱۹۷۴ء میں ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کرتے ہوئے آپ نے تعلیم کا سلسلہ ختم کردیا تھا۔

رنگون یونیورسیٹی میں نورالاسلام صاحب نے دوران تعلیم بہت ساری قومی خدمات انجام دیں، جن میں سے مسلمان طالب علموں کی خدمات نا قابل فراموش ہیں، اس حوالے سے محترم محمد اقبال صاحب بانگکونوی کا یہ بیان ملاحظہ ہو کہ:

’’رنگون میں طالب علمی کے دوران جناب نورالاسلام صاحب نے اپنے ساتھی طالب علموں کی نمایاں خدمات انجام دیں، اور انہوں نے اپنے جیب خرچہ تک ان طالب علموں کے تعاون اور مدد میں لگا دیا تھا، حتی کہ سننے میں آیا کہ بسا اوقات وہ اپنے جیب خالی کرتے ہوئے بھوکے تک رہتے تھے، لیکن وطن کے طالب علموں کو پریشان نہیں دیکھ سکتے تھے، زمیندار کے صاحب زادہ تھے، پیسے گھر سے آتے اور ساتھیوں پر لٹاتے رہتے تھے، ان کی یہ صفت ہمارے زمانے کے دیگر کسی بھی طالب علم سے دیکھا نہیں گیا تھا‘‘۔

رنگون یونیورسیٹی کے دوران تعلیم نورالاسلام صاحب مختلف سیاسی، سماجی، ثقافتی اور فکری تنظیموں کے پروگراموں میں حصہ لیتے رہے تھے، ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۱ء تک یعنی ایک سال رنگون یونیورسیٹی کے روہنگیا طلبا تنظیم ’’روہنگیا اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن‘‘ (RSA) کے آپ صدر رہ چکے تھے، یوں آپ نے اس طلبہ تنظیم کا رکن اور صدر رہتے ہوئے قوم کی عموما اور مسلم روہنگیا طلباء کی خصوصا بہت نمایاں خدمات انجام دیں، محترم اقبال صاحب کے بیان کے مطابق آپ نے اپنے رفقاء کے تعاون سے ایک فنڈ جمع کیا تھا، جسے غریب، مسکین اور نادار طلباء پر خرچ کیا گیا تھا، اس سلسلے میں آپ کے مربی جناب بن یامین صاحب (جو ایک طویل مدت تک برمی خبر رساں ایجنسی کے اعلی عہدیدار تھے) نے بڑا ہی تعاون کیا تھا، یاد رہے کہ جناب نورالاسلام صاحب بن یامین صاحب کو اپنا مربی اور سیاسی استاد مانتے تھے، اور بن یامین صاحب بھی آپ کو بڑی شفقت کی نظر سے دیکھتے اور آپ پر بہت اعتماد کیا کرتے تھے۔

علاوہ ازیں رنگون یونیورسیٹی کے دوران تعلیم جناب نورالاسلام صاحب نے اس وقت زیر زمین

کام کرنے والی تنظیم روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) سے لو لگا لیا تھا، لیکن اور ایک رویت کے مطابق آپ نے منگڈو کے دوران تعلیم ہی اس تنظیم کی رکنیت حاصل کر لی تھی، جناب اقبال صاحب کے بیان سے مؤخر الذکر بات کا ثبوت ملتا ہے کہ:

’’جناب نورالاسلام صاحب منگڈو کے دوران تعلیم روہنگیا قومی سیاست سے پوری طرح منسلک ہو چکے تھے، انہوں نے منگڈو کے مسلمان طلباء کو منظم کیا تھا، وہ اپنے ساتھیوں کے تعاون سے برمی مظالم اور درندگی کے خلاف جاندار پوسٹرز تیار کر کے دیواراں میں چسپاں کرتے تھے، ان کی جرأت اور بے باکی کی یاد اب بھی ہمارے ذہن میں تازہ ہے، وہ سوئے ہوئے طلباء کو جگاتے اور جاگے ہوؤں کو فعال بناتے تھے، منگڈو میں کام کرنے والے روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کے اعلی لیڈران ان کی رہنمائی کرتے اور ان کا حوصلہ بڑھاتے تھے، ایک طالب علم کی حیثیت سے ان کے کردار بڑے قابل داد ہیں، غرض کہ جناب نورالاسلام صاحب ایک نڈر، جرأت مند اور فعال طالب علم تھے‘‘۔

ابھی نورالاسلام صاحب رنگون یونیورسیٹی میں زیر تعلیم تھے کہ ارکان میں زیر زمین کام کرنے والی تنظیم روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) والوں کی نظریں آپ پر پڑیں، یوں آپ کو ارکان آکر اس تنظیم میں شامل ہو کے قومی خدمات کے لئے دعوت دی گئی تھی، لیکن بعض وجوہات کی بنیاد پر آپ اس تنظیم میں براہ راست شامل نہیں ہو سکے تھے، لیکن پارٹی والوں کو امید دلائی کہ وہ اسے تعاون کرنے میں کسی قسم کی کسر نہیں چھوڑیں گے۔

۱۹۷۴ء میں نورالاسلام صاحب نے تعلیم سے فراغت کے بعد چند مہینے رنگون میں وکالت کا پیشہ اختیار کیا تھا، لیکن چند مہینے جاتے نہ جاتے آپ کے لئے برما کی زمین تنگ ہوگئی یا کر دی گئی تو آپ کو زیر زمین جا کر کام کرنے کا فیصلہ کرنا پڑا تھا، ویسے ۱۹۷۴ء کے اواخر میں آپ رنگون سے وطن پہنچے اور ۱۹۷۵ء کے اوائل میں اس وقت زیر زمین کام کرنے والی تنظیم روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں شامل ہو کے اپنی جد وجہد کا آغاز کر دیا تھا۔

۱۹۷۵ء سے ۱۹۷۸ء تک نورالاسلام صاحب روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے کبھی نائب صدر اور کبھی سکریٹری برائے امور خاجہ کے مناصب پر کام کرتے رہے تھے، قائد تنظیم جناب محمد جعفر حبیب صاحب آپ کو بہت ہی پسند کرتے اور آپ پر خاصے اعتماد کرتے تھے، میں نے قائد حبیب کے یہ الفاظ بہت ساروں کی زبانی سنے کہ:

’’ہمارے ساتھیوں میں مجھے نورالاسلام سے جتنی امیدیں ہیں اتنی اور کسی سے نہیں ہیں، وہ مستقبل میں انشاءاللہ تعالی قوم کی رہنمائی اور قیادت کرے گا، اور توقع ہے کہ وہ جو بھی کرے گا خوب سے خوب تر کرے گا‘‘۔

بطور خاص جناب نورالاسلام صاحب جس زمانے میں روہنگیا فدائین محاذ کے سکریٹری برائے امور خارجہ تھے، اسی زمانے میں آپ کی صلاحیات نمایاں ہوکر سامنے آئیں، اس دوران آپ نے بڑی بڑی قومی خدمات انجام دیں، آپ نے محمد جعفر حبیب کی قیادت میں روہنگیا کی اس اکلوتی تنظیم کو نہ صرف بعض اقوام عالم سے متعارف کرایا بلکہ روہنگیا کی حالت زار سے اقوام عالم کو عموما اور مسلم دنیا کو خصوصا آگاہ کیا تھا، آپ کی ان خدمات پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک قابل قدر ساتھی نے یہ کہا کہ:

’۱۹۷۵ء کے بعد ارکان کے مسلمانوں پر ہونے والے آئے دن نت نئے مظالم نے جناب نور الاسلام صاحب کے لطیف احساسات کو اور بھی تیز کردیا تھا، مہاجرت کی اس زندگی میں سہی ان کو سہانی رات اور روشن صبح کبھی راس نہیں آئی، ان کو اپنے وطن کے مسلمانوں کی یادیں ہمیشہ ستاتی رہی تھیں‘‘۔

۱۹۷۸ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں اختلافات نے مزید بال و پر نکالے، بطور خاص اعلی قیادتوں کے مابین اختلافات کھل کر سامنے آئے تھے، جن سے جناب نورالاسلام صاحب بھی نہ بچ سکے تھے، بالآخر آپ اپنے چند ساتھیوں کے ورغلانے سے تنگ ہوکر روہنگیا فدائین محاذ سے مستعفی ہوگئے تھے، اگر چہ بعد میں آپ کو اپنی غلطی کا شدید احساس ہو چکا تھا لیکن مواقع تو ہاتھ سے نکل چکے تھے، اور آپ ایسے سیاسی رسہ کشی اور تناؤ کے دلدل میں پھنس چکے کہ جس سے بچنے کی کوئی راہ کھلی نہیں

رہی تھی، آپ زندگی بھر اس واقعہ بلکہ حادثہ پر اپنی ندامت کا اظہار کرتے رہے ہیں، چنانچہ ایک دن راقم سطور سے اس افسوسناک حاثہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ:

’’مولانا! (نورالاسلام صاحب راقم سطور کو ہمیشہ از راہِ محبت مولانا کے لفظ سے یاد کرتے ہیں) در اصل ہم سے بڑی اور نا قابل تلافی غلطی ہو چکی تھی، روہنگیا فدائین محاذ سے مستعفی ہونے کے چند دن بعد مجھے اپنی غلطی کا شدید احساس ہو چکا تھا، لیکن میں ایک دلدل میں پھنس کر رہ گیا تھا، لوگوں نے محمد جعفر حبیب کو سست اور غافل کہا، مگر آج احساس ہورہا ہے کہ اتنی بڑی ایک تنظیم کا قیادت کرنا کتنا ہی کٹھن کام ہے، منزل بھی دور اور راستہ بھی دشوار ہے، تجربہ شاہد ہے کہ اس راہ کے مسافروں کو کتنے ہی مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، محمد جعفر حبیب ہمارے لیڈر، قائد اور رہنما تھے تو بڑے خوب تھے، کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہم ان کے زیر سائے کام کرتے، ان کو مرشد اور قائد مان کر ہم اپنی صلاحیت کے مطابق کام انجام دیتے؟ کاش ہم ان سے بچھڑ نہ جاتے تو آج ہمارا حال کچھ اور ہوتا، درحقیقت مجھے بعض نادانوں نے راہ راست سے ہٹایا تھا، ورنہ مجھے اس وقت بھی تھوڑا تھوڑا احساس تھا کہ کہیں ہم غلط راستے پر تو نہیں چل رہے ہیں؟ آج میں خود اپنی ذات سے شرمندہ ہوں، اپنوں کے سامنے نادم ہوں، شاید قوم کی اگلی نسلوں کے سامنے بھی شرمسار رہوں گا‘۔

روہنگیا فدائین محاذ سے مستعفی ہونے کے بعد جناب نورالاسلام صاحب نے اپنے ہم نواؤں کے تعاون سے ایک دعوتی قسم کی تنظیم کی بنیاد رکھی تھی، جس کا نام ارکان مسلم آرگنائزیشن (AMO) رکھا گیا تھا، پھر تقریبا ساڑھے تین سالوں کے بعد اس تنظیم نے روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا روپ دھارا تھا۔

۱۹۸۲ء میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کا اعلان ہوا تو جناب نورالاسلام صاحب اس کے موسس صدر بنے، یہاں ایک بات یہ بھی یاد رہے کہ اگر چہ نورالاسلام صاحب روہنگیا سالیڈیریٹی

آرگنائزیشن کے موسس صدر تھے،لیکن بعد میں دنیا بھر میں آپ کی پہچان اس کے بعد قائم ہونے والی تنظیمیں ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (A R I F) اور ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کےصدر کی حیثیت سے ہوئی ہے، جب کہ آپ کے دیرینہ ساتھی بلکہ بعد کے رقیب جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب کا تعارف روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کے لیڈر کی حیثیت سے ہوا ہے۔

بہر حال ۱۹۸۴ء کے دوران روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن میں شگاف پڑ گیا تھا، چنانچہ ایک دھڑا کی قیادت جناب نورالاسلام صاحب کر رہے تھے جب کہ دوسرے دھڑا کی قیادت ڈاکٹر محمد یونس اور مولانا سیف الاسلام صاحب نے سنبھالی تھی، پھر ۱۹۸۵ء کے بعد مؤخر الذکر دونوں لیڈروں کی قیادت میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن دنیا میں شہرت پائی ہے۔

۱۹۸۶ء میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا نورالاسلام دھڑا اور روہنگیا فدائین محاذ شبیر حسین دھڑا (یاد رہے کہ ار ایس او کی طرح اسی زمانے میں ار پی ایف بھی دو دھڑوں میں منقسم ہو چکی تھی، ایک دھڑا کی قیادت جناب شبیر حسین صاحب جب کہ دوسرے دھڑے کی قیادت محمد جعفر حبیب صاحب نے سنبھالی تھی) کے درمیان ہونے والے معاہدہ کے نتیجے میں ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) قائم ہوئی تھی۔

ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کے تاسیسی صدر جناب شبیر حسین صاحب کو چنا گیا تھا، جب کہ نورالاسلام صاحب نے نائب صدارت کے عہدہ سنبھالا تھا، ابھی فرنٹ کا اعلان ہوا چند مہینے بھی گذرنے نہیں پائے کہ بعض نا قابل بیان حالات کے پیش نظر جناب نورالاسلام صاحب شبیر حسین صاحب کو معزول کر کے فرنٹ کے منصب صدارت پر براجمان ہو گئے تھے، جس کی وجہ سے نہ صرف فرنٹ کے اندر بلکہ باہر بھی ہمارے سیاسی اور انقلابی حلقوں میں افراتفری ہوئی تھی، اور جناب نور الاسلام صاحب پر بہت سارے الزامات لگائے گئے تھے، بہر حال شبیر حسین کو معزول کر کے نور الاسلام صاحب نے عہدۂ صدارت سنبھالا تو فرنٹ عرصۂ دراز تک بحران کی شکار رہی تھی، لیکن بعد میں اس میں استقراریت آئی تھی۔

دسمبر ۱۹۹۸ء میں قوم کے دل دردمند اور فکر ارجمند کے مالک حضرات علماء اور دانشوران، سیاست

دان اور انقلابی لوگوں کی پیہم جد وجہد کے نتیجے میں قومی سطح پر تین متحرک تنظیموں :

۱۔ ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (زیر قیادت جناب نورالاسلام صاحب)
۲۔ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (زیر قیادت ڈاکٹر محمد یونس صاحب)
۳۔ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (زیر قیادت پروفیسر محمد زکریا صاحب)

کے مابین اتحاد اور یک جہتی عمل میں آئی، جس کے نتیجے میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا قیام عمل میں آیا تھا، اس نئی تنظیم کا دستور آساسی اور قوانین مرتب ہوئے، اس دستور کے تحت الکشن ہوا تو جناب نورالاسلام صاحب صدر اور ڈاکٹر محمد یونس اور مولانا سیف الاسلام صاحب نائب صدور منتخب ہوئے تھے۔

لیکن قوم کی بدقسمتی ہے کہ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کا قیام کے چند مہینے جاتے نہ جاتے اس میں بھی وہی کہانیاں شروع ہوئیں جن کی وجہ سے ہمارے ماضی کے مختلف ادوار میں انتشار وافتراق کی جلوہ سامانیاں دکھائی دی تھیں۔

نورالاسلام صاحب پر تنقید وگرفت کرنے والے بہت کچھ کہتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ تنقید کرنے والوں کو تنقید کرنے کا حق بھی ضرور حاصل ہے، اب کی بار آپ پر یہ سوال بھی اٹھایا گیا تھا کہ نورالاسلام صاحب اس تنظیم کے مؤسس صدر رہیں، کیوں آپ نے اسے پارہ پارہ ہونے سے نہیں بچا سکا تھا؟ ایک حیثیت سے اس تنظیم میں پوری قوم کے اعلی دماغ جمع ہو چکے تھے، کیوں آپ نہیں سنبھال سکے تھے ؟؟ ان سوالوں کو جواب آپ دے سکتے ہیں، لیکن اس حوالے سے میں اتنی سی بات عرض کر سکتا ہوں کہ اس وقت قومی اتحاد اور یک جہتی کو پارہ پارہ کرنے میں ایک صرف جناب نورالاسلام صاحب کی کوتاہی اور تنگ دامنی ہی ذمے دار نہیں تھی، بلکہ اس کے ذمے دار وہ حضرات بھی تھے کہ جنھوں نے اس نازک حالت میں مختلف بہانے تراش تراش کے راہ فرار اختیار کی تھی، کاش ان حضرات کی مشترکہ کوشش ہوتی تو شاید اس قومی اتحاد اور یک جہتی کو بحسن خوبی بچایا بھی جا سکتا تھا، تاہم اس ضمن میں ایک بات یہ بھی یاد رہے کہ اس اتحاد کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں ہمارے دشمن کا بھی ضرور ہاتھ تھا، لیکن دکھ اس بات کا ہے کہ خود اس تنظیم کے بعض لوگوں نے دانستہ اور نادانستہ طور پر ہمارے دشمن کی اس سازش

کو کامیاب بنادیا تھا، جس کی توقع اس مرتبہ کبھی نہیں کی گئی تھی، میں ان حقائق کی طرف ضرور جا سکتا ہوں، کیوں کہ میں بذات خود اس تنظیم میں شروع ہی سے شامل تھا، میں قائمہ کمیٹی (NSC) اور شریعہ کونسل کا رکن ہونے کے علاوہ بعد میں مجلس عاملہ (CEC) کا ممبر بھی رہا، لیکن ان حقائق کی تفصیلات کی طرف جاؤں تو تلخیاں بڑھنے کا شدید اندیشہ ہے۔

بہر حال نیشنل اسٹنڈنگ کمیٹی (NSC) یعنی قائمہ کمیٹی اور عاملہ سے بہت سارے لوگوں کے نکل جانے کے باوجود جناب نورالاسلام صاحب کے چند مخلص اور قریبی ساتھیوں نے ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کو مکمل کالعدم ہونے سے بچالیا تھا، جن میں خود میں بھی شامل تھا، تنظیم کے ایسے بحرانی حالات میں جناب نورالاسلام صاحب اس حیثیت سے بڑے قابل داد اور لائق صد ستائش لیڈر تھے کہ جنہوں نے ایسے مشکل حالات میں اس تنظیم کی ایسی ڈگرگھاتی اور ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچالیا تھا۔

جناب نورالاسلام صاحب کو بعض لوگ انفرادیت پسند بھی کہتے ہیں، لیکن میں نے آپ کو طبعی طور پر بڑے حوصلہ مند اور خوداعتمادی کے مالک انسان پایا، تاہم یہ ایک الگ بات ہے کہ وقت اور حالات کبھی کبھار آپ کے حق میں سازگار نہیں ہوتے تھے، اگر آپ کی بلند حوصلگی، خوداعتمادی، دانشمندی اور انقلابی فطرت کے ساتھ حالات بھی سازگار ہوتے تو دنیا نے سرزمین ارکان سے طلوع ہونے والا ایک عظیم قائد اور رہنما دیکھا ہوتا، اور جو کم سے کم مطلع ارکان میں ایک نیر اعظم بن کے چمکا ہوتا۔

۱۹۹۹ء کے اواخر میں جناب نورالاسلام صاحب نے ارکان کے حوالے سے میدان میں کام کرنے والی غیر مسلم متحدہ تنظیم نیشنل یونائیٹڈ پارٹی آف ارکان (NUPA) کو رواداری اور بقائے باہمی کے اصول کی بنیاد پر وطنی یک جہتی کی طرف دعوت دی، اور اس حوالے سے طویل جدوجہد اور پیہم کوششوں کے نتیجے میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) اور نیشنل یونائیٹڈ پارٹی آف ارکان (NUPA) کے درمیان ایک تاریخی الائنس (معاہدہ) ہوا تھا، اور اگلے ستمبر ۲۰۰۰ء میں اس تاریخی معاہدہ کا اعلانیہ بھی جاری ہوا تھا، جس کی وجہ سے برمی درندوں کے قصر مظالم واستبداد میں زلزلہ بپا ہوگیا تھا، اس معاہدہ کو دنیا بھر کی بہت ساری امن پسند قوموں اور ملکوں نے بھر پور خیر مقدم کیا تھا، اس متحدہ اعلان کے بعد سیاسی اور فکری اعتبار سے ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کو قدرے سنبھالا ملا

تھا، تنظیم کے اراکین اور خاص طور پر لیڈروں میں خوداعتمادی کی فضا قائم ہو چکی تھی، اس حوالے سے جہاں تک میری جانکاری کا تعلق ہے کہ اس تاریخی معاہدہ کو کرنے میں جناب نورالاسلام صاحب کی کوشش اور جدوجہد بڑی کارگر ثابت ہوئی تھی، ساتھ ہی ساتھ اس تاریخی معاہدہ کے لئے راہ ہموار کرنے میں محترم دوست جناب نور کمال صاحب خایونگ خالوی کی کوشش بھی نا قابل فراموش ہے، انہوں نے اور تو اور اپنی ذاتی تجوری کا دروازہ کھول کر رکھ دیا تھا، جنہوں نے غیر مسلم لیڈروں کو عموماً اور بطور خاص نیشنل یونائیٹڈ پارٹی آف ارکان (NUPA) کے اس وقت کے صدر ڈاکٹر کین ماؤنگ کو خصوصاً اپنا ہم خیال بنالیا تھا، اس کے علاوہ بھی غیر مسلم لیڈروں میں سے بعض لوگوں کو اس تاریخی معاہدہ کے لئے قربان ہو جانے کے لئے تیار کرلیا تھا، اس حوالے سے جناب نور کمال صاحب کی دانشمندی اور سخاوت تاریخ ارکان کبھی بھی بھول نہیں سکتی، اللہ تعالی ان کو اس جیسی انسان دوستی کی مزید توفیق عنایت کرے۔

محترم نورالاسلام صاحب کے بارے میں یہ بات عام طور پر مشہور تھی کہ آپ ارکان میں پائے جانے والے غیر مسلموں کے بڑے اور شدید دشمن ہیں، تو اس تاریخی معاہدہ کے بعد یہ بات ثابت ہوگئی کہ آپ نہ صرف ارکانی مگھوں کے دشمن نہیں بلکہ وہاں پائی جانے والی دیگر نسلی گروہوں کے بھی خیر خواہ لیڈر ہیں، آپ ارکان میں رواداری اور بقائے باہمی کے اصولوں پر جینے مرنے والے ایک انقلابی لیڈر اور دانشمند سیاست دان ہیں، چنانچہ اس زمانے میں آپ نے اپنی ایک تقریر کے دوران کہا کہ:

> ''یہ ایک غلط بات ہے کہ ہم ارکان میں صرف مسلمانوں کے علاوہ ساری قوموں اور نسلی گروہوں کے دشمن ہیں، یہ صرف اور صرف ہم پر الزام ہے، جسے ہمارے سروں پر تھونپا گیا ہے، یاد رہے کہ ہم تمام بنی نوع انسان کے خیر خواہ ہیں، ہماری دوستی اور دشمنی کی بنیاد انسانیت پر منحصر ہے، جو بھی انسانیت کا دوست ہے وہ ہمارا بھی دوست ہے، اور جو انسانیت کا دشمن ہے وہ ہمارا بھی دشمن ہے، بھلا وہ انسان ہمارا دوست کیسے بنے گا جو انسانیت کا دشمن ہو، ہم نہیں چاہتے کہ ارکان میں بسنے والے کوئی بھی انسان مظلوم رہے، پریشان حال رہے، ہم نہیں چاہتے کہ یہاں والوں کی آزادی اور خود مختاری کی غارت ہو جائے، ہم دراصل ظلم و بربریت کے سخت دشمن ہیں''۔

جناب نورالاسلام صاحب نے اور ایک موقع پر کہا کہ:

''ہم رواداری اور بقائے باہمی کے اصولوں پر ارکان میں جینا اور مرنا چاہتے ہیں، تمام بنی نوع انسان کی بھلائی اور خیر خواہی ہمارے دین اسلام کا مطالبہ اور چاہت وطلب ہے، ہم مسلمان ہیں اور ایک مسلمان کے ہاتھوں کسی انسان پر ظلم وجبر ہو یہ ہمارے دین کی منافی بات ہے، اسلام دنیا میں امن وشانتی انسان دوستی اور رواداری کا دین ہے، اسلام انسانوں کے مابین وصل کا طالب ہے، فصل کا طالب نہیں ہے، اسلام دلوں کو جوڑنا چاہتا ہے توڑنا نہیں چاہتا، ارکان میں ہم تمام مذاہب کے مابین رواداری اور برداشت کی فضا قائم کرنا چاہتے ہیں، ہم نہیں چاہتے کہ مسجدوں کے مناروں کی بلندی کے ساتھ کہیں پگوڈوں کی عمارتیں گرائیں جائیں، بلکہ ہماری چاہت، طلب اور مطالبہ یہی ہے کہ تمام مذاہب کے ماننے والے یہاں باہم شیر شکر بنے رہیں، امن و شانتی سے رہیں، نہ کسی کا کسی پر ظلم ہو اور نہ یہاں بغض وعداوت کی فضا قائم رہے، ہماری ان امنگوں کے ساتھ ہماری امید ہے کہ ایک نہ ایک دن ارکان کے تمام باشندے امن وآشتی، رواداری اور بقائے باہمی کے اصول کی طرف واپس آئیں گے، ہر ایک خود بھی خوشی کے ساتھ جئیں گے اور دوسروں کو بھی جینے دیں گے''۔

نیشنل یونائی ٹڈ پارٹی آف ارکان (NUPA) کے ساتھ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا یہ معاہدہ نہ صرف جناب نورالاسلام صاحب بلکہ ہماری پوری قوم کی ایک بڑی کامیابی تھا، درحقیقت ہمارے سیاسی سوچ رکھنے والے علماء اور دانشوروں کا ہمیشہ یہی خیال رہا کہ ارکان کی کم سے کم دو بڑی قوموں (مگھ اور مسلمان) اور ساتھ ہی ساتھ ارکان کی دیگر نسلی گروہوں کی سیاسی یک جہتی اور وطنی ہم آہنگی کے بغیر ارکان سے برمیوں کے ظلم وستم کی یہ گھٹاٹوپ اندھیاری کبھی ختم نہیں ہو سکتی، اگر اس سرزمین کو برمی ظالموں کی ستم رانی سے آزاد کرنا ہے تو ان قوموں اور نسلی گروہوں کا سب سے پہلا قدم یہی ہونا چاہئے کہ ان کے مابین سیاسی اور فکری یک جہتی کی فضاء قائم ہو، قومی اور وطنی ہم آہنگی کے ساتھ ایک ہی پلیٹ فارم سے برمیوں کے خلاف مشترکہ جدو جہد ہو۔ تو جناب نورالاسلام

صاحب نے اپنی ایک طویل مدتی کوشش کے ذریعے کم سے کم ایک ایسی انقلابی اور سیاسی غیر مسلم تنظیم سے معاہدہ کرنے میں کامیابی حاصل کی کہ جس میں رکھائنگ (مگھ) قومیت کی ایک بھاری اکثریت کے علاوہ دیگر نسلی گروہوں کے نمائندے بھی شامل تھے۔

اس حوالے سے یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اس دوران اندرون اور بیرون وطن مگھ قوموں کی دیگر تنظیمیں جو تھیں انہوں نے اس تاریخی معاہدہ کی نہ صرف سخت مخالفت کی بلکہ اس معاہدہ کے خلاف طرح طرح کے پروپیگنڈے اور بھانت بھانت کی سازشیں بھی رچا رکھی تھیں، ادھر برمی درندوں نے بھی اس معاہدہ کے خلاف پروپیگنڈوں اور سازشوں کا جال پھیلا دیا تھا، لیکن خوشی کی بات یہ تھی کہ ارکانی مسلمانوں کی تقریباً ساری سیاسی اور انقلابی تنظیموں نے اس کا بھرپور طریقے سے خیر مقدم کیا تھا، میرے علم کی حد تک اور تو اور ارکانی مسلمانوں کا شاید کوئی بھی ایک فرد ہو کہ جس نے اس معاہدہ کا استقبال نہیں کیا ہو، اسے معاہدہ ناگوار گزرا ہو، غرض مگھوں کے برخلاف روہنگیا قوم کے سارے سمجھدار اور واقعیت پسندوں نے اس معاہدہ پر مسرت کا اظہار کیا تھا۔

اسی طرح عالم اسلام کی تقریباً تمام سیاسی، فکری جماعتوں، تنظیموں اور انسانیت دوست ملکوں نے اس معاہدہ کا بھرپور استقبال کیا تھا، بطور خاص انسانی حقوق کے علمبرداروں نے اس معاہدہ پر اپنی اپنی مسرت کا برملا اظہار کیا اور ارکان اور وہاں کے باشندوں کے حق میں اس معاہدہ کو ایک خوش آئند قدم قرار دیا تھا، اور تو اور حکومت امریکہ نے ان دونوں جماعتوں کے رہنماؤں کی اس دور اندیشی اور دور بینی پر اپنی مسرت کا اظہار کیا تھا، اور اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ نے باقاعدہ ایک خط کے ذریعے اس معاہدہ کی داد دی تھی۔

بہر حال پچھلی سطور میں جس طرح عرض کی جا چکی ہے کہ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن سے آر ایس او والوں کی مکمل علیحدگی کے بعد اگرچہ تنظیم خاصی پریشانی کی شکار ہو چکی تھی، تاہم محترم نور الاسلام صاحب کی قیادت میں اسے دوبارہ اس وقت قدرے سنبھالا ملا تھا جب ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) اور نیشنل یونائی ٹڈ پارٹی آف ارکان (NUPA) کے مابین ستمبر ۲۰۰۰ء میں ایک تاریخی معاہدہ پر دستخط ہوا، جس کی وجہ سے اور تو اور تنظیم سمیت روہنگیا مسلمانوں کا بہت ہی

فائدہ ہوا تھا، جسے علاقائی اور بین الاقوامی بعض تنظیموں، فورموں اور حلقوں نے نہایت پرشکوہ انداز میں سراہا، اور دونوں تنظیموں کی حوصلہ افزائی بھی کی تھی۔

یاد رہے کہ نیشنل یونائیٹڈ پارٹی آف ارکان اس وقت برمی مخالف زیر زمین کام کرنے والے دیگر ارکانیوں کی ایک مشترکہ جماعت تھی، جو دراصل پچھلی پچیس جماعتوں کا مشترکہ پلیٹ فارم بھی، جس میں اورتو اور ارکانی مسلمانوں کی بھی نمائندگی تھی، دراں حالیکہ اس میں مونگ چونو نامی ایک مسلمان نائب صدارت جیسے موقر عہدہ پر فائز تھا، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اس تاریخی معاہدہ کو یہاں من وعن درج کر دیا جائے، تاکہ ہم اور ہماری اگلی نسلوں کو اس سے فائدہ پہنچے:

نیشنل یونائیٹڈ پارٹی آف ارکان (NUPA) اور ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن
(ARNO) کے درمیان کیا گیا ایک معاہدہ (الائنس) کا

متحدہ اعلان

سرزمین ارکان قدیم زمانے سے ایک آزاد اور خود مختار سرزمین ہے، برما پہلی خارجی طاقت تھی کہ جس نے ۱۷۸۴ء میں چڑھائی کر کے اسے اپنے قبضے میں لے لیا تھا، پھر ۱۸۲۴ء میں برطانوی استعماری سامراجیوں نے ہمارے وطن کو غصب کیا، مگر ارکانی قوم نے ہر موقع پر اپنے وطن کو آزاد کرنے کے لئے ان خارجی استعماری قوتوں کے خلاف خون آشام جنگیں لڑی تھیں۔

دوسری عالمی جنگ کے دوران دنیا کی دیگر ممالک مستعمرہ کی اقوام کی طرح ارکانی قوم نے بھی اپنی کھوئی ہوئی آزادی کے حصول کے لئے بڑی جدو جہد کی تھی، لیکن ۱۹۴۸ء میں برطانوی سامراجوں نے باوجودیکہ ان کے پاس کوئی جواز نہ تھا کہ ناجائز طریقے سے ارکانی قوم کی رائے، خواہش ومطالبہ کے خلاف ارکان کو برمیوں کے ہاتھ میں دے کر یہاں سے چلا گیا تھا، واقعہ یہ ہے کہ آج برمن لوگ برطانوی استعمار کی جگہ پر ایک دوسرے مستعمر بن چکے ہیں، جو اپنی قہرمانی سطوت کے ناطے ارکان کو ان کی کالونی بنا کر خودساختہ اور بناوٹی یونین آف برما کے اندر رکھنے کے لئے اپنے موروثی روایت اور اپنی پرانی پالیسی ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی بنیاد پر حکومت کر رہے ہیں۔

برمی سامراجی حکومت ہمیں نگل کر پوری طرح برمیانے کی پالیسی کے تحت ہمارے نام ونشان کو مٹا رہی ہے، صفایا اور نسل کشی، تشدد اور مظالم کے ذریعے ہماری پوزیشن اور قومی ساکھ کو ختم کرنے کے لئے وسیع پیمانے پر ہماری تمام قومی روایات اور یادگاروں کو مٹا رہی اور لٹ رہی ہے، آج ہماری قوم خود اپنے وطن میں خانہ بدوش ہے، پھر اس کی ایک بھاری اکثریت دوسرے ملکوں میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئی ہے۔

ہمارے آبائی وطن ارکان جسے ہمیں دانستہ طور پر واپس نہیں دیا گیا، وہ ایک ایسی سرزمین ہے جواب تک مستعمرہ ہے، اور یہاں کی ساری قوم استعماری سوسائٹی کے اندر ہے، جب کہ برمن لوگ ہمارے غیر بھی ہیں اور غیر ملکی ناجائز دخلاء بھی۔

ہم ارکانی قوم ہے، یہاں رکائن اور روہنگیا دو بڑی نسلی گروہوں کے علاوہ دیگر قبائلی اور نسلی گروہیں جن میں مرو، مرونگ، کامی، آنو، کانگ سو، لونگی، شانڈو، شاؤ، چھن، چاکموا (چاک) ڈائنا، کمان، مریا گری (بڑوا) بھی موجود ہیں، جنہوں نے مظالم اور تشدد، پابہ زنجیری اور غلامی سے نجات اور برمی استعماری سامراجیوں کے پنجے سے مکمل آزادی کا فیصلہ کرلیا ہے۔

اور ہم اپنے آزاد جذبات وامنگ، آزاد ضمیر وشعور کے ساتھ ایک آزاد قوم کی حیثیت سے اپنی قومی منزل مقصود تک پہنچنے اور اپنی اولاد ونسل کے مستقبل کے لائحۂ عمل کو مرتب کرنے اور اسے عملی جامہ پہنانے کے خواہاں ہیں۔

اور ہم اپنے فیصلہ کن مرحلہ پر نیشنل یونائیٹڈ پارٹی آف ارکان (NUPA) اور ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) ایک دوسرے کو پوری ارکانی قوم کی قانونی نمائندہ تسلیم کرتے ہیں۔

مذکورہ دونوں جماعتیں آپس کے تمام مسائل کو پوری سنجیدگی اور آگہی، پوری دانشمندی اور باریک بینی کے ساتھ مکمل تصفیہ کر چکی ہیں، اور ہم اپنے قومی اور سیاسی مسائل کو ایک ہی خیال سے سوچتے اور دفاعی وبین الاقوامی تعلقات جیسے میدان کے مسائل کو ایک ہی سطح پر اور ایک ہی نقطہ نظر سے سمجھتے ہوئے ۱۶/ستمبر/۲۰۰۰ء میں دونوں جماعتوں کے درمیان ہماری قوم کی مکمل آزادی کے پیش نظر ایک تاریخی اور سیاسی معاہدہ (الائنس) کرنے کے ساتھ یہی اعلان کرتے ہیں کہ:

۱- نیشنل یونائی ٹڈ پارٹی آف ارکان (NUPA) اور ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) دونوں پوری ارکانی قوم کی قانونی نمائندہ تنظیمیں ہیں۔

۲- ان یو پی اے اور اے آر این او کی برمن استعمار کے خلاف متحدہ جدوجہد ''ارکان کی مکمل آزادی'' کے لئے ہے۔

۳- تمام ارکانی قوم، ان کا تعلق اندرون وطن سے ہو یا ہجرت کی سرزمین سے، تمام کی تمام ارکانی قوم کا ایک غیر منقسم حصہ ہے، ہمارا معاہدہ (الائنس) ہر قسم کی ذات پات، رنگ و نسل، دین ودھرم، اور علاقائی عصبیت سے بلند ہو کر قومی اتحاد کو مضبوط سے مضبوط تر کرے گا۔

۴- ہمارا معاہدہ، ہمارا مشترکہ قومی دشمن، حالیہ برمی فوجی حکومت (SPDC) کے خلاف اٹھ کھڑی ہونے والی تمام قومی انقلابی تحریکوں اور جمہوری قوتوں کے ساتھ تعاون اور مل جل کر جدوجہد کرنے کا متمنی ہے۔

۵- یہ معاہدہ، اقوام عالم، اقوام متحدہ (UNO) اسلامی تعاون کانفرنس (OIC) سمیت تمام عالمی اور علاقائی جماعتوں، قریبی و پڑوسی ملکوں، غیر سرکاری تنظیموں (NGO) اور تنظیم برائے انسانی حقوق سمیت دیگر تمام انسانی تنظیموں کو پورے تعاون اور بھرپور امداد کی دعوت دیتا ہے۔

کینگ ماؤنگ	نورالاسلام
صدر یونائی ٹڈ پارٹی آف ارکان (NUPA)	صدر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO)
ارکان	ارکان

اس معاہدہ کے حوالے سے حکومت امریکہ کے اظہار مسرت کی بات آئی تو ایک واقعہ کا تذکرہ یہاں ناگزیر معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس معاہدہ کے فوراً بعد برمی فوجی حکومت نے یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا تھا کہ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) ایک دہشت گرد تنظیم ہے، یہ تنظیم نہ صرف طالبان اور القاعدہ جیسی تنظیموں سے تعلق رکھتی ہے بلکہ خود اس کے اندر ان تنظیموں کے افراد نے پناہ لے رکھی ہے، برمیوں نے یہ اور اس قسم کی دیگر سازشیں اور پروپیگنڈے عالمی پیمانے پر شروع کر رکھے تھے، جن کے ذریعے برمی حکومت امریکہ اور اس کے حلیفوں کو یہی باور کرنے کی

کوشش کی تھی کہ طالبان اور القاعدہ کی طرح ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کو بھی بزور طاقت ختم کرنا ناگزیر ہے۔

جبھی یہ سازش اور پروپیگنڈہ کھل کر سامنے آیا تو ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) ایک طرح کی ذہنی الجھن میں مبتلا ہوگئی تو نیشنل یونائی ٹڈ پارٹی آف ارکان (NUPA) کے لیڈران سینہ تان کر کھڑے ہو گئے تھے، اور انہوں نے امریکہ اور اس کے حلیفوں کو یہ باور کرایا کہ:

> ''برمی درندے دراصل ہمارے اس تاریخی معاہدہ پر سازش اور پروپیگنڈے کر رہے ہیں، ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کا طالبان اور القاعدہ سے دور دور کا بھی تعلق نہیں ہے، اور نہ اس کے اندر ان جماعتوں کا کوئی بھی فرد موجود ہے، بلکہ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن ایک دہشت گردی کی مخالف تنظیم ہے، برمی عنصریت پسند حکومت نہ صرف دنیا کو بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہی ہے بلکہ ہمیشہ کی طرح ارکان اور وہاں کے باشندوں کو غلام بنائے رکھنے کی سازشیں کر رہی ہے، ہم امریکہ اور اس کے تمام حلیفوں کو یقین دلاتے ہیں کہ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن ایک معتدل سیاسی اور انقلابی تنظیم ہے، حال ہی میں اس کے ساتھ ہمارا معاہدہ ہوا ہے، یہ نہ کوئی دہشت گرد تنظیم ہے اور نہ یہ کسی دہشت گرد تنظیم کو پسند کرتی ہے، اس کی تمام جد و جہد کا تعلق صرف اور صرف ارکان اور وہاں کے باشندوں کی خیرخواہی اور بہبودی اور نجات پر مبنی ہے''۔

یوں یونائی ٹڈ پارٹی آف ارکان کی کوشش بڑی بار آور اور کارگر ثابت ہوئی، چنانچہ امریکی وزارت خارجہ کی جانب سے ایک خط آیا، جس میں اظہار مسرت کیا گیا تھا۔

اعداد جہاد وقتال کے حوالے سے ہماری تاریخ جہاد میں جناب نورالاسلام صاحب کی بڑی بڑی خدمات ہیں، خصوصی طور پر انہوں نے ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کے زمانے سے اس سلسلے میں بڑی بڑی بار آور کوشش کی، مجاہدین کو مسلح کرنے اور طاقت کے اعتبار سے جماعت کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی کامیاب جدوجہد کی تھی، حتی کہ میدان میں ان کی جماعت طاقت کے اعتبار سے

ارکان کی دیگر جماعتوں سے آگے ہوگئی تھی،لطف کی بات ہے کہ اسلامک فرنٹ کے ابتدائی زمانے میں مجاہدین آپ کو یہ کہہ کر تنگ کرتے تھے کہ صاحب! ہمیں صرف چند جدید اسلحے کا بندوبست کر دیجئے !ان کے بغیر میدان کارزار میں ہم بحسن وخوبی کام نہیں کر پائیں گے، مجاہدین کی اس گزارش پر نور الاسلام صاحب کا بیان ملاحظہ کیجئے کہ:

''ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کے جوانوں نے ایک روز مجھ سے کہا تھا کہ جناب صدر صاحب! ہمیں صرف بارہ اے کے ۴۷ چاہئے، یہ ملتے ہی ہم میدان قتال میں اتر جائیں گے، سردست اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے، گوریلا سرگرمیوں کے لئے ہمارے لئے بس اتنے ہی کافی ہیں، تو میں نے ان جوانوں سے کہا تھا کہ بھائیو! میرا یقین ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ ہمارے پاس اسلحہ کا بھاری انبار ہوگا، لیکن اس انبار کو اٹھانے کے لئے پتے کے افراد میسر نہیں ہوں گے، پھر بڑی قلیل مدت میں میری یہ بات حقیقت بن گئی تھی، آج ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا زمانہ ہے، الحمدللہ ہمارے پاس جدید ترین اسلحہ جات کی فراوانی ہے، لیکن ان اسلحہ جات کو اٹھانے کے لئے پتے کے افراد کی قلت محسوس ہورہی ہے، خدا کرے کہ اسلحہ جات کی طرح افراد کی بھی فراوانی ہوجائے''۔

راقم سطور کے اندازے کا جہاں تک تعلق ہے کہ نور الاسلام صاحب کو ہمیشہ امور قائدین سے زیادہ امور مجاہدین میں دلچسپی رہی ہے، آپ نے قائدین کے اتحاد واتفاق اور ہم آہنگی کے تہ بتہ مجاہدین کو باہمی اختلافات سے دور رکھنے کی ہمیشہ کوشش کی ہے، اگرچہ آپ کی یہ کوشش کبھی کبھار ناکام بھی رہی، لیکن عمومی طور پر بار آور ثابت بھی ہوئی تھی، اتفاق واتحاد کے حوالے سے یہ بات بھی یاد رہے کہ ہمارے مجاہدین ان کا تعلق جس کسی بھی تنظیم سے کیوں نہ ہو، ہمیشہ اتحاد واتفاق کے حامی رہے ہیں، مگر قائدین کے مابین برسوں سے پھیلی ہوئی بے اعتمادی ہمیشہ ممکنہ اتفاق واتحاد کی کوششوں میں آڑے آتی رہی ہے، جیسا کہ عرض کی جاچکی ہے کہ مجاہدین میں ان کا تعلق جس تنظیم سے کیوں نہ ہو کہ باہمی مشترکہ امور میں ایک سمجھوتہ کی خواہش ہمیشہ پائی جاتی رہی ہے، لیکن قائدین کے مابین عدم اعتماد کی فضاء

ہمیشہ رکاوٹ بنی رہی تھی، جیسا کہ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) والے قائدین ہمیشہ جناب نور الاسلام صاحب کی نیک نیتی پر شک کرتے رہے ہیں، اسی طرح ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) والے قائدین ڈاکٹر محمد یونس صاحب اور ان کے بعض ساتھیوں پر بھروسہ نہیں کرتے ہیں، اگرچہ ۱۹۹۸ء میں ان دونوں تنظیموں نے مل کر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی بنیاد رکھی تھی، لیکن وہی بے اعتمادی اور سوئے تفاہم نے اسے بھی متزلزل اور پارہ پارہ کردیا تھا۔

بات چلی جناب نور الاسلام صاحب اور مجاہدین کی، کہ جہاں تک سنا اور میں نے دیکھا کہ جناب نور الاسلام صاحب دفتری کام اور تنظیمی جد وجہد کے ساتھ مختلف سرگرمیوں اور متنوع مصروفیات کے باوجود آپ کی زندگی کا ایک دن یا ایک رات شاید ایسی گزری ہوگی کہ جس میں آپ اپنے مجاہد بھائیوں کے خیال یا یاد سے غافل رہے ہوں، اور تو اور میں نے جہاں تک دیکھا کہ آپ ہر عیدین کی خوشیاں اپنی رہائش گاہ میں اپنی اولاد، عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ منانے کے بجائے مجاہدین کے ساتھ مناتے رہے ہیں، ہر عید کے ایک دن پہلے معسکر جاتے اور عید کا دوسرا دن رہائش گاہ واپس آتے رہے تھے، اس سے آپ کے مجاہدین سے محبت کا پتہ مل گیا ہے۔

جناب نور الاسلام صاحب پر بعض لوگ یہ الزام بھی لگاتے پھرتے ہیں کہ آپ کی پوری سیاسی اور انقلابی زندگی باہمی اختلافات اور تنازعات کی مظہر رہی ہے، میں اس بات سے سراسر اقرار یا انکار نہیں کرنا چاہتا ہوں، لیکن آپ پر آج تک کسی نے بھی مالی بدعنوانی یا غبن کا الزام نہیں لگایا اور نہ لگا سکا تھا، صرف یہی نہیں بلکہ آپ کے بدترین مخالفین بھی تقریبا اس بات پر متفق ہیں کہ آپ نے اپنی اس طویل عملی زندگی میں کبھی بھی قومی امانت پر ناجائز طریقے سے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

جناب نور الاسلام صاحب سے سیاسی، انقلابی، فکری غرض ہر میدان میں اختلاف ضرور ممکن ہے، تاہم ہمارے علمائے کرام اور دانشوران عظام میں سے بہت سارے حضرات آپ کو ارکانی مسلمانوں کا حالیہ دھڑکن بھی کہتے ہیں، کچھ لوگ آپ کے فکری اور سیاسی نظریات، خیالات اور آپ کی بعض کارکردگی اور سرگرمی کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں، لیکن یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اس

حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آپ نے اپنی زندگی میں روہنگیا مسلمانوں کے حوالے سے بڑی بڑی مثبت اور کارآمد خدمات بھی انجام دی ہیں، اندرون وطن اور وطن سے قریب رہ کر جس طرح آپ نے قومی اور ملی خدمات انجام دیں ٹھیک اسی طرح مغرب کے سیاسی کلیجے میں پہنچ کر برمی اور ارکانی مسلمانوں کے حوالے سے کافی جرأت اور حوصلہ مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بڑے بڑے کارنامے انجام دے رہے ہیں، اور ہر کجا روہنگیا مسلمانوں کے مفاد میں سینہ تان کر کام کر رہے ہیں، ۲۰۰۳ء کے بعد آپ نے مغربی دنیا سے روہنگیا مسلمانوں کے حق میں اس ڈھب سے آوازیں بلند کیں کہ جن سے مگھ برمیوں کے قصر استبداد میں زلزلہ برپا ہو چکا ہے، الحمد للہ آپ کی آوازیں بین الاقوامی اداروں میں سنائی دینے لگیں، آپ کی ان خدمات کے حوالے سے لکھنا ہے تو ایک دفتر کی ضرورت ہوگی، اللہ تعالی آپ کی حیات میں برکت دے اور آپ کی تمام خدمات کو شرف قبولیت بخشے۔

آج کل ۲۰۲۴ء کا زمانہ ہے، جناب اڈووکٹ نور الاسلام صاحب ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کے صدر ہونے کے ساتھ ارکان روہنگیا نیشنل الائنس (ARNA) کے بھی صدر ہیں، آپ کی بڑھاپے کہ اس عالم میں بھی بڑی کامیاب جد و جہد اور مثبت سرگرمیاں نظر آرہی ہیں، زندگی نے وفا کی تو ان کی ساری تفصیلات سامنے لائی جائیں گی، اگر چاہے خدا کرے، دعا ہے کہ اللہ تعالی آپ کی جہد مسلسل کو روہنگیا قوم کے حق میں کامیاب کرے، آمین یارب العالمین۔

☆☆☆

جناب حبیب الرحمن صاحب سائندہ فاروی، منگڈوی، محرک وانقلابی لیڈر:

جناب حبیب الرحمن بن شاکر محمد بن کرم علی بن فرزان علی کی ولادت ۱۹۴۹ء میں جنوبی منگڈو کی بستی سائندہ فارہ میں ہوئی، وہ ابھی چھ مہینے کے شیرخوار بچے تھے کہ برما ٹیریٹوریل فورس (BTF) نامی بدنام زمانہ مگھ درندوں اور برمی خوانین نے ان کے والد کو ناکردہ جرم کی پاداش میں شہید کر دیا، اور بہانہ یہ تراشا گیا کہ ان کے والد نے ۱۹۴۲ء کے ہنگامۂ رستخیز کے دوران ایک مگھ لڑکی سے شادی کی تھی، یاد رہے کہ ان کے والد جناب شاکر محمد صاحب ۱۹۴۲ء کے جہاد میں شریک تھے، اور انہوں نے اپنے مال وجان کے ذریعے مجاہدین اسلام کا بھرپور تعاون کیا تھا۔

والد کی شہادت کے بعد حبیب الرحمن صاحب بشمول ان کی والدہ اپنے چچا کے زیر سائے رہے، ابتدا میں ارکان کے عام بچوں کی طرح مکتب میں بٹھائے گئے، پھر خونیہ فارہ سرکاری اسکول میں داخلہ کرایا گیا تھا، انہوں نے یہاں سے پہلی جماعت کے امتحان پاس کرنے کے بعد علی تانجو کے سرکاری اسکول میں جناب ماسٹر حبیب الرحمن صاحب سے تعلیم پائی، یہاں سے چوتھی جماعت کے امتحان امتیازی نمبرات کے ساتھ پاس کر کے جنوبی بوسیدنگ کے معروف قصبہ یونگ چنگ کے مڈل اسکول میں داخلہ لیا تھا، یہاں سے ساتویں جماعت کا امتحان پاس کیا تھا، اس کے بعد دوبارہ علی تانجو کے سرکاری اسکول میں داخلہ لیا (یاد رہے کہ اس درمیانی عرصے میں علی تانجو کے سرکاری پرائمری اسکول کو مڈل اسکول بنایا گیا تھا) حبیب الرحمن صاحب نے علی تانجو کے سرکاری اسکول میں اس علاقے کے معروف استاد جناب ماسٹر عبد الجلیل صاحب (جو اس زمانے میں کلکتہ یونیورسیٹی سے ڈگری حاصل کر کے یہاں آئے ہوئے تھے) سے تعلیم حاصل کی، اس دوران جناب حبیب الرحمن صاحب کا تعارف حضرت مولانا جلال احمد صاحب (تقریبا ۱۹۶۷ء میں دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد وطن تشریف لائے تھے) سے ہوا، مولانا نے ان کی خاصی رہنمائی کی، اور دینیات کی طرف ان کے رجحان کو بڑھایا تھا۔

علی تانجو کے سرکاری مڈل اسکول سے آٹھویں جماعت کے امتحان پاس کرنے کے بعد حبیب

الرحمن صاحب نے منگڈو ہائی اسکول میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۸ء میں مٹرک کا امتحان امتیازی نمبرات کے ساتھ پاس کیا، جس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے رنگون گئے تھے۔

باوجودیکہ حبیب الرحمن صاحب سائنس کا طالب علم تھے، لیکن رنگون یونیورسیٹی میں انہوں نے آرٹ کا انتخاب کیا تھا، اب پڑھائی کے حوالے سے ان کو کچھ پریشانی بھی ہوئی تھی، لیکن اپنی فطری ذہانت اور ذاتی محنت سے فن کو اپنا لینے میں کامیاب ہو گئے تھے، فن تاریخ کو انہوں نے اپنا موضوع بنایا تھا، یوں ۱۹۷۲ء میں یہاں سے بی اے کی ڈگری حاصل کرلی تھی۔

رنگون یونیورسیٹی میں پڑھائی کے دوران جناب حبیب الرحمن صاحب روہنگیا اسٹوڈنٹ موومنٹ (RSM) سے منسلک رہے، بعد میں اس طلبہ تنظیم کے جنرل سکریٹری کے منصب پر فائز ہوئے تھے، اس دوران انہوں نے (ان کے بیان کے مطابق) کمیونسٹ نظریات سے متأثر یونیورسیٹی کی دو طالبات سے مذاکرات کرتے رہے تھے، اس حوالے سے ان کا بیان ہے کہ:

> ''رنگون یونیورسیٹی کے دوران تعلیم میں نے اپنی جماعت کی دو طالبات (جن میں سے ایک کاچن جب کہ دوسری چینی قومیت کی تھی، دونوں کمیونسٹ نظریات سے متأثر تھیں) سے بطور خاص فن تاریخ پر مذاکرات کئے، پھر ان دونوں نے مجھے کمیونزم کی طرف دعوت دی تھی، یوں تو اس زمانے میری کمیونسٹوں کی کتابیں اور ان میں سے بھی بطور خاص چینی لیڈر ماوزی تنگ کی کتابیں زیر مطالعہ تھیں، تاہم میں ان سے قطعی طور پر متأثر نہیں ہو سکا تھا، ایک دن ان دونوں طالبات نے مجھے جمعہ کی نماز کے لئے جاتے ہوئے دیکھا تو بڑی زور سے تالیاں بجائیں، اور کہنے لگیں کہ حبیب الرحمن تم اب بھی مذہب سے دل چسپی رکھتے ہو؟ لیکن میں نے بھڑکے بغیر بڑی سنجیدگی سے ان کو جواب دیا، اور بتایا کہ مذہب میری ایک فطری چیز ہے، میں مذہب سے کبھی بھی علیحدہ نہیں ہو سکتا، میرے جواب سن کر وہ دونوں میری طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھنے لگیں، اور میں ان کے سامنے نماز جمعہ ادا کرنے چلا گیا تھا''۔

۱۹۷۲ء میں حبیب الرحمن صاحب کا تعارف ایک مسلم ملک کے قونصل خانے سے ہوا، وہاں کے

اعلیٰ عہدیداروں نے ان کو جوش دلاتے ہوئے کہا کہ تم برما بنگلا دیش سرحد چلے جاؤ، اور وہاں جا کر تمہاری قوم کی فلاح و نجات کے لئے کام کرنے والی تنظیم سے مل کر کام کرو، ہم تماری مدد کرتے رہیں گے، لیکن انہوں نے اپنی تعلیم کو آگے بڑھانا مناسب سمجھا، اور فن تاریخ میں تخصص (MASTER) کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

لیکن کچھ مدت کے بعد حالات نے جناب حبیب الرحمن صاحب کا ساتھ نہیں دیا، قوم کی مشکلات اور مصائب ان کی نظروں کے سامنے تھے، یوں انہوں نے اپنے مذکورہ فیصلہ کو بدل کر زیر زمین جا کر کام کرنے کو مناسب سمجھا تھا، ویسے مزید پڑھائی کو چھوڑ کر وطن چلے آئے، پھر وطن میں چند دن گزار کر سرحد میں زیر زمین کام کرنے والی تنظیم روہنگیا فدائین محاذ میں شامل ہو گئے تھے، یاد رہے کہ اس درمیانی مدت میں یعنی ۱۹۶۹ء میں انہوں نے شادی کی سنت ادا کرلی تھی۔

۱۹۷۵ء میں جناب حبیب الرحمن صاحب روہنگیا فدائین محاذ میں شامل ہو گئے، جہادی تربیت جناب ماسٹر شبیر حسین صاحب فوئما لوی سے حاصل کی، بعد میں اس تنظیم کے مختلف اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتے رہے تھے۔

روہنگیا فدائین محاذ کے انتشار نے جناب حبیب الرحمن کو بڑی پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا، ۱۹۷۸ء میں جناب نور الاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس کی قیادت میں ارکان مسلم آرگنائزیشن (AMO) بنی تو حبیب الرحمن صاحب نے پہلے پہلے اس کی شدید مخالفت کی تھی، لیکن بعد میں اس نئی تنظیم سے ایک اسلامی جماعت کا رشتہ استوار ہوا تو اس جماعت کے اسلامی اور دینی لٹریچرز نے ارکان مسلم آرگنائزیشن کی طرف ان کی توجہ مذول کرائی تھی، چنانچہ انہوں نے ایک گفتگو کے دوران کہا کہ ''میں دراصل ارکان مسلم آرگنائزیشن سے کوئی متأثر نہیں تھا، بلکہ جماعت اسلامی کے لٹریچرز نے میری توجہ اس طرف مبذول کرائی تھی''۔ بعد میں ارکان مسلم آرگنائزیشن کا نام تبدیل کیا گیا اور اس کی جگہ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا اعلان ہوا تو حبیب الرحمن صاحب بڑے فکرمند ہو گئے تھے۔

۱۹۶۴ء کے اواخر میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) میں دراڑے پر گئے تھے،

چنانچہ یہ تنظیم دو دھڑوں میں تقسیم ہوگئی تھی، ایک کی قیادت جناب نورالاسلام صاحب کرر ہے تو دوسری کی رہنمائی ڈاکٹر محمد یونس صاحب کر رہے تھے، دراں حالیکہ جناب حبیب الرحمن صاحب روہنگیا فدائین محاذ کے سپہ سالار تھے، اسی دوران جناب شبیر حسین صاحب نے محمد جعفر حبیب کو فدائین محاذ کے عہدۂ صدارت سے معزول کرد کے وہ عہدۂ صدارات پر براجمان ہو گئے تھے، ۱۹۸۵ء میں جناب شبیر حسین اور نورالاسلام صاحب کے درمیان ایک معاہدہ ہوا، جس کے نتیجے میں ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کی تشکیل عمل میں آئی، اب اس نئی اعلان شدہ تنظیم میں جناب حبیب الرحمن صاحب مجلس عاملہ کا رکن چنے گئے تھے۔

۱۹۹۰ء میں بعض نا قابل بیان وجوہات کی بنیاد پر حبیب الرحمن صاحب ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) سے مستعفی ہو کے سنگاپور چلے گئے، جہاں انہوں نے ایک باوقار نوکری کے ساتھ کچھ تجارت سے ناطہ جوڑا تھا، ویسے اگلے چند سالوں میں نام بھی کمایا اور پیسے بھی۔

حبیب الرحمن صاحب طبعیتا سنجیدہ، حلیم الطبع، بردبار ہونے کے ساتھ قوم کے حوالے سے بڑے دردمند انسان ہیں، اگر چہ ۱۹۹۰ء میں انہوں نے مسلح جدو جہد سے علیحدگی اختیار کی تھی، لیکن کسی بھی قیمت پر قومی سطح پر کام کرنے والی جہادی، مذہبی، ثقافتی اور رفاہی تنظیوں یا ان میں کام کرنے والوں کو نہیں بھولا تھا، تقریبا ۱۹۹۲ء کے بعد ان کی ذاتی دل چسپی ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) سے ہوگئی تھی، مثال کے طور پر اگر ان کا مالی تعاون شامل حال نہ ہوتا تو شاید راقم کی تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی پس منظر میں'' چھپ کر منظر عام میں آسکی ہوتی، اللہ تعالی ان کو جزائے خیر دے۔

محترم جناب حبیب الرحمن صاحب ایک سیاسی اور انقلابی ہونے کے ساتھ ذاتی طور پر فن تاریخ (جو ان کے مطالعہ کا خاص موضوع ہے) سے خاصی دل چسپی لیتے ہیں، بطور خاص روہنگیا مسلمانوں کی قومی تاریخ پر ان کی خاصی نظر ہے، چنانچہ ان کے بعض دوستوں کا بیان ہے کہ '' ہم نے جناب حبیب الرحمن صاحب کو تاریخ کی کتابوں سے کبھی دور نہیں دیکھا'' سرزمین ارکان کی تاریخ کے متعلق انہوں نے راقم کو اپنے بیش قیمت مشوروں سے

نوازا، جو راقم کے لئے مشعل راہ سے کسی درجہ میں کم نہیں تھے۔

۱۹۹۹ء میں حبیب الرحمن صاحب سنگافور سے بنگلا دیش چلے آئے، جس کے بعد ارکان ہسٹریکل سوسائٹی کی مجلس عاملہ کے رکن بنے تھے، اس رفاہی تنظیم کے زیر سائے انہوں نے بڑی قابل قدر خدمات انجام دی تھیں، پھر ۲۰۰۸ء کے بعد وہ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا رکن بنے، ۲۰۱۹ء تک حبیب الرحمن صاحب اس تنظیم کے نائب صدر تھے۔

☆☆☆

جناب ڈاکٹر محمد علی صاحب لوداننگی، منگڈوی،
سیاسی وانقلابی ومنتظم برائے امور قومی:

برادر محترم الحاج ڈاکٹر محمد علی بن جناب ماسٹر سید حسین صاحب شمالی منگڈو کی معروف بستی دھودائنگ میں ۱۹۵۱ء میں پیدا ہوئے، آپ کا خاندان علمی اور فکری ہونے کے ساتھ ایک متمول اور زمیندار خاندان ہے، جس میں بڑے بڑے نامور علمائے کرام اور فضلائے عظام اور صاحب علم و بصیرت دانشوران پیدا ہوئے، جن میں ڈاکٹر محمد علی کے لائق چچا مولانا ماسٹر نذیر حسین مہاجر مکی اور آپ کے برادران عزیزان مولانا حافظ شوکت علی صاحبؒ اور محترم مولانا مفتی سعید عالم صاحب (مدیر دار الانصار الخیریہ چاٹگام) نا قابل فراموش ہستیاں ہیں۔

ڈاکٹر محمد علی کا دادا مرحوم عبدالجلیل صاحب ایک نیک اور سخی زمیندار تھے، اور آپ کے والد بزرگوار جناب ماسٹر سید حسین صاحب مرحوم ایک مرد باخدا اور ایک صحیح معنی کے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم بزرگ تھے، جو تعلیم سے فراغت کے بعد ایک سے زیادہ سرکاری اسکولوں کے استاد پھر ایک ایمان دار پولیس انسپکٹر رہ چکے تھے۔

یوں تو کہنے میں ماسٹر سعید حسین صاحب ایک عصری تعلیم یافتہ بزرگ تھے، لیکن عنفوان شباب ہی سے دنیائے تزکیہ واحسان/تصوف وسلوک سے ایک سالک کی حیثیت سے ناطے جوڑے ہوئے تھے، یوں رفتار زمانے کے ساتھ ماسٹر صاحب کی زندگی میں روحانیت کا رنگ بھرا، انہوں نے شروع شروع میں سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے دو نامور ارکانی شیوخ حضرت مولانا شاہ صوفی عبدالسلام صاحب ارکانی اور حضرت مولانا شاہ صوفی ولی بخش صاحب پندوفرانگی سے نسبتیں لیں، لیکن ان دونوں شیوخ کے انتقال کے بعد حضرت شاہ صوفی ولی بخش صاحب کے نامور صاحب زادہ وجانشین حضرت مولانا حافظ مشتاق احمد صاحب پندوفرانگی کی طرف رجوع کیا تھا، چنانچہ ایک طویل ریاضت ومجاہدہ کے ذریعے سلوک وطریقت کے مدارج ومراحل طے کرتے ہوئے خلعت واجازت بیعت سے سرفراز ہوئے تھے، یوں انہوں نے اپنی بقیہ زندگی کے دن رات ایک شیخ طریقت کی حیثیت سے گزاری تھی، آج ماسٹر صاحب اس دنیا میں نہیں ہیں، لیکن وطن عزیز کے اندر و باہر ان کے سینکڑوں مریدان اور

متعلقین بطور یادگار موجود ہیں، راقم کا ان سے ایک باپ بیٹا جیسا تعلق تھا، بڑے بلند مقام کے بزرگ تھے، اللہ تعالی ان کے مراتب بلند کرے اور جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

ڈاکٹر صاحب کی والدہ محترمہ الحمدللہ تادم تحریر حیات سے ہیں، جو نہایت علم دوست اور علماء وطلباء پسند بڑی پاکیزہ صفات اور نیک طینت خاتون اسلام ہیں، سچ تو یہی ہے کہ مسلمانوں کی مائیں ان جیسی ہونی چاہئے، شاید ان کی پاک طینتی اور علماء پسندی کی برکت ہو کہ ان کے بطن سے ڈاکٹر صاحب جیسے دین دار، انسانیت دوست اور خدا ترس خادم قوم کے علاوہ مولانا حافظ شوکت علیؒ اور مولانا مفتی سعید عالم صاحب جیسے بلند پایہ کے علماء پیدا ہوئے، اللہ تعالی اس عابدہ وزاہدہ خاتون کی حیات اور صحت میں برکت دے اور ان کی نیک تمنائیں اور دعائیں ان کی اولاد واحفاد کے علی الرغم ہم جیسے غریبوں اور مسکینوں کے حق میں کام آئیں۔

ڈاکٹر محمد علی کی مروجہ تعلیم علاقے کے دینی مدرسہ اور سرکاری اسکول سے شروع ہوئی، آپ اپنے نانا ماسٹر کبیر احمد صاحب بلی بازاری (ہڈ ماسٹر آف اسٹیٹ مڈل اسکول بلی بازار) اور آپ کے نامور چچا ماسٹر مولوی نذیر حسین صاحب متوفی ۲۰۰۰ء (بی اے بی ایڈ، ہڈ ماسٹر آف اسٹیٹ مڈل اسکول بلی بازار، اور ہڈ ماسٹر آف اسٹیٹ مڈل اسکول راسیدنگ، پھر ممبر رابطۃ العالم الاسلامی مکہ مکرمہ) کی زیر سرپرستی پل کر جواں ہوئے تھے، کچھ بڑے ہوئے تو محمد علی صاحب کو منگڈو ہائی اسکول میں داخل کرایا گیا تھا، یہاں آپ نے اپنے اور ایک محسن استاد ماسٹر فروخ احمد صاحب بلی بازاری (ہڈ ماسٹر آف اسٹیٹ ہائی اسکول منگڈو) کے زیر سایہ رہ کر تعلیم وتربیت حاصل کی تھی، اس کے بعد آپ رنگون پہنچے اور ۱۹۶۹ء میں اسٹیٹ ہائی اسکول آف بزوائن ڈائنگ سے مٹرک کا امتحان پاس کیا تھا، اس کے بعد آپ نے رنگون یونیورسیٹی میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۴ء میں معاشیات (ECONOMIC) میں بی کم کی ڈگری حاصل کی تھی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے مرکزی وزارت برائے امور مالیات میں نوکری لی، اور ۱۹۷۶ء میں اسی وزارت کے ماتحت ایک علاقائی افسر کی حیثیت سے رنگون سے منتقل ہو کے بوسیدنگ آئے تھے، لیکن یہاں چند مہینے بھی گزار نے نہیں پائے، کیوں کہ یہاں آئے دن روہنگیا مسلمانوں پر

ہونے والے مظالم نے آپ کو اپنی قوم کے مستقبل پر سوچنے پر مجبور کر دیا تھا، یوں آپ کی زندگی نے ایک بڑی قسم کی انگڑائی لی اور نوکری تو کجا آپ کو ہمیشہ کے لئے اپنے وطن تک کو خیر باد کہنا پڑا تھا۔

یوں تو سرزمین ارکان اور برما کے مسلمان مگھ وحشیوں، برمی درندوں اور نام نہاد مذہبی بود بھکشوؤں کی بربریت کے شکار رہے ہیں، لیکن ۱۹۶۲ء سے جب برمی وحشی فوجی عفریت جنرل نیون نے مرکزی اقتدار پر قبضہ کیا تو یہاں کے مسلمانوں کی حالت ابتر سے ابتر ہو چکی ہے، اب کی بار نسل پرست بربر اور متعصب فوجی حکومت نے یہاں کے مسلمانوں کی انسانی، وطنی، قومی، دینی و ملی غرض تمام حقوق سلب کر لئے اور قتل و غارت، اور جبری انخلاء جیسے گھناؤنے مظالم بلکہ جرائم کے ذریعے مسلمانوں کی نسل کشی اور صفایا کا عمل شروع کر دیا تھا، تو برمی حکومت کی اس متعصّبانہ اور سفاکانہ پالیسی نے محمد علی صاحب کی غیرت دینی اور حمیت ایمانی کو للکارا اور آپ نے اپنی ملی تشخص کی بقاء اور امت مسلمۂ ارکانیہ کی عزت کی حفاظت کے لئے زیر زمین جا کر کام کرنے کو مناسب سمجھا تھا، یوں آپ ترک وطن کر کے اس وقت محمد جعفر حبیب کی زیر قیادت چلنے والی تنظیم روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں شامل ہو گئے، اور محمد جعفر حبیب کے رفیق محترم جناب ماسٹر شبیر حسین صاحب فوئمالوی سے عسکری تربیت حاصل کی تھی۔

۱۹۷۸ء میں جناب ڈاکٹر محمد علی کو روہنگیا فدائین محاذ کی مجلس شوری ''روہنگیا نیشنل کانگرس (RNC) میں منگڈو ٹاؤن شپ کا ممبر چنا گیا تھا، ساتھ ہی روہنگیا فدائین محاذ کے اولین شسشن میں مرکزی مجلس عاملہ (CEC) رکن بھی منتخب کر لیا گیا تھا۔

۱۹۸۲ء میں رابطۃ العالم الاسلامی مکہ مکرمہ کی دعوت پر ایک سہ رکنی وفد محمد جعفر حبیب کی قیادت میں حجاز مقدس کا آفیشل دورہ کیا، جس میں ڈاکٹر محمد علی اور جناب ماسٹر عبد الغفار صاحب نکھوروی بھی شامل تھے، اس سنہری موقع پر ڈاکٹر صاحب نے حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ کی سعادت حاصل کی تھی، اس دورہ کے دوران اس وفد کو عالم اسلامی کے عظیم المقام ہستی سماحۃ الشیخ مفتی سعودی عرب عبد اللہ بن باز نے ریاض بلایا تھا، یوں اس وفد نے شیخ سے ملاقات کی اور شیخ نے کام کے حوالے سے اس وفد کی بڑی حوصلہ افزائی کی اور دعائیں دی تھیں۔

اس کے علاوہ منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) اور رابطۃ العالم الاسلامی نے بھی اس وفد کا پرتپاک استقبال اور شاندار خیر مقدم کیا تھا، اور روہنگیا فدائین محاذ کی طرف سے ارکانی مسلمانوں کے حوالے سے کی جانے والی مساعی اور کوششوں کو بلند الفاظ میں سراہا تھا۔

۱۹۸۲ء میں ڈاکٹر محمد علی نے روہنگیا فدائین محاذ کی طرف سے اس وقت کے عالم اسلام کے انقلابی ملک لیبیا کا آفیشل دورہ کیا، پھر اسی سال روہنگیا فدائین محاذ کی جانب سے ایک سہ رکنی وفد جناب ماسٹر شبیر حسین صاحب فوئمالوی کی زیر قیادت طرابلس پہنچا اور اس وفد نے کرنل معمر القذافی سے ملاقات کی تھی، جس میں ڈاکٹر محمد علی کے علاوہ کمانڈر سلیم اللہ شجاع فاروی صاحب بھی شریک تھے، یاد رہے کہ اس وفد کا یہ دورہ ہمارے انقلاب کے حوالے سے بڑا بار آور ثمر نکلا تھا۔

۱۹۸۵ء میں روہنگیا فدائین محاذ کی سپریم کونسل نے (ممکن ہے کہ ایک سازش کے تحت ہو) محمد جعفر حبیب کو عہدۂ صدارت سے معزول کر کے جناب شبیر حسین صاحب کو صدر بنایا تو اب کی بار تشکیل پانے والی مجلس عاملہ میں ڈاکٹر محمد علی صاحب نائب صدر کے منصب پر فائز ہوئے تھے۔

۱۹۸۶ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) اور روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے نور الاسلام دھڑا نے ایک معاہدہ کے تحت انضمام ہو کر ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ کا اعلان کیا تو ڈاکٹر محمد علی صاحب اس میں جنرل سکریٹری منتخب ہوئے تھے، لیکن بعض ناقابل بیان وجوہات اور نامساعد حالات کی وجہ سے اگلے چند مہینوں کے بعد آپ اس عہدہ سے مستعفی ہو گئے تھے۔

۱۹۸۸ء میں ڈاکٹر محمد علی صاحب نے جناب محترم ہڈ ماسٹر محمد سعید صاحب تنگ بازاری (سابق ہڈ ماسٹر اسٹیٹ ہائی اسکول تنگ بازار بوسیڈنگ) کی بڑی صاحب زادی محترمہ تسنیم فاطمہ سے شادی کی، اللہ تعالی نے آپ کی اولاد میں برکت دی، تین بیٹیاں بالترتیب ڈاکٹر صادقہ عالیہ، ڈاکٹر مہرین صالحہ، انجینئر طحاوین صائمہ اور محمد بن علی کے ذریعے اس گھرانہ کو منور کیا، اللہ تعالی ان سب کی حیات دراز فرمائے، آمین۔

۱۹۸۹ء میں اس وقت ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی زیر قیادت چلنے والی تنظیم روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کی طرف سے اس میں شمولیت کی دعوت ملی تو ڈاکٹر محمد علی صاحب اس میں

شامل ہو گئے تھے، پہلے پہلے آپ اس تنظیم کی مجلس شوری کے ممبر رہے،لیکن بہت جلد آپ کو مرکزی مجلس عاملہ میں سکریٹری برائے امور خارجہ کا منصب سونپا گیا تھا، یوں آپ نے اپنی ذمے داری کو بحسن وخوبی نبھایا،جس کا سلسلہ تقریباً ۱۹۹۵ء تک جاری رہا تھا۔

ڈاکٹر محمد علی صاحب نے ۱۹۹۱ء میں متحدہ عرب امارات میں میں سکونت اختیار کی، جہاں آپ نے :

۱۔ ڈاکٹر سلطان بن محمد القاسمی (حاکم شارجہ اور ممبر آف سپریم کونسل متحدہ عرب امارات)۔

۲۔ شیخ سالم بن محمد القاسمی (چیف آف اسلامک آفیرز اینڈ اوقاف)۔

۳۔ شیخ جمال بن عبدالعزیز القاسمی (نائب اسلامک آفیرز اینڈ اوقاف)۔

کے تعاون و تائید سے ارکان کے مظلوم مسلمانوں کی مدد اور تعاون کے لئے ایک رفاہی دفتر بنام ''ریلیف آفس فار مسلم آف برما'' کھولا تھا، اس رفاہی دفتر کے ذریعے آپ نے ارکان اور برما کے مسلمانوں کی بہت ہی نمایاں خدمات انجام دی تھیں، یاد رہے کہ اس رفاہی دفتر کی ترقی وتطویر میں درج ذیل عرب حضرات کی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں:

۱۔ شیخ محمد بن غالب۔

۲۔ انجینئر ڈاکٹر راشد اللیم۔

۳۔ شیخ سلطان بن حدہ۔

علاوہ ازیں اس رفاہی دفتر کے پروگراموں کو عملی جامہ پہنانے میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے امیر محترم ڈاکٹر محمد یونس اور ان کی رفقائے کار کی خدمات اور کوششیں بھی یاد رکھی جانے کی قابل ہیں، اس ریلیف دفتر کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد علی تھے، جب کہ مولانا اکرام اللہ صاحب اور برادر عبدالمناف صاحب علی تانجوی آپ کے معاون تھے۔

لیکن یہ ہماری بدقسمتی کی المناک داستان تھی کہ چند سال گزرتے نہ گزرتے قوم کے اس محسن ادارے کے خلاف سازش اور پروپیگنڈوں کا طوفان اٹھا تھا، چنانچہ ہماری برادری کے چند ناعاقبت اندیش افراد کے ناعاقبت اندیشانہ کردار وحرکات کے نتیجے میں ملت وقوم کی خدمات انجام دینے والا یہ دفتر بھی نہ بچ سکا تھا، یعنی سازش کاروں نے ڈاکٹر محمد علی اور آپ کے رفقا کار کے خلاف بدنامی اور

دشنام طرازی کا جال پھیلا دیا تھا، بالآخر حکومت امارات نے ڈاکٹر محمد علی اور آپ کے رفقائے کار کے ماضی وحال کی تمام سرگرمیوں اور کوششوں کو ایک حیرت انگیز طریقے سے تفتیش کی اور بڑی جانچ پڑتال کے بعد حکومت اس نتیجہ پر پہنچی کہ ڈاکٹر محمد علی نہ صرف ایک امانت دار انسان ہیں بلکہ ہر اعتبار سے ایک قابل اعتماد مفید شخصیت بھی، چنانچہ حکومت نے اس رفاہی دفتر کو ''چیریٹی انٹرنیشنل آف شارجہ'' میں انضمام کرتے ہوئے آپ کو ''برما کمیٹی'' کا نمائندہ اور مولانا اکرام اللہ صاحب کو آپ کا نائب مقرر کر دیا تھا، یوں اللہ تعالی نے آپ کی عزت بچائی اور مرتبہ کو مزید بلند کر دیا تھا۔

تاہم سازش کاروں نے آپ کا اب بھی پیچھا نہیں چھوڑا،لیکن ان سازش کاروں کی امید وتوقع کے برعکس حکومت امارات نے ۱۹۹۹ء میں یہ کام کیا کہ مذکورہ برما کمیٹی کو کالعدم کر کے ''چیریٹی انٹرنیشنل'' کی زیر سرپرستی ''ایشیا کمیٹی'' کے نام سے ایک دفتر کھولا، جس میں :

۱۔ شیخ سالم بن محمد القاسمی چیرمن۔

۲۔ ڈاکٹر محمد علی سکریٹری جنرل۔

۳۔ انجینئر ڈاکٹر راشد اللیم جنرل منیجر۔

۴۔ شیخ سلطان بن حدہ السویدی ڈائرکٹر آف پبلک ریلیشن۔

مقرر ہوئے تھے، ڈاکٹر محمد علی صاحب نے اس دفتر کے زیر سائے نہ صرف ارکان وبرما کے مسلمانوں کے بلکہ ایشیا اور افریقہ کے غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور ناداروں کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں، اللہ تعالی آپ اور آپ کے ٹیم کی جمیع مساعی وخدمات کو قبول کرے اور آپ کے عزائم، بلند حوصلگی اور صبر جمیل میں مزید برگ وبار لائے۔

۱۹۹۸ء کے اواخر میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تشکیل عمل میں آئی تو میرے علم واطلاع کے مطابق ڈاکٹر محمد علی صاحب بڑے خوش ہوئے تھے، اور تو اور آپ نے مجھے یہاں تک بتایا تھا کہ ''اللہ تعالی کی توفیق شامل حال رہی تو میں اس نوتشکیل شدہ تنظیم کا بھرپور ساتھ دوں گا اور ہمیشہ تعاون کرتا رہوں گا''،لیکن نہایت ہی افسوس کا مقام ہے کہ اس نوتشکیل شدہ تنظیم کو بھی چند مہینے کے اندر باہمی رسہ کشی، اختلافات اور افتراق کی عفریب نے آلیا تو ڈاکٹر صاحب کی تمام

امیدیں، توقعات اور نیک خواہشات دھری کی دھری رہ گئی تھیں۔

میری معلومات کی حد تک یوں تو محمد جعفر حبیب کے زمانے سے روہنگیا مسلمانوں کی مختلف تنظیموں نے (روہنگیا ارکان کی ایک معقول اقلیت کے بطور) منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) میں ممبر شپ حاصل کرنے کی مسلسل کوششیں کیں، لیکن آج تک ان کی کوششیں بار آور ثابت نہیں ہوسکیں، میرے ناقص خیال میں اس ناکامی کے دیگر اسباب میں سے سب سے بڑا سبب ہمارے آپس کے اختلافات اور باہمی رسہ کشی ہے، اس حوالے سے بالخصوص ۲۰۰۳ء کے بعد جناب نورالاسلام صاحب (صدر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن) کی کوششیں ناقابل فراموش ہیں، انہوں نے برطانیہ میں پناہ لینے کے بعد یورو برما آفس کا رہنما شان لیڈر مسٹر ہانگ شوے کے تعاون سے نہایت زوردار کوشش کی تھی، تاہم ان کی یہ کوشش اب تک باثمر نہیں نکلی، شاید اس کوشش کا سلسلہ تا حال کسی قدر رہ کر جاری بھی ہو۔

۲۰۱۱ء میں منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) کی زیر سرپرستی ارکان روہنگیا یونین (ARU) کا قیام عمل میں آیا تو ڈاکٹر محمد علی صاحب نے اس کے پہلے کونونشن میں ''برما روہنگیا ایسوسی ایشن متحدہ عرب امارات (BRAUAE) کے بحیثیت چیرمن بذات خود شرکت کی، پھر دوسرے کونونشن میں اس ایسوسی ایشن کی طرف سے راقم سطور نے بھی حصہ لیا تھا، بہر حال ۲۰۱۱ء سے لے کر تادم تحریر ڈاکٹر محمد علی صاحب کو اس یونین کے بڑے خیر خواہ سمجھا جاتا ہے۔

۲۰۱۱ء میں منظمۃ التعاون الاسلامی کے صدر دفتر جدہ میں ارکان روہنگیا یونین (ARU) کی تشکیل عمل میں آئی تو ڈاکٹر محمد علی صاحب کو سکریٹری برائے امور مالیات چنا گیا تھا، اس کے بعد ۲۰۱۳ء کے دوسرے کونونشن میں انتخابات ہوئے تو اس میں بھی آپ کو سابقہ منصب پر بحال رکھا گیا تھا، یاد رہے کہ ۲۰۱۳ء والے کونونشن میں راقم سطور ڈاکٹر محمد علی صاحب کی عدم موجودگی میں آپ کی جانب سے نمائندگی کرتے ہوئے عاملہ کا امیدوار بنا تو آپ کی عام مقبولیت کے یہ عالم دیکھ کر تعجب کی انتہاء ہو گئی تھی کہ انتخابات میں راقم نے ڈاکٹر محمد علی کے نام پر سب سے زیادہ ووٹ حاصل کیا تھا۔

ڈاکٹر محمد علی صاحب نہایت حساس و ہشیار، زیرک و دور اندیش، فعال و بالغ نظر انقلابی سیاست دان ہیں، ساتھ ہی ساتھ روہنگیا قوم کے بڑے خیر خواہ اور متعاون اور درد مند انسان بھی، آپ نے

اپنی زندگی میں مختلف دینی، سیاسی، انقلابی، سماجی، معاشرتی، ثقافتی اور رفاہی پروگراموں کو ہاتھ لے کر مختلف ملکوں کا دورہ کیا، جن میں جرمنی، اٹلی، ایران، لیبیا، ترکی، پاکستان، تھائی لینڈ، سنگاپور، سعودی عرب کے علاوہ افریقہ کے چند ممالک بھی ہیں، بنگلا دیش تو خیر آپ کا اپنا دوسرا وطن جیسا ہے، آپ جہاں بھی گئے روہنگیا مسلمانوں کی حالت زار سے وہاں کے انسان دوست لوگوں کو مطلع کیا اور ان کے دل و وجدان کو ان مظلوموں کے حق میں جھنجوڑتا رہا تھا۔

ڈاکٹر محمد علی نے اپنی زبان و قلم سے روہنگیا مظلوموں کی طرف دنیائے انسانیت کو عموما اور عالم اسلامی کو خصوصا توجہ مبذول کرانے کی بھرپور کوشش کی، اس حوالے سے آپ نے مختلف پمفلٹ، مقالات، کتابچے لکھے، اور اپنے انٹرویوز کے ذریعے مسلم امۃ کی نظریں ارکان کے مظلوم مسلمانوں کی طرف پھرانے میں کامیاب کوششیں کی تھیں۔

ڈاکٹر محمد علی صاحب کی ایک گرانمایہ انگریزی تصنیف ''روہنگیا کی جدوجہد'' (ROHINGYA STRUGGLE) میری نظر سے گزری ہے، ماشاء اللہ یہ تصنیف آپ کی فکری آگاہی، سیاسی بصیرت اور بالغ نظری کی بین ثبوت ہونے کے ساتھ آپ کی قومی و ملی ہمدردی اور دردمندی اور وطن کے حوالے سے جان سپاری و دل سوزی کی مظہر بھی ہے۔ اللہ تعالی آپ کی حیات اور صحت میں برکت دے اور آپ کو قوم و ملت کی مزید خدمات کی توفیق عنایت فرمائے، آمین۔

☆☆☆

جناب یونس احمد صاحب پیر خالوی،
سیاسی، انقلابی اور سماجی کارکن:

جناب یونس احمد بن الحاج امیر حسین صاحب ۱۹۳۰ء میں پیر خالی، تنگ بازار بوسیدنگ میں پیدا ہوئے، انہوں نے اپنی بستی میں قرآن کریم کے ناظرہ کے ساتھ دینیات کی کچھ تعلیم پائی، اس کے بعد تنگ بازار کے سرکاری اسکول سے اردو کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد آٹھویں جماعت تک برمیز اور انگریزی کی تعلیم حاصل کی تھی، اسکے بعد ۱۹۴۲ء کے دوران گھریلوی کام کاج میں مصروف ہو گئے تھے۔

۱۹۶۴ء میں یونس احمد صاحب روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) میں شامل ہو کے قوم کی خدمات انجام دیں، اس تنظیم سے آپ کی وابستگی کی بات مشہور ہوگئی تو آپ روپوش ہو گئے تھے، پھر آپ نے ۱۹۶۹ء میں ترک وطن کیا اور مشرقی پاکستان میں پناہ لی تھی۔ ۱۹۷۳ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تاسیس ہوئی تو جناب یونس احمد صاحب نے اس میں نمایاں کردار ادا کرتے ہوئے بڑی بڑی قومی خدمات انجام دیں، چنانچہ ۱۹۷۵ء میں آپ کو اس تنظیم کے نمایاں لوگوں میں دیکھا گیا تھا۔

جناب یونس احمد صاحب محمد جعفر حبیب کے بہت ہی قریبی ساتھی اور نہایت خیر اندیش مشیر تھے، محمد جعفر حبیب کو آپ پر بہت ہی اعتماد تھا، آپ ایک نڈر، بہادر، دل کے سچے اور وفادار ہونے کے ساتھ بطور خاص قائد حبیب کے حقیقی معنی کے جان نثار تھے، دوست تو خیر دوست بلکہ بعض دشمن نے بھی بعد میں آپ کو صدق وصفا کے مالک انسان ہونے کا اعتراف کیا تھا، محمد جعفر حبیب کے انتقال کے بعد آپ روہنگیا فدائین محاذ کے ممبر بنے رہے اور محاذ کے نام کو عرصۂ دراز تک اپنے سینے سے تھامے رکھا تھا۔

۱۹۹۸ء میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تاسیس کے دوران جناب یونس احمد صاحب نیشنل اسٹنڈنگ کمیٹی (NSC) کے ممبر چنے گئے تھے، اسی حالت میں آپ نے ۲۰۰۳ء میں انتقال کیا اور خاک نائکان سری میں مدفون ہیں۔ آپ کو میں نے عرصۂ دراز تک بہت ہی قریب سے دیکھتا رہا تھا، جہاں تک اندازہ کیا کہ آپ قوم کے بڑے مخلص اور خیر خواہ انسان تھے، حق تو یہ ہے کہ آپ جیسے حق گو اور دل وزبان کے سچے میں نے اپنی زندگی میں بہت ہی کم دیکھا، اللہ تعالی آپ کی مغفرت فرمائے۔

جناب ماسٹر دلیل احمد صاحب رنگیا دنگی،
سیاسی، انقلابی اور سماجی کارکن:

ماسٹر دلیل احمد صاحب بوسیدنگ کی مردم خیز بستی رنگیا دنگ میں ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوئے، ان کے والد نہایت دین دار اور عالم دوست ہونے کے علاوہ بڑے متمول اور سخاوت پسند بزرگ تھے۔

ماسٹر صاحب نے دینیات کی ابتدائی تعلیم بستی کے مکتب میں پائی، ساتھ ہی ساتھ بستی کے سرکاری پرائمری اسکول سے چوتھی جماعت پاس کر کے بوسیدنگ ہائی اسکول میں داخلہ لیا، یہاں سے ۱۹۴۹ء میں مٹرک کا امتحان پاس کیا تھا۔

دلیل احمد صاحب عنفوان شباب سے ایک سیاسی اور انقلابی ذہنیت رکھنے والے تھے، ۱۹۵۰ء کے دوران انہوں نے محمد جعفر حسین قوال اور جہاد کونسل کا بھرپور تعاون کیا، دامے درمے قدمے سخنے ہر اعتبار سے مجاہدین اسلام کی مدد کی اور کبھی اور کسی بھی حالت میں اس تحریک کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔

۱۹۶۴ء میں جب روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کا قیام ہوا تو وہ اس میں باضابطہ طور پر شامل ہو گئے اور تحریک کے پروگراموں میں جم کر حصہ لیتے رہے تھے، بات مشہور ہوگئی تو انہوں نے ۱۹۶۸ء میں ترک طن کیا اور نائکان سری کے مقام میں مقیم ہو گئے تھے، یہیں انہوں نے انتقال کیا۔

ماسٹر دلیل احمد صاحب روہنگیا انڈی پنڈنٹ آرمی (RIA) کے ممبر رہے، ۱۹۷۳ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تاسیسی اراکین میں بھی شامل تھے، اس کے بعد ۱۹۷۸ء میں ان کو روہنگیا فدائین محاذ کارکن عاملہ چنا گیا، جس میں انہوں نے اپنی زندگی کا قیمتی حصہ صرف کیا تھا۔

۱۹۸۶ء کا زمانہ روہنگیا فدائین محاذ کی تاریخ کے حوالے سے یہ ایک دل شکن زمانہ تھا، جس میں ہمارے انقلاب کے ماحول میں بھگڈر کا سماں چھایا ہوا تھا، تناؤ اور رسہ کشی خاصی عروج پر تھی، ایک طرف ادھر محمد جعفر حبیب کے حامی اس کوشش میں تھے کہ کسی بھی طریقے سے شبیر حسین صاحب اور ان کے ہم خیالوں کو زیر کر کے محمد جعفر حبیب کو دوبارہ عہدۂ صدارت پر لایا جا سکے، تو ادھر دوسری طرف جناب شبیر حسین صاحب اوران کے حامی بھی اس موقع کی تلاش میں تھے کہ محمد جعفر حبیب کے پاس روہنگیا فدائین محاذ کے جتنے بھی ہتھیار تھے ان کی بازیابی کی جا سکے۔

غالباً آگست ۱۹۸۶ء کے اواخر میں مسٹر شبیر حسین صاحب کے حامیوں کے ایک مسلح گروپ نے محمد جعفر حبیب کے گھر پر دھاوا بول دیا، جس کی سرپرستی جناب حبیب الرحمن صاحب اور قیادت کمانڈر عبدالرحمن خائندہ فاروی اور کمانڈر محمد امین کینسوی نے کی تھی، اس حوالے سے خود اس حملے میں شریک ایک مجاہد کمانڈر کا بیان ہے کہ:

> ''ہم جناب حبیب الرحمن صاحب کی زیر سرپرستی اور عبدالرحمن و محمد امین کی قیادت میں مجاہدین کا ایک دستہ کے ساتھ نائکان سری آئے، رات کی گپ اندھیری تھی، دراں حالیکہ نائکان سری میں الکشن کا دور چل رہا تھا، ہمیں اس بات کا پورا پورا علم تھا کہ محمد جعفر حبیب صاحب کے گھر میں چند ہتھیار مدفون ہیں اور اس بات کی بھی پوری اطلاع تھی کہ ان ہتھیاروں کا علم ماسٹر دلیل احمد صاحب رنگیا دنگی (محمد جعفر حبیب کے ساتھی اور راز دان) کو ہے، ہم ابھی ماسٹر دلیل احمد کو ڈھونڈتے ہوئے ایک انتخابی جلسہ میں پہنچے تو جلسہ والے خائف ہو گئے تھے، یہ حالت دیکھ کر ہم نے ان کو اپنا چہرے دکھائے تو وہ مطمئن ہو گئے کہ یہ تو روہنگیا مجاہدین ہیں۔ اب ہم نے ماسٹر صاحب کو بلایا تو محمد جلال گرجنوی (یہ مجاہدین کا دیرینہ حامی اور مددگار ایک بنگلا دیشی تھا، جس نے اس راہ میں بڑی بڑی قربانیاں دی تھیں) بیچ میں کھڑے ہو کے کہنے لگے کہ آپ لوگ دلیل احمد صاحب کو نہیں لے جا سکتے، اب ہم نے ان کو بھی یقین دلایا کہ ان کو کچھ بھی نہیں کیا جائے گا تو وہ بھی مطمئن ہو گیا تھا، پھر ہم نے ماسٹر صاحب کو لے کر محمد جعفر حبیب کے گھر آئے اور ان سے پوچھا کہ ہتھیار کہاں ہیں؟ انہوں نے پہلے پہلے اپنی لاعلمی کا اظہار تو کیا لیکن عبدالرحمن صاحب کے دھمکانے پر پتہ بتا دیا تھا، یوں ہم سارے ہتھیار حاصل کر کے معسکر آ گئے تھے''۔

ماسٹر دلیل احمد صاحب بڑے ذی شعور، حاضر دماغ اور دور اندیش سیاسی اور انقلابی تھے، محمد جعفر حبیب کے قریبی دوستوں میں ان کا شمار تھا، نہایت مخلص اور وفا شناس انسان تھے، جب تک محمد جعفر حبیب زندہ تھے انہوں نے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا، اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے۔

جناب اشرف عالم صاحب کلیجہ بانگاوی، منگڈوی، مورخ، سیاسی و مصنف برائے امور قومی:

محمد اشرف عالم صاحب کی پیدائش ۱۹۴۸ء میں مشرقی منگڈو کی بستی خلیہ باں (کلیجہ بانگا) میں ہوئی، آپ ایک متمول گھرانے کے فرزند ارجمند تھے، آپ کے والد بھی اسی بستی میں پیدا ہوئے، جنہوں نے رنگون کی دانش گاہ ''زینت الاسلام ہائی اسکول'' میں تعلیم حاصل کی تھی۔

اشرف عالم صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب اور سرکاری پرائمری اسکول میں ہوئی، آپ نے منگڈو ہائی اسکول سے مٹرک کا امتحان پاس کر کے رنگون یونیورسیٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کی تھی۔

رنگون میں دوران تعلیم اشرف عالم صاحب مختلف طلبہ تنظیموں سے منسلک رہے، جن میں روہنگیا اسٹوڈنٹ یونین (RSU) سرفہرست ہے، ان تنظیموں کے زیر سائے آپ نے قابل قدر خدمات انجام دیں، اس ضمن میں ایک ناقابل فراموش بات یہ ہے کہ جو پیسے آپ کے والد صاحب آپ کے خرچے کے لئے بھیجتے ان میں سے کچھ بچا کر آپ دوسرے ضرورت مند طلباء کی خدمت میں لگایا کرتے تھے، ساتھ ہی ساتھ رنگون میں مقیم روہنگیا برادری کے متمول حضرات کے پاس جاتے اور ان سے چندے وصول کر کے ان کو نادار روہنگیا طلباء پر خرچ کیا کرتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ رنگون یونیورسیٹی میں دوران تعلیم اشرف عالم صاحب روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کا رکن بن چکے تھے، اور بڑی رازداری سے اس کے پروگراموں میں شریک ہوا کرتے تھے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد اشرف عالم صاحب وطن آئے اور حالات کی نزاکت دیکھ کر آپ نے زیر زمین جا کر کام کرنے کا فیصلہ کرلیا، یوں ۱۹۷۵ء میں سرحد چلے آئے اور روہنگیا فدائین (RPF) میں شامل ہو گئے تھے، آپ نے جہادی تربیت ماسٹر شبیر حسین صاحب فوئما لوی سے حاصل کی تھی۔

۱۹۷۸ء میں روہنگیا فدائین محاذ میں انتشار پھیلا تو اشرف عالم صاحب چاٹگام میں مقیم ہو گئے، یہاں آپ نے نجی تجارت شروع کی، تجارت کے حوالے سے آپ کو شاید زیادہ کامیاب کہا جا سکتا

ہو لیکن بالکل ناکام بھی نہیں کہا جاسکتا۔

اشرف عالم صاحب ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) کے دوراول کے ممبروں میں سے ایک تھے، روہنگیا قوم کی نشر واشاعت کے حوالے سے آپ کی گرانقدر خدمات ہیں، نہ صرف ارکان ہسٹریکل سوسائٹی بلکہ روہنگیا فدائین محاذ (RPF) اور ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) پھر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) غرض جن جن تنظیموں سے آپ کی وابستگی رہی ان میں آپ کی گراں مایہ خدمات تھیں، آپ کی یہ خدمات روہنگیا قومی تاریخ کبھی بھی بھلا نہیں سکتی، میرے علم وآگہی کے مطابق ارکان اور روہنگیا کے حوالے سے جتنی بھی گراں قدر تصانیف اردو، بنگلا اور انگریزی میں ارکان ہسٹریکل سوسائٹی کی جانب سے شائع ہوئیں، ان میں آپ کے ناقابل فراموش حصے ہیں، جن میں میری تصنیف ”سرزمین ارکان کی تحریک آزادی“ بھی شامل ہے، اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر دے۔

روہنگیا فدائین محاذ سے علیحدگی کے بعد اشرف عالم صاحب ارکان مسلم آرگنائزیشن (AMO) کے رکن رہے، اس کے بعد روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کے ممبر رہے تھے، اس کے بعد ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ کا قیام ہوا تو اس کی مجلس شوری اور عاملہ میں رہ کر آپ نے بڑی تندہی سے کام کیا تھا۔

۱۹۹۸ء میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تشکیل کے دوران اشرف عالم صاحب نیشنل اسٹنڈنگ کمیٹی (NSC) کے رکن رہے، بعد میں مجلس عاملہ کا رکن بھی منتخب ہوئے، پھر اگلے دوسال کے بعد مجلس عاملہ کی دوبارہ تشکیل ہوئی تو آپ نائب صدر بنے (یاد رہے کہ اس مجلس عاملہ میں راقم بھی عاملہ ممبر اور مرکزی سکریٹری برائے امور تنظیم تھا)۔

اشرف عالم صاحب بڑے خوش اخلاق اور خوش مزاج اور کام سے لگن رکھنے والے بڑے سچے انسان تھے، سستی اور غفلت آپ کو چھو کر بھی نہیں گذری، قومی نشر واشاعت کے حوالے سے آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، آپ نے ۲۰۲۱ء میں چاٹگام میں انتقال کیا، اور خاک چاٹگام میں مدفون ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆☆☆

الحاج محمد اقبال صاحب باغکونوی، منگڈوی،
سماجی کارکن اور سیاسی وانقلابی لیڈر:

الحاج محمد اقبال بن محمد اسحاق صاحب ۱۹۵۰ء میں جنوبی منگڈو کی معروف بستی باغکونہ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد محمد اسحاق صاحب درزی ایک دین دار، خداترس اور ہر دل عزیز بزرگ تھے۔

اقبال صاحب نے اپنی بستی کے مکتب میں ناظرۂ قرآن کریم کے علاوہ دینیات کی کچھ بنیادی تعلیم پائی، پھر بستی کے سرکاری پرائمری اسکول سے چوتھی جماعت کی تعلیم پا کر منگڈو ہائی اسکول میں داخلہ لیا، یہاں سے آپ نے ہائی اسکول فائنل (آج کل کی دسویں جماعت) کا امتحان پاس کیا تھا۔

منگڈو کے دوران تعلیم آپ نے روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کے فعال کارکن رہے، کہتے ہیں کہ آپ مذکورہ تنظیم کے زیر سائے کام کرنے والی طلبہ تنظیم کے سرگرم کارکن تھے، آپ نے ۱۹۶۸ء کے دوران منگڈو ٹاؤن شپ کے مسلم طلبہ کو طلبہ تنظیم میں جمع کرنا شروع کیا تھا۔

۱۹۷۲ء میں روہنگیا یوتھ فرنٹ (RYF) کے مرکزی لیڈروں میں آپ بھی تھے، جس کے زیر سائے آپ نے مختلف قومی خدمات بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیں، روہنگیا نوجوانون اور جوانوں کے اندر آپ نے قومی وملی شعور واحساس کو جگایا، سوئے ہوؤں کو بیدار کیا اور بیدار ہونے والوں کو منزل کی راہ دکھائی تھی۔

۱۹۷۵ء میں ارکان بنگلادیش کے سرحدی علاقے میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی ازسرنو تجدید ہوئی تو آپ نے بشمول اپنے ساتھیوں کے اس میں شامل ہو کر عسکری تربیت حاصل کی، اس کے بعد جہادی فریضہ انجام دینا شروع کردیا تھا، یہاں آپ نے اپنوں کے مابین اخوت اور بھائی چارگی اور قومی وملی فریضے ادا کرنے کی راہ پر قربانیاں دینے کے جذبے کو فروغ دیا، جس کی وجہ سے نہ صرف روہنگیا فدائین محاذ (RPF) بلکہ بہت سے ممبروں کا کافی فائدہ بھی ہوا تھا، ماشاء اللہ آپ کافی ذہین اور فکر رسا کے مالک انسان ہیں، ملت وقوم کی راہ پر خود بھی قربان گئے اور دوسروں کو بھی قربانی اور جانفشانی کی طرف بلایا تھا، آپ دل دینے اور دل لینے کے حوالے سے کافی مہارت رکھنے والا انسان ہیں۔

۱۹۸۸ء کے دوران روہنگیا فدائین محاذ میں اختلافات رونما ہوئے تو آپ دل برداشتہ ہو گئے تھے، بالآخر آپ نے اپنے ذاتی معاشی بحران کو کچھ سہارا دینے کے لئے سعودی عرب کی راہ لی، لیکن وہاں بھی آپ کو ملت وقوم کی فکر نے چین سے رہنے نہیں دیا تھا، چنانچہ معاشی کام کو چھوڑ کر وہاں بھی قومی وملی راہوں پر دوڑتے رہے تھے۔

۱۹۸۲ء میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) بنی تو آپ اس میں باضابطہ طور پر شامل ہو گئے، اور ۱۹۸۵ء میں اس تنظیم کی چاہت پر بنگلا دیش واپس آئے تھے، اور اس تنظیم کے سرگرم میدانی رکن کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے تھے۔

۱۹۸۶ء کے دوران مولانا سیف الاسلام صاحب شرف الدین بیلوی ار ایس او کے امیر تھے، اقبال صاحب اور آپ کے بعض ہم خیالوں نے امیر صاحب اور مجلس عاملہ کے بعض امور سے اختلاف کیا، اور آگے چل کر اس اختلاف نے باہمی رسہ کشی کی شکل اختیار کر لی، آخر کار بات کسی بھی طرح نہیں بنی تو آپ نے اس تنظیم سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔

۱۹۸۸ء کے دوران مولانا محمد حنیف راغبؔ صاحب فرندگی کی قیادت والی تنظیم ''اتحاد المجاہدین ارکان'' سامنے آئی تو آپ اس میں شامل ہو گئے تھے، یہاں آپ نے نمایاں کردار ادا کیا، اس دوران آپ کو جناب نورالاسلام صاحب کے عتاب کا بھی سامنا کرنا پڑا تھا۔

اتحاد المجاہدین کی ناکامی اور مکمل تباہی کے بعد آپ نے ۱۹۹۰ء میں ارکان مجاہدین فرنٹ (AMF) نامی ایک تنظیم کی بنیاد رکھی، جس میں آپ کے چھوٹے بھائی محمد ایوب صاحب جنرل سکریٹری رہے تھے، اقبال صاحب نے اس کے صدر کی حیثیت سے پاکستان کا دورہ بھی کیا تھا، لیکن بعد میں اس تنظیم کو بھی بری طرح ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

۱۹۹۷ء میں اقبال صاحب روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے ڈاکٹر محمد یونس گروپ میں دوبارہ شامل ہو گئے تھے، جہاں آپ نے نمایاں کردار ادا کیا تھا، اس حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے ار ایس او کی جانب سے ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کے لئے راہ ہموار کی تھی، جس کی وجہ سے مؤخر الذکر تاریخی تنظیم کا قیام عمل میں آیا تھا۔

آخر کار ۱۹۹۸ء کے اواخر میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) بہتوں کی بہت ساری کوششوں کے نتیجے میں اعلان ہو گیا تو آپ اس کے قائمہ کمیٹی (NSC) کے ممبر کے علاوہ انتخابات کے نتیجے میں ہونے والی مجلس عاملہ کے رکن بھی منتخب ہوئے تھے۔

مؤخر الذکر تنظیم میں بعد میں اختلافات رونما ہوئے تو آپ اس کے صدر مسٹر نورالاسلام صاحب کے حامی رہے، آپ نے اپنوں کے مابین ہونے والے اختلافات کو مٹانے کی راہ پر بے حد کوششیں کیں، مجاہدین کو متحدہ پلیٹ فارم پر لانے کے لئے صدر محترم نورالاسلام صاحب اور راقم سطور کے ساتھ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) والے معسکر کا خطرناک دورہ کیا تھا، اس حوالے سے یاد رہے کہ اس وقت صدر صاحب کے ہم خیال ہونے کی وجہ سے اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا رہا تھا کہ خدا نہ کرے کہ ہم تینوں کی شہادت بھی ہو جائے، ہمارے ساتھ اقبال صاحب کی اس جانبازی اور جان سپاری کو کبھی بھی بھلایا نہیں جاسکتا، لیکن اللہ تعالی کو کچھ اور منظور تھا کہ بڑی کوشش اور جدوجہد کے باوجود ان بگڑے ہوئے مجاہدین کو اپنایا نہیں جاسکا، اور ہم تینوں کو اس دنگل سے افسوس کے ساتھ واپس آنا پڑا تھا۔

بہر حال ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) سے بگڑے ہوؤں کو اپنانے اور قوم کی امیدوں کو شرمندۂ تعبیر کرنے کی راہ میں اقبال صاحب کی اس وقت کی کوششیں یاد رکھی جانے کی قابل ہیں، اس وقت قیادات کے مابین پائے جانے والے اختلافات اور مجاہدین کے درمیان ہونے والے افتراق کو مٹانے کے لئے اقبال صاحب نے بڑی قابل تعریف جد وجہد کی تھی، اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر دے۔

۲۰۰۱ء کے بعد اقبال صاحب بڑے شکستہ خاطر ہو چکے تھے، حتی کہ عرصۂ دراز تک گم نامی کی زندگی اختیار کرتے ہوئے ڈھاکہ جا چھپے تھے، اس کے بعد راقم سطور نے بھی ۲۰۰۳ء میں سعودی عرب کی راہ لی، چنانچہ بعد میں یہ بات سننے میں آئی کہ اقبال صاحب ولایات متحدہ امریکہ چلے گئے ہیں۔

۲۰۱۱ء کے بعد یہ بات سننے میں آئی تھی کہ اقبال صاحب امریکہ میں پھر دوبارہ سرگرم عمل ہو چکے ہیں، اور ڈاکٹر وقار الدین (ڈائرکٹر جنرل آف ارکان روہنگیا یونین) سے مل کر قومی کام کر رہے ہیں۔ غالباً ۲۰۱۴ء میں ہو کہ راقم کے ساتھ اقبال صاحب کے چند مرتبہ ٹیلفونک رابطے ہوئے

تھے، آپ نے تمنا ظاہر کی تھی کہ حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ کی نیت سے سعودی عرب آئیں گے، لیکن بعد میں یہ بھی نہیں ہوسکا، دعا ہے کہ اللہ تعالی آپ کی تمنا پوری کرے، آمین۔

محترم اقبال صاحب مولانا حسین احمد صاحب کے قریبی ساتھیوں اور کسی قدر دوستوں میں شمار تھے، ۱۹۸۵ء کے بعد دونوں کے مابین بہت قریبی تعلقات ہو چکے تھے، یہ دوستی ۲۰۰۳ء تک بدستور بحال رہی تھی، اس کے بعد مولانا سعودی عرب کے اور اقبال صاحب امریکہ کے ہو گئے، اور جہاں تک میں جانتا ہوں کہ آج کل ان دونوں کے مابین رابطہ بھی نہیں ہے۔

محترم اقبال صاحب کے متعلق مولانا حسین احمد صاحب کی یہ ایک رائے بھی ہے کہ آپ قوم وملت کی خاطر اتنے فدا نہیں ہیں کہ جتنے بظاہر نظر آتے ہیں، مولانا کی نظر میں آپ کی وفاداری بقدر استواری تک محدود ہے۔ تاہم یہ مولانا کی رائے ہے، لیکن میری نظر میں اقبال صاحب کی قوم وملت کی خاطر قربانی اور جانفشانی کبھی بھی بھلائی جانے کی قابل نہیں ہے، اللہ تعالی آپ کی حیات میں برکت دے۔ آمین یارب العالمین۔

☆☆☆

جناب ممتاز جمیل صاحب وکیل فاروی، سیاسی، مبصر صحافی اور ممتاز تجزیہ کار:

جناب ممتاز جمیل بن ہڈ ماسٹر جمیل احمد صاحب کی پیدائش ایک روایت کے مطابق شمالی منگڈو کی مردم خیز بستی خیر فارہ میں ۱۹۴۸ء میں ہوئی، جب کہ دوسری ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کی پیدائش وکیل فارہ منگڈو میں ہوئی تھی۔

آپ کے والد گرامی جناب مرحوم ماسٹر جمیل احمد صاحب نہایت خوش اخلاق انسان تھے، منگڈو ہائی اسکول کے ہڈ ماسٹر رہ چکے تھے، اور ممتاز صاحب کے بیان کے مطابق آپ کی والدہ مرحومہ نہایت نیک اور طلبائے دینی مدارس سے شفقت رکھنے والی خاتون تھی۔

ممتاز صاحب کی ابتدائی دینی تعلیم بستی کے مکتب میں ہوئی، سرکاری اسکول سے چوتھی جماعت کی تعلیم پا کر منگڈو ہائی اسکول میں داخلہ لیا، یہاں سے مٹرک کا امتحان امتیازی نمبرات کے ساتھ پاس کرتے ہوئے رنگون یونیورسیٹی میں داخلہ لیا، جہاں سے پہلے بی اے پھر ایم اے کی ڈگریاں حاصل کیں، اور اس کے معا بعد وطن واپس آ گئے تھے۔

وطن واپس آ کر آپ نے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب گرجنڈیاوی (سابق مہتمم مدرسہ عالیہ شقدار فارہ) کی بڑی صاحب زادی سے شادی کی، آپ کی اہلیہ نہایت خداترس، عالم اور علم دوست اور پاکیزہ اخلاق کی خاتون تھی، اللہ تعالی اس کو جنت میں جگہ عطا کرے۔

ممتاز صاحب وطن میں چند سال سرکاری ملازم رہے تھے، اس کے بعد بنگلا دیش آ گئے۔ آپ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) اور ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) سے مرتے دم تک وابستہ رہے تھے، ان دونوں تنظیموں میں آپ کی گراں قدر خدمات تھیں، بطور خاص روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) سے وابستہ رہ کر آپ نے جو فکری اور قلمی خدمات انجام دیں، انہیں قوم کی تاریخ کبھی بھی بھلا نہیں سکتی، ۱۹۷۸ء سے لے کر ۲۰۰۷ء تک جتنی بھی انگریزی تحریریں اس مؤخر الذکر تنظیم سے نکلیں، تقریبا ساری کی ساری آپ کے قلم سے تھیں، اس دوران انصاف کے علاوہ میرر اور بوائس نامی پرچے آپ کی ادارت میں نکلتے رہے تھے، ممتاز صاحب کو جاننے والے

کہتے تھے کہ ''ممتاز صاحب کے قلم سے نکلنے والے مضامین بڑے قابل قدر اور وزنی ہوتے ہیں''۔

جناب ممتاز جمیل صاحب ڈاکٹر محمد یونس کے علاوہ جناب اقبال صاحب باغکونوی اور حضرت مولانا دین محمد صاحب مرحوم سابق صدر روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے قریبی دوستوں میں سے تھے، اور جہاں تک میں جانتا ہوں کہ آپ حضرت مولانا حسین احمد صاحب ابوالفضل لمبابیلی کے بہت ہی دلی دوستوں اور ایک دوسرے کو نہایت چاہنے والوں میں سے تھے، ممتاز صاحب کے انتقال کے بعد ایک روز مکہ مکرمہ میں مجھ سے مولانا فرمانے لگے کہ ''اب چاٹگام جانے تک کو دل نہیں کر رہا ہے، کیوں کہ وہاں اب نہ سلیم احمد صاحب خیر فاروی ہیں اور نہ بھائی ممتاز جمیل صاحب حیات سے ہیں'' مولانا حسین احمد صاحب جبھی کسی سفر سے واپس آتے تھے، آپ کے لئے کوئی نہ کوئی تحفہ ساتھ لایا کرتے تھے، اور ممتاز صاحب بھی بار بار اس کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔

جناب ممتاز جمیل صاحب میرے بڑے محسن، مشفق اور دل سے چاہنے والے انسان تھے، زندگی میں میں نے آپ سے بہت کچھ سیکھا اور پایا، ۱۹۹۵ء کے بعد آپ کے انتقال تک آئے دن آپ سے میری ملاقات ہوتی رہتی تھی، جبھی ملاقات ہوتی آپ بہت ہی شفقت سے پیش آتے تھے، حتیٰ کہ ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ آپ میرے ایک بڑے بھائی جیسے ہو چکے تھے، گویا آپ میرے اور میں آپ کے گھر یا خاندان کا ممبر بن چکا تھا، نہایت خوش اخلاق، نستعلیقی کیفیت کے افتادطبع والا ایک سیاسی صحافی، منصف مزاج کے مبصر و معتدل خیالات کے انسان تھے، دل پھٹ جائے تو جائے، لیکن آپ کی زبان سے کسی کے خلاف حرف شکایت نہیں نکلتا تھا۔ ممتاز صاحب نے ۲۰۰۷ء میں چاٹگام میں داعی اجل کو لبیک کہا، اور چاٹگام کے ریلوے اسٹیشن والی قبرستان میں مدفون ہیں۔

☆☆☆

جناب کمانڈر محمد سلیم صاحب شجاع فاروی، منگڈی، انقلابی کمانڈر و مجاہد فی سبیل اللہ:

جناب محمد سلیم صاحب شمالی منگڈو کی معروف بستی شجاع فارہ میں پیدا ہوئے، آبائی بستی کے مکتب اور سرکاری اسکول سے ابتدائی تعلیم پا کر منگڈو ہائی اسکول میں داخلہ لیا، یہاں سے آپ نے مٹرک تک کی تعلیم حاصل کی تھی۔

محمد سلیم صاحب ۱۹۷۶ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں شامل ہوئے، جناب شبیر حسین صاحب سے عسکری تربیت پانے کے بعد لیبیا سے بھی عسکری تربیت حاصل کی تھی، ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۶ء تک روہنگیا فدائین محاذ میں رہے، اس تنظیم میں شمولیت کے وقت اگر چہ ان کی عمر کم تھی لیکن عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کی صلاحیت بھی بڑھتی چلی گئی تھی، جس کی وجہ سے یہاں کے اعلیٰ کمانڈر بنے تھے، پھر ۱۹۸۶ء میں ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) میں شامل ہو گئے تھے، عرصۂ دراز تک یہاں بھی اعلیٰ درجہ کے کمانڈر پھر کمانڈر انچیف رہے تھے۔

۱۹۹۸ء کے اواخر میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تشکیل ہوئی تو جناب محمد سلیم صاحب ایک طرف مجلس عاملہ کے ممبر تو دوسری طرف اس تنظیم کے عسکری شاخ (RNA) کے کمانڈر انچیف بھی رہے تھے، ۲۰۰۲ء کے اواخر میں ان کو حکومت بنگلا دیش نے حراست میں لے لیا تھا، ویسے قوم کی خاطر چند سال قید و بند کی تکلیفیں اٹھائی تھیں، لیکن بعد میں باعزت رہا ہو گئے تھے، پھر چند سال پہلے انہوں نے ایک علیحدہ تنظیم بنام روہنگیا نیشنل یونین (RNU) کا اعلان کیا، آج کل اس تنظیم کے صدر اور چاٹگام میں مقیم ہیں، اللہ تعالیٰ کام کی توفیق عنایت کرے، آمین۔

جناب کمانڈر سلیم اللہ صاحب کے دوستوں اور قریبی ساتھیوں میں درج ذیل کے حضرات بڑے نامور تھے:

۱۔ <u>کمانڈر عبدالرحمن خائندہ فاروی:</u>

عبدالرحمن صاحب کی پیدائش مشرقی منگڈو کی بستی خائندہ فارہ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنی بستی

اور بعد میں ثانویہ تک کی تعلیم منگڈو ہائی اسکول میں پائی تھی، غالباً میٹرک کے سال انہوں نے تعلیم کو خیر باد کہہ کر روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں شمولیت اختیار کی تھی، آپ ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۶ء تک اس تنظیم سے وابستہ رہے، فدائین محاذ کے معسکر کے علاوہ لیبیا میں عسکری تربیت پائی تھی، لیبی کرنل عبد السلام جلود ان کو بہت پسند کرتے تھے، تربیت کے دوران لیبیا میں انہوں نے بڑا نام پیدا کیا تھا، روہنگیا فدائین محاذ میں اعلی کمانڈر رہے، حتی کہ ایک زمانے میں ان کو جنرل عبدالرحمن بھی کہا گیا تھا۔

عبدالرحمن صاحب ۱۹۸۶ء میں جناب شبیر حسین کے ساتھ ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ میں شامل ہوئے تھے، مؤخر الذکر اسی تنظیم سے شبیر حسین صاحب کو عہدۂ صدارت سے ہٹائے جانے کے دوران انہوں نے اس تنظیم سے علیحدگی اختیار کی، بعد میں ارکان ہسٹریکل سوسائٹی کے ممبر بنے، پھر ۲۰۰۰ء کے دوران ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) میں شامل ہوگئے تھے، یہاں مجلس شوری کے ممبر رہے، چند سال اس تنظیم کے زیر سایۂ قوم وملت کی خدمات کیں، بعد میں سعودی عرب چلے گئے، آج کل کوکس بازار میں مقیم ہیں، اللہ تعالی حیات دراز کرے، آمین۔

۲۔ کمانڈر محمد امین صاحب کینسوی:

محمد امین صاحب شمالی بوسیدنگ کی بستی کینسی میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم بستی کے مکتب اور سرکاری اسکول میں پا کر تنگ بازار ہائی اسکول میں داخلہ لیا، یہاں سے میٹرک تک کی تعلیم پائی تھی۔

محمد امین صاحب ۱۹۷۵ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں شامل ہوئے، جناب شبیر حسین صاحب فوئمالوی سے محاذ کے معسکر میں عسکری تربیت پا کر لیبیا گئے اور وہاں سے اعلی درجہ کی عسکری تربیت حاصل کی تھی۔

محمد امین صاحب ۱۹۷۵ء سے ۱۹۸۶ء تک روہنگیا فدائین محاذ میں اعلی درجہ کے کمانڈر رہے تھے، اس کے بعد ۱۹۸۶ء میں ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) میں شامل ہوئے تھے، جناب شبیر حسین صاحب کو عہدۂ صدارت سے ہٹائے جانے کے بعد اس تنظیم سے علیحدہ ہوگئے تھے۔

اس کے بعد محمد امین صاحب ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) میں شامل ہوگئے، یہاں عاملہ کے ممبر بنے، ساتھ ہی ساتھ الحاج محمد ابوالکلام صاحب خونیہ فاروی کے دست راست بھی رہے، آج

کل محمد ابوالکلام صاحب کی کمپنی کے افسر اور چاٹگام میں مقیم ہیں۔

۳۔ کمانڈر محمد ناصر صاحب کیوکتوی:

محمد ناصر صاحب کی پیدائش کیوکتو میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی میں پا کر وہاں کے ہائی اسکول سے میٹرک کا امتحان دیا تھا، بعد میں ۱۹۷۵ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں شامل ہو گئے تھے، جناب شبیر حسین صاحب کے علاوہ لیبیا سے عسکری تربیت حاصل کی تھی، پھر ۱۹۸۶ء کے دوران ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) میں شامل ہو گئے تھے، لیکن جناب شبیر حسین صاحب کی معزولی کے بعد اس تنظیم سے علیحدہ ہو گئے تھے، اس کے بعد چند سال چاٹگام میں رہ کر ملائشیا پہنچے، آج کل وہاں مقیم ہیں، اللہ تعالی حفاظت فرمائے، آمین۔

☆☆☆

جناب ماسٹر فیاض احمد صاحب تنگ بازاری،
انقلابی، سیاسی، صحافی ومجاہد فی سبیل اللہ:

جناب ماسٹر فیاض احمد بن حضرت مولانا احمد حسین صاحب ۱۹۵۱ء میں شمالی بوسیدنگ کی بستی ایم آئی فارہ (تنگ بازار) میں پیدا ہوئے، آپ کے والد مولانا احمد حسین صاحب ایک بلند پایہ کے عالم دین فقیہ اور صوفی بزرگ تھے، مشہور ہے کہ دور دراز سے لوگ آپ کے پاس کوئی فقہ وفتاوی کے حوالے سے اور کوئی روحانی فیوض حاصل کرنے کے لئے آیا کرتے تھے۔

ماسٹر فیاض احمد صاحب کی بسم اللہ خوانی اپنے بزرگ والد کے ہاتھوں ہوئی، بعد میں اپنی بستی کے سرکاری پرائمری اسکول میں پڑھنے کے ساتھ مکتب سے قرآن کریم کے ناظرہ کے اور کچھ دینیات کی تعلیم پائی، اس کے بعد ہڈ ماسٹر جناب محمد سعید صاحب تنگ بازاری کی زیر نگرانی تنگ بازار مڈل اسکول سے برمیز اور انگریزی میں آٹھویں جماعت پاس کر کے بوسیدنگ ہائی اسکول میں داخلہ لیا، یہاں سے ۱۹۷۲ء میں مٹرک کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد مولمین یونیورسیٹی سے ۱۹۷۷ء میں بی ایس سی (BSC) کی ڈگری حاصل کی تھی۔

فراغت کے بعد جناب فیاض احمد صاحب وطن آئے اور تنگ بازار مڈل اسکول میں استاد مقرر ہوئے، آپ نے ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۱ء تک زادی فرانگ کے پرائمری اسکول میں پڑھایا، اس کے بعد پھر تنگ بازار مڈل اسکول میں واپس آئے، لیکن تھوڑی مدت کے بعد بوسیدنگ ہائی اسکول میں اسسٹنٹ ٹیچر کی حیثیت سے مقرر ہوئے، یہاں آپ مسلسل ۱۹۸۵ء تک پڑھاتے رہے تھے، یاد رہے کہ آپ نے اس درمیانی مدت میں غالبا ۱۹۸۲ء میں رنگون یونیورسیٹی سے بی ایڈ (BED) کی ڈگری بھی حاصل کر لی تھی۔

جس زمانے میں جناب ماسٹر فیاض احمد صاحب بوسیدنگ ہائی اسکول میں استاد تھے، اسی زمانے میں میں جامعہ اسلامیہ عالیہ بوسیدنگ کا متعلم تھا، اس زمانے کی بات ہے کہ بوسیدنگ ہائی اسکول میں چند مسلم اساتذہ کی بڑی شہرت تھی، جن میں ماسٹر فیاض احمد صاحب کے علاوہ جناب ماسٹر محمد انور صاحب ایم پی (برادر عزیز حضرت مولانا شاہ مظفر احمد صاحب منگیز ویؒ) اور ماسٹر عبد الحکیم بن عبد

الہادی داروغہ کے نام نامی بھی تھے۔

۱۹۸۵ء کے دوران ماسٹر فیاض احمد صاحب مگھوں کے قومی حسد اور عصبیت کے نشانے پر آ گئے، بالآخر آپ کے لئے ارکان کی زمین تنگ کر دی گئی تو آپ نے مجبور ہو کر بنگلا دیش میں پناہ لی تھی۔

بنگلا دیش پہنچتے ہی جناب ماسٹر فیاض احمد صاحب سرحد میں زیر زمین کام کرنے والی روہنگیا تنظیم ''روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن'' میں باضابطہ طور پر شامل ہو گئے، اس کے بعد ۱۹۸۶ء میں ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کے قیام عمل میں آیا تو یہاں آپ مجلس عاملہ (CEC) کے ممبر منتخب ہوئے، اس کے بعد اس موخر الذکر تنظیم کے آپ عرصہ دراز تک سپہ سالار بھی رہ چکے تھے۔

۱۹۹۸ء میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تشکیل ہوئی تو جناب ماسٹر فیاض احمد صاحب قائمہ کمیٹی (NSC) کے ممبر ہونے کے علاوہ مجلس عاملہ کے رکن بھی منتخب ہوئے، جس میں آپ نے نمایاں خدمات انجام دی تھیں۔

یوں تو ماسٹر فیاض احمد صاحب کی ثقافتی، فکری، تنظیمی وعسکری خدمات انگنت ہیں، لیکن اس ساری خدمات میں آپ کی قلمی خدمات ناقابل فراموش ہیں، جناب محترم نور الاسلام صاحب کی زیر نگرانی و زیر سرپرستی نکلنے والا ماہنامہ ''کلاڈان پریس'' کے ماسٹر صاحب ایڈیٹر تھے، اس میں آپ نے اتنی قلمی خدمات انجام دیں جن کی نہ حد ہے اور نہ حساب، روہنگیا مسائل کے حوالے سے آپ نے بے شمار مضامین اور مقالات لکھ چھوڑے، ماشاء اللہ انگریزی میں آپ کی تحریریں بڑی شاندار اور جان دار تھیں، جن سے اور تو اور میرا بھی بہت فائدہ ہوا تھا۔

۲۰۱۱ء میں ارکان روہنگیا یونین (ARU) کے تاسیسی اجلاس جدہ میں آپ نے شرکت کی، ماشاء اللہ ماسٹر صاحب ایک زندہ دل، بہادر، دانا بینا قلم کار اور منجھے ہوئے صحافی ہونے کے علاوہ بڑے وفا شناس انسان تھے، آپ کا انتقال ۳/ جولائی/ ۲۰۱۷ء میں ہوا اور چاٹگام میں مدفون ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆☆☆

جناب ماسٹر امان اللہ نیا فاروی، منگڈوی،

سیاسی، انقلابی، مورخ و مصنف برائے امور قومی:

جناب ماسٹر امان اللہ بن محمد شفیع بن عبد القادر بن مولانا عبد اللطیف صاحب منگڈو نیا فارہ میں ۲۹/ مارچ/ ۱۹۵۰ء میں پیدا ہوئے، آپ کے والد جناب محمد شفیع صاحب اپنے وقت کے ایک جانے پہنچانے دانشوروں میں سے تھے، محمد شفیع صاحب یوں تو ہائی اسکول فائنل پاس تھے لیکن اردو اور برمیز کے علاوہ انگریزی میں بڑی مہارت رکھتے تھے، جو برطانوی دور کے اواخر میں میجر ہوم نامی افسر کے ترجمان رہ چکے تھے، برمی دور کی ابتدا میں آپ ٹی این او بورڈ کے رکن رہے اور ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے دسٹرک افسر کے عہدے تک پہنچ چکے تھے۔

جناب ماسٹر امان اللہ صاحب کے دادا مرحوم عبد القادر صاحب نے جماعت سیوم تک کی عربی تعلیم حاصل کی، کہتے ہیں کہ آپ نہایت ذکی اور خداترس بزرگ تھے، اسی طرح آپ کے پردادا حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب نے بھی اپنی پوری زندگی دعوت وتبلیغ اور ارشاد وتلقین میں گزار دی تھی۔

امان اللہ صاحب کے نانا مرحوم جناب عزیز الرحمن صاحب ایک مرد مجاہد تھے، ۱۹۴۲ء کے معرکے میں آپ نے کافی خدمات انجام دیں اور اس کے بعد پیس کمیٹی بنی تو آپ اس کمیٹی کے مرکزی آفس سکریٹری مقرر ہوئے تھے، آپ مدرسہ عالیہ شقدار فارہ کے بانیوں میں سے ایک تھے، جاپانی زبان کے ماہر سمجھے جاتے تھے، آپ کا انتقال ۱۹۴۵ء میں ہوا۔

ماسٹر امان صاحب کی تعلیم بستی کے مکتب اور سرکاری پرائمری اسکول سے شروع ہوئی، آپ نے ۱۹۶۴ء میں منگڈو ہائی اسکول میں داخلہ لیا، آٹھویں کا امتحان پاس کر کے ۱۹۶۶ء میں چوکپرو گئے اور وہیں سے ۱۹۶۸ء میں مٹرک پاس کیا۔ اس کے بعد ۱۹۶۸ء میں ماسٹر صاحب رنگون پہنچے اور ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں پڑھتے رہے تھے، اس کے بعد ۱۹۷۸ء میں رنگون کی ایک پرائیوٹ یونیورسیٹی سے فلسفہ میں بی اے (BA) اس کے بعد ۱۹۸۰ء میں رنگون ایڈوکیشن انسٹی ٹیوٹ سے بی ایڈ (BED) کی ڈگری حاصل کرتے ہوئے ۱۹۸۱ء میں ایس پی جی (SPG) لاء پر ایک تمغہ بھی حاصل کیا تھا۔

تعلیم کے دوران ماسٹر صاحب ۱۹۷۱ء میں ایک پرائمری اسکول کے استاد رہے، اس کے بعد

۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۸ء تک جونیر ہائی اسکول ٹیچر رہے، پھر ۱۹۸۵ء سے ہائی اسکول کے سینئر استاد مقرر ہوئے، یوں بحیثیت ایک قابل استاد علاقے بھر میں آپ کی شہرت عام ہوگئی تھی۔

تدریسی خدمات کے ساتھ ماسٹر امان اللہ صاحب مختلف سماجی کاموں سے بھی وابستہ رہے، آپ نے ۱۹۸۰ء کے دوران چوکپرو میں ایک سوسائٹی تشکیل دی تھی، جس میں رکشہ چلانے والوں اور دیگر مزدوروں کی ترقی کے لئے بہت سارے پروگرام بنائے گئے تھے، اس دوران آپ برما ریڈ کراس کے بھی ممبر رہے، علاوہ ازیں آپ فٹ بال کے بھی بڑے رسیا اور شائق ہیں، علاقے میں فٹ بال ایسوسی ایشن کے بھی آپ رکن رکین رہے، تدریسی خدمات کے دوران آپ طلباء کی جسمانی ورزش کا بڑا خیال رکھتے تھے۔

ماسٹر صاحب اپنی تعلیمی، تدریسی اور سماجی زندگی میں مختلف پریشانیوں کے شکار رہے، بطور خاص تدریسی خدمات کے دوران آپ پر الزام لگایا جاتا رہا کہ آپ مجاہدین کے حامی ہیں، مجاہدین کے ساتھ خفیہ تعلقات کے الزام پر آپ پر مختلف حملے ہوئے تھے، لیکن آپ نے ہر آنے والی مصیبتوں کا بڑے صبر وثبات کے ساتھ مقابلہ کیا تھا، آپ کی خواہش تھی کہ کسی بھی حالت میں وطن میں رہ کر مسلمانوں اور عام انسانوں کی خدمات انجام دیں، اس دوران برمی حکومت نے آپ کے ساتھ جو متعصّبانہ سلوک کیا تھا اس کی ایک طول طویل داستان ہے، بالآخر ۱۹۸۵ء کے آخری ایام میں آپ کے لئے وطن کی زمین تنگ کر دی گئی تو آپ نے بنگلا دیش میں پناہ لی۔

بنگلا دیش آتے ہی ماسٹر امان اللہ صاحب جناب نور الاسلام صاحب کی زیر قیادت چلنے والی تنظیم روہنگیا سالیڈ یریٹی آرگنائزیشن (RSO) میں شامل ہو گئے، چند دن جاتے نہ جاتے آپ کو آفس سکریٹری کا منصب سونپا گیا تھا، پھر آپ مجلس عاملہ کے رکن بھی چن لئے گئے تھے۔

ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ میں جناب امان اللہ صاحب مجلس عاملہ کے رکن تھے، پھر ۱۹۸۹ء میں آپ کو سپہ سالار بنایا گیا تھا، آپ نے آفس سکریٹری کی حیثیت سے جس حسن وخوبی کے ساتھ کام انجام دیئے تھے، ٹھیک اس سے بھی بڑھ کر قائد سالار کی حیثیت سے قومی خدمات نبھائی تھیں۔

۱۹۷۹ء میں آپ نے اپنی بعض مجبوری کی بنیاد پر ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ سے مستعفی ہو گئے

تھے،لیکن ۱۹۹۸ء کے اواخر میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تشکیل کے دوران آپ پہلے قائمہ کمیٹی (NSC) کے ممبر پھر مجلس عاملہ کے رکن چنے گئے تھے۔

۲۰۰۹ء کے دوران ماسٹر امان اللہ صاحب ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کے جنرل سکریٹری کے عہدہ پر تھے،لیکن اس کے چند سال بعد آپ اس سے بھی مستعفی ہو گئے۔

ماسٹر امان اللہ صاحب نہایت زیرک اور معاملہ فہم سیاست دان اور انقلابی انسان ہیں، اس کے ساتھ ایک منجھے ہوئے قلم کار اور مصنف بھی، حال میں آپ نے ارکان اور برما کی تاریخ پر ایک کتاب مرتب کی ہے، جو حال میں شائع ہو چکی ہے۔

☆☆☆

مولانا سیف الاسلام صاحب شرف الدین بیلوی، منگڈوی، سیاسی رہنما، ومفکر اسلامی:

مولانا سیف الاسلام صاحب کی پیدائش شمالی منگڈو کی بستی شرف الدین میں ہوئی، آپ نے ابتدائی تعلیم علاقے میں پاکر مدرسہ اشرف العلوم نور اللہ فارہ میں داخلہ لیا اور چند سال یہاں پڑھ کر پاکستان پہنچے، جہاں آپ نے تعلیم کے ساتھ ساتھ جماعت اسلامی پاکستان سے وابستہ ہو گئے، چنانچہ ایک زمانہ ایسا آیا کہ آپ کو جماعت اسلامی پاکستان کے مرکزی دفتر منصورہ میں کام کرنے کا موقع ملا تھا، جہاں تک پتہ چلا کہ آپ نے حضرت مولانا سید ابو اعلی صاحب مودودی کو بہت ہی قریب سے دیکھا تھا، ان سے خاصی مستفید بھی ہوئے تھے، یوں آپ کی ذات میں تحریک جماعت اسلامی کے بہت سی مثبت خصوصیات جمع ہو گئی تھیں۔

مولانا سیف الاسلام صاحب تنظیمی امور کے حوالے سے ہمارے زمانے میں یکتائے روزگا انسان سمجھے جاتے تھے، مولانا ماشاءاللہ بڑے ہشیار، باریک بین، معاملہ فہم اور پختہ ارادے کے مالک تھے، آپ جماعت اسلامی کے تربیت یافتہ مدبر و مفکر ہونے کے ساتھ بڑے اصول پرست بھی تھے۔

مولانا سیف الاسلام صاحب فراغت تعلیم کے بعد سعودی عرب گئے ہوئے تھے، بعد میں آپ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) میں شامل ہو گئے، آپ ۱۹۸۳ء یا ۱۹۸۴ء کے دوران سعودی عرب سے بنگلا دیش چلے آئے اور اس تنظیم کے زیر سائے تحریکی کاموں میں ہمہ تن مشغول ہو گئے تھے۔

جناب اڈووکٹ نور الاسلام صاحب نے ڈاکٹر محمد یونس اور پروفیسر محمد زکریا وغیرہ کو روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن سے نکالا تو مولانا سیف الاسلام صاحب نے ڈاکٹر محمد یونس کا ساتھ دیا تھا، ۱۹۸۵ء کے دوران مولانا محترم روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن ڈاکٹر محمد یونس دھڑا کے صدر منتخب ہوئے، آپ کی قیادت میں یہ دھڑا روز افزوں ترقی کی طرف گامزن ہوا، اب اس دھڑا نے جماعت اسلامی کی تبلیغی، دعوتی، فکری اور تنظیمی وتحریکی طرز کو اپنا لیا، جو آگے چل کر اس تنظیم کے لئے بہت ہی مفید ثابت ہوا تھا۔

مولانا سیف الاسلام صاحب ظاہر ہے کہ جماعت اسلامی کے تربیت یافتہ اور کہنہ مشق سیاست دان تھے، جبھی آپ کی قیادت سامنے آئی تو جماعت اسلامی نے آپ کی تنظیم کا ہر اعتبار سے ساتھ دیا اور آپ اور کے رفقاء کے حوصلے بلند رکھے، اور ہر طرح سے آپ اور کی تنظیم کی رہنمائی کرتے ہوئے اسلامی اخوت ومحبت، بھائی چارگی اور اسلامی دوستی کا مظاہرہ کیا تھا۔

مولانا سیف الاسلام صاحب روہنگیا سالیڈ یریٹی آرگنائزیشن کے عہدۂ صدارت پر متمکن ہوئے تو اس جماعت میں بعض اعتبار سے جان آگئی تھی، ارکان کے بعض علماء اور دانشوروں کے علاوہ مدارس اسلامیہ اور اسکول کالج کے طلباء اس جماعت میں شامل ہونے لگے تھے، یوں اس جماعت کا ایک سنہرا دور شروع ہوگیا تھا، جماعت اسلامی کی زیر سرپرستی دعوت وتربیت کے حوالے سے پروگراموں پر پروگرام کا سلسلہ چلتا رہا تھا، یوں دیکھتے ہی دیکھتے اسلامی خیالات سے محظوظ ایک منظم ومرتب جماعت پیدا ہوگئی تھی، یوں ہماری قومی زندگی پر مدتوں سے چھائی ہوئی گھٹا ٹوپ بدلیاں چھٹنے لگیں، مایوسی کی جگہ امیدوں کی لہریں اور اداسی کی جگہ جوش وولولے دکھائے دینے لگے تھے، اور ہر کجا ہماری سیاسی اور انقلابی افق پر بلند حوصلگی کا سماں ظاہر ہونے لگا تھا۔

۱۹۸۶ء سے اگلے چند سالوں تک روہنگیا سالیڈ یریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے نام پر ایک ہی جماعت تھی، جس کے امیر یا صدر مولانا سیف الاسلام صاحب تھے، جس میں عام ممبروں کے علاوہ بھی اس کے قائدین کے اندر امید وامنگ اور خاصی بلند حوصلگی کا نظارہ دیکھا گیا تھا، ہماری قومی سطح پر یوں تو دیگر تنظیمیں تھیں لیکن ایک طویل عرصہ تک اس جماعت کے مقابلے میں دیگر کوئی ایسی جماعت نہیں تھی جو اس جیسی منظم، متحرک اور فعال رہی ہو۔

۱۹۸۶ء کے بعد تعجب ہورہا تھا (ہماری نئی تعلیم یافتہ عصری علوم وفنون کے خوشہ چینوں جن کو دنیاداری، مادیت پسندی اور نجی زندگی کی رنگ رلیوں کے حصول وطلب نے کسی معنی خیز عملی اقدام کے لئے کہیں کا نہیں چھوڑا، اور علمائے کرام جن کے ساتھ ہماری غیر معمولی توقعات وابستہ تھیں انہوں نے زمانے کی چاہت وطلب، ضروریات اور عصر حاضر کے تقاضوں سے یک دم ناآشنا اور لاتعلق ہوکر کسی یخ بستہ میدان تیہ اور عالم جمود میں اپنے آپ کو ڈال رکھا تھا) کہ کس طرح ایک پلیٹ فارم میں یک جا ہوکر قومی

اور ملی امور کی انجام دہی کے حوالے سے عملی کام کر دکھایا؟ عصری تعلیم یافتہ دانش وران بھی انقلاب میں پیچھے نہیں ہے، ان کے اندر غیر معمولی قابلیت، استعداد، لیاقت اور صلاحیات کے علاوہ خود اعتمادی اور با قائدگی ہے، جن کے بل بوتے پر وہ بھی میدان کو سر کر کے ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں:

اک ڈھیر ہیں یاں راکھ کا اور آگ دبی ہے۔

۱۹۸۵ء کے بعد مولانا سیف الاسلام صاحب کی قیادت میں روہنگیا سالیڈ یریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا یہ دھڑا آئے دن ترقی کے مدارج طے کر رہا تھا، ادھر روہنگیا سالیڈ یریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا دوسرا دھڑا بقیادت جناب اڈووکٹ نورالاسلام صاحب نے اگلے چند دن رینگنے کے بعد روہنگیا فدائین محاذ (RPF) شبیر حسین صاحب سے ایک معاہدہ کیا اور بعد میں ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ کا اعلان کر دیا تھا۔

جہاں تک میرے علم کا تعلق ہے کہ مولانا سیف الاسلام صاحب اور تو اور اس اعتبار سے بڑے با کمال نکلے کہ آپ نے جماعت اسلامی کی رہنمائی اور اس کی سرپرستی سے عالم اسلامی کی چند اسلامی یا اسلامی رجحان رکھنے والی جماعتوں اور بعض عملی شخصیتوں سے رابطہ استوار کر لیا تھا، جس کی وجہ سے ایک طرف روہنگیا سالیڈ یریٹی آرگنائزیشن کی بڑی شہرت ہوئی تو دوسری طرف ان جماعتوں اور شخصیتوں کی مدد وتعاون سے کم سے کم مالی اعتبار سے ارایس او میں جان آگئی تھی، تو ظاہر ہے کہ جس کی وجہ سے کام کرنے میں بڑی آسانی ہوئی تھی۔

مولانا سیف الاسلام صاحب ہر حال میں اپنی تنظیم کو جماعت اسلامی کے اصول وضوابط اور اس کے طریقۂ کار پر پابند دیکھنا چاہتے تھے، گزرے زمانے کی بات چھوڑیئے، چند سال کی بات تھی کہ آپ سعودی عرب تشریف لائے ہوئے تھے، جدہ میں آپ سے بارہا میری ملاقاتیں رہی تھیں، تب بھی آپ کا خیال یہی تھا کہ ہماری کامیابی اور کامرانی کے لئے اب بھی ایک ایسی جماعت کی ضرورت ہے کہ جس کے جمیع اصول وضوابط قرآن وسنت کے عین مطابق ہوں، بخلاف اس کے ہماری کوئی بھی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی۔

مولانا سیف الاسلام صاحب کی قیادت میں روہنگیا سالیڈ یریٹی آرگنائزیشن (RSO) نے

فریضۂ اقامت دین اور جہاد فی سبیل اللہ کا نعرہ بلند کیا تھا، اس حوالے سے تنظیم کے معروف ترجمان ''انصاف'' میں مولانا سیف اللہ خالد صاحب لکھتے ہیں کہ:

''آخرکار ۱۹۸۲ء میں اللہ کے کچھ نیک بندوں نے جو اسلام پر مکمل یقین رکھتے ہیں اور اسے مکمل ضابطۂ حیات جانتے ہیں ماضی کی غلطیوں کو سامنے رکھ کر تاریخ سے سبق سیکھتے ہوئے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنی جان و مال کی قربانی دینے پر آمادہ ہوئے، انہوں نے ار ایس او (روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن) کے نام سے اپنے آپ کو منظم کیا، نہ صرف اس لئے کہ وہ اپنے جذبات وضمیر کے ہاتھوں مجبور ہوئے تھے، بلکہ اس بنا پر کہ کتاب اللہ ان سے اس جدوجہد کا تقاضا کرتی ہے، وہ یقین رکھتے ہیں کہ انسان کی کامیابی اس دنیا میں کسی مقصد کے حصول پر نہیں بلکہ آخرت کی کامیابی پر منحصر ہے، وہ شخص اللہ کی راہ پر جان و مال سے جہاد پر آمادہ ہو خواہ وہ دنیاوی طور پر کامیاب ہو یا نہ ہو آخرت میں اس کی سرخروئی یقینی ہے، اللہ کی راہ میں جہاد کا مطلب اس کے دین کو زمین پر قائم کرنا ہے، اس تنظیم کا ہر فرد یقین رکھتا ہے کہ اللہ اسے جزا دے گا، ار ایس او کی جدوجہد کا کردار اور روح وہی ہے جو رسول ﷺ اور ان کے صحابہ کے جہاد کی تھی، جس کا مقصد زمینوں کو فتح کرنے کے بجائے حق، عدل، انصاف کو قائم کرنا تھا، عدل پسند معاشرہ قائم کرنے کے لئے وہی طریقۂ کار استعمال کرنا ضروری ہے جو رسول ﷺ نے پسند فرمایا، اور برائیوں اور بداخلاقیوں کو مٹا کر ایک منصفانہ پرامن اور مستحکم انسانی معاشرہ کی تیور رکھی''۔

پھر آگے لکھتے ہیں کہ:

''ار ایس او، ارکان برما کی تحریک اسلامی، کسی شخصیت، فرقے، نظریئے کے خلاف نہیں، یہ ہر قسم کی ناانصافی کے خلاف ہے، خواہ اس کا مرتکب مسلم ہو یا غیر مسلم، اس بلند مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے ارکان کی اسلامی تحریک آگے بڑھ رہی ہے، انشاء اللہ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک ارکان میں اسلامی نظام قائم نہیں ہوجاتا''۔

ار ایس او کے ترجمان انصاف نے پچھلی تنظیموں اور قائدوں کے طرز عمل اور جہادی پروگرام پر تنقید کرتے ہوئے اپنے حق میں اعلان کیا کہ:

''مسلمانوں کو اس بڑھتے ہوئے ظلم وستم نے اس جنون وغفلت کی کیفیت سے نکلنے پر مجبور کردیا، اور انہوں نے اپنی عزت نفس اور وقار کی بحالی کے لئے جدوجہد شروع کردی، لیکن ان کا انداز فکر اور طرز عمل زیادہ حقیقت پسندانہ نہ تھا، وہ عملاً قرآن کریم کی تعلیمات اور رسول ﷺ کی سنت کو بھول چکے تھے، یا نظر انداز کرنے لگے تھے، ۱۹۴۸ء سے چالیس سال پر محیط (یعنی ارکانی مسلمانوں کی تحریک آزادی جسے جعفر قوال نے شروع کیا تھا اس کا پورا سلسلہ) یہ جدوجہد بے نتیجہ رہی، گوکہ اس مقصد کی خاطر ہزاروں جانیں ضائع ہوگئیں، اور ایسا وقت آیا کہ ارکان کے باشندوں کے لئے امید کی کوئی کرن باقی نہ رہی اور انہیں مستقبل تاریک تر نظر آنے لگا''۔

ار ایس او کے قائدین نے دعوی کیا کہ انہوں نے قرآن کریم کی تعلیمات اور سنت نبوی ﷺ کو اپناتے ہوئے ارکان میں اسلامی تحریک کی ہوائیں چلانے کا عزم کیا ہے، البتہ زمانے نے ان کے دعوی پر پانی پھیر دیا، اور ان کے تمام دعوے میدان عمل میں بالکل خلاف واقع نظر آئے، کیوں کہ قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ نے مسلمانوں کو اتفاق واتحاد کا سبق سکھایا ہے، تفرقہ اور انتشار کو اسلام ناجائز اور خلاف شرع قرار دیتا ہے، لیکن اس تنظیم کے بعض قائدین نے اسلام کے بیش قیمت سبق کو نہ صرف بھلا دیا بلکہ اس دعوت اتحاد کی جوں تک ان کے کان میں نہ رینگی، انہوں نے اتحاد کے درس کو بھول کو افتراق جیسی خلاف اسلام چیز کو اپنالیا، اور رسہ کشی کے ذریعہ اپنے اقتدار کو یقینی بنانے کی راہ نکالی، بالآخر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ان قائدین نے جس قرآن کریم کی تعلیمات اور سنن رسول انسانیت کو اپنی نشان راہ ہونے کا دعوی کیا ہے اسے اپنی عملی زندگی کے قریب بھی آنے نہ دیا، پھر دنیا نے ان کے اختلاف اور رسہ کشی کے تماشے دیکھے، انہوں نے تاریخ سے سبق سیکھا، مگر سبق بالکل وہی تھا جو کہ ہمارے بعض بزرگوں نے دنیائے تحریک میں قوم کو دیا تھا، آج کوئی پچاس سال کے بعد آنے والے ان قومی محرکوں نے پھر سے وہی افتراق اور تفرقہ کا سبق دھرایا، ان لوگوں نے قرآن کریم اور سنت نبوی کے درس اتحاد کو بھول کر اقتدار کی رسہ کشی اور اختلاف کے نشے میں چور ہو کر اپنے فرائض

منصبی اور اخلاقی ذمہ داری کو فراموش کر دیا، اگر چہ انہوں نے اس تنظیم کو روہنگیا قوم کی امید کی ایک کرن بتائی تھی، لیکن ان کے کردار وعمل نے ان کی ساری گفتگو کو خاک میں ملا دیا ہے۔

باوجودیکہ ارایس او مولانا سیف الاسلام صاحب کی قیادت میں روز ترقی کی طرف گامزن تھی، لیکن یہاں اقتدار کی رسہ کشی اور ناجائز چاہت وطلب کا فتنہ تنظیم کو آہستہ آہستہ گھن کی طرح کھا رہا تھا، جوں جوں تنظیم ترقی کی اگلی منازل طے کر رہی تھی توں توں اسے اندر ہی اندر میں اختلافات کی کشاکش کے گھن نے کھا کر کھوکھلا بنا رہا تھا، آخر ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ تنظیم میں مولانا صاحب کی قیادت پر مطمئن لوگوں کی کمی محسوس کی گئی، مزید برآں پریشان کن باتیں یہ ہوئیں کہ تنظیم کے اندر سے مولانا موصوف کے ناقدین نے سر اٹھایا، بعض ناقدین نے ان کی پوری زندگیکو موضوع سخن بنایا، توکسی نے اس سے بڑھ کر ان کی تعلیمی زندگی کا مذاق اڑایا تھا، کوئی ان کے لڑکپن اور خاندان کا درپے ہوا توکوئی ان کی نجی زندگی کی کمزوریوں کو اچھالنا شروع کر دیا تھا، اب انہوں نے حالات کی نزاکت اور زمانہ کی چاہت وطلب کو بھانپ لیا اور ۱۲/ ستمبر ۱۹۸۸ء میں اپنے عہدہ سے سبکدوش ہو کر نائب امیر ڈاکٹر محمد یونس کو کسی امیر کے باقاعدہ انتخاب تک کے لئے قائم مقام امیر بنا دیا تھا۔

مولانا صاحب نے تحریری استعفیٰ نامہ پیش کیا تھا، اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں آپ کا وہ خط درج کر دیا جائے جو آپ نے سبکدوشی کے بعد ارایس او کا ترجمان انصاف کے مدیر کے نام لکھا تھا:

جناب مکرمی ومحترمی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے، گذارش یہ ہے کہ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن ارکان (برما) کی امارت کی ذمہ داری عرصے سے اس بندۂ ناتواں پر رہی ہے، صلاحیت اور قابلیت کی کمی اور کمزور صحت کے باوجود جس حد تک ممکن ہو سکا اس ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کرتا رہا، اللہ تعالیٰ کے حضور یہ اقرار کرتا ہوں کہ کوشش کے باوجود حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا، الحمد للہ اب جب کہ تنظیم پہلے کی نسبت

قدرے مستحکم پوزیشن میں ہے، میں نے اس ذمہ داری کو دوسرے بھائی کی طرف منتقل کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے، اس انتقال ذمہ داری سے انشاء اللہ تنظیم کے لئے اچھے نتائج برآمد ہوں گے نیز یہ کہ اس عمل سے اپنی قوم کے سامنے یہ ثبوت بھی پیش کرنا مقصود ہے کہ ایک منتخب سربراہ اپنے عہدے سے سبکدوشی کے بعد نئے سربراہ کے ماتحت پوری اطاعت کے ساتھ کام کر سکتا ہے، میں نے قوم کی تنظیمی تاریخ میں دستور، اصول اور اطاعت کی ایک مثال قائم کرنے کی غرض سے یہ فیصلہ کیا ہے، جسے مرکزی مجلس عاملہ نے متفقہ طور پر منظور کر لیا ہے، اس کے ساتھ ہی نئے امیر کے باقاعدہ انتخاب تک تنظیم کے نائب امیر جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب قائم مقام امیر کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے ہیں، انہیں میری طرف سے پورا پورا تعاون حاصل ہے اور رہے گا، اس کے علاوہ تنظیم کی طرف سے ایک یا ایک سے زیادہ تنظیم کے جو شعبے میرے سپرد کئے جائیں گے ان کو چلانے کے سلسلے میں انشاء اللہ حتی المقدور کوشاں رہوں گا، میرے اس اقدام پر کسی کو بھی کوئی غلط فہمی ہرگز نہ ہونی چاہئے، اور نہ اس کا کسی کو موقع دینا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو، والسلام۔

آپ کا بھائی

سیف الاسلام

تاریخ کی ورق گردانی سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ روہنگیا مسلمانوں کی انقلابی تحریکوں میں عہدوں کے لئے کشمکش ہمیشہ ایک مسئلہ رہی ہے، یہاں دستور اور قوانین، اصول ونظریہ کا پاس بہت کم ہوا تھا، اس کے ساتھ خود پرستی اور شخصیت پرستی ایسی خطرناک اور جان لیوا بیماری رہی تھی کہ جس نے نہ صرف ان تحریکی تنظیموں کو برباد کیا بلکہ سرزمین ارکان کی ملی اور قومی ساکھ کو شدید نقصان پہنچایا تھا۔

ادھر ارایس او نہیں بلکہ خود مولانا سیف الاسلام صاحب نے کسی اچھے مفاد کی خاطر اندرونی

پریشانی کو دنیا، خصوصا قوم کی نظروں سے اوجھل رکھنے کی کوشش کی تو ٹھیک تھی لیکن ان کی ساری کوششیں ناکام رہیں، ادھر اسی طرح انصاف نے قومی سیاست اور ملی مفاد کی خاطر تنظیم کی داخلی پریشانی کے اصل چہرہ کو اور ایک خوب صورت شکل میں پیش کیا تو یہ کوشش بڑی اچھی رہی، مگر سچ تو یہ ہے کہ مولانا سیف الاسلام نے ایک اضطراری حالت میں عہدہ سے سبکدوشی کا اعلان کیا تھا، انصاف نے ان کے خط سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سبکدوشی کی وجہ یہ بتائی ہے کہ:

> ''جناب امیر (سیف الاسلام) کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ روہنگیا انقلابی تحریکوں میں عہدوں کے لئے کشمکش ہمیشہ ایک مسئلہ رہی، اصولوں کو ترک کر کے شخصیت پرستی کی گئی، جس کی وجہ سے تنظیمیں تباہ ہوئیں اور قومی وملی مفاد کو نقصان پہنچا، قومی مزاج میں تبدیلی لانے کے لئے ضروری کام تھا کہ ایک ایسا نمونہ پیش کیا جائے جس میں سابق امیر ایک نئے امیر کے ماتحت تنظیمی ذمہ داریوں کو حسن وخوبی کے ساتھ انجام دے کر دکھائے''۔

خیر جو کچھ بھی ہو کہ مولانا سیف الاسلام نے درحقیقت چند مہینے نئے امیر ڈاکٹر محمد یونس کی امارت میں تنظیمی اور ملی ذمہ داری سرانجام دی تھی، لیکن بعد میں حقیقت کھل کر سامنے آئی اور یہ تنظیم بھی دو متحارب دھڑوں میں تقسیم ہو گئی تھی، ان میں سے ایک کی قیادت ڈاکٹر محمد یونس کر رہے تو دوسری کی رہنمائی مولانا سیف الاسلام صاحب اور پروفیسر محمد زکریا صاحب کر رہے تھے۔

۱۹۹۸ء کے اواخر میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا قیام عمل میں آیا تو روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے دونوں دھڑے اور ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کے درمیان انضمام ہوا، جس کے نتیجے میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا اعلان ہو گیا تھا، اس میں مولانا سیف الاسلام صاحب نیشنل اسٹینڈنگ کمیٹی (NSC) کے ممبر رہے، پھر انتخاب کے نتیجے میں آپ عاملہ میں نائب صدر ثانی کے منصب پر فائز ہوئے تھے۔

لیکن افسوس ہے کہ اگلے چند مہینے جاتے نہ جاتے مولانا سیف الاسلام صاحب یہاں سے بھی سبکدوش ہو گئے تھے، پھر اگلے چند سال بعد آپ سعودی عرب چلے گئے تھے، یہاں آپ نے چند سال قیام کر کے بنگلا دیش واپس آئے، اس کے بعد آپ ہماری سیاسی سطح سے قسما غائب سے ہو گئے

تھے۔ مولانا کا انتقال ۲۰۲۲ء میں چاٹگام میں ہوا، اللہ ان کو جنت میں جگہ دے، آمین۔

شک نہیں ہے کہ مولانا ایک عالم دین ہونے کے ساتھ ایک مدبر ومفکر اور منجھے ہوئے سیاست دان تھے، علاوہ اس کے تنظیمی امور کے حوالے سے آپ بڑے درک بین بھی تھے۔

☆☆☆

جناب مولانا شیخ سلیم اللہ صاحب میرولہ وی، منگڈوی، مفکر، سیاسی رہنما و انقلابی قائد و محرک قومی امور:

مولانا سلیم اللہ حسین عبد الرحمن کی پیدائش ۱۹۶۲ء میں جنوبی منگڈو کے معروف قصبہ میرولہ (مرنگلوا) میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی میں پائی، اس کے بعد مدرسہ اشرف العلوم نور اللہ فارہ میں متوسطہ کی تعلیم پا کر مدرسہ محمدیہ فرانفور میں شیخ الحدیث حضرت مولانا سید الامین منگنماوی اور حضرت مولانا ابو الحسین صاحب عرب شاہ فاروی، حضرت مولانا عبد الحکیم خوار بیلوی اور حضرت مولانا محمد امین وغیرہ سے استفادہ کرتے رہے، اس درسگاہ سے آپ نے دورۂ حدیث اور فنونات عالیہ کی مختلف کتابیں پڑھ کر سند فراغت حاصل کی تھی۔

مولانا ایک ذہین وفطین طالب علم تھے، دوران تعلیم آپ نے زیر زمین کام کرنے والی نامور تنظیم روہنگیا فدائین محاذ (RPF) سے رابطے کر کے اپنے سیاسی اور انقلابی سفر کا آغاز کیا، ۱۹۷۸ء کے بعد محترم نور الاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس کی قیادت میں ارکان مسلم آرگنائزیشن (AMO) نامی تنظیم سامنے آئی تو آپ اس کارکن بنے، اس کے بعد ۱۹۸۲ء میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا اعلان ہوا تو آپ اس میں باضابطہ طور پر شامل ہو گئے تھے۔

۱۹۸۶ء کے دواران انٹرنیشنل یونیورسیٹی اسلام آباد میں مولانا سلیم اللہ صاحب روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کی جانب سے لیڈرشپ ٹریننگ میں شریک ہوئے، آپ کے ساتھ ہمارے ایک سے زیادہ حضرات بھی تھے، یہاں سے واپسی کے بعد آپ تنظیمی کاموں میں مصروف ہو چکے تھے۔

مولانا سلیم اللہ صاحب ۱۹۸۷ء کے دوران مولانا محمد حنیف راغب صاحب کی زیر قیادت نت نئی ابھرنے والی تنظیم ''اتحاد المجاہدین'' میں شامل ہو گئے تھے، اس دوران آپ نے اندرون وطن میں رہتے ہوئے ان علماء سے شدید اختلاف کیا جو مولانا سید ابو الاعلی صاحب مودودی کے افکار و خیالات رکھتے تھے، اس ضمن میں آپ کو جیل بھی جانا پڑا تھا، لیکن مولانا راغب صاحب سے اختلاف کی بنیاد پر مولانا اس سے بھی علیحدہ ہو گئے تھے۔

اتحاد المجاہدین سے علیحدگی کے بعد مولانا سلیم اللہ صاحب ''مؤسسۃ الحرمین'' نامی ایک این جی

او (NGO) سے منسلک ہو گئے، جس میں عرصۂ دراز تک کام کرتے رہے تھے، اس مؤسسہ کے زیر سائے آپ نے مختلف دینی، سماجی، فکری، فلاحی اور ثقافتی خدمات انجام دیں، لیکن بعد میں الحرمین کے کالعدم ہو جانے کی وجہ سے آپ کی سرگرمی رک سی گئی تھی۔

مولانا سلیم اللہ صاحب اندرون وطن کے مختلف مدارس میں پڑھاتے رہے تھے، جن میں مدرسہ اشرف العلوم نور اللہ فارہ ناقابل فراموش ہے، تدریس کے دوران آپ نے علماء وطلبہ کی رہنمائی کی تھی، جس میں آپ خاصے کامیاب رہے تھے۔

۱۹۹۱ء کے بعد مولانا سلیم اللہ صاحب دوبارہ ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی زیر قیادت چلنے والی روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) میں شامل ہو گئے، جس کے بعد آپ کافی سرگرم عمل ہو گئے تھے، ۱۹۹۴ء میں اس تنظیم نے اندرون وطن میں جہادی سرگرمی دکھائی، جس میں اس کی بری طرح ناکامی ہوئی تو بڑے بڑوں کے درمیان اختلاف رونما ہوا، جس کے نتیجے میں یہ تنظیم دو متحارب گروپ میں تقسیم ہو گئی تھی، ایک کی قیادت ڈاکٹر محمد یونس کر رہے تو دوسرے کی قیادت پروفیسر محمد زکریا اور مولانا سیف لاسلام صاحب کر رہے تھے، ایسی حالت میں مولانا سلیم اللہ صاحب ڈاکٹر صاحب کے ساتھ رہے تھے۔

۱۹۹۶ء والے روہنگیا نیشنل الائنس (RNA) کے قیام میں مولانا سلیم اللہ صاحب کی خدمات پیش پیش تھیں، اس دوران آپ نے قومی سطح پر کام کرنے والی جماعتوں کو ہم آہنگ رکھنے کی حد درجہ کوششیں کی تھیں، لیکن آخر کا معاہدہ کی شکل میں ہونے والا یہ متحدہ الائنس کالعدم ہو گیا تھا۔

مولانا سلیم اللہ صاحب نے ڈاکٹر محمد یونس والے آر ایس او گروپ میں کافی سرگرمیاں دکھائیں، مجلس عاملہ میں آپ کا شمار ڈاکٹر محمد یونس اور مولانا دین محمد داروغہ ڈیلی کے بعد تیسرے نمبر پر تھا، اس دوران مولانا سلیم اللہ صاحب تنظیم کی جانب سے مختلف ملکوں کے سفر کرتے رہے تھے۔

۱۹۹۸ء کے دوران متحرک مختلف قومی جماعتوں کو ایک ہی پلیٹ فارم پر لانے کی ایک بڑی کوشش شروع ہوئی تو مولانا سلیم اللہ صاحب اس میں بھی پیش پیش رہے، اس حوالے سے ۳۳/ رکنی ایک قائمہ کمیٹی (NSC) بنی تو مولانا اس کے متحرک ممبر رہے تھے، اس اتحاد کی کوشش کے نتیجے میں اس

سال کے اواخر میں پچھلی تمام تنظیموں کو کالعدم کرتے ہوئے انضمامی شکل میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا اعلان ہوا تو اس متحدہ تنظیم کی طرف سے مولانا بحیثیت مندوب سعودی عرب پہنچے، جہاں آپ نے اس نئی تنظیم کی بہبودی کے لئے ایک حد تک محنت کی تھی۔

ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کے اعلان کے چند مہینے بعد مولانا دین محمد صاحب داروغہ ڈیلی کی زیر قیادت روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے مجاہدین متحدہ پلیٹ فارم سے علیحدہ ہوگئے تو مولانا سلیم اللہ صاحب نے مولانا دین محمد صاحب کا ساتھ دیا، جس میں آپ نائب صدر مقرر ہوئے تھے۔

سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض میں مولانا دین محمد صاحب سرکاری مہمان تھے، یہاں اچانک ان کا انتقال ہوگیا تو مولانا سلیم اللہ صاحب روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے قائم مقام صدر بنے، جس کا سلسلہ عرصۂ دراز تک رہا تھا۔

مولانا سلیم اللہ صاحب سچ تو یہ ہے کہ ایک جری اور فعال لیڈر ہیں، آپ نے ار ایس او کے قائم مقام صدر بننے کے بعد روہنگیا سیاست کے حوالے سے کچھ انوکھی سرگرمیاں دکھائیں، اس ضمن میں آپ نے ہر چند کوشش کی کہ بین الاقوامی تنظیم منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) میں روہنگیا قوم کو مبصر رکن (OBSERVER) ہونے کا شرف حاصل ہوجائے، اگرچہ آپ اس میں آج تک کامیاب نہیں ہوسکے لیکن منظمۃ التعاون الاسلامی سے آپ کو بڑی حد تک قربت نصیب ہوگئی حتی کہ اس کوشش کے نتیجے میں آپ کو اس بین الاقوامی تنظیم کے چند اعلی سطحی اجلاس میں دعوت شرکت ملی، جن میں شرکت کی وجہ سے آپ کی شخصیت مزید ابھر نکھر کر سامنے آئی تھی۔

مولانا سلیم اللہ صاحب نے اپنی سیاسی وانقلابی زندگی میں روہنگیا مسائل کے حوالے سے دنیا کے بڑے بڑے لیڈروں سے عموما اور اسلامی ممالک کے رہنماؤں اور قائدین سے خصوصا ملاقاتیں کیں، جن میں درج ذیل شخصیات قابل ذکر ہیں:

۱۔احسان اوغلو، سابق سکریٹری جنرل منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC)۔

۲۔عبداللہ گل، سابق ترکی وزیر خارجہ وصدر۔

۳۔ابو جرہ سلطانی، الجزائری وزیر وصدر مجتمع السلام۔

۴۔نجیب عبدالرزاق، سابق ملائشین وزیر اعظم۔

۵۔ڈاکٹر خالد عطیہ، سابق قطری وزیر خارجہ۔

۶۔راجا ظفر الحق، سابق چیرمن مسلم لیگ نون، پاکستان۔

۷۔خورشید شاہ قصوری، سابق پاکستانی وزیر خارجہ۔

۲۰۰۵ء کے بعد روہنگیا قومی سطح پر دوبارہ اور ایک اتحاد کی کوشش شروع ہوئی تو مولانا سلیم اللہ صاحب اس میں بھی پیش پیش رہے تھے، لیکن اب کے اتحاد انضمامی شکل میں ہوگا یا الائنس کی صورت میں اس حوالے سے مولانا محترم اور جناب نور الاسلام صاحب کے درمیان اختلاف سامنے آیا تھا، جس کا اجمال درج ذیل ہے:

(۱) ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن اور اس کے رہنما مسٹر نور الاسلام صاحب کی ہمیشہ کی طرح چاہت یہی تھی کہ تمام تنظیموں کو کالعدم کرکے انضمام کی شکل میں قومی سطح کی ایک ہی متحدہ جماعت کی تشکیل کی جائے، انہوں اپنی رائے کی حمایت میں کچھ دلائل بھی پیش کئے، جن میں سے ایک یہی ہے کہ:

''افرادی اعتبار سے ہماری قوت ویسی بھی بہت کم ہے، اگر ہم مختلف تنظیموں میں منقسم رہیں گے جس طرح ابھی ہیں، تو ہماری قوت اور بھی کم ہوجائے گی، اسی لئے ضروری ہے کہ پوری انضمامی شکل میں ہم ایک ہی پلیٹ فارم اور ایک ہی جماعت کے سائے تلے جمع ہوجائیں''۔

(۲) لیکن محترم شیخ سلیم اللہ صاحب کا موقف یہی تھا کہ:

''ماضی کے طویل تجربات اور وقت کی نزاکت اور حالات کا تقاضا ہے کہ ہر ایک تنظیم اپنی اپنی جگہ متحرک رہتے ہوئے قومی سطح پر متحدہ طور پر کام کرنے کے لئے ایک متحدہ مجلس عمل یا رابطہ کمیٹی کی تشکیل کی جائے، اور دنیا میں آج کل ہماری اس نوعیت کے کام کو سرانجام دینے کے لئے ایک ہی تنظیم میں انضمام ہونے کے بجائے مجلس تنسیقی، یا متحدہ مجلس عمل یا رابطہ کمیٹی جیسے پلیٹ فارم کی مقبولیت نمایاں ہے، اور جو جمہوریت کا تقاضا بھی ہے، علاوہ ازیں ماضی کے تلخ تجربات ہمارے سامنے

ہیں کہ ایک تنظیم میں انضمام کی وجہ سے کتنی پریشانیاں لاحق ہوگئی تھیں، اور تو اور تنسیقی پلیٹ فارم کے بجائے پورے انضمام کی وجہ سے باہمی رسہ کشی اور اختلاف مٹنے کی جگہ افتراق سے بڑھ کر مخاصمت تک کا دور شروع ہوگیا تھا، اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ ہم انضمامی شکل کو ہمیشہ کے لئے مسترد کرتے ہیں، بلکہ مطلب یہی ہے کہ ایک مجلس عمل میں کام کرتے کرتے اللہ کرے تو ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ ہم پورے طور پر انضمام کے مستعد اور لائق ہو جائیں گے، ویسے حالات کے پیدا ہونے یا کرنے سے پہلے انضمام کی کوشش مفید ہونے کے بجائے مضر ہونا یقینی ہے''۔

محترم مولانا سلیم اللہ اور مسٹر نور الاسلام صاحبان کے مابین ان مذکورہ موقف ورائے کے حوالے سے بہت ساری باتیں ہوئیں، اور دونوں نے خاص طور پر ۲۰۰۶ء کے دوران مختلف طول طویل ملاقاتیں بھی کیں، مگر رائے کا یہ اختلاف اپنی جگہ برقرار رہ گیا تھا، لیکن ان دونوں رہنماؤں کے مابین مفاہمت کے لئے شان لیڈر مسٹر ہانگ اونگ شوے نے بڑی کامیاب کوشش کی تھی، اس سلسلے میں انگنت رابطے اور مراسلے کے علاوہ خود مسٹر ہانگ اور محترم نور الاسلام صاحب نے سعودی عرب کے مختلف دورے بھی کئے تھے، چنانچہ اس سلسلہ کا ایک دورہ ۲۰۰۷ء میں بھی کیا تھا، اور منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) کے صدر دفتر جدہ میں ان دونوں نے مولانا سلیم اللہ صاحب بشمول مسٹر طلال داؤس (ڈائرکٹر برائے مسلم اقلیات او آئی سی) سے تفصیلی گفتگو کی، پھر یہاں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ مولانا سلیم اللہ صاحب کے اس مذکورہ موقف کی طرح مسٹر ہانگ کی رائے بھی انضمام کے بجائے مجلس تنسیقی کی طرف تھی، بہر حال بالآخر مفاہمت ہوگئی کہ انضمام کے بجائے ایک مجلس عمل یا رابطہ کمیٹی کی تشکیل دی جائے، اور منظمۃ التعاون الاسلامی کی طرف سے مسٹر ہانگ کو اسے عملی جامہ پہنانے کی ذمے داری بھی سونپی گئی تھی۔ بہر حال ۲۰۱۱ء میں ارکان روہنگیا یونین (ARU) کا اعلان ہوا، جس کے مولانا سلیم اللہ صاحب چار موسسین میں سے ایک تھے۔

اس کے بعد دشمنوں کی دشمنی کے نتیجے میں مولانا سلیم اللہ صاحب سعودی عرب میں نظر بند ہو گئے تھے، اس دوران ارکان روہنگیا یونین (ARU) بھی باہمی اختلافات کی شکار ہوگئی تھی، لیکن اگلے چند

سال بعد آپ کو رہائی ملی تو آپ نے اس یونین کو اصلاح کرنے کی حد درجہ کوشش کی تھی، اس حوالے سے میرا ایک اقتباس ملاحظہ ہو کہ:

''راقم سطور بحیثیت ایک غیر جانب دار تجزیہ نگار کے آج یہ کہنے پر گویا مجبور ہے کہ ہمارے دانشور موسسین میں سے اے آر یو کے ایسے حالات میں لے دے کر ایک مولانا سلیم اللہ عبد الرحمن صاحب رہ گئے ہیں کہ اگر چہ ۲۰۱۳ء کے دوران آپ ایک افسوسناک حالت کے شکار ہوکر نظر بند تھے، مگر اس سے خلاصی کے بعد ہی انہوں نے اے آر یو کے حوالے سے مسلسل اصلاحی کوششیں شروع کردیں، انہوں نے اپنی حکمت، بصیرت، اور طویل تجربات کو بروئے کار لاتے ہوئے اصلاح کے حوالے وہ کوششیں کیں جو ان کی ذات سے متوقع تھیں اور ہیں، ان کی متنوع سرگرمیوں اور کردار سے صاف ظاہر ہے کہ کاش کہ آپ ۲۰۱۳ء میں نظر بندی جیسے حالات کے شکار نہ ہوتے، شاید ارکان روہنگیا یونین کا یہی حال ہوتا یا ہوسکتا۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے کہ اصلاح کے حوالے سے انہوں اپنی روشن ضمیری، صلابت فکری، حاضر دماغی اور قومی امور میں اپنے طویل تجربات کا بین ثبوت دیا ہے، جن کا اجمال کچھ یوں ہے:

☆ یہ تو ظاہر ہے کہ ایک ارکان روہنگیا یونین تو کیا بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے عموما روہنگیا مسلمانوں کے درپیش مسائل اور ان کے حل کے لئے خصوصا منظمۃ التعاون الاسلامی ایک بہت ہی اہمیت کی حامل تنظیم ہے، ہمارے لئے یہ ایک خوش قسمتی ہے کہ مولانا سلیم اللہ صاحب کی مستقل رہائش سعودی عرب کے معروف شہر جدہ میں ہے۔ چوں کہ منظمۃ التعاون الاسلامی کا مرکزی دفتر بھی جدہ میں ہے، اور عرصۂ دراز سے محترم مولانا کو منظمۃ التعاون کے ساتھ خوش گوار تعلقات بھی، یوں انہوں نے آئے دن اپنے دیرینہ تعلقات کے سہارے اصلاح اے آر یو کے حوالے سے وہ کام انجام دیئے جو حقیقی معنی میں وقت کی اہم ضرورت تھی، اس حوالے سے کوئی جانے یا نہ جانے اور مانے یا نہ مانے راقم سطور اس کا

عین شاہد ہے، انہوں نے اپنے طور پر بڑی خاموشی، خاصی درک بینی سے ایسے کام انجام دیئے، جو قابل صد ستائش ہیں، اور اس سلسلے میں اصلاح کے حوالے سے انہوں نے بڑی باریک بینی اور عرق ریزی کے ساتھ جو تحریری فارمولے تیار کئے، اس کے بل بوتے پر آج کم سے کم ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اور کچھ ہو نہ ہو اے آر یو کے حوالے سے ماضی میں جو افراتفری ہو چکی ہے اگلے دن ان تمام خرابیوں، بدعنوانیوں اور افراتفریوں کا سد باب ضرور ہوگا، اور توقع ہے کہ اگر اے آر یو کو حقیقی معنی میں اصلاح کرنا ہے تو ان کی یہی کوشش اور جد وجہد بڑی بار آور ثابت ہوگی، انشاء اللہ تعالی۔

☆ دوسری طرف قحط الرجال کے اس عالم میں محترم مولانا سلیم اللہ صاحب سر دست ہماری برادری میں اور کچھ ہو یا نہ ہو کم سے کم ارکان روہنگیا یونین کی اصلاح کے حوالے سے ایک برمحل اور موزون شخصیت ہیں، انہوں نے کم سے کم پچھلے تین چار سالوں سے اے آر یو سے متعلقہ تقریبا تمام موثر منظمات، شخصیات اور گروپوں سے ایک غیر جانب دارانہ، مربیانہ اور مشفقانہ تعلقات استوار کئے اور رکھے ہوئے ہیں، جن کے نام لئے جائیں تو فہرست بڑی طویل ہونے کا اندیشہ ہے، اس حوالے سے انہوں نے خفیہ اور علانیہ طور پر مختلف موثر شخصیات، گروپوں اور جماعتوں سے ڈھیر ساری ملاقاتیں کیں، جلسے کیے، جن میں اختلاف و اتفاق کر نے والوں کے علاوہ خود ڈاکٹر وقار الدین صاحب سے مختلف اور طویل ملاقاتیں قابل ذکر ہیں، جن کے نتیجے میں کم سے کم کچھ باہمی افہام وتفہیم اور بحالی اعتماد کے ساتھ ساتھ ہماری قومی وسیاسی ماحول وفضا میں احساس ذمے داری اور شعور وآگہی پیدا ہوئی، عوام تو عوام بلکہ اکثر خواص بھی ہماری سیاسیات کے حوالے سے جس نا امیدی، کسل مندی اور بدظنی و بدگمانی کے گرداب و بھنور میں عرصۂ دراز سے پھنسے ہوئے تھے، ان سے گلوخلاصی کی ایک روشن اور واضح راہ دیکھے، ناامیدی کے اس

عالم میں ہمارے لوگوں کو امید کی ایک کرن نظر آئی، تاہم افسوس اور معذرت کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے درمیان کچھ ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں، جن کو ان کے حسد اور بے جا غرور و پندار نے دے مارا ہے، ان کی طبیعت ہی کچھ ایسی نکلی کہ خود تو کچھ نہیں کرتے اور نہ ہی کر سکتے، مگر کوئی کرنے والوں کے سامنے روڑے اٹکاتے رہتے ہیں، آئے دن بال سے کھال نکالتے اور باتوں کے بتنگڑ بناتے پھرتے ہیں، ہمیں ایسے منفی رویے رکھنے والوں سے ہشیار رہنے کی اشد ضرورت ہے''۔

۲۰۰۶ء کے آگے پیچھے مولانا نے اپنی تنظیم کے حوالے سے موقف میں کافی تبدیلی لائی اور مسلح سرگرمی کو خیر باد کہتے ہوئے آپ نے روہنگیا لیڈر یریٹی آرگنائزیشن برائے حقوق (RSOR) کا اعلان کر دیا، جس کے بعد آپ اپنی سیاسی سرگرمی میں یک سو ہو گئے ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ مولانا سلیم اللہ صاحب سیاسی، فکری، تنظیمی، تعلیمی، ثقافتی، تدریسی، فلاحی جیسی قومی خدمات کے میدان میں ہمیشہ پیش پیش ہیں، لیکن برعکس دیگر کہ آپ ہمیشہ اپنی خدمات کو اپنی جماعت کی طرف منسوب کرتے رہتے ہیں۔

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن برائے حقوق (RSOR) کے بعض اہم کارنامے، ۱۹۹۸ء سے تا حال کے متعلق اس تنظیم کا اعلامیہ ملاحظہ ہو کہ:

۱۹۹۸ء میں نئی حکمت عملی کی ترتیب کا پس منظر

دنیا بھر کے سامنے عموما اور میانمار کے قرب وجوار کے ممالک کے سامنے سے خصوصا گئی صدی کے نویں عشروں کے دوران ۱۹۹۸ء سے قبل ارکان کے روہنگیا مسلمانوں کے مسائل بڑے حساس اور بڑے اشتعال انگیز مراحل سے گزر رہے تھے، یہ اس حیثیت سے کہ یہاں کے مسائل بعض ایسے افکار وخیالات کے ساتھ شہرت پا چکے تھے، جنہیں نہ اقوام عالم خوش آئند کہہ سکتی تھیں اور نہ آس پاس اور پڑوس کے ممالک، اور ان افکار وخیالات کے حاملین جن میں بعض جماعات بھی تھیں اور بعض قیادتیں بھی، نرے جذبات سے سرشار ہو کر جہاد اسلامی کے بل بوتے پر کوئی مقبوضہ ارکان کی مکمل آزادی اور کوئی یہاں اسلامی ریاست کے قیام کے مطالبے کر رہی تھیں، اور تو اور ۱۹۸۶ء سے ۱۹۹۶ء کے

دوران ہمارے بعض ناعاقبت اندیش عناصر کی سرستی میں کئے گئے غیر دانشمندانہ اور متشددانہ خیالات وکردار خاص طور پر قرب وجوار کے ممالک کے یہاں معروف تھے، ان عناصر نے کسی بھی گہری سوچ بچار اور تنظیم کی مجلس عاملہ وشوری کی مرضی کے بغیر سرزمین ارکان میں مسلح جدوجہد شروع کردی تھی، اب ان کے ناعاقبت اندیشانہ کردار واعمال اور سرگرمیوں کے نتائج یوں سامنے آئے کہ وقت سے پہلے برمی حکومت ارکان کے نہتے روہنگیا مسلمانوں پر ازسرنو ظلم وجبر کے پہاڑ توڑنے لگی اور اس نے ارکان کے گوشے گوشے میں آئے دن نت نئے ناموں سے اپنی افواج پھیلانی شروع کردیں، اور ارکان سے روہنگیا مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے نابود کرنے کے بطور ان پر ایک سوچے سمجھے پلان کے تحت دل کو دہلا دینے والے مختلف نوعیت کے مظالم ڈھانے لگے، اور یہاں امن وآشتی کے خلاف نفرت، عصبیت اور عنصریت کو ہوا دے کر مسلمانوں کے قتل، غارت گری، اموال واراضی کی ضبطی، اور ان کو اپنے ہی وطن میں بے وطن بنانے اور ان کی جگہ بودھوں کی بستیوں کے قیام جیسی سرگرمیوں کا ایک انتھک سلسلہ شروع کردیا گیا۔

سیاسی موقف کی تغییر، قیادت کی تبدیلی کے ساتھ:

یوں تو ظاہر ہے کہ ہمارے ان عناصر کی مذکورہ تمام سرگرمیاں سیاسی حکمت عملی کے حوالے سے ناعاقبت اندیشانہ اور غیر دانشمندانہ تھیں، شدت پسندی کی بنیاد پر ویسے ان کی نامعقول اور بے جا حرکتوں کی وجہ سے تنظیم کی قیادتیں داخلی خلفشار کی شکار ہوگئی تھیں، ایسے حالات میں ہم اس بات پر مجبور ہوئے کہ وقت کی نزاکت کو دیکھیں، زمینی حقائق کو پرکھیں اور ماضی وحال کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے مستقبل کے لئے ایک مثبت وصحیح لائحہ عمل مرتب کریں، یوں ہم نے اپنے گردوپیش کے حالات کا ازسرنو جائزے لیتے ہوئے نئی حکمت عملی کے ساتھ ایک مناسب اور برمحل سیاسی موقف اختیار کیا، ایسی جامع حکمت عملی اور ایسے واضح سیاسی موقف جو ایک مثبت انداز میں روہنگیا مسلمانوں کے سیاسی تناظر کو بھی بدل دے اور عالمی واقلیمی سیاسی فضا بشمول آئے دن تغییر پذیر اس سیاسی وانسانی دنیا کے لئے قابل قبول بھی ہو، اس حوالے سے ایک بیان ملاحظہ ہو:

’’ویسے ہم نے ۱۹۹۸ء میں قیادت کی تبدیلی کے ساتھ ایک جامع سیاسی موقف اختیار

کیا، اور ہم نے ارکان میں ہمارے جائز ومساوی حقوق کی بازیابی کے ساتھ میانمار میں فیڈرل جمہوری نظام کی بحالی کا مطالبہ پیش کیا، جو برطانیہ سے اس کی آزادی کے بعد بھی تھا، اور جس کی تائید دنیا بھر کی تمام بین الاقوامی تنظیموں کے میثاق کررہے تھے، اور ایک ایسا سیاسی موقف اختیار کیا جو ایک طرف ہمارے تمام اہداف کے حصول کا ضامن بھی ہو اور ہمارے مسائل کے حل کے حوالے سے تمام علاقائی وبین الاقوامی حالات اس کا ساتھ بھی دے سکے، پھر اللہ تعالی کے اس قول کو سامنے رکھتے ہوئے ہم نے اپنی تنظیم کے نام کے ساتھ اس کے شعار ودستور کی تبدیلی کی کہ: { **ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن ان ربک هو اعلم بمن ضل عن سبیله وهو اعلم بالمهتدین** } چنانچہ اللہ تعالی کے فضل وکرم اور ہماری جماعت کی انتھک کوشش وکاوش پھر عالم اسلامی وعالمی برادری اور تمام بین الاقوامی تنظیموں اور بڑے بڑے ملکوں جن میں بطور خاص خادم حرمین شریفین شاہ عبد اللہ بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی حکومت ناقابل فراموش ہے کے مسلسل تعاون کی بدولت ہمارے مسائل تمام بین الاقوامی محفلوں اور جمیع انسانی حقوق کی مجالس میں بطور انسانی مسائل شمار ہوچکے ہیں‘‘۔

پھر مزید یہ کہ:

’’ادھر ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ ہماری جماعت جس کی تاسیس گئی صدی کے آٹھویں دہائی کی ابتدا میں ہوئی تھی، اس نے خصوصی طور پر تعلیمی اور رفاہی میدانوں میں اندرون وطن اور بنگلا دیش میں ہمارے مہاجرین کے مابین بہت سارے مثبت کارنامے بھی انجام دیئے تھے، جن میں مساجد کی تاسیس، مدرسوں کا تعاون، داعیان اسلام کی سرپرستی اور مساکین وایتام کا کفالہ، صاف پانی کی کنویں کا بندوبست، اسکالرشپ کے علاوہ عالم اسلامی سمیت دیگر ملکوں کی مختلف یونیورسٹیوں میں روہنگیا طلبہ کی رہنمائی اور داخلہ قابل ذکر اور ناقابل فراموش ہیں‘‘۔

تنظیم کے موقف، حکمتِ عملی اور طریقۂ کار کی تبدیلی:

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSOR) کے بیان کے مطابق:

(۱) ۱۹۹۸ء میں اس تنظیم کی ایک کامیاب کوشش کے نتائج یوں سامنے آئے کہ مستقبل میں روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کے حوالے سے تنظیم کی مجلس شوری نے گہری سوچ بچار، طویل بحث وگفتگو اور گہرا تجزیہ وتحلیل کے ذریعے نئی سیاسی حکمت عملی اور نئے طریقۂ کار کا ایک سنہرہ مسودہ تیار کرنے میں کامیابی حاصل کی، جہاں روہنگیا مسائل کے حوالے سے دنیا کے بعض مفکرین، مبصرین اور سیاستدانوں سے صلاح ومشورہ اور ان کی رہنمائی سے استفادہ کیا گیا تو وہاں ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۸ء کے دوران ہماری مختلف قیادتوں کی متنوع سرگرمیوں اور تجربوں اور ان سے مرتب ہونے والے اثرات سے بھر پور فائدہ بھی اٹھایا گیا، تنظیم کا یہ ایک بڑا اور اہم کارنامہ تھا، جو روہنگیا قوم کے سیاسی مستقبل کے حوالے سے ہوا ہو۔

(۲) ۱۹۹۸ء میں تنظیم کی مجلس شوری کی قرارداد، فیصلے اور ہماری نئی حکمت عملی اور جامع طریقۂ کار کے مطابق ۲۰۰۲ء کو ہم نے اپنی تنظیم کے نام، دستور اور منوگرام کی تبدیلی کی، تا کہ ہمارے نئے اور قابل قبول پرامن سیاسی موقف اور تنظیم کے نام کے مابین پوری مطابقت اور ہم آہنگی پیدا ہوجائے، اور اسلامی اور بین الاقوامی سیاسی حلقوں اور بطور خاص قرب وجوار کے ملکوں کو ہمارے متعلق کوئی خلش باقی نہ رہے۔ اور

(۳) مذکورہ بالا نمبر ایک میں اشارہ شدہ سیاسی حکمت عملی اور طریقہ کار کے مطابق قوم میں مناسب و معقول سیاسی فضا کے ہموار کرنے کی جدوجہد کی گئی۔

(۴) سرزمین ارکان کی تاریخ وجغرافیہ کے مطابق اقوام عالم اور قرب وجوار کے ملکوں کی سیاسی اور ڈپلومیٹک حکمت عملیوں اور نقطہائے نظر کے تناظر میں روہنگیا قوم میں نئے سیاسی افکار کی نشر واشاعت کی گئی۔

پرامن بقائے باہمی اور رواداری کا موقف:

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSOR) کے بیان کے مطابق:

(۱) پرامن بقائے باہمی، برداشت اور رواداری کے اصولوں کے پیش نظر، ہماری دوراندیشی وگہری حکمت عملیوں کے بطور سرحد کی بودھ اقلیتوں کو حسن معاملات اور اخلاق کریمہ کے ذریعے پورے طور پر مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی، تا کہ وطن عزیز میں امن وسلامتی کے حوالے سے ہمیں ان کی بھر پور

تائید وحمایت حاصل ہوسکے۔

(۲) میانمار کے حزب اختلاف، یہاں کی اقلیتوں، نسلی گروہوں بشمول روہنگیا مسلمانوں کی مختلف جماعتوں میں ایک جامع اور قابل قبول متحدہ، پرامن سیاسی حکمت عملی اور طریقۂ کار کے افکار کی اشاعت کی گئی، تا کہ ان کے مابین وحدت فکر وعمل کی فضا قائم ہوجائے۔

(۳) روہنگیا مسئلہ کے حوالے سے سیاسی پس منظر کی تبدیلی اور اقوام عالم اور عالم اسلامی اور بطور خاص پڑوسی ملکوں کے سامنے اس مسئلہ کے مستقبل کے متعلق ایک پرامن اور واضح روڈ میپ کے پیش کرنے میں ہماری تنظیم کا بہت بڑا کردار رہا ہے۔

تعلیمی وثقافتی انقلاب کی کوششیں:

(۱) ہونہار روہنگیا طلبہ کو ملک وقوم کے ایسے نازک حالات میں بھی پڑھائی کی ہمت دلائی گئی، اور دنیا کے مختلف ملکوں کی یونیورسٹیوں میں ان میں سے مستعد طلبہ کو حصول تعلیم کے لئے بھیجا بھی گیا۔

(۲) روہنگیا قوم اور اس کی نئی نسل کو اپنے مستقبل کی تعمیر وترقی کے لئے اعلی تعلیم کی طرف توجہ دلائی گئی اور جارہی ہے، اس سلسلے میں ان کو ضروری تعاون بھی کیا گیا اور اب بھی کیا جارہا ہے۔

(۳) اس حوالے سے ہماری ایک اہم کامیابی یہ ہے کہ ۲۰۰۰ء میں ہماری تنظیم کی کوشش کے نتیجے میں مملکتِ سعودی عرب کے فرمان روا خادم الحرمین الشریفین نے سالانہ ایک سو روہنگیا طلباء کی اسکالر شپ کی منظوری دی ہے، تا کہ وہ ہماری تنظیم کی زیرِ نگرانی مملکت سعودی عرب کے مختلف جامعات میں اعلی تعلیم حاصل کرسکیں۔

قرب وجوار کے ملکوں کو مطمئن کرنے کی کوشش:

(۱) رابطوں، ملاقاتوں اور یادداشتوں کے ارسال کے ذریعے قرب وجوار کے ملکوں کو ہمارے سیاسی موقف اور اگلے طریقۂ کار سے مطمئن کر کے ہم اور ہماری کارکردگی کے حوالے سے ان کے اندر پائے جانے والے اندیشے، خدشے اور خلش کو مٹانے کی کوشش کی گئی ہے، جس کا سلسلہ تا حال جاری ہے۔

(۲) میمورنڈم پیش کر کے یا مختلف ذرائع کو بروئے کار لا کر ہمارے سیاسی طریق کار کی نشر واشاعت اور عالمی کانفرسوں میں شرکت یا دیگر پرامن سرگرمیوں کے ذریعے ہماری نئے سیاسی موقف کی

اشاعت وسیع پیمانے پر عالمی برادری میں کی گئی ہے۔

(۳) بطور خاص بین الاقوامی تنظیموں اور بڑے اور طاقتور ملکوں کے ہاں میمورنڈم پیش کر کے یا عالمی کانفرسوں میں شرکت کے ذریعے ہمارے مسئلہ کو جہادی مسئلہ سے پھرا کر ایک سیاسی وانسانی مسئلہ کی طرف لے جانے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ عالمی برادری ہماری سرگرمیوں سے مطمئن ہو سکے اور وہ اپنی توجہ ہماری طرف مبذول کرنے میں پس وپیش نہ کرے۔

علاقائی اور بین الاقوامی کانفرسوں میں شرکت:

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSOR) کے بیان کے مطابق:

(۱) اسلامی، علاقائی اور بین الاقوامی سیمناروں اور کانفرسوں میں شرکت کر کے روہنگیا مسلمانوں کے حل طلب مسئلہ کو بین البراعظمی اور بین الاقوامی مسئلہ کے بطور متعارف کرایا گیا، جس میں ہماری جماعت کا خاص اور کامیاب کردار رہا ہے۔

(۲) بین الاقوامی مجالس میں شرکت اور دنیا کی بڑی بڑی شخصیتوں سے ملاقات کر کے ہماری سیاسی موقف کو ان شخصیتوں اور ان عالمی تنظیموں کے سامنے واضح کیا گیا ہے۔

(۳) سیمنار اور کانفرسوں کے ذریعے دنیا کے چند ممالک کی بہت ساری عالمی تنظیموں کے زیر سائے اور منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) کے تعاون سے روہنگیا تنظیموں اور لیڈروں کو ایک جامع ومتحدہ سیاسی موقف اور حکمت عملی کے اختیار کرنے کے لئے ذہنی اور فکری اور عملی طور پر تیار کیا گیا ہے۔

(۴) منظمۃ التعاون الاسلامی کے ممبر ملکوں اور یورو برما آفس کے لیڈروں کے تعاون سے روہنگیا مسلمانوں میں پائی جانے والی تنظیموں کی مشارکت میں ایک مجلس عمل یا رابطہ کمیٹی کی تاسیس (جو عالمی اور علاقائی سیاسی حلقوں اور جدید میانمار کے بدلتے ہوئے حالات پر اثر انداز ہو سکے) کی بھرپور کوشش کی گئی، جس میں کامیابی بھی ہوئی ہے۔

(۵) ۲۰۰۵ء میں ہماری تنظیم کے محترم جنرل سکریٹری صاحب نے سابق او آئی سی جنرل سکریٹری پروفیسر اکمل الدین احسان اوغلو سے آفیشیل ملاقات کی، جس میں آنجناب پروفیسر صاحب کو تفصیلی طور پر روہنگیا مسلمانوں کے مسائل سے آگاہ کیا گیا تھا۔

(۶) ممالک اسلامیۃ وعربیۃ میں ہمارے مسائل کے حل کے حوالے سے آفیشیل طور پر ہماری تنظیم کی طرف سے مختلف وفود بھیجے گئے، جس میں خاصی کامیابیاں بھی ہوئیں۔

(۷) منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) اور بطور خاص اس کی اعلی سطحی چند کانفرسوں میں ہماری تنظیم کے وفود نے شرکت کی، جن میں اہم کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں۔

(۸) ہماری تنظیم کے وفود نے عالمی لیڈروں، رہنماؤں، اور بین الاقوامی تنظیموں کے نمائندوں اور حقوق انسانی کے علمبرداروں کے پاس روہنگیا مسائل کو پہنچانے میں کامیابی حاصل کی۔

(۹) ہماری تنظیم کے لیڈروں نے روہنگیا مسلمانوں کے مسائل اور ان کے جائز مطالبوں کے حوالے سے اسلامی وعربی ملکوں کے صدور، امیروں، وزیروں اور مختلف عالمی اور بین الاقوامی تنظیموں کے لیڈروں سے ملاقاتیں کیں۔

(۱۰) ۱۹۴۷ء کے بعد تجدید معاہدہ کے حوالے سے تھائی لینڈ کے دارالحکومت بنکاک میں ۲۰۰۶ء میں منعقدہ تاریخی اجلاس کے بعد روہنگیا تنظیموں کو ایک خاص طریقۂ کار اور بامعنی حکمت عملی کے ساتھ ایک مجلس عمل یا رابطہ کمیٹی (جس کی عملی شکل ۲۰۱۱ء میں دی گئی تھی اور جسے ارکان روہنگیا یونین کے نام سے جانا جاتا ہے) کی بنیاد رکھنے کے لئے رضامند کیا گیا۔

روہنگیا مسئلہ ایک عالمی انسانی مسئلہ ہونے کا اعتراف:

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSOR) کے بیان کے مطابق:

(۱) اقوام عالم، عالم اسلامی اور پڑوسی ملکوں سے تائید حاصل کرنے اور ہماری حکمت عملی کے ضمن میں ہم اللہ تعالی کے بے حد شکر گزار ہیں کہ علاقائی اور عالمی حلقوں کی نظر میں ہمارا مسئلہ ایک مذہبی و اسلامی مسئلہ سے کلی طور پر ایک سیاسی اور انسانی مسئلہ میں تبدیل ہو گیا ہے۔

(۲) ہماری تنظیم روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن برائے حقوق (RSOR) نے اپنے مختلف لیڈروں کے تعاون سے ایک کامیابی یہ بھی حاصل کی کہ اس نے اپنی بڑی کوشش اور طویل جدوجہد سے بین الاقوامی مجالس اور بڑے بڑے ملکوں سے اس بات کا اعتراف کروالیا کہ روہنگیا مسئلہ ایک عالمی، انسانی، قانونی اور سیاسی حل طلب مسئلہ ہے۔

تنظیم کے لیڈران سعودی حکومت کی آفیشل دعوت پر:

۲۰۰۵ء کے دوران ہماری تنظیم روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن برائے حقوق (RSOR) کے لیڈروں کو سعودی حکومت نے آفیشل دعوت دی تو تنظیم کے اس وقت کے صدر مولانا شیخ دین محمد کی زیرِ قیادت اور نائبِ صدر مولانا سلیم اللہ عبد الرحمن کی مشارکت میں ایک وفد نے ریاض کا دورہ کیا، جہاں مختلف روہنگیا مسائل کے حوالے سے اہم سیاسی پیش رفت ہوئی اور سعودی حکومت کی طرف سے اس حوالے سے لاجسٹک سپورٹ کا وعدہ بھی ملا، الحمد للہ اس کا سلسلہ اس زمانے سے لے کر آج تک مختلف انداز میں جاری ہے۔

تنظیم ایک قانونی تنظیم ہونے کا اعتراف:

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSOR) کے بیان کے مطابق:

(۱) ہماری تنظیم روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن برائے حقوق (RSOR) نے عالم اسلامی کو بھی اس بات کا معترف کروالیا کہ یہ اقوام عالم کے سامنے روہنگیا مسلمانوں کی طرف سے قانونی نمائندہ تنظیم ہے۔ ارکانی مسلمانوں کے مستقبل کے حوالے سے یہ ایک بڑی کامیابی ہے، دراصل یہ ہماری طویل جدوجہد اور انتھک کوششوں کا بارآور ثمرہ بھی۔

(۲) اور آخر میں ہم ایک اہم قومی کامیابی کا تذکرہ بھی کرتے ہیں کہ عالم اسلامی بشمول دنیا بھر کے مسلمانوں کے درپیش حل طلب مسائل اور اس ضمن میں روہنگیا مسئلہ کے حل کے لئے سعودی عرب کے فرمانروا مرحوم شاہ عبداللہ بن عبد العزیز نے ارض مقدسہ مکہ مکرمہ میں فوری طور پر مگر بڑے اہتمام کے ساتھ ایک انوکھی اور تاریخی اسلامی سربراہی کانفرس کا انعقاد کرایا تھا۔

اوآئی سی میں ممبر شپ حاصل کرنے کی جدوجہد:

(۱) ۲۰۰۷ء کو اسلام آباد پاکستان میں منعقدہ منظمۃ التعاون الاسلامی کی وزرائے خارجہ کانفرنس میں ہماری ایک تاریخی کامیابی ہوئی تھی، وہ ایسی کہ ہماری جماعت نے اوآئی سی میں بحیثیت مبصر ممبر شپ کے حصول کے لئے بعض مؤثر اسلامی ملکوں سے شفارشات حاصل کر لیں، جس کی بنیاد پر ہمارے حق میں وہاں جو قرارداد پاس ہوئی، حاضر خدمت ہے:

''یہ کانفرس منظمۃ التعاون الاسلامی کی سکریٹریٹ سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کو اوآئی سی میں بحیثیت مبصر ممبر شپ دینے پر غور کرے، جو اس جماعت کا دیرینہ مطالبہ ہے اور جس کے حصول کے لئے عرصۂ دراز سے اس کی مسلسل کوشش کی جارہی ہے، تاکہ اسے اپنے حق بجانب (قومی) مسئلہ کے حل کے لئے ہمدردی، تعاون وحمایت حاصل ہو سکے''۔

ایک متحدہ مجلس عمل یا رابطہ کمیٹی کی تاسیس کی کوشش:

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSOR) کے بیان کے مطابق:

یہاں اس تذکرے سے صرف نظر کہ ارکان روہنگیا یونین کی تاسیس کیسی ہوئی کہ ضروری سمجھتا ہوں کہ کچھ ضروری باتوں کا تذکرہ کردیا جائے، ان میں سے ایک ضروری بات تو یہ ہے کہ ہماری قومی سیاسیات سے واقف جانتے ہیں کہ ۱۹۹۸ء میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) اور ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (AIRF) کے لیڈروں اور قوم کے بعض دل جلے سیاست دانوں کی طویل جدوجہد کے نتیجے میں قومی سطح کی ایک متحدہ تنظیم وجود میں آئی تھی، جسے دنیا ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کے نام سے جانتی پہچانتی ہے، مگر افسوس اور دکھ کی بات ہے کہ ابھی اس موخر الذکر تنظیم کے اعلان کے چند مہینے بھی نہیں گزرے کہ اس میں اضمحلال اور دراڑے پڑ گئے تھے، حتی کہ اگلے چند مہینوں میں لیڈروں کے مابین اختلافات سے بڑھ کر افتراق اور مخاصمت کا دور دورہ ہوگیا تھا، بالآخر قومی اتحاد کے حوالے سے کی جانے والی ساری تمنائیں خاک میں مل گئی تھیں۔

تاہم ہمارے لئے یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ ہماری سیاسی اور انقلابی میدان میں اگرچہ ہمارے لیڈروں کے اختلافات، افتراق اور باہمی رسہ کشی اور مخاصمت کی باتیں بہت مشہور ہیں، لیکن ان باتوں کے ساتھ ساتھ ایک قومی اتحاد کے لئے ماضی میں ہمارے لیڈروں اور رہنماؤں نے بڑی بڑی کوششیں بھی کی تھیں، تاکہ قومی سطح پر اشتراک عمل کے لئے راہ ہموار ہو سکے، اس سلسلے میں ابھی جو عرض کی گئی ہے کہ ۱۹۹۸ء میں قومی سطح کی دو متحرک جماعات کو کالعدم کر کے ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کی تاسیس کی گئی تھی، مگر تجربہ نے ثابت کردیا کہ ہمارے ایسے حالات میں تنظیموں کو کالعدم کر کے انضمام

کی شکل میں ایک ہی جماعت میں لے آنا کوئی خوش آئند بات نہیں رہی، ویسے ۱۹۹۸ء کے بعد ایک طویل عرصہ تک شاید ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن والے تلخ تجربات کی وجہ سے قومی سطح پر کام کرنے والی دونوں جماعات یعنی روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن برائے حقوق (RSOR) اور ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کے مابین ایک متحدہ پلٹ فارم کی بات سرد خانے کی شکار ہوگئی تھی، لیکن ۲۰۰۶ء میں ان دونوں جماعات کے لیڈروں جن کے روح رواں محترم نورالاسلام صاحب اور محترم مولانا سلیم اللہ صاحب ہیں کی مسلسل جدوجہد اور مسٹر ہانگ اونگ شوے صاحب (ڈائرکٹر یورو برما آفس) کے تعاون سے قومی سطح کے ایک پلٹ فارم کی تاسیس کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی تھی، اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے ان تھک اور مسلسل جدوجہد بھی کی گئی، مگر ایسے حالات میں ان دونوں تنظیموں کے مابین اس متصورہ یا مجوزہ متحدہ پلٹ فارم کے حوالے سے رائے کا ایک اختلاف سامنے آیا تھا، جس کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے۔

<u>ارکان رہنگیا یونین (ARU) کی تاسیس کی کامیاب کوشش:</u>

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSOR) کے بیان کے مطابق:

(۱) مولانا دین محمد صاحب کے اچانک انتقال کے بعد مولانا سلیم اللہ صاحب نے اس قومی اتحاد کی مشترکہ کوششوں کے سلسلے کو بڑی حد تک جاری رکھا، اور آگے بڑھایا، جس کے نتیجے میں اور کچھ نہ ہوتو منظمۃ التعاون الاسلامی کے ساتھ ہمارا قومی رابطہ استوار ہو چکا تھا، اور اتنا استوار ہوا کہ انہی باضابطہ طور پر اس کے اعلی سطحی اجلاسوں میں دعوت شرکت دی جانے لگی، اور جہاں انہوں قومی امور کی بہت ساری خدمات بھی انجام دی تھیں، ان کی یہ کوشش بعد میں بارآور ثابت ہوئی، البتہ ان کی اس کوشش کی تہ بتہ قومی سطح پر کام کرنے والی دیگر تنظیموں اور لیڈروں کی کوششیں بھی مساوی طور پر جاری رہی تھیں۔

ادھر محترم نورالاسلام صاحب نے بعض ناقابل بیان مجبوریوں جن کی داستان بڑی طویل ہے کی وجہ سے محاذ کی سابقہ تمام کارکردگیوں کو چھوڑ کر برطانیہ میں پناہ لی، پھر ان کا رابطہ برما کے معروف قومی لیڈر ہانگ اونگ شوے (چیرمن یورو برما آفس) سے استوار ہو چکا تھا، جس کے نتیجے میں برمی سیاست کے حوالے سے دونوں لیڈروں کے درمیان تعاون کا سلسلہ شروع ہوا، نورالاسلام صاحب نے روہنگیا

مسلمانوں کے قومی مسائل کے پائدار حل کے لئے مسٹر ہانگ کے اس تعاون کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا، اور ان سے رابطہ ہمیشہ بحال رکھا، اور مسٹر ہانگ نے بھی انہیں بھرپور تعاون کا یقین دلایا، پھر دونوں لیڈروں نے اس بات پر اتفاق کرلیا کہ روہنگیا مسلمانوں کے قومی مسائل کے پائدار حل کے لئے ان مسلمانوں کے مابین پائی جانے والی جماعتوں اور لیڈروں کے اتحاد اور ہم آہنگی ناگزیر ہے، یوں دونوں نے ان مسلمانوں کے حوالے سے کام کرنے والی دیگر جماعتوں بطور خاص روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن برائے حقوق (RSOR) کے لیڈروں سے رابطہ کیا، ساتھ ہی ساتھ ان تمام لیڈروں نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ جماعتوں سے ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ اس ممکنہ قومی اتحاد کے لئے قومی سطح پر معروف اور فعال شخصیات کی شرکت وشمولیت بھی بہت ضروری ہے، چاہے ان کا تعلق کسی متحرک جماعت سے ہو یا نہ ہو۔

(۲) مذکورہ رابطہ کمیٹی کی بنیاد کے لئے ۲۰۰۹ء میں یورو برما آفس آف بروکسل اور منظمۃ التعاون الاسلامی کی مدد سے روہنگیا لیڈروں پر مشتمل ایک سہ رکنی اجلاس کے انعقاد کے لئے خاص طور پر کوشش کی گئی اور بعد میں اس میں کامیاب بھی ہوا۔

(۳) ہمارے طریقۂ کار کے مطابق ۲۰۱۰ء میں یورو برما آفس اور منظمۃ التعاون الاسلامی کے زیر سائے روہنگیا مسلمانوں میں پائے جانے والے نمایاں لیڈروں کے تعاون سے ایک مجلس عمل کی تاسیس میں کامیابی حاصل کی۔

<u>ارکان وبرما میں قیام امن کی کوشش میں رابطہ کی معاونت:</u>

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSOR) کے بیان کے مطابق:

۲۰۱۸ء کے اواخر سے حکومتِ مملکتِ سعودیۃ عربیۃ نے ارکان وبرما میں امن وآشتی لانے کی ایک گرانقدر کوشش شروع کررکھی ہے، اور اس حوالے سے رابطۃ العالم الاسلامی مکۃ المکرمۃ کو اس اہم کام کی ذمے داری سونپی گئی ہے، ماشاء اللہ رابطۃ کے اعلی ذمے داروں نے اس ناگزیر کام کو بحسن وخوبی انجام دینے کی راہ میں کسی قسم کی کسر نہیں چھوڑی، اور اس سلسلے میں آج تک بڑی اہم پیش رفت بھی ہوئی ہے، تو شروع ہی سے رابطۃ کے متعلقہ ذمے داروں نے ہماری برادری کے

بعض لوگوں سے عمومی اور محترم شیخ سلیم اللہ عبدالرحمن سے خصوصی مشورہ کیا، جن کے مشوروں کو بارہا سراہا گیا ہے، اللہ کے فضل وکرم سے اس نیک کام کا سنہرا سلسلہ اب بھی جاری ہے، اللہ کرے کہ مملکتِ سعودی عرب کے زیر سایہ رابطۃ العالم الاسلامی بشمول ہماری یہ کوشش بار آور اور نتیجہ خیز ثابت ہو۔

ارکان روہنگیا یونین کے حوالے سے ایک شبہ کا ازالہ:

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSOR) کے بیان کے مطابق:

قارئین کرام! یہاں ہمیں اس بات کا تذکرہ بہت اہم اور ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ۲۰۱۱ء میں سرزمین امن وبرکت مملکت سعودی عرب کے شہر جدہ اور منظمۃ التعاون الاسلامی کی زیر سرپرستی تاسیس کی جانے والی ارکان روہنگیا یونین (ARU) کو ہمارے بعض لوگوں نے ہماری دیگر سیاسی جماعتوں کی طرح ایک مستقل اور آزاد سیاسی جماعت خیال کیا اور کرتا رہا ہے، مگر اہل فکر و دانش سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ارکان روہنگیا یونین روہنگیا مسلمانوں کے حوالے سے کام کرنے والی جماعتوں کے مابین سیاسی روابط رکھنے یا تنسیق کرنے کا ایک مشترکہ قومی ادارہ ہے، یعنی یہ کوئی ایک مستقل جماعت اور آزاد تنظیم نہیں ہے، اور دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ اسے دراصل تمام روہنگیا جماعات کو روہنگیا سیاسیات کے حوالے سے ایک ہی پلیٹ فارم پر جمع کرنے اور رکھنے کا ایک منصوبہ یا حکمت عملی کے بطور وجود میں لایا گیا ہے، اور یہ ایک مجلس تنسیقی، یا متحدہ مجلس عمل ہے، یا دوسرے الفاظ میں اسے رابطہ کمیٹی بھی کہا جا سکتا ہے۔

یوں بھی دنیا میں جمہوری طرز وتعمیر پر مشترکہ مفادات کے حصول کے لئے کام کرنے کے بطور ملکوں کے مابین اور اسی طرح جماعتوں کے درمیان ہمارے اس طرز کی بہتوں متحدہ مجالس عمل یا مجالس تنسیقی وجود میں لائی گئیں، درحقیقت اقوام متحدہ ہو یا نیٹو، یوروپین یونین ہو یا آسیان، غرض دنیا میں بہتوں ایسی فورم ہیں کہ جنہیں مشترکہ مفادات کے حصول کے حوالے سے مشترکہ طور پر کام کرنے کے لئے بنایا گیا ہے، ہمیں وضاحت کے ساتھ اس لئے کہنا پڑ رہا ہے کہ ہمارے بعض لوگوں نے عملاً یہی سمجھ رکھا ہے کہ ارکان روہنگیا یونین (ARU) ایک مستقل قومی جماعت ہے، لیکن انہیں یہ نہیں معلوم

کہ ہماری روشن خیال قومی قیادات اور ان کے بعض ہم خیالوں اور معاونین نے ایک تنسیقی ادارہ کی تاسیس اس لئے ضرورت سمجھی کہ ہماری ہر ایک جماعتیں یا شخصیتیں اکیلے اکیلے کام کرنے کے بجائے مشترکہ قومی ہدف کے حصول کے لئے سب سیاسی جماعتیں اور شخصیتیں مل کر کام کریں، یوں ظاہر ہے کہ ان جماعتوں اور شخصیتوں کے درمیان روابط یا تنسیق کرنے اور رکھنے کے لئے ایک متحدہ ادارہ کی ضرورت تھی اور ہے، تو ارکان روہنگیا یونین اس ضرورت کی بنیاد پر تاسیس کی گئی تھی۔

☆☆☆

مولانا دین محمد صاحب داروغہ ڈیلوی، منگڈوی، سیاسی وانقلابی قائدورہنما، ومنتظم:

دورآخر میں سرزمین ارکان میں ایک بلند پایہ کے عالم دین، مجاہداورقوم کی ایک رہنما شخصیت بھی گزری ہے، جن کا نام گرامی حضرت مولانا دین محمد صاحب ہے، مولانا کی حیات پر مشتمل اور کچھ نہ ہوتو ایک طویل مقالہ کی ضرورت ہے، سردست اس عجالہ میں تفصیلات کا اندراج ممکن نہیں، پھر بھی کچھ اس طرح ہے کہ مولانا دین محمد صاحب حضرت مولانا سیدا کبر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لائق پوتے تھے۔

مولانا کی پیدائش داروغہ ڈیل منگڈو میں ہوئی، آپ کے والد ایک دین دار اور خداترس آدمی تھے، جوعلم دین اور علماء پسند بھی۔

مولانا نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں پائی، آپ مولانا سیدالامین صاحب کے رشتے دار اور خاص شاگردوں میں تھے، فراغت مدرسہ ضمیریہ قاسم العلوم پٹیہ سے ہوئی، دوران تعلیم آپ کا رابطہ سرزمین ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کی نجات حوالے سے زیرزمین کام کرنے والی جماعت روہنگیا فدائین محاذ سے ہوگیا تھا، محاذ کے درہم برہم ہونے کے بعد روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن سے آپ نے رشتہ جوڑا، ۱۹۸۵ء کے دوران مولانا سیف الاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس کی زیر قیادت ارایس او سے پوری طرح منسلک ہوگئے تھے۔

مولانا اپنی فراغت تعلیم کے بعد جب درس وتدریس کی خدمات انجام دے رہے تھے، اس دوران اندرون وطن ارکان میں روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن کی نمائندگی کرتے رہے، بعد میں سعودی عرب کا سفر کیا، وہاں بھی اس جماعت کے سائے تلے کام کرتے رہے تھے۔

مولانا کو بعد میں ارایس او کی مجلس شوری کا ممبر منتخب کرلیا گیا، ۱۹۹۵ء کے بعد آپ اس تنظیم کے مرکزی نائب صدر بنے، پھر ۲۰۰۰ء میں مرکزی صدر یا امیر منتخب ہوئے، ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کے قیام میں آپ کی کوشش سب سے زیادہ تھی، جو کامیابی سے ہمکنار بھی ہوئی، لیکن موخرالذکر اس تنظیم کے قیام کے چند ماہ بعد آپ نے اس تنظیم سے کنارہ کش ہوکے روہنگیا سالیڈریٹی ارگنائزیشن (RSO) کا دوبارہ اعلان کردیا، جس کے آپ صدر بنے تھے۔

مولانا ۲۰۰۴ء میں حکومت سعودی عرب کی دعوت پر ریاض پہنچے، جہاں آپ کا اچانک انتقال ہوگیا، سعودی حکومت نے آپ کا جنازہ حرم پاک میں لایا اور حرم پاک میں نماز جنازہ کے بعد جنت المعلّی میں دفن کردیا گیا تھا،

مولانا بڑے مدبر سیاست دان، اور بلند حوصلہ کے مالک ایک عالم دین قائد تھے، علاوہ ازیں بلند پایہ کے عالم دین اور جامع المعقول والمنقول شخصیت کے مالک تھے، ان کے اچانک انتقال کے بعد اس جماعت کا زمام اقتدار مولانا سلیم اللہ عبدالرحمن کی طرف منتقل ہوگیا تھا۔

☆☆☆

جناب احسان اللہ صاحب فوئمالوی مرحوم

سیاسی اور انقلابی شخصیت:

جناب احسان اللہ صاحب کی پیدائش جنوبی مشرقی بوسیدنگ کے معروف ومشہور قصبہ فوئمالی میں ۱۹۴۹ء میں ہوئی، کچھ ابتدائی دینی تعلیم اپنی بستی کے مکتب میں پائی، سرکاری پرئمری اسکول سے چوتھی جماعت پاس کر کے بوسیدنگ ہائی اسکول میں داخلہ لیا اور یہاں سے ہائی اسکول فائنل کیا، جو اس زمانے میں مٹرک کا مساوی ہوتا تھا۔

آپ کو بعض قریب سے جاننے والوں کے مطابق احسان صاحب کا مزاج دوران تعلیم بھی کچھ انقلابی سا تھا، برمی بدنام زمانہ جنرل نیون کے دور حکومت میں آپ کمیونزم اور سوشل ازم سے شدید متأثر ہوئے تھے، بعد میں زیر زمین کام کرنے والی اس وقت کی غیر مسلم تنظیم برما کیونسٹ پارٹی (BCP) سے وابستہ ہو گئے تھے، ویسے آپ کے دل ودماغ میں کمیونزم کے خیالات جاگزین ہو گئے ، جو زندگی بھر رہے، بارہا کوششوں کے باوجود اس سے آپ کو علیحدہ نہیں کیا جا سکا تھا۔

بعد میں احسان صاحب ترک وطن کر کے مع اہل وعیال بنگلا دیش آئے اور بمقام رنگیا خالی ٹیکناف مقیم ہو گئے، یہاں آپ نے ایک مختصر سا مکان بنایا اور بقیہ ساری زندگی یہیں گزار دی تھی۔

اس کے بعد آپ سرزمین ارکان کی معروف زیر زمین کام کرنے والی تنظیم روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) میں شامل ہو گئے تھے، لیکن یہاں آپ کے بعض خیالات نے خود اس مؤخر الذکر تنظیم والوں کو پریشان کر دیا تھا، چنانچہ کبھی بھی اس تنظیم کے ارباب بست وکشاد اور نمایاں کارکنوں سے آپ قریب نہیں ہو سکے تھے، سب سے بڑی مصیبت یہی تھی کہ عنفوان شباب سے آپ کے دماغ میں جو کمیونزم کے خیالات گھر کر چکے تھے، اسے آپ جہاں بھی جاتے ساتھ لے کر جاتے تھے، فرد کے سامنے ہو یا اجتماع میں، ہر کجا آپ اپنے کمیونزم اور سوشل ازم والے خیالات سے لوگوں کو متأثر کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے، جو کبھی کبھار لوگوں اور خود آپ کے لئے آفت جان اور مصیبت بن جاتی تھی۔

بایں ہمہ احسان صاحب بڑے صابر وشاکر اور کافی آن بان کے انسان تھے، آپ کی چال بڑی دھیمی اور باوقار ہوتی تھی، جسے دیکھ کر مولانا حسین احمد ابوالفضل صاحب (جو احسان صاحب سے

بسا اوقات مذاق کیا کرتے تھے) ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ ’’احسان صاحب کی چال سے لگتا ہے کہ وہ ایک مدبر انسان ہیں، اور گفتگو بھی اسی مدبرانہ انداز میں کرنے کی کوشش کرتے ہیں‘‘ اس حوالے سے ایک بات یاد آ گئی ہے کہ:

> ’’ایک دن کا واقعہ تھا کہ ہم چند لوگ بشمول جناب احسان اللہ صاحب مولانا حسین احمد ابوالفضل صاحب کے ساتھ بودار ہاٹ، چاٹگام میں پائی جانے والی ریسٹورنٹ (مدینہ ریسٹورنٹ) میں ظہرانہ کے لئے گئے، کھانا منگوایا گیا، ہم سب پیٹ بھر کے کھا کے فارغ ہو گئے، لیکن احسان صاحب کھانا ختم کرنے کا نام بھی نہیں لے رہے تھے، آپ نے کھانا اتنا کھایا کہ ریسٹورنٹ کے خدام لڑکے بھی مزید در مزید کھانے لاتے لاتے تنگ سے ہو گئے اور ریسٹورنٹ کے تقریبا سارے لوگ آپ کی طرف ترچھی نظر سے دیکھ رہے تھے، اب مولانا نے اپنی زبان کھولی اور کہا کہ ’’احسان صاحب خدارا آج تک کے لئے ختم کیجئے! سارے لوگ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں، خداموں کی حرکات وسکنات زبان حال بن کر کہہ رہی ہے کہ یہ کیسا انسان ہے کہ ہم کھانے لاتے لاتے تنگ ہو چکے ہیں، لیکن اس کو خبر تک نہیں اور کھانے پر کھانے بے تھکے نگلتا انڈیلتا جا رہا ہے‘‘ لیکن احسان صاحب پھر بھی چھوڑ نے والے نہ تھے، اور مزید اتنے کھائے کہ ہم سب شرما کے رہ گئے تھے‘‘۔

احسان صاحب سے میری شناسائی تقریبا ۱۹۸۶ء سے تھی، آپ مجھے اکیلے پاتے ہی اپنے پرانے رٹی ہوئی چیز یعنی کمیونزم اور سوشل ازم والی نظریاتی داستان سرائی شروع کر دیتے تھے، بہر حال اور جو کچھ بھی ہو میں آپ کو بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا، اور جو کچھ فرمائے جاتے تھے میں بڑے صبر سے سنتا رہتا تھا، اور شاید کبھی آپ کو یہ بھی یقین سا ہو جاتا تھا کہ آپ نے جو کچھ بھی کہا وہ میرے ذہن نے قبول بھی کر لیا ہو۔ ایسے میں نہ جانے مولانا حسین احمد صاحب کو اس بات کا کیسا پتہ چل گیا تھا کہ احسان صاحب مجھے بہت کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں، ویسے ایک دن مولانا محترم میری موجودگی میں احسان صاحب سے کہنے لگے کہ جناب! طاہر کے سامنے آپ جو باتیں پیش کرتے ہیں آیا وہ سنتا بھی ہے؟ احسان صاحب کی طرف سے جواب ہاں میں آیا تو مولانا کہنے لگے تھے کہ وہ سنتا

تو شاید ہے لیکن میں جہاں تک جانتا ہوں کہ اس کے کان میں آپ کی بات سے جوں تک نہیں رینگتی، اور آپ کی ادھر سے سنتا اور ادھر سے نکال دیتا ہے، اس کی مسلسل صبر سے آپ یہ نہ سمجھا کریں کہ اسے آپ کی بات سے کوئی اثر بھی ہوتا ہو، کیوں کہ یہ ندوی لوگ ہیں، جن کے پاس ایک عظیم نصب العین اور بڑے مقاصد ہوا کرتے ہیں۔

میرے علم کے مطابق احسان صاحب سے مولانا حسین احمد ابوالفضل صاحب کی شناسائی ۱۹۸۴ء سے بھی پہلے ہوئی تھی، جو بعد میں دوستی میں تبدیل ہوگئی، اور تقریبا ۱۹۸۵ء سے ۲۰۰۳ء تک ان دونوں کے مابین بڑی قربت رہی تھی۔

روہنگیا لیبریشن آرگنائزیشن (RLO) میں بھی احسان صاحب چند مہینے کام کرتے رہے تھے، اس دوران آپ کے مولانا حسین احمد صاحب سے بہت ہی قریبی تعلقات ہوگئے تھے، لیکن جہاں تک میرا اندازہ ہے کہ احسان صاحب مولانا محترم کے افکار وخیالات اور علم ونظر سے متأثر نہیں ہو سکے، وہ اس لئے ہے کہ احسان صاحب کے دل ودماغ میں جو کمیونزم اور سوشل ازم کے افکار وخیالات رس بس چکے تھے وہ ان کے دل ودماغ سے نکلنے والے ہی کب تھے؟ جب کہ مولانا تو ایک خالص دینی اور اسلامی تعلیمات کے خوگر اور دین وایمان پر کاربند انسان ہیں، یوں ظاہر ہے کہ ان دونوں کے درمیان بعد المشرقین ہے۔

احسان صاحب یوں تو برمیز اور انگریزی کے تعلیم یافتہ دانشور تھے، نہ جانے کیسے کہ بنگلا دیش آکر آپ نے قدرے قلیل بنگلا زبان بھی سیکھ لی تھی، بنگلا میں آپ اپنی قوم کے حوالے سے کچھ لکھتے اور ہمیں دیکھاتے اور کچھ پڑھ سناتے بھی تھے، آپ کی بڑی آرزو تھی کہ ان کی یہ چیزیں چھپ کر منظر عام پر آجائیں، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ آپ کی یہ آرزو آخر کار پوری نہیں ہوسکی ہے۔

احسان صاحب دل کے بڑے اچھے تھے، آپ کو قوم سے بڑی ہم دردی تھی، آپ سے راقم سطور کی قربت ۱۹۸۶ء سے لے کر ۲۰۰۰ء تک مسلسل برقرار تھی، نہ جانے کس وجہ سے کہ آپ اس کے بعد تقریبا ہمارے سیاسی اور انقلابی افق سے غائب ہوگئے، بعد میں یہ خبر پاکر آسمان سر پر ٹوٹ پڑا کہ آپ اس دنیا میں نہیں اور رنگیا خالی میں مدفون ہیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جناب ماسٹر محمد انور صاحب منگیزوی، بوسیدنگی، سیاسی لیڈر ورہنما برائے امور قومی:

حضرت مولانا شاہ مظفر احمد صاحب کا حقیقی چھوٹا بھائی جناب ماسٹر محمد انور بن حاجی فضل الرحمن کی پیدائش شمالی بوسیدنگ کی معروف بستی منگیزی میں ہوئی، آپ کے والد حاجی فضل الرحمن مرحوم نہایت سخی اور عالم دوست انسان ہونے کے ساتھ حسن خلق کے اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ تھے۔

ماسٹر محمد انور صاحب نے اپنی بستی کے مکتب سے دینیات کے ساتھ اردو اور سرکاری پرائمری اسکول سے برمیز کی ابتدائی تعلیم پائی، بوسیدنگ ہائی اسکول سے مٹرک پاس کرکے رنگون یونیورسیٹی سے ڈگری حاصل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ماسٹر محمد انور صاحب نے تدریس کی راہ لی اور علاقے کے مختلف اسکولوں میں پڑھا کر بوسیدنگ ہائی اسکول کے استاد بنے، ۱۹۸۳ء کے دوران بوسیدنگ ہائی اسکول میں چند مسلم اساتذہ تھے، ان میں بھی ماسٹر صاحب کی شہرت سب سے زیادہ تھی۔

یوں بھی تو ماسٹر محمد انور صاحب ایک سیاسی ذہنیت کے انسان ہیں، تدریسی خدمات کے دوران آپ نے قوم کی خاصی خدمات انجام دی تھیں، لیکن ۱۹۸۸ء میں جنرل نیون کے اقتدار سے سبکدوشی کے بعد ماسٹر صاحب قومی سیاست کے میدان میں کھل کر سامنے آئے ہوئے تھے۔

جنرل نیون نے اپنے دور اقتدار میں جو دھا چوکڑی مچائی تھی وہ کسی کی نظروں سے اوجھل نہیں ہے اور وہ اقتدار چھوڑنے کے باوجود تب بھی فوجی اقتدار کی آڑ میں اس کی حیثیت کچھ ایسی تھی کہ جسے چاہتا تخت پر بٹھا کر بادشاہ بنا دیتا اور جسے چاہتا تخت سے اتار پھینکتا تھا، وہ اگر چہ برما کا حکمران بظاہر نہ رہا مگر درحقیقت بادشاہ گر بن بیٹھا تھا۔

ڈاکٹر مونگ مونگ کے دور اقتدار میں جب حالات سنگین ہوگئے تو نیون نے فوج کو سگنل دیا کہ وہ جلد اقتدار پر قابض ہوکر ماضی کی بربریت کی یادیں پھر سے تازہ کردے، یوں ۱۸/ستمبر/۱۹۸۸ء میں فوج نے ڈاکٹر مونگ مونگ کو ہٹا کر اقتدار پر قبضہ کرلیا اور تمام اختیارات فوج نے ہاتھ میں لے کے اسمبلی اور دیگر اداروں کو توڑ دیا تھا، دراں حالیکہ چیف آف اسٹاف جنرل سامونگ تھا، اس نے

پورے ملک کا کنڑول اور دفاع اپنے ہاتھ میں سنبھال کر ہر قسم کے مظاہروں اور فوج کے خلاف آواز پر پابندی لگادی تھی، پھر بھی عوام مشتعل رہے، مظاہرے ہوتے رہے، فوج کے ساتھ جھڑپوں کے نتیجے میں ہزاروں افراد ہلاک ہو گئے تھے، اور نئے فوجی حکمران کی پرزور اپیل کے باوجود سرکاری ملازمین کام پر واپس نہ آئے اور ہڑتال جاری رہی تھی۔

اسکول کالج کے طلبہ جو اس ملک گیر انقلاب وتحریک کا ہراول دستہ تھے، اب ان پر ظلم وتشدد کی بارش برسنی شروع ہوگئی تھی، طلبہ حالات سے تنگ آ کر سرحدی علاقوں کی طرف بھاگ نکلے اور بہت سے طلبہ مسلح مخالفین سے مل کر عسکری تربیت لینا شروع کردئے اور بہتوں نے تھائی لینڈ اور ہندوستان کی ریاست منی پور میں پناہ لی تھی، ادھر آپوزیشن کی سب سے بڑی جماعت N.L.D کی سکریٹری جنرل اونگ سان سوچی کو ۲۰رجولائی ر ۱۹۸۹ء میں نظر بند کردیا گیا اور طلبہ کی سب سے بڑی پارٹی (D.P.N.S) کے کارکن بڑے پیمانے پر گرفتار کرلئے گئے تھے، سابق برمی وزیراعظم اونو کو بھی ۲۹ردسمبر ر ۱۹۸۹ء میں گرفتار کرلیا گیا تھا، اس کے بعد نئے فوجی حکمران نے ملک میں طرح طرح کا پروپیگنڈا شروع کردیا تھا، جس کی ایک لمبی فہرست ہے، نئے حکمرانوں کو اپنے پیشروؤں کی طرح ملک وعوام کی فلاح وبہبود اور نجات وکامرانی سے قطعا کوئی دلچسپی نہیں تھی، ان کی رات ودن کی جدوجہد صرف فوجی حکومت کو مضبوط اور اقتدار کو یقینی بنانے کے لئے ہورہی تھی اور حکومت نے مستقبل میں ہونے والی تحریک جمہوریت یا حریت پسندوں کو کچلنے کے لئے اسلحے کے انبار جمع کرنا شروع کردیا تھا، اور ملک کے حاصل شدہ آمدن کو صرف فوج کو مضبوط اور مسلح بنانے میں صرف کیا جارہا تھا، اور حکومت کے اعلی حکام نے اکتوبر ر ۱۹۸۹ء میں چین کا بارہ روزہ دورہ کیا، جس کے تحت چینی حکومت نے برما کو فوجی امداد بھیجی، پھر ۱۹۸۹ء میں فوجی حکومت نے ملک کے نام کو بدل کر میانمار رکھ لیا تھا۔

۱۹۹۰ء کے عام انتخابات:

برما پر بین الاقوامی دباؤ مسلسل بڑھتا جارہا اور اندرونی حالات بھی مسلسل خراب ہوتے جارہے تھے، یوں تو فوجوں نے حکومت پر قبضہ جماتے ہی انقلابیوں کے خلاف طرح طرح کا پروپیگنڈہ کیا تھا، پھر بھی انقلابیوں کا لاوا اندر ہی اندر پک رہا تھا، اور کب کیا ہوگا اس کا کوئی یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا، ہر طرف

پریشانیوں اور مصیبتوں کا بادل چھایا ہوا تھا، لوگ خوف وہراس میں مبتلا تھے، اور شہری ایک طرح کے ذمی بنے ہوئے تھے، ٹھیک اسی وقت فوجی حکام نے ۲۷رمئی ر ۱۹۹۰ء میں عام انتخابات کرانے کا وعدہ کیا، باوجودیکہ عوام اس بات پر یقین نہیں کررہے تھے، پھر بھی آخری تاریخ تک منتظر ضرور تھے، اور عام شہریوں کے علاوہ پوری دنیا کی نظریں انتخابات اور تاریخ انتخابات پر لگی ہوئی تھیں، اور جوں جوں انتخابات کی تاریخ قریب ہوتی جارہی تھی فوجی حکومت کے ظلم وتشدد کی چکی، پروپیگنڈے اور بہانے کی گاڑی تیز سے تیز تر ہورہی تھی، مخالف دھڑوں کو خوفزدہ وہراساں کرنے اور اپنی پارٹی (N.U.P) نیشنل یونائٹی پارٹی کو مضبوط کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جارہی تھی، اور ملک کی بڑی بڑی پارٹیوں کے لیڈروں کو پابند سلاسل کیا جارہا تھا، مخصوص طور پر N.L.D اور طلبہ کی سب سے بڑی جماعت D.P.N.S کے قائدین اور رہنماؤں کو جیل میں ٹھونسا جارہا تھا، کسی کو بیس سال کی قید بامشقت اور کسی کو عمر قید کی سزائیں سنائی جارہی تھیں، باوجودیکہ اس ظلم وتشدد اور جبر استبداد پر بین الاقوامی دباؤ پڑ رہا تھا لیکن فوجی حکام پر اس کا کوئی بھی اثر نہ ہوا، دنیا کے کونے کونے سے مخالفت جاری تھی، کوئی دھمکی دے رہا تھا اور کوئی اپیل، کوئی برا کہہ رہا تو کوئی عرض کررہا تھا، لیکن ان ساری باتوں کی وجہ سے برمی حکام کے کانوں میں جوں تک نہ رینگی اور اپنی روش میں مضبوط اور اٹل بنے ہوئے تھے۔

باوجودیکہ آپوزیشن کی سب سے بڑی پارٹی N.L.D کی سکریٹری جنرل اونگ سان سوچی ۲۰رجولائی ر ۱۹۸۹ء سے نظر بند تھی پھر بھی انتخابات کی گھماگھمی یں کوئی کمی نہ آئی، چنانچہ اس کی پارٹی نے بھی انتخابات میں حصہ لیا تھا، N.L.D سمیت کوئی دوسو کے لگ بھگ سیاسی جماعتوں نے اپنے آپ کو رجسٹرڈ کرالیا اور ایک سو کے قریب علاقائی جماعتوں نے اپنے نمائندے انتخابات کے لئے کھڑے کئے تھے۔

اب ۲۷رمئی کی صبح کو انتخابات یقینی ہوگئے تھے، اور برمی پارلیمنٹ کی ۴۹۲رنشستوں میں سے بالآخر ۴۸۵ / پر انتخاب ہوا جب کہ سات نشستوں کے لئے انتخاب ملتوی کردیا گیا تھا، اس انتخابات میں نمایاں طور پر حصہ لینے والی جماعت N.L.D تھی اور ۲۱ جماعتوں کے ایک اتحاد بھی وجود میں آیا تھا جس کا نام (UNITED NATIONALTIES LEAGUE FOR

(DEMOCRACY تھا-U.N.L.D کے علاوہ کل نشستوں پر اور بھی پانچ جماعتوں نے اپنے اپنے امیدوار کھڑے کئے تھے، جب کہ بیس حلقوں میں سے سو کے قریب علاقائی جماعتوں نے اپنے نمائندے کھڑے کئے تھے، اور حکمران پارٹی N.U.P بھی چند چھوٹی چھوٹی پارٹیوں کے سہارے سے اس الیکشن میں کامیاب ہونے کی ناکام کوشش کی تھی، لیکن جب الیکشن کے نتائج سامنے آئے تو معلوم ہوا کہ کل ۴۸۵ ر نشستوں میں سے N.L.D نے ۴۰۰ ر نشستیں جیت لیں، نتیجہ کھل کر سامنے آیا تو سلارک حکومت کو اب پرانی خباثت یاد آ گئی اور اختیارات نئی حکومت کے ہاتھ منتقل کرنے کے بجائے طرح طرح کے بہانے تراشے گئے تھے، اور اعلی ذمہ داروں کی میٹینگ میں بات یہ طے کی گئی کہ نئی حکومت کو اختیارات منتقل نہیں کئے جائیں گے تاوقتیکہ وہ درج ذیل مسائل پر فوجی حکمرانوں کے ساتھ متفق نہ ہو جائے:

(۱) نئی حکومت مسلح افواج کے ڈھانچے میں تبدیلی نہیں کرے گی اور نہ ہی کسی افسر کا تبادلہ کیا جائے گا۔

(۲) تمام بین الاقوامی معاہدوں کی پابندی کی جائے گی جو اس دوران حکومت نے کئے ہیں۔

(۳) N.L.D کی سکریٹری جنزل اونگ سان سوچی سیاست میں کردار ادا کرنے کے بجائے سیاست سے کلی طور پر علیحدہ ہو جائیں۔

طرفہ تماشا یہ ہوا کہ فوجی حکمرانوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ ۱۹۹۰ء کے عام انتخابات حکومت سازی کے لئے نہ تھے، بلکہ صرف آئین سازی کے لئے تھے، ۲۱ر جون ر ۱۹۹۰ء میں N.L.D کے ان رہنماؤں نے جو گرفتار نہیں ہوئے تھے برمی فوجی حکمرانوں سے پرزور مطالبہ کیا کہ وہ سیاسی معاملات پر غیر مشروط بات چیت کریں، اس کے بعد ۲۸ ر ۲۹ ر جولائی ر ۱۹۹۰ء میں حکومت سے مطالبہ کیا کہ سلارک (SLORC) ستمبر تک اقتدار منتخب شدہ سول حکومت کو منتقل کر دے۔

اس کے بعد متعدد تنظیموں پر پابندی عائد کر دی گئی اور ہزاروں کو گرفتار اور سینکڑوں کی جان گولیوں سے اڑائی گئی تھی، اب پھر سے ملک میں بے چینی بڑھ گئی، ایسے میں منتخب ارکان کا ایک گروپ ۱۸ر دسمبر ر ۱۹۹۰ء میں تھائی سرحد کی طرف چلا گیا تھا، جس نے متوازی حکومت بنانے کا اعلان کر دیا تھا، ادھر حکومت نے اپنے مخالفین کو کچلنے کے لئے ۲۶ر آگست ر ۱۹۹۱ء میں ایک قانون

نافذ کر دیا، جس میں کہا گیا کہ حکومت سے مخالفت کرنے والا کسی بھی شخص پر بغیر مقدمہ چلائے ۵/سال کی قید بامشقت کی سزائیں ہوں گی، اس اعلان کے بعد N.L.D کے ایک ہزار سے زائد اراکین کو پابند سلاسل کیا گیا تھا، باوجود یکہ ۶ر ستمبر ر ۱۹۹۱ء میں اقوام متحدہ کے سکریٹری جنزل پیرز ڈیکولیار نے اونگ سان سوچی کی رہائی کا مطالبہ کیا مگر اس کے مطالبہ سے برمی حکام کے کان میں جوں تک نہ رینگی تھی۔

البتہ مذکورہ ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے بھی ارکان اور وہاں کے اصلی شہری روہنگیا کا مسئلہ الگ تھا، نیون ہو یا سین لوئن، ڈاکٹر مونگ مونگ ہو یا سا مونگ غرض ہر ایک حکام کے دور حکومت میں ارکان میں جبر، تشدد ظلم واستبداد کی نوعیت عام برمی علاقوں سے مختلف تھی، وہاں ظلم وبربریت کی ہوائیں چلیں تو یہاں طوفان، وہاں جواڑ آیا تو یہاں سیلاب، غرض برمی لوگ اگر کسی امر پر متفق ہو سکے تو صرف ارکانی مسلمانوں کو کچلنے اور یہاں ان کے وجود ختم کرنے کے لئے تھے۔

برمی لوگ ارکانی مسلمانوں کو کسی بھی مرحلے یا زندگی کے کسی بھی میدان میں تنگ کئے بغیر نہ رہے، ۱۹۹۰ء کے نام انتخابات میں دوٹر لسٹوں سے ارکانی مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو باہر کر کے ان کی جگہ ان بودھ مگھوں سے پوری کی گئی جو حال ہی میں بنگلا دیش کے مختلف علاقوں سے داخل ہو چکے تھے، حتی کہ منگڈو میں مگھ ۳/ فیصد سے زیادہ نہیں، لیکن ان کو ووٹر لسٹوں میں بیس فیصد ظاہر کیا گیا تھا، اور ارکانی مسلمان ووٹر لسٹوں سے مختلف بہانے سے خارج کر دیئے گئے تھے، اور نشستوں کی تقسیم میں بڑی حد تک امتیازی سلوک کیا گیا ے تھا، مسلم اکثریتی علاقوں کے لئے بہت کم نشستیں رکھی گئیں اور بودھ علاقوں کے لئے زیادہ نشستیں، غرض مسلمانوں کی تعداد کو یہاں کم ثابت کرنے کی اور ایک ناکام کوشش کی گئی تھی۔

اس وقت ارکانی مسلمانوں کی طرف سے الیکشن لڑنے والی نمایاں طور پر دو جماعتیں تھیں:

(۱) نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی فار ہیومن رائٹس (N.D.P.H.R)

(۲) کمان نیشنل لیگ فار ڈیموکریسی (K.N.L.D)

اس نئے انتخابات میں ملک بھر سے ۲۳ر مسلمان منتخب ہوئے تھے، ارکان میں منتخب ہونے

والوں میں ایک کا تعلق کمان نیشنل لیگ فار ڈیموکریسی (K.N.L.D.) سے تھا، جب کہ بقیہ چار مسلمان نمائندوں کا تعلق N.D.P.H.R سے تھا، جن میں سے ایک جناب ماسٹر محمد انور صاحب بھی تھے۔

نیشنل ڈیموکراٹک پارٹی فار ہیومن رائٹ:

۱۹۹۰ء میں جب برمی فوجی حکومت سلارک نے ملک میں پارٹیاں بنانے کی اجازت دی تو تمام قوموں کی طرح ارکانی مسلمانوں نے بھی سیاسی پارٹیاں بنانے کی جدوجہد تیز کردی تھی، ان کوشش کرنے والوں نے سب سے بڑی کوشش یہ کی کہ روہنگیا مسلمانوں کے تشخص کی بقاء کے لئے ان کی بننے والی اگلی تنظیم میں لفظ روہنگیا ضرور دیا جائے، انہوں نے لفظ روہنگیا کی شمولیت کے ساتھ ایک نام برمی الکشن کمیشن کے سامنے پیش کیا تھا، مگر الکشن کمیشن نے لفظ روہنگیا کی شمولیت کے ساتھ ممکنہ بننے والی تنظیم اوران کے وہی پیش کردہ نام کو مسترد کردیا تھا، ادھر برمی حکومت کی ہمیشہ کی طرح اب بھی یہی کوشش تھی کہ ارکان کے مسلمان جسے دنیا روہنگیا کی حیثیت سے پہنچانتی ہے وہ بحیثیت روہنگیا برمی سیاست میں نہ آسکے، ادھر برمی نژاد مسلمانوں نے بھی حکومت کی اس چاہت کی حمایت کردی بلکہ انہوں نے لفظ روہنگیا کو ان کے تشخص کی بقاء کے لئے ایک خطرہ مانا اور حکومت کو یہ کہہ کر باور کرایا کہ ارکانی مسلمانوں کا علیحدہ قومی تشخص نہ صرف ان کے لئے خطرہ ہے بلکہ حکومت برما کے خلاف علانیہ ابھرنے والے ایک عظیم خطرہ کا پیش خیمہ ہے، اب شیا شے (برمی نژاد مسلمان) نے الکشن کمیشن کا تعاون کرتے ہوئے علانیہ احتجاج کیا کہ ارکانی مسلمانوں کو کسی بھی قیمت پر ان کے علیحدہ قومی تشخص کے ساتھ جماعت بنانے کی اجازت نہ دی جائے، اب ارکانی مسلمانوں کو اپنے موقف سے ہٹانے کے لئے حکومت کے سامنے ایک صاف راستہ نکل آیا اور فورا کہا گیا کہ ارکانی مسلمان لفظ روہنگیا کی شمولیت کے بغیر جماعت بنا سکتے ہیں ورنہ نہیں، اب مسلمانوں نے مجبورا ایک ایسی جماعت بنائی کہ جس میں لفظ روہنگیا نہیں تھا، اور بڑی تگ ودو کے بعد اس جماعت کا نام نیشنل ڈیموکراٹک پارٹی فار ہیومن رائٹ (NDPHR) رکھا گیا تھا۔

یہ تنظیم قائم ہوئی تو ارکان کے مگھوں نے اس کی راہ روکنے کے لئے بہت کوشش کی، مگر اس تنظیم

کے دور اندیش اور نکتہ سنج لیڈروں نے ان کی ہر کوشش کو ناکام بنایا اور ہر موقع پر قومی اتحاد کا مظاہرہ کیا تھا، یوں مگھوں کے لئے یہ تنظیم ایک زبردست چیلنج بن گئی تھی۔

مجلس سرپرستاں:

(۱) جناب علی جوہر صاحب۔

(۲) جناب ڈاکٹر محمد انور صاحب۔

(۳) جناب روح الامین (کینگ مونگ)

مجلس عاملہ:

(۱) صدر: محمد ابراہیم بن ماسٹر صدیق احمد ایل ایل بی خائندہ فاروی۔

(۲) سکریٹری جنرل : مونگ مونگ ٹینگ کیاکتوی/ اکیابی۔

(۳) جوائنٹ سکریٹری: حسین احمد کیاری فرانگی۔

(۴) آڈیٹر: نورالعالم (بعد میں تنظیم سے نکل بھاگا تھا)

(۵) خازن: مولانا نورالعالم پوئما لوی۔

(۶) رکن: فضل احمد ہتالیوی۔

(۷) رکن: ماسٹر محمد انور منگیز وی۔

(۸) رکن: ڈاکٹر نور احمد پوئما لوی، بوسیدنگی۔

(۹) رکن: ڈاکٹر محمد نورالحق، منگڈوی۔

(۱۰) رکن: ڈاکٹر جعفر مروہانگی (لایونگ)

(۱۱) رکن: محمد قاسم مروہانگی (چولااونگ)

(۱۲) رکن: خیرالامین اکیابی۔

بالآخر برمی سلارک فوجی حکومت کے زیر سایہ ملک بھر میں عام انتخابات ہوئے، جس میں ارکان کے کل ۲۶/حلقوں میں سے منگڈو اور بوسیدنگ کے چار حلقوں میں (NDPHR) کی جیت ہوئی تھی، اب ہم اس میں لڑکر جیتنے والی ارکانی تنظیموں کے نام اوران کے پارلیمانی اراکین کا اجمالی تذکرہ

کر دیتے ہیں:

(الف) نیشنل ڈیموکراٹک پارٹی فار ہیومن رائٹ(NDPHR)

(۱) ماسٹر محمد انور شمالی بوسیدنگ کے حلقہ سے۔

(۲) ڈاکٹر نور احمد جنوبی بوسیدنگ کے حلقہ سے۔

(۳) ابراہیم شمالی منگڈو کے حلقہ سے۔

(۴) فضل احمد جنوبی منگڈو کے حلقہ سے۔

(ب) کمان نیشنل لیگ فار ڈیموکریسی:

(۱) اوشویا اکیاب کے حلقہ نمبر ۲ سے۔

(ج) ارکان لیگ فار ڈیموکریسی ALD (مگھ پارٹی) سے گیارہ ممبران۔

(د) نیشنل لیگ فار ڈیموکریسی(NLD) سے نو ممبران۔

بعد میں ماسٹر محمد انور صاحب مع اہل خانہ رنگون منتقل ہو گئے، جس کی پاداش میں آپ کو مع اہل خانہ عرصۂ دراز تک جیل بھی جانا پڑا تھا، بعد میں الحمد للہ آپ کو رہائی ملی، ماشاء اللہ آپ کی ایک صاحب زادی (وے وے نو) قومی خدمات میں اترے ہوئی ہے، ولایات متحدہ امریکہ میں مقیم ہے، اللہ تعالی اس کی حیات درازی کے ساتھ اسے شرعی زندگی گزارنے کی توفیق عنایت کرے۔

شک نہیں ہے کہ ماسٹر محمد انور صاحب ایک ذہین اور قوم سے ہمدردی رکھنے والے دانشور لیڈر ہیں، آپ نے اپنی زندگی میں قوم کی خدمات کے بطور بڑی بڑی قربانیاں دیں، آج کل امریکہ میں مقیم ہیں، اللہ تعالی آپ کی خدمات کو قبول فرمائے اور عمر دراز کرے، آمین۔

☆☆☆

پروفیسر ڈاکٹر وقار الدین صاحب خیر فاروی، منگڈوی،
سیاسی رہنما و لیڈر:

پروفیسر ڈاکٹر وقار الدین صاحب شمالی منگڈو کی مردم خیز بستی خیر فارہ میں ۱۹۵۰ء میں پیدا ہوئے، آپ کے والد مرحوم ماسٹر مسیح الدین صاحب اپنے زمانے میں قوم کے ایک خادم اور لیڈر تھے، جن کا تذکرہ میری کاوش ''تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے'' کی زینت بنا ہوا ہے۔

پروفیسر صاحب کی ابتدائی تعلیم خیر فارہ کے مکتب اور سرکاری اسکول میں ہوئی، منگڈو ہائی اسکول سے مٹرک پاس کر کے رنگون یونیورسیٹی میں داخلہ لیا، جہاں سے آپ نے علم النباتات میں بی ایس (BSC) کی ڈگری حاصل کی تھی۔

پروفیسر صاحب بعد میں امریکہ گئے اور پنسلوینیا یونیورسیٹی سے علم النباتات میں پی ایچ ڈی (PHD) کی ڈگری حاصل کر کے اسی یونیورسیٹی میں لکچرر مقرر ہوئے، بعد میں اسی یونیورسیٹی کے پروفیسر بھی بنے تھے۔

پروفیسری کے زمانے میں ڈاکٹر وقار الدین صاحب کسی قدر روہنگیا قومی سیاست سے وابستہ رہے، لیکن ۲۰۱۱ء میں ارکان روہنگیا یونین (ARU) کے قیام کے دوران آپ قومی سیاست میں کھل کر سامنے آئے تھے، یہاں الکشن کے نتیجے میں آپ ارکان روہنگیا یونین کے ڈائرکٹر جنرل مقرر ہوئے، جس پر آپ اپنی وفات تک مسلسل بحال تھے۔

ڈاکٹر وقار الدین صاحب کی شخصیت آپ کے ڈائرکٹر جنرل بننے کے بعد سے روہنگیا قومی سطح پر خاصے متنازعہ رہی تھی، عوام تو خیر عوام، خواص میں سے بھی کوئی آپ کی حمایت کے اس سرے پر تو کوئی آپ کی مخالفت کے اس سرے پر ہو چکے تھے، جس کا اجمال کچھ یہ ہے کہ۔

۲۰۱۱ء میں او آئی سی کے صدر دفتر جدۃ میں مسٹر ہانگ شوے کی زیر صدارت ایک اہم قومی اجلاس منعقد ہوا، جس میں روہنگیا مسلمانوں کی چند نمایاں شخصیات کے علاوہ پچیس متحرک اور غیر متحرک جماعتوں نے حصہ لیا تھا، یہاں کئے گئے دوروزہ اجلاس کے نتیجے میں مجلس تنسیقی کے بطور ارکان روہنگیا یونین (ARU) کی بنیاد پڑی، اور محترم ڈاکٹر وقار الدین بن ماسٹر مسیح الدین صاحب مقیم حال

ولایات متحدہ امریکہ ڈائرکٹر جنرل (DG) مقرر ہوئے تھے۔

اس ضمن میں یاد رہے کہ روہنگیا مسلمانوں کی سیاسی تاریخ میں اس جلسے کو اپنی نوعیت کا سب سے بڑا قومی جلسہ سمجھا گیا تھا، اس سے پہلے ایک بین الاقوامی ادارہ کے صدر دفتر میں روہنگیا مسلمانوں کا اور کوئی اس جیسا جلسہ منعقد نہیں ہو پایا تھا، جس میں سعودی عرب میں مقیم روہنگیا برادری کی قیادت کے علاوہ پوری دنیا سے جہاں جہاں روہنگیا قوم کی دل جلی قیادت پائی جاتی ہے نمائندگی کی زحمت گوارہ کی، اسی لئے ایک طرف منظمۃ التعاون الاسلامی کے صدر دفتر ہونے اور دوسری طرف روہنگیا مسلمانوں کے بعض اہم لیڈروں کی حاضری نے اس اجلاس کی اہمیت میں چار چاند لگا دیئے تھے، بہر حال اجلاس کا اختتام ہوا، جس کے متعلق بعض باخبر حلقوں سے مثبت اور منفی تأثرات سامنے آئے تھے۔

بہر حال اس پہلے والے کنونشن کے ہونے والے انتخابات کے نتیجے میں ڈاکٹر وقار الدین صاحب ڈائرکٹر جنرل منتخب ہوئے، اس انتخابات کے بعد بعض مبصرین کی یہ بات سامنے آئی تھی کہ اس عظیم قومی منصب کے لئے ایک کہنہ مشق سیاست دان کا ہونا ضروری تھا، باوجودیکہ ڈاکٹر صاحب ایک دانشور اور امریکہ کی ایک معروف یونیورسیٹی کے پروفیسر اور شکل وصورت کے اعتبار سے بڑے باوقار ہستی تھے، مگر ان تمام صفات کے ہوتے ہوئے بھی شک کی گنجائش تھی کہ موصوف ایک کہنہ مشق سیاست دان ہیں کہ نہیں، اور ان کو روہنگیا مسلمانوں کے سیاسی میدان میں خاطر خواہ تجربہ کہاں تک تھا؟ بلکہ بعض لوگوں اور حلقوں کے مطابق ہمارے سیاسی میدان میں خاطر خواہ تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے میدان عمل وتطبیق میں وقار صاحب کے پاؤں کے پسل جانے کا شدید امکان تھا۔

وقار صاحب نے شروع شروع میں کچھ اس طرح کے اقدامات بھی کئے جن پر بعد میں ان کو ندامت اور شرمندگی بھی اٹھانی پڑی تھی، اور چند ایسے اقدامات جن کی صحت پر آپ مصر تھے، بعد میں بظاہر اندازہ کیا گیا تھا کہ ان پر وہ نظر ثانی کی شدید ضرورت محسوس کر رہے تھے۔

یہاں یاد رہے کہ ڈی جی صاحب کی ندامت ان کی بلند بالا شخصیت یا ان کی ذات تک محدود نہیں رہی بلکہ ان کی ذات سے بھی آگے روہنگیا قوم کی سنہری تقدیر اور روشن مستقبل پر جا منتج ہوگئی تھی، مگر ہمیں اللہ تعالی کی ذات پر پورا بھروسہ تھا اور ہے کہ وہ ہمیں نامراد اور ناکام نہیں کرے گا، اور دعا بھی

قبول ہوئی کہ اس نے ہماری اس باوقار شخصیت کو کسی قدر سنبھلنے کا موقع دیا تھا، یوں بھی ہمارے اس قحط الرجال کے عالم میں ہمارے لئے ایک ڈاکٹر وقار الدین بہت کچھ تھے، ان کے پاؤں کا مزید متزلزل ہوجانا ہماری قومی زندگی کے لئے ایک حادثہ سے بڑھ کر قیامت صغری ہونے کا اندیشہ تھا۔

اس پہلے والے کنونشن کے کچھ دنوں بعد بعض مبصرین نے یہ احساس بھی کیا تھا کہ ڈاکٹر وقار الدین صاحب کے کچھ ناعاقبت اندیشانہ اقدامات ان کے ان نکتہ چینوں جو اس کنونشن میں شریک تھے کے رد عمل کے بطور سامنے آئے تھے، واقعہ یہ ہے کہ ابھی ڈاکٹر صاحب قدم سنبھالنے بھی نہیں پائے، ان کے سر پر ان مخالفین اور نکتہ چینوں نے اندھا دھند مخالفت کا طوفان لا کھڑا کر دیا تھا، حقیقت جہاں تک سامنے آئی کہ ان مخالفوں نے ان سے مخالفت کے لئے اس دن کمر باندھ لی جبھی آپ ڈی جی منتخب ہوے تھے، ان مخالفین کے خیال میں یہ بات کہیں سے جاگزین ہوگئی تھی کہ ڈاکٹر وقار الدین دراصل ڈاکٹر محمد یونس صاحب کے طرف دار ہیں، مخالف لیڈروں کے آگے روڑے اٹکانے یا دوسرے الفاظ میں مخالف لیڈروں کو اے ار یو کی کرسئ اقتدار سے محروم کرنے کے لئے ڈاکٹر وقار صاحب کو ایک سنگ گراں کے بطور سامنے لایا گیا ہے، ایسے حالات میں اے ار یو مجلس تنسیقی کی شکل میں قوم کا ایک متحدہ پلٹ فارم ہونے کے بجائے باہمی رسہ کشی، ذاتی دشمنی اور عداوت کا ایک دنگل بن گئی تھی، وہیں سے باہمی کشمکش، عمل اور رد عمل کا اور ایک سلسلہ زور شور سے شروع ہوگیا تھا۔

یہاں یہ ساری باتیں ریکارڈ کے طور پر زیر قرطاس لانے کا مقصد ومطلب یہ ہے کہ اگلی نسل ہمارے اس قسم کے کردار سے اچھی طرح سبق سیکھے، کاش ارکان روہنگیا یونین میں شروع ہی سے ہمارے لیڈروں کے مابین ہم آہنگی ہوئی ہوتی، شکوک وشبہات کے دروازے ہمارے سامنے کھلے نہ گئے ہوتے، یا دوسرے الفاظ میں ان کے درمیان اعتماد اور باہمی تعاون کا ہاتھ بڑھایا گیا ہوتا تو مفاد پرستوں، خود غرضوں اور سازش کاروں کے سامنے سارے چور دروازے بند پڑے ہوتے، یوں اے ار یو کے حوالے سے ہماری قومی زندگی میں آج تک جو افراتفری، مثبت کام کے بجائے منفی کردار سامنے آرہے ہیں اس کا امکان ہی شاید ہوتا، جس کے ذمے دار صرف ڈاکٹر وقار صاحب نہیں بلکہ مخالف لیڈران بھی تھے، مطلب یہ ہے کہ کردار کے حوالے سے اگر ڈاکٹر وقار صاحب کی کارکردگیاں محل نظر اور

غیر متوازن تھیں تو ٹھیک ہے، لیکن اسی میزان میں معارضین کی حرکتیں بھی جادۂ اعتدال سے ہٹی ہوئی تھیں۔

ارکان روہنگیا یونین کی بنیاد پڑی تو الزام تراشی، افراتفری، عمل اور ردعمل، حملے اور جوابی حملوں کے مابین دو سالوں سے زیادہ عرصے گزر جانے کے بعد یہ نکتہ چینی شروع ہو گئی تھی کہ:

"اے ار یو جن شرائط پر تاسیس کی گئی تھی، وہ یا تو پوری نہیں ہوئیں یا دانستہ طور پر پوری نہیں کی گئیں، اور تاسیس کے فورا بعد قصیر المدتی اور طویل المدتی جن جن پروگراموں پر ہاتھ دینے اور اقدامات کرنے تھے، وہ نہیں کئے گئے، اس حوالے سے ڈاکٹر وقار الدین صاحب کو بڑا ملزم ٹھہرایا گیا تھا، حتی کہ یہاں تک کہا گیا کہ ڈاکٹر صاحب دانستہ طور پر ان پروگراموں پر ہاتھ دینا نہیں چاہتے تھے"۔

اے ار یو کی تاسیس کے تقریبا چوبیس مہینے گزر جانے کے بعد محترم نور الاسلام صاحب نے سعودی عرب کا دورہ کیا تھا، مقصد یہ بتایا گیا تھا کہ ان کا یہ دورہ صرف اے ار یو کو متحرک کرنے کے حوالے سے تھا، انہوں نے اس دورے کے دوران خاص طور پر سعودی عرب میں پائی جانے والی ان جماعتوں کے اہم کارکنوں سے ملاقاتیں کیں جو اے ار یو کے کنونشن میں حاضر ہوئے تھے، جن سے کہا گیا تھا کہ:

"اے ار یو کی تاسیس ہوئی دو سالوں سے زیادہ عرصے گزر گئے ہیں، ایک طرف اے ار یو جن شرائط کی بنیاد پر تاسیس کی گئی تھی وہ پوری نہیں ہوئیں، تو دوسری طرف قومی مسائل کے حل کے لئے جن جن پروگراموں پر اقدامات کئے جانے تھے، وہ نہیں کئے گئے، اب ہمیں اے ار یو کو فعال اور متحرک بنانا ہے، اس لئے اور ایک کنونشن کا انعقاد بہت ضروری ہے، چونکہ اے ار یو ہم سب نے مل کر بنائی ہے، ابھی اسے فعال بنانا بھی ہمارا فریضہ ہے، اس حوالے سے جہاں تک ڈاکٹر وقار صاحب کا تعلق ہے، وہ لیت ولعل کے شکار ہیں، میرے خیال میں وہ دانستہ طور پر بعض وہ کام نہیں کر رہے جو ان کو کرنا ضروری اور لازمی ہیں، اسی لئے ہم چاہتے ہیں کہ اور ایک کنونشن بلایا جائے، اگر ڈاکٹر وقار الدین صاحب بلاتے ہیں تو ہم جہاں کہیں بھی ہوں حاضر ہوں گے، اگر وہ نہیں بلائیں گے تو ہم بلائیں گے"۔

محترم نور الاسلام صاحب نے اس دورے کے دوران بعض مجالس میں ڈی جی صاحب کی چند دیگر کارکردگیوں کو ناعاقبت اندیشانہ بھی قرار دیا تھا، اور باور کرایا کہ ان کے بعض اقدامات وحرکات قومی مفاد کی سراسر منافی ہیں۔

محترم نور الاسلام صاحب اس دورے کے اختتام پر لندن چلے گئے، اس کے چند دن بعد ڈاکٹر وقار صاحب سعودی عرب پہنچ گئے تھے، یہاں پہنچتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کنونشن کے انعقاد کے لئے کوششیں تیز کر دیں، بالآخر ۲۰۱۳ء میں ڈاکٹر وقار صاحب دوسرے کنونشن کے انعقاد کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے، جس کے حوالے سے کچھ گزارشات حاضر خدمت ہیں:

(۱) اس دوسرے کنونشن کے انعقاد اور اس کے بعد ڈی جی صاحب کی بعض ناعاقبت اندیشانہ کارکردگیوں کے نتیجے میں روہنگیا مسلمانوں کے قومی اتحاد اور اعتماد کے حوالے سے ہمارے بااثر حلقوں میں بڑی بے چینی چھا گئی تھی، حتی کہ آپ کی شخصیت کو ان حلقوں میں اخلاص اور خودغرضی کے تناظر میں مطالعہ کیا جا رہا تھا، اس سلسلے میں آپ پر یہ الزام لگا جا رہا تھا کہ آپ نے دانستہ طور پر ان چند جماعتوں کو شرکت کی دعوت نہیں دی تھی جو پہلے والے کنونشن میں حاضر تھیں، صرف یہی نہیں بلکہ اے ار یو کے چند روح رواں اور مؤسسین اور قومی سطح پر ناقابل فراموش رہنماؤں کو بھی دانستہ طور پر نظر انداز کیا گیا تھا، ویسے ڈاکٹر وقار صاحب کی ایسی حرکات پر شدید بے چینی کے ساتھ ردعمل بھی ہوا تھا، لیکن ڈاکٹر صاحب نے لگائے گئے یہ اور ان جیسے دیگر الزات کی تردید کرتے ہوئے کہا تھا ہے کہ:

"ان حضرات کے سارے الزامات بے بنیاد ہیں، سچی بات تو یہی ہے کہ ان حضرات بشمول تنظیموں کو دعوت ضرور دی گئی تھی، جنہیں جس طرح اور جس طریقے سے بلایا جانا تھا ٹھیک اسی طرح بلایا جا چکا تھا، مگر انہوں نے اپنی غیر حاضری کے لئے بہانہ ڈھونڈا اور الزام میرے سر تھوپنے کو اپنی عافیت سمجھی، ان کی عدم شرکت کا میں ذمے دار نہیں ہوں، اس کے ذمے دار وہ خود ہیں، ان کی اس دشنام طرازی سے میرا کچھ بھی نہیں بگڑے گا، یہاں جنہوں نے شرکت کی ان سے مل کر کام کو آگے بڑھایا گیا اور جائے گا، اور بس"۔

(۲) اس مؤخر الذکر کنونشن میں ان پچیس تنظیموں میں سے چندوں کے علاوہ اوردیگروں نے رضا کارانہ طور پر ہو یا مجبوراشرکت کی تھی، مگر یہاں ایک المیہ یہی ہوا تھا کہ اس کنونشن کے انعقاد سے صرف اور صرف چند دن پہلے ڈاکٹر وقار صاحب نے درجنوں جماعات کی تخلیق کر ڈالی تھی، روہنگیا مسلمانوں کی قومی تاریخ میں یہ پہلا ریکارڈ ہے، بلکہ عالمی اور انسانی تاریخ میں بھی ہو کہ ایک انسان نے راتوں رات درجنوں پارٹیاں نوزائدہ مخلوقات کی شکل میں تخلیق کر ڈالیں، جس کا خمیازہ نہ صرف پوری قوم کو بلکہ خود ان کو بھی بھگتنا پڑ رہا تھا۔

(۳) ڈاکٹر وقار الدین صاحب کے مذکورہ کارخیر کا راز بعض مبصرین نے یہی بتایا کہ ان کو دم آخر تک یہی اندیشہ لاحق تھا کہ کہیں معارضین اگلے دن ہونے والے کنونشن میں حاضر تو نہیں ہوں گے، پر مزید یہ خطرہ بھی تھا کہ معارضین کی حاضری پر ان پچیس تنظیموں میں سے اکثریت کے ووٹ ان کے خلاف ڈالے جائیں گے، اسی لئے انہی اپنے ووٹ بنک بڑھانے کی شدید ضرورت محسوس ہوئی تھی، یوں انہوں نے راتوں رات درجنوں تنظیموں کی شکل میں اتنے نومخلوقات کی تخلیق عمل میں لاکر اپنے ماتھے پر کلنگ کا ٹھیکہ لگا لیا تھا، جب کہ ان درجنوں نوزائدہ تنظیموں کے حوالے سے زمینی حقائق یہ تھے کہ:

(الف) نام نہاد تنظیموں کی شکل میں ان نوزائدہ مخلوقات میں سے اکثریت کا یہی حال تھا کہ اگرچہ کچھ کچھ تنظیموں کے پیچھے ایک دو افراد تھے مگر ان کے پاس چند اوراق نو کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا، اور افسوس کا مقام ہے کہ بعض کے پاس صرف اور صرف نام کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا، ان میں سے بعض نام نہاد تنظیمیں ایسی بھی تھیں جن کی تخلیق عین کنونشن کے دوران ہوئی یا کی گئی تھی۔

(ب) لطف کی بات تھی کہ ان اکثر نوزائدہ تنظیموں کے قابل صد احترام صدور کو شاید اتنا تک معلوم نہیں تھا کہ ان کی تنظیم کا نام کیا ہے، اگر معلوم تھا بھی مگر مطالب سے نابلد، مگر ان کو بڑا ارمان تھا کہ کسی طرح اے ار یو کے اس کنونشن میں شرکت کے ذریعے لوگوں کے سامنے نمایاں ہو جائیں، شاید ان کے خیالات میں یہ بات کہیں سے گھس آئی ہو کہ اے ار یو کے ایک اجلاس میں شرکت سے قومی یا عالمی لیڈروں کے ریکارڈ بک میں ان کا نام چسپاں ہو جائے گا، کام کی تھوڑی ضرورت نہیں پڑے گی۔

(ج) حتی کہ بات یہاں تک سامنے آئی تھی کہ ایک ہی گھرانے کے چند افراد مختلف تنظیموں کے صدور

تھے، اور ہر ایک کے چہرۂ زیبا یا نازیبا پر ایک ایک تنظیم کے عہدۂ صدارت کا تمغہ چسپاں تھا، پھر لطف کی بات تھی کہ انہوں نے شاید کہیں سے یہ سن رکھا تھا کہ لیڈر شپ بس پنٹ پتلون کا دوسرا نام ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں، یہاں ان میں سے بعض کی کچھ عجیب وغریب حالت دیکھی گئی تھی، ارے وہ لوگ جنہوں نے پنٹ اور پتلوں کو صرف اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے بھی حرام قرار دے رکھا تھا وہ یہاں کالے یا نیم کالے انگریز کی شکل میں بڑے اتراتے اور ناز کرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

(د) افسوس اور شرم کی بات تھی کہ ہر ایک نوزائدہ تنظیم کے پاس کنونشن میں شرکت کے دعوت نامے، ہر ایک کے پاس اے ار یو کی طرف سے مصدقہ دستاویزات، یوں ہر ایک اپنے آپ کو قانونی تنظیم ہونے کی دعوے دار۔

(ھ) دستور کے حوالے سے کہا جائے تو ظاہر ہے کہ ارکان روہنگیا یونین ایک پرامن تنظیم یا فورم ہے، جس میں مسلح جدوجہد یا اس کی حمایت کی کوئی گنجائش نہیں تھی اور نہ آج بھی ہے، مگر اس میں شریک بعض منظمات جن کی تعداد کم نہیں تھی، اپنے آپ کو مسلح جہادی ہونے کی دعویدار تھیں اور ہیں، خدا جانے کہ ڈی جی صاحب کو کس بدحواسی نے آدبوچا تھا کہ ان کو شریک بزم وجام کرتے وقت اتنا احساس تک نہ ہو پایا کہ ارکان روہنگیا یونین ان تنظیموں کے ایسے پروگرام اگرچہ دعوے کی حد تک برائے نام ہی کیوں نہ ہو متحمل نہیں ہو سکتی۔

(و) اور ایک بڑا المیہ یہ ظاہر ہوا کہ اس کنونشن میں جس چارٹر پر بحث ومناقشہ ہوا تھا، اس میں ایک ایسا پروگرام سامنے لایا گیا، جو بڑا انوکھا تھا، جس کا نام گلوبل روہنگیا سنٹر (GRC) دیا کیا گیا تھا، اس کو بظاہر یہ کہہ کر متعارف اور چارٹر میں شامل کیا گیا کہ یہ اے ار یو ہی کا ایک پروگرام ہے، جس کا شمار مذکورہ اکسٹھ تنظیموں میں نہیں ہے، مگر عملا ایسا نہیں ہوا، اگلے دن حقیقت ظاہر ہوگئی کہ گلوبل روہنگیا سنٹر ایک مستقل تنظیم تھی، بعد میں یہ تنظیم اے ار یو کی مساوی بلکہ متوازی ہوگئی تھی، اے ار یو کے زیر اثر نہیں رہی بلکہ اس پر اثر انداز۔

پچھلی سطور میں جس طرح عرض کی گئی ہے کہ ہمارے افسوسناک اجتماعی قومی روایات میں جماعتیں بننے میں دیر اور بگڑنے میں کچھ دیر نہیں ہوئی تھی، ہمارے ماضی میں بہت کم ایسی جماعتیں ہیں

جن کی حیاتیں قدرے لمبی ہوئی ہوں، اس تناظر میں ارکان روہنگیا یونین کے حوالے سے بھی ہمارے بعض حلقوں یا کم سے کم بعض شخصیات کے یہی خیالات سامنے آئے تھے کہ ارکان روہنگیا یونین کی حیات بھی ہماری ماضی کی گئی گزری جماعتوں کی جیسی ہوگی۔ مگر اللہ تعالی کا خاص فضل و کرم ہے کہ آج تک ارکان روہنگیا یونین باوجود یکہ اس کے اندر بہت ساری سیاسی تناو، رسہ کشیاں اور باہمی اختلاف کے مگر آج تک زندہ اور کسی حد تک عملی میدانوں میں اگر چہ رینگتی ہوئی کیوں نہ ہورواں دواں ہے۔

ادھر ہماری اجتماعی زندگی کے حوالے سے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ماضی میں ہماری جتنی بھی جماعتیں بنیں اور بگڑیں، ان کا تعلق سیاسی ہو یا انقلابی، ان کے سر پر کسی ایک مضبوط طاقت کے ہاتھ نہیں ہو پائے تھے، شاید یہی وجہ تھی کہ وہ تنظیمیں بڑی مشکل سے بنیں مگر بڑی آسانی سے بگڑیں یا کالعدم ہوئی تھیں، اس تلخ حقیقت کے پیش نظر ارکان روہنگیا یونین کی بقا کے حوالے سے کہا جاتا رہا کہ اس کی بھی وہی حالت ہوتی اگر اس کے سر پر منظمۃ التعاون الاسلامی جیسی ایک بین الاقوامی تنظیم کی شکل میں ایک عظیم طاقت کا سایہ نہ ہوتا۔

دوسری طرف ۲۰۱۱ء میں ارکان روہنگیا یونین کے باضابطہ اعلان کے بعد اگر چہ ہمارے بعض موثر وغیر موثر لوگوں یا جماعتوں نے ان کے خیالات کے مطابق اس کے اندر پائی جانے والی افراتفری کے پیش نظر اسے کالعدم کرنے کی کوششیں کیں، مگر روہنگیا قوم کی بھاری اور بہت بھاری اکثریت جن میں علماء، دانشوران، تجار اور عوام کے علاوہ تقریبا ننانوے فیصد جماعتوں کی یہی رائے ہے کہ ارکان روہنگیا یونین جس حالت میں بھی کیوں نہ ہو کہ اس کی بقاء واز دھار کی شدید سے شدید ترین ضرورت ہے، ان کے مطابق اختلافات اے آر یو سے نہیں بلکہ اختلافات عموما اے آر یو کے نام پر بعض چلنے والے مفاد پرستوں سے ہیں، بہر حال یوں مختلف جہات سے اب تک اختلافات کے حوالے جو باتیں سنی گئیں ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

☆ ناقدین کے مطابق ۲۰۱۱ء میں ارکان روہنگیا یونین کے دوران اعلان ڈائرکٹر جنرل محترم ڈاکٹر وقارالدین صاحب بحیثیت ذمہ دار اعلی آپ کے سر پر جن پروگراموں پر عمل کرنے کی ذمے داریاں ڈالی گئی

تھیں ان کو تعمیل کرنے کے بجائے اپنی رائے اور اپنے خیال کے مطابق کام کرنے کی کوششیں ہوئی تھیں۔

☆ ارکان روہنگیا یونین دراصل ایک مجلس تنسیقی یا ایک متحدہ رابطہ کمیٹی کے بطور تاسیس ہوئی یا وجود میں لائی گئی تھی، مگر اختلاف کرنے والوں کے مطابق ڈائرکٹر جنرل نے قومی مفادات کے برعکس اپنے بعض غیر ذمے دار عناصر کے مفاد پرستانہ تعاون اور امداد سے اسے ایک باضابطہ جماعت کی شکل بنا دیا، چنانچہ ناقدین کے مطابق ارکان روہنگیا یونین ایک مجلس تنسیقی یا متحدہ رابطہ کمیٹی نہ رہی بلکہ عملا ایک باضابطہ کسی قسم کی جواب دہی سے بالاتر جماعت کی شکل اختیار کر گئی تھی۔

☆ منظمۃ التعاون الاسلامی کے صدر دفتر جدہ میں ۲۰۱۳ء میں ہونے والے اے آر یو کے دوسرے جنرل اجلاس یا ان کے الفاظ میں کانگرس کے اجلاس کے دوران گلوبل روہنگیا سنٹر (GRC) کے نام سے نام نہاد پروگرام کو اے آر یو کے چارٹر میں شامل کیا گیا تھا، جسے اس کے بعض چالاک کارکنوں یا کارندوں نے بعد میں ایک مستقل تنظیم کے بطور متعارف کرایا تھا، انہوں نے ارکان روہنگیا یونین کے نام پر یا دوسرے الفاظ میں روہنگیا مظلوموں کے لئے بے دریغ چندے وصول کرتے ہوئے ایک طرح کی سینہ زوری کے ساتھ علانیہ طور پر بدعنوانیاں کیں، اور حاصل شدہ رقوم کو اپنے جائز مصرف میں دینے کے بجائے ان میں بھاری غبن کیا گیا تھا، لیکن اس حوالے سے کسی بھی قسم کا محاسبہ نہ ہو پایا تھا، چنانچہ ڈی جی صاحب کی طرف سے ان چالاک مفاد پرستوں کو جو بڑی حد تک چھوٹ دی گئی تھی، اسے افسوس ناک کام قرار دیا گیا تھا۔

☆ ارکان روہنگیا یونین کے موسسین کے علی الرغم اگلے اور پچھلے دونوں عرصوں کے مستشاروں اور کانگرس کے ممبروں اور بطور خاص ریجنل کونسل (RCC) کے اراکین کو دانستہ طور پر غیر فعال اور غیر موثر بناتے ہوئے ڈی جی صاحب کا اے آر یو کے مرکزی پاور پر پورا کنٹرول کرلینا نامناسب سمجھا گیا تھا۔

☆ حالات کے تقاضے اور وقت کی نزاکت کے پیش نظر ارکان روہنگیا یونین ایک سیاسی، جمہوری، اور پرامن تنظیم کے بطور تاسیس کی گئی تھی، جسے ولایات متحدہ امریکہ میں تسجیل بھی کی گئی، مگر ڈی جی صاحب کا اسے ایک سیاسی تنظیم کے طور پر رجسٹریشن کرنے کے بجائے ایک غیر سیاسی یا رفاہی تنظیم کے طور پر رجسٹریشن کرانا، اور وہ بھی کسی ایک قومی لیبل کے بجائے ان کے بعض فیملی ممبروں کی شمولیت

کے ساتھ، چنانچہ بعض ناقدین کی نظر میں ڈین جی صاحب کا یہ عمل ان کی من مانی اوران کی ذاتی مفاد پرستی کی بین تصویر تھا، تاکہ آئے دن ارکان روہنگیا یونین پران کا تسلط کے ساتھ کنٹرول حاصل رہے اوران کے سامنے روہنگیا نام کے کوئی جوں تک رینگنے کی ہمت نہ کر سکے۔

☆ حالات کے تقاضے اور وقت کی نزاکت کو سامنے رکھتے ہوئے قومی مفادات کی پیش نظر ارکان روہنگیا یونین کی طرف سے کسی بھی سوچے سمجھے اور پوری منصوبہ بندی کے ساتھ کسی بھی قسم کے کوئی بھی پروگرام کا نہ لیا جانا، پھر مزید یہ کہ ڈی جی صاحب اپنے منشا کے مطابق جو بھی مختلف پروگرام بنا لیتے، خود ان پر بھی قابل ریکارڈ اقدامات کا نہ ہونا افسوس ناک تھا۔

☆ ناقدین کی نظر میں ۲۰۱۳ء والے اے آر یو کے دوسرے کنونشن میں ڈی جی صاحب اوران کے چند حواریوں نے ووٹ بنک بڑھانے کے لئے درجنوں نام نہاد منظمات گڑھ کر انہیں باضابطہ طور پر ارکان روہنگیا یونین میں شامل کرنا ناروا کام تھا۔

☆ دانستہ طور پر تنظیم کے وجود میں آنے کے بعد سے ڈی جی صاحب کا مجلس تاسیسی کے اراکین، صاحب رائے قومی شخصیات، بشمول تاسیسی ممبران سے مسلسل پہلوتہی کرنا خودغرضی کا نشان تھا۔

☆ مالیات کے حوالے کبھی بھی محاسبہ کا نہ پایا جانا، ناقدین جسے ڈی جی صاحب اور ان کے بعض حواریوں کی مالیاتی بدعنوانی یا اسکینڈل سے تعبیر کرتے تھے۔

☆ ناقدین کے مطابق ڈی جی صاحب کی اپنی طرف سے مگر ارکان روہنگیا یونین کے نام مختلف اوقات اور متنوع جگہوں میں میڈیا کے ذریعے مشکوک اور قومی مفادات کے خلاف بیانات کا سامنے آنا، اور ساتھ ہی ساتھ ہر سنی کو ان سنی کرتے ہوئے پاور کا غلط استعمال کرنا ایک قومی حادثہ تھا۔

ڈاکٹر وقارالدین صاحب ڈی جی بننے کے بعد سعودی عرب کے انگنت چکر لگاتے رہے تھے، علاوہ ازیں مختلف ممالک میں سفر کرتے رہے تھے، مسلم ممالک کے بعض موثر صدور اور لیڈران سے بھی آپ نے ملاقاتیں کیں، روہنگیا مسئلہ کے حوالے سے منظمۃ التعاون الاسلامی کا ہاتھ بھی بٹاتے رہے تھے، آخرکار آپ نے ۲۰۲۲ء میں امریکہ میں داعی اجل کو لبیک کہا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

انجینئر محمد طاہر صاحب یونگ چنگی، بوسیدنگی،

سیاسی لیڈر ور ہنما:

جناب انجینئر محمد طاہر صاحب کی پیدائش ۱۹۶۴ء میں جنوبی بوسیدنگ کے معروف قصبہ یونگ چنگ میں ہوئی، آپ کے والد نہایت دین دار اور علماء دوست انسان تھے، اور شنید ہے کہ والدہ بھی ایک نہایت پاکیزہ صفات خاتون تھی۔

محمد طاہر صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب کے ساتھ سرکاری پرائمری اسکول میں ہوئی، یونگ چنگ کے مڈل اسکول سے تعلیم پا کر بوسیدنگ ہائی اسکول میں داخلہ لیا، یہاں سے آپ نے مٹرک کا امتحان امتیازی نمبرات کے ساتھ پاس کیا تھا۔ مٹرک پاس کرنے کے بعد آپ نے رنگون انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی میں داخلہ لیا، جہاں سے آپ نے ۱۹۸۶ء میں سول انجینئرنگ میں بی ایس سی (BSC) پھر ۱۹۸۷ء میں ایم ایس سی (MSC) کی ڈگریاں حاصل کیں، اس کے بعد آسیان کے رجسٹرشدہ انجینئرنگ فورم کے پہلے ممبر پھر سینئر رکن بنے، دوران تعلیم آپ سیاست سے وابستہ ہوگئے، چنانچہ ۱۹۸۸ء کے دوران آپ نے برمی طلبہ کے عموما اور روہنگیا طلبہ کی خصوصا قیادت کی، یہاں سے آپ کی شخصیت قومی سطح پر کھل کر سامنے آئی تھی۔

انجینئر صاحب بہت ساری تنظیموں، فورموں اور انجمنوں کے کسی کے چیرمن اور کسی کے رکن ہیں، جن میں کچھ یہ ہیں:

1. CHAIRMAN UNION NATIONALS DEVELOPMENT PARTY(UNDP).
2. DIRECTOR OF ROHINGYA RESOURCE CENTRE.
3. ASEAN REGISSTERED ENGINEER AND SENIOR LICENSED ENGINEER.
4. STANDING COMMISSION MEMBER OF RELIGIONS FOR PEACE.
5. BUREARU OF EDUCATION AND CULTURAL AFFAIRS UNITED STATES(USA).

محمد طاہر صاحب نے ۱۹۸۹ء میں یونین نیشنل ڈیولپمنٹ پارٹی (UNDP) نامی ایک تنظیم قائم

کی جسے رنگون میں رجسٹر کیا گیا تھا، جس کے آپ موسس چیرمن بنے اور آج تک آپ اپنے عہدہ پر بحال ہیں، آپ نے ۱۹۹۰ء کے عام انتخابات میں جنوبی بوسیدنگ کے حلقے سے الکشن لڑا، لیکن اس میں ناکام ہوگئے تھے، اس الکشن کے بعد برمی فوج نے اقتدار پر مسلسل قبضہ جمائے رکھا تو کریک داؤن کی وجہ سے آپ عرصۂ دراز تک روپوش رہے، اس دوران بنگلادیش بھی آئے اور سعودی عرب بھی گئے تھے، لیکن بعد میں حالات کی کشیدگی کم ہوئی تو آپ دوبارہ رنگون جا مقیم ہوگئے۔

جناب محمد طاہر صاحب نے ۲۰۱۰ء کے بھی عام انتخابات میں جنوبی بوسیدنگ کے حلقے سے الکشن لڑا تھا، جس میں اگرچہ آپ کامیاب ہو چکے تھے لیکن متعصب برمی فوجی حکومت نے بدون کسی قانونی وجہ کے اسے کالعدم قرار دیا تھا۔

رنگون میں محمد طاہر صاحب نے اپنی سیاسی سرگرمی مسلسل جاری رکھی، اس دوران آپ نے امریکہ کے علی الرغم مختلف ملکوں کے دورے کے ساتھ مختلف عالمی شخصیات سے ملاقاتیں کیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ ولایات متحدہ امریکہ کے سابق صدر بل کلنٹون سے ۲۰۱۲ء میں۔

۲۔ ولایات متحدہ امریکہ کے سابق صدر مسٹر باراک اوباما سے ۲۰۱۲ء میں۔

۳۔ یوروپین یونین (EU) کے چیف گٹرین اشٹون سے ۲۰۱۳ء میں۔

۴۔ انڈونیشی نائب صدر سے ۲۰۱۴ء میں۔

۵۔ یوروپین یونین (EU) کے ٹریڈ کمیشن سے ۲۰۱۹ء میں۔

۶۔ برطانوی وزیر خارجہ سے ۲۰۱۹ء میں۔

۷۔ امریکی وزیر خارجہ سے ۲۰۱۹ء میں۔

۸۔ ناروے کے وزیر خارجہ سے ۲۰۱۹ء میں۔

محمد طاہر صاحب نے ۲۰۱۴ء میں اے پی آئی (API) ریجینل ورک شاپ آف ہیروشیما جاپان میں ارکان میں روہنگیا قوم کی تاریخی طور پر موجودگی اور ان کی شہریت کے حوالے سے دشمنان روہنگیا سے علمی اور فکری چیلنج اور دستوری و قانونی مقابلہ کیا تھا، اسی طرح اس سلسلے کی دیگر خدمات:

☆ ۲۰۱۴ء میں عبدالرحمن وحید سنٹر جکرتا یونیورسیٹی انڈونیشیا میں۔

☆ ۲۶/۲۷/۲۰۱۵ نومبر/ ۲۰۱۵ء میں چولالنگورن کوم یونیورسیٹی آف تھائی لینڈ میں۔

☆ ۲۰۱۹ء میں لینڈوا آپ جرمنی میں۔

جناب انجینئر محمد طاہر صاحب حال میں روہنگیا مظلوم، وطن رہتے ہوئے بے وطن بنائی جانے والی مسلم قوم کے مسائل ومشکلات اور ان کے مستقل اور پائدار حل کے موضوع پر مطالعہ اور غور خوض کے علاوہ اس حوالے سے عملی کام میں مصروف ہیں، اللہ تعالی آپ اور ہم سب کو کامیاب کرے۔

جناب انجینئر محمد طاہر صاحب نہایت زیرک، ہشیار، فعال وسرگرم اور ہر دل عزیز سیاست دان ہیں، علاوہ ازیں خطیب اور قانون دان بھی، اندرون وطن رہتے ہوئے آپ نے جو قومی خدمات انجام دیں اور دے سکیں وہ بڑی حیرت انگیز ہیں، اللہ تعالی آپ کی حیات دراز کرے اور مزید خدمات کی توفیق عنایت فرمائے، آمین۔

☆☆☆

جناب عبدالرزاق صاحب (شوے مونگ) بوسیدنگی،
ایم پی، سیاسی لیڈر:

جناب عبدالرزاق معروف بہ (شوے مونگ) صاحب کی پیدائش بوسیدنگ شہر میں ہوئی، آپ کے والد جناب عبدالہادی داروغہ صاحب نہایت متدین اور نستعلیقی کیفیت کے بزرگ تھے، داروغہ صاحب کو میں نے عرصۂ دراز تک بہت ہی قریب سے دیکھا، پانچوں اوقات کی نمازیں جامعہ اسلامیہ عالیہ کے بغل والی مرکزی جامع مسجد میں ادا کرتے تھے، اوراس مدرسہ میں کبھی کبھار تشریف لایا بھی کرتے تھے۔
عبدالرزاق صاحب کے بڑے بھائی ماسٹر عبدالحکیم صاحب بھی نہایت نیک آدمی ہیں، اسی طرح آپ کے اورایک بھائی عبدالرحمن میرے قریبی ساتھیوں میں سے بہت دین دار دانشور ہیں۔

عبدالرزاق صاحب کی ابتدائی تعلیم مکتب اور سرکاری پرائمری اسکول میں ہوئی، بوسیدنگ ہائی اسکول سے مٹرک پاس کر کے رنگون یونیورسیٹی سے ڈگری حاصل کی، طالب علمی کے زمانے سے آپ سیاست سے وابستہ ہوگئے، چنانچہ ۱۹۸۸ء میں اقتدار سے جنرل نیون کی سبکدوشی کے بعد عبدالرزاق صاحب دنیائے سیاست میں کھل کر سامنے آئے، اس دوران رنگون سے ارکان آکر مسلم طلبہ کی قیادت سنبھالی اور مسلمانان ارکان کا حوصلہ بلند رکھا۔ ۱۹۹۰ء کے عام انتخابات کے دوران جناب عبدالرزاق صاحب نے مسلمانان ارکان کی رہنمائی کی، لیکن اقتدار پر برمی فوج کا مسلسل قبضہ اور ملک بھر میں کریک ڈاؤن ہونے کی وجہ سے آپ کو مدتوں خاموش رہنا پڑا تھا۔

جنرل تھان شوے کے دورحکومت کے نام نہاد انتخابات میں جناب عبدالرزاق صاحب بوسیدنگ کے ایک حلقے سے حصہ لے کر پالیمنٹ ممبر (MP) بنے، ۲۰۱۲ء کے آگے پیچھے آپ نے برمی پارلیمنٹ میں ارکانی مسلمانوں کے حق میں زوردار آواز اٹھائی تھی، جس کی وجہ سے نہ صرف ارکانی مسلمانوں بلکہ ملک بھر کے لوگوں کی توجہ آپ کی طرف مبذول ہوگئی تھی۔

غالباً ۲۰۱۷ء کے بعد آپ نے ترک وطن کرکے ولایات متحدہ امریکہ میں پناہ لی، جہاں تادم تحریر روہنگیا قوم کے حوالے سے سرگرم عمل ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے، آمین۔

مولانا ڈاکٹر بشیر احمد صاحب خواندکارفاروی، منگڈوی،
انقلابی، سیاست دان، مفکر ومنتظم:

ابوصفیہ مولانا حافظ ڈاکٹر بشیر احمد صاحب سیف الارکان کی پیدائش جنوبی منگڈو کی مردم خیز بستی خواندکار فارہ میں دسمبر ۱۹۷۱ء میں ایک دین دار اور علماء پسند گھرانے میں ہوئی۔ یہ بستی علماء وصلحاء کی آماجگاہ ہونے کے علاوہ کہتے ہیں کہ مدرسہ اشرف العلوم نوراللہ فارہ اور مدرسہ عالیہ شقدار فارہ کی بنیاد بھی اسی بستی میں پڑی تھی، بعد میں یہ مدارس یہاں سے منتقل ہوہوکر حالیہ مقامات میں جا بسے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے خاندان کے حوالے سے اپنے ایک مراسلہ میں مجھے یوں بیان کیا کہ:

> مولانا! دنیا کے دیگر فنون کی طرح سیاست کا فن یا رجان بھی خون سے کافی تعلق رکھتا ہے، میرے خاندن کے بزرگوں کے خون میں سیاست کی طرف رجحان کافی بڑھا ہوا تھا، اور تو اور میرے والد صاحب کے علاوہ میرے تایا بھی اس میدان سے کافی دلچسپی رکھتے تھے، یوں سیاست کی طرف میرا رجان بھی گویا خاندانی ورثہ ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے مکتب نشینی اور عصری علوم کی تعلیم اپنی بستی کے مکتب اور سرکاری پرائمری اسکول میں پائی، آپ کے مکتب کے دو اساتذہ ہیں، پہلا حضرت مولانا علی احمد صاحب مظاہری خواندکار فاروی جبکہ دوسرا حضرت مولانا ابوالحسین صاحب قاسمی خواندکار فاروی ہیں، مکتب میں ان دونوں اساتذہ سے آپ نے ناظرۂ قرآن کریم سے لے کر جماعت یازدہم اور دہم کی تعلیم پائی، اس کے بعد مدرسہ اشرف العلوم نوراللہ فارہ میں داخلہ لیا، جہاں آپ نے:

مولانا حافظ امین اللہ صاحب خائندہ فاروی ؒ۔
مولانا حافظ ولی احمد صاحب شاعرہ فاروی ؒ۔
مولانا حافظ فیض احمد صاحب شاعرہ فاروی ؒ۔

سے تحفیظ القرآن کی تکمیل کی، یہاں تحفیظ القرآن کے حوالے سے قابل ذکر ایک بات یہ ہے کہ آپ نے تحفیظ کے دورے مدرسہ اشرف العلوم نوراللہ فارہ کے علاوہ مدرسہ قاسم العلوم چارکمبو اور مدرسہ ضمیریہ قاسم العلوم پٹیہ چاٹگام میں بھی کئے تھے۔

ڈاکٹر صاحب نے بہر حال تحفیظ القرآن کی تکمیل کے بعد جماعت نہم سے لے کر متوسطہ کی دینی تعلیم مدرسہ اشرف العلوم نور اللہ فارہ میں حاصل کی، یہاں آپ نے جن نامور اور نا قابل فراموش اساتذۂ کرام سے خوب خوب استفادہ کیا تھا، ان میں سے چند حضرات یہ ہیں:

☆ حضرت مولانا مستفیض الرحمن صاحب نلبنویؒ۔

☆ حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب شاعرہ فاروی ۔

☆ حضرت مولانا حسن علی صاحب دابری چنگی، بوسیدنگیؒ ۔

☆ حضرت مولانا رشید احمد صاحب بانگونوی، منگڈویؒ ۔

☆ حضرت مولانا نثار احمد صاحب بانگونوی، منگڈویؒ ۔

☆ حضرت مولانا نور الاسلام صاحب شاعرہ فاروی۔

☆ حضرت مولانا فیض الحق صاحب نلبنوی ۔

☆ حضرت مولانا ابو البشر صاحب۔

☆ حضرت مولانا کلیم اللہ صاحب۔

☆ حضرت مولانا عبد العزیز صاحب

☆ حضرت مولانا بشیر الدین صاحب۔

ابتدائیہ سے لے کر درجۂ ثانویہ تک کی تعلیم کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے کہ:

”میری مکتب نشینی گاؤں کے ابتدائی مدرسہ میں ہوئی، یہاں میں نے دینیات کی ابتدائی تعلیم حاصل کی، اس کے ساتھ ہی ساتھ سرکاری پرائمری اسکول سے عصری علوم کی تعلیم بھی حاصل کی، بعد ازاں مدرسہ اشرف العلوم میں داخلہ لیا، یہاں میں نے تحفیظ کے علاوہ دینیات کی تعلیم جن نامور اساتذہ سے حاصل کی ان میں سے مولانا رشید احمد صاحب بانگونویؒ، مولانا نثار احمد صاحب بانگونوی، مولانا مستفیض الرحمن صاحب نلبنویؒ، مولانا حسن علی صاحب دابری چنگی بوسیدنگیؒ اور مولانا نور الاسلام صاحب شاعرہ فارویؒ نا قابل فراموش ہیں، مؤخر الذکر مولانا سے میں نے

نحو میر، ہدایۃ النحو اور کافیہ جیسی کتابیں پڑھیں، مولانا ان کتابوں کی تکرار کے لئے ہم سبق طلباء کو میرے حوالے کر دیتے تھے، کبھی کبھار فرمایا کرتے تھے کہ بشیر احمد بڑا ذہین طالب علم ہے، اچھی طرح پڑھا تو ایک بڑا عالم بن سکے گا، لیکن مشکل تو یہ ہے کہ اس کے ذہن رسا پڑھائی کے علاوہ بھی دیگر امور میں کام کرتا رہتا ہے۔ مولانا عبد اللطیف صاحب شاعرہ پاروی جو رشتے میں میرے ماموں بھی تھے سے اگرچہ میں نے مدرسہ میں باضابطہ طور پر کوئی کتاب نہیں پڑھی، لیکن رمضان المبارک میں انہی کے گھر میں معقولات کے حوالے سے ان سے کافی استفادہ کیا تھا، اللہ تعالی ان سب کو غریق رحمت کرے“۔

ڈاکٹر بشیر احمد صاحب نے مدرسہ اشرف العلوم نور اللہ فارہ میں جماعت ششم پڑھ کر اگلے ایک سال مدرسہ عالیہ قاسم العلوم شقدار فارہ میں جماعت پنجم کی تعلیم پائی، شقدار فارہ میں دوران تعلیم اور اس کے بعد بھی تقریبا دو ڈھائی سال تک آپ نے پرائیوٹ طور پر برمیز، انگریزی، میتامیتک، بایولوجی، اور کمسٹری وغیرہ موضوعات کی مٹرکٹ تک کی تعلیم حاصل کی۔ ڈاکٹر صاحب کے بیان سے پتہ چلا ہے کہ آپ نے یہاں کے دوران دینی تعلیم عصری علوم سے بھی کافی دل چسپی لی تھی، جس میں آپ نے کافی ترقی بھی کی۔ ڈاکٹر صاحب کے بیان کے مطابق مدرسہ قاسم العلوم شقدار فارہ میں آپ نے جن اساتذہ سے بھرپور استفادہ کیا، ان میں سے چند یہ ہیں:

☆ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب۔

☆ حضرت مولانا مستفیض الرحمن صاحب۔

☆ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب کرجنڈیاویؒ۔

☆ حضرت مولانا حامد حسین صاحب۔

☆ حضرت مولانا فیض الحق صاحب نلبنوی۔

☆ حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب شاعرہ فاروی۔

☆ حضرت مولانا محمد امین صاحب ناری بیلویؒ۔

☆ حضرت مولانا فیض الحق صاحب کیلا دنگی''۔

اس کے بعد آپ نے تحریکی سرگرمی کے حوالے سے بنگلا دیش ہجرت کی، جہاں آپ نے عسکری تربیت حاصل کی، اس کے بعد دوبارہ دینی تعلیم کے ساتھ عصری علوم کی طرف توجہ دی تھی، اس حوالے سے آپ فرماتے ہیں کہ:

''میری ابتدائی دینی تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ عصری علوم کی بھی ابتدائی تعلیم اپنی بستی میں ہوئی، کچھ شعور بڑھا تو میں نے فیصلہ کرلیا کہ مجھے دینی تعلیم کے ساتھ عصری علوم بھی حاصل کرنا چاہئے، میری دینی علوم کی تحصیل کے ساتھ عصری علوم کی ابتدائی تحصیل یعنی چوتھی جماعت تک کی تعلیم کے اساتذہ میں معروف یہ ہیں:

ماسٹر ابوسفیان صاحب قادر بیلوی،

ماسٹر باصر صاحب شقدارفاروی،

ماسٹر خلیل احمد صاحب نلبنوی،

ماسٹر فیاض الحق صاحب بلی بازاری،

ماسٹر محمد الیاس صاحب،

ماسٹر دین محمد صاحب ماسٹر سلطان احمد صاحب۔

پرائمری کی عصری تعلیم مکمل ہونے کے بعد میں نے پرائیوٹ طور پر اپنی عصری علوم کی تحصیل جاری رکھی، یوں اگلے چند سال کے مسلسل جد و جہد سے ان مذکورہ اساتذہ سے مٹرک تک کی تعلیم حاصل کرلی تھی''۔

اس کے بعد آپ جماعت چہارم سے لے کر دورۂ حدیث تک کی تعلیم مدرسہ معین الاسلام ہاٹہزاری میں پاکر سند فراغت حاصل کی، اور مؤخر الذکر مدرسہ میں آپ نے جن نامور اساتذۂ کرام سے مستفید ہوئے ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

☆ حضرت مولانا مفتی احمد شفیع صاحبؒ، سابق مہتمم مدرسہ معین الاسلام ہاٹہزاری۔

☆ حضرت مولانا مفتی احمد الحق صاحبؒ۔

☆ حضرت مولانا محمد جنید صاحب بابونگریؒ، سابق نائب امیر حفاظتِ اسلام بنگلا دیش۔

☆ حضرت مولانا شیخ احمد صاحب۔، حالیہ قائم مقام مہتمم مدرسہ معین الاسلام ہاٹہزاری۔

☆ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب۔

☆ حضرت مولانا عزیز الحق صاحبؒ۔

☆ حضرت مولانا قاری محمد الیاس صاحب۔

☆ حضرت مولانا حافظ شہید الاسلام صاحب۔

☆ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب فٹکچروی، داماد حضرت مولانا مفتی عبدالرحمن صاحب۔

☆ حضرت مولانا نورالاسلام صاحب فینی۔

☆ حضرت مولانا حافظ محمد شعیب صاحبؒ۔

☆ حضرت مولانا عبدالسبحان صاحب بانس خالویؒ۔

☆ حضرت مولانا مفتی جشیم الدین صاحبؒ۔

☆ حضرت مولانا مفتی نوراحمد صاحبؒ۔

☆ حضرت مولانا محمد عمر صاحب۔

☆ حضرت مولانا کبیر احمد صاحب۔

☆ حضرت مولانا محمد یحیی صاحب۔

مدرسہ معین الاسلام میں آپ نے حدیث کے آخری درس سرزمین پاکستان کے مایۂ ناز عالم دین حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب سے لیا، جنہوں نے آپ کو حدیث کی تمام متداول کتب کی سند بھی عطا کی تھی۔ علاوہ ازیں آپ نے ہندوستان کی عظیم شخصیت حضرت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) سے بھی احادیث نبویہ کی سند لی تھی۔

پھر یہاں سے فراغت کے بعد آپ نے مدرسہ ضمیریہ قاسم العلوم پٹیہ میں مزید ایک سال دورۂ حدیث کی تعلیم پاکر ۱۹۹۷ء میں دوسری سند فراغت حاصل کی، موخرالذکر اس دینی مدرسہ میں آپ جن اساتذۂ کرام سے مستفید ہوئے ان کے نام درج ذیل ہیں:

☆ حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب غازیؒ۔
☆ حضرت مولانا مفتی مظفر احمد صاحب مہیش خالویؒ۔
☆ حضرت مولانا مفتی احمد اللہ صاحب جیروی۔
☆ حضرت مولانا محمد ہارون صاحب اسلام آبادیؒ، سابق مہتمم مدرسہ ضمیریہ پٹیہ۔
☆ حضرت مولانا محمد ایوب صاحبؒ۔
☆ حضرت مولانا نورالاسلام قدیم صاحبؒ۔
☆ حضرت مولانا نورالاسلام جدید صاحبؒ۔
☆ حضرت مولانا علی احمد صاحب بوعلیؒ ۔
☆ حضرت مولانا عبدالحلیم بخاری صاحب۔
☆ حضرت مولانا مفتی شمش الدین صاحب۔

جامعہ اسلامیہ پٹیہ کے ان مذکورہ اکابر اساتذہ کے علاوہ جامعۃ الازہر کے دو اساتذہ سے بھی آپ نے استفادہ کیا، دورۂ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری درس آپ نے حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب ڈھاکوی سے لے کر ان سے حدیث کی اجازت بھی لی تھی۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ:

"عسکری تربیت کے بعد معسکر میں میں نے عصری علوم کی طرف توجہ دی تھی، اور یہاں پائے جانے والے اس زمانے کے چند معروف اساتذہ سے میں نے خاصے استفادہ کیا، جن میں پروفیسر محمد زکریا صاحب تنگ بازاری، ماسٹر عبد الرشید صاحب، ماسٹر نورالعالم صاحب، ماسٹر احسان اللہ صاحب پوئمالوی ناقابل فراموش ہیں، علاوہ ازیں میں نے شہر چاٹگام، ناظر ہاٹ، عیسی پور، فتح پور وغیرہ علاقہ جات کے اساتذہ سے بھی عصری علوم کے حوالے سے استفادہ کیا، یہاں کے اساتذہ میں پروفیسر نورالاسلام صاحب ہاٹہزاروی، پروفیسر عتیق الرحمن صاحب، پروفیسر مستفیض الرحمن صاحب، پروفیسر عطاء الرحمن صاحب جیسوں سے بایولوجی، کمسٹری،

ٹارمالوجی، فیزکس اور طب کے علوم میں استفادہ کیا، ان اساتذہ کے علاوہ تین ہندوستانی اساتذہ پروفیسر مسٹر شاہ نواز صاحب، مس دینا رائے اور پروفیسر انیتا موز وغیرہ سے علم طب میں استفادہ کیا، ویسے آخر کار اینگلو یونیورسیٹی تک پہنچا، جہاں آج کل ایم ڈی کی ڈگری کے لئے میری تعلیم چل رہی ہے، پھر انگریزی زبان کی تعلیم کے لئے بھی بھرپور کوششیں کی گئیں، اس حوالے سے چاٹگام کے مختلف اساتذہ کے علاوہ برٹش کونسل میں بھی متعدد کورسس کئے گئے تھے۔

ڈاکٹر بشیر احمد صاحب نے روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) میں عرصۂ دراز تک کام کیا، اس کے بعد مولانا محمد حنیف راغب صاحب کی تنظیم اتحاد المجاہدین میں بھی عرصۂ دراز تک شامل رہے، بعد ازاں سعودی عرب چلے گئے، جہاں آپ نے طبابت کا پیشہ اختیار کیا، اور ساتھ ساتھ سیاسی و انقلابی کاموں میں بھی مشغول رہے، ۲۰۰۸ء کے دوران راقم سطور کی معیت میں چاٹگام میں منعقد ہونے والے سیاسی جلسہ میں بھی "روہنگیا نیشنل پارٹی (RNP) کے بحیثیت صدر شریک ہوئے، اس کے بعد ارکان روہنگیا یونین (ARU) کی تاسیس میں بھی بھرپور حصہ لیا، ماشاءاللہ اب تک آپ قومی کام کے حوالے سے سرگرم عمل ہیں۔ بہرحال آپ کی تنظیم کے متعلق کچھ معلومات درج ذیل ہیں:

روہنگیا نیشنل پارٹی (RNP) کے لائحۂ عمل کا خلاصہ:

(۱) تطہیر و تعمیر افکار۔
(۲) صالح افراد کی تلاش و جستجو، اور ان کی تنظیم و تربیت۔
(۳) قومی سطح پر اجتماعی اصلاح کی کوشش۔
(۴) برما کے دستور اور نظام حکومت کی اصلاح۔

نصب العین اور اہداف و اغراض و مقاصد کا خلاصہ:

(۱) کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق امور سیاست میں اترتے ہوئے ملک میں آزادی اور امن و آشتی کی بحالی کے لئے جدوجہد کے ذریعے اللہ تعالی کی رضامندی و خوشنودی حاصل کرنا۔

(۲) دعوتی وتبلیغی سرگرمیوں کے ذریعے مسلمانوں کا عموماً اور روہنگیا مسلمانوں کا خصوصاً اتباع قرآن وسنت کے لئے ذہن سازی کرنا۔

(۳) عصر حاضر کے تقاضوں کے پیش نظر روہنگیا مسلمانوں میں علوم دینیہ کے تہ بتہ علوم عصریہ کے حصول کا جذبہ پیدا کرنا۔

(۴) روہنگیا مسلمانوں کے حوالے سے کام کرنے والے منتشر افراد کو اتحاد واتفاق کے پرچم تلے جمع کرکے انہیں ملک وملت کے مفاد میں کام کرنے کے لئے تیار کرنا۔

(۵) انسانی حقوق کے حوالے سے بین الاقوامی آئین وقوانین، اصول وضوابط کے مطابق برمی حکومت سے روہنگیا مسلمانوں کے حقوق کی بازیابی کے ساتھ ان کے جمیع مسائل کو مستقل اور پائدار طور پر حل کرنے کی کوشش کرنا۔

(۶) روہنگیا مسلمانوں پر ہونے والے مظالم واستبداد کی روک تھام کے لئے دفاع کے بطور مادی و معنوی قوت کے حصول کے ساتھ حالت کے تقاضے اور وقت کی نزاکت کو سامنے رکھتے ہوئے ضروری اقدامات کرنا۔

(۷) روہنگیا نیشنل فنڈ (RNF) کے نام سے ایک روہنگیا قومی بجٹ کی بنیاد رکھنا، تاکہ تمام ضروری اور بنیادی کام کی انجام دہی کے لئے سہولیات میسر ہوسکیں۔

(۸) روہنگیا مہاجرین کو پناہ دیے جانے والے ملکوں میں انہیں بطور مہاجر رجسٹر کراتے ہوئے بین الاقوامی قوانین کے تحت ان کی قانونی رکاوٹوں کو دور کرنا۔

(۹) منتشر روہنگیا مسلمانوں کو ایک ہی نصب العین پر منظم کرنے کے لئے کسی قانونی وسیاسی اثر ورسوخ کو استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ دعوتی اور فکری پروگراموں کے ذریعے ان کی قومی اتحاد کو یقینی بنانا۔

(۱۰) روہنگیا مسلمانوں کی کھوئی ہوئی عزت وقار کی بحالی کے ساتھ ان کی اپنے ہی وطن میں آزادی و وقار اور خوش حالی کے ساتھ زندگی گزارنے کی امنگوں کو یقینی بنانا۔

(۱۱) مختلف روہنگیا سیاسی وانقلابی جماعتوں کے علی الرغم برما کے دیگر ان قوموں اور نسلی گروہوں کو تعاون کرنا، جو برما میں ایک فیڈرل جمہوری حکومت کے قیام کے خواہاں ہیں۔

(۱۲) روہنگیا نیشنل پارٹی روہنگیا حل طلب مسائل کو پرامن طریقے سے حل کرنے کی خواہاں بھی ہے اور اس حوالے سے کوشاں بھی۔

(۱۳) دہشت گردی کے حوالے سے دنیا بھر کی ساری امن وآشتی پسند قوموں کی طرح ہم بھی بے چین ہیں، ویسے روہنگیا نیشنل پارٹی دہشت گردی کے سخت مخالف ہے، اور ہماری تنظیم دہشت گردی کی روک تھام کے لئے امن پسندوں کے ساتھ شریک وسہیم ہوکر جدوجہد کرے گی۔

<u>پروگرام وحکمت عملی کا خلاصہ:</u>

(۱) وطن عزیز میں روہنگیا مسلمانوں کی آزادی وحقوق کی بحالی کے لئے انہیں فکری طور پر ہم آہنگ کرتے ہوئے ایک منظم سیاسی جماعت کی طرف دعوت دینا۔

(۲) علوم دینیہ وعصریہ کے حصول کے لئے روہنگیا طلباء کو مواقع فراہم کرنا، تاکہ وہ ان علوم سے مستفید وروشناس ہوکے ملت وقوم کی بجا طور پر خدمات انجام دینے کے قابل بن سکیں۔

(۳) مختلف ومنتشر الخیال افراد کو ایک ہی پرچم تلے جمع کرکے ان کی فطری صلاحیات واستعداد کو مزید نکھارنے کے ساتھ ساتھ ان کے جذبۂ حریت وآزادی اور ان کی اسلامی ودینی شعور کو بیدار کرنے کے لئے تربیتی کورسس کرانا۔

(۴) روہنگیا مسائل کے مستقل و پائدار حل کے لئے تمام دنیا کے انسانیت پسند ملکوں وقوموں اور انسان دوست انجمنوں وتنظیموں کے علی الرغم تمام پڑوسی ممالک کا اخلاقی وسیاسی تعاون حاصل کرنا۔

(۵) تمام صلاحیات اور حکمت عملیوں کو بروئے کار لاکر برما میں ایک فیڈرل جمہوری حکومت کے قیام کی کوشش کرنا۔

(۶) مختلف دعوتی وسیاسی پروگراموں کے ذریعے برمی مسلمانوں کے عموماً اور ارکان کے روہنگیا مسلمانوں کے خصوصاً دینی وسیاسی شعور کو بیدار کرنا۔

(۷) دنیا بھر کے انسانیت دوست ملکوں اور قوموں کو ہمارے حالات سے آگاہ کرتے ہوئے ہمارے موافق رائے عامہ کا ہموار کرنا۔

(۸) وطن عزیز ارکان میں امن وسکون کی مکمل بحالی تک سرزمین مقدس سعودی عرب میں پائے

جانے والے روہنگیا مہاجرین کے پرسکون قیام ورہائش کے لئے خادم الحرمین الشریفین کی حکومت کی طرف سے سہولیات فراہم کرنے کی گزارش کے ساتھ ساتھ اس حوالے سے مسلسل جدوجہد کرنا۔

(۹) ہمارے مذکورہ نصب العین کے حصول اور اہداف تک رسائی کے لئے تمام ممکنہ وسائل وذرائع کے حصول کی کوشش کرنا۔

(۱۰) اقوام متحدہ کے زیر سایۂ دنیا کے مختلف ملکوں میں روہنگیا مسلمانوں کے لئے پناہ گاہ کا حاصل کرنا، تاکہ وطن عزیز میں امن کی مکمل بحالی تک یہ مہاجرین امن وسکون کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہوئے اپنی اولاد اور نسل کو اپنے ملک وملت کی خدمات کے لئے تیار کرسکیں۔

(۱۱) دنیا کے مختلف طاقتور ملکوں، بااثر انجمنوں اور تنظیموں کے سامنے ہمارے حل طلب مسائل و مشکلات کو سفارتی اور ڈپلومیٹک طریقے سے پیش کرنے اور ان کے بامعنی حل کے لئے تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔

(۱۲) روہنگیا جماعتوں کو متحد و ہم آہنگ کر کے منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) میں بطور مبصر (OVSERVER) روہنگیا مسلمانوں کے لئے رکنیت حاصل کرنے کی مشترکہ کوشش کرنا۔

(۱۳) اقوام عالم کی مزید ہمدردی وتعاون کے حصول کے لئے دنیا بھر کے انسان وانسانیت دوستوں کے عموما اور بنگلا دیش کے مسلمانوں کے خصوصا تنظیموں، جماعتوں اور انجمنوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا۔

(۱۴) ہماری قومی واسلامی تہذیب وثقافت کی حفاظت کی کوشش کے ساتھ ہماری قومی زبان کے رسم الخط کو سنوارتے ہوئے ہماری زبان وادب کو ترقی دینا۔

(۱۵) روہنگیا طلباء کو اعلی تعلیم دلوانے کے لئے دنیا بھر کی یونیورسٹیوں میں بھیجنے کی کوشش کرنا، اوران کے لئے اسکالرشپ حاصل کر کے انہیں حصول علم کے مواقع فراہم کرنا۔

(۱۶) روہنگیا مسلمانوں کو معاشی واقتصادی بحران سے نکالنے کی کوشش کرنا، تاکہ وہ دنیا میں خوش گوار زندگی گزارتے ہوئے اپنی اولاد واہل کو مستقبل کے لئے تیار کرسکیں۔

(۱۷) روہنگیا معاشرہ کو غرور وپندار، بے جا نکتہ چینی وتنقید، حقد وحسد، بغض وعداوت، سوئے فہمی وبد

ظنی جیسی برائیوں سے پاک کرنے کے علی الرغم انہیں تمام نسلی، خاندانی، علاقائی، مسلکی ومشربی تعصب سے پاک کرنے کی کوشش کرنا۔

(۱۸) اندرون وبیرون وطن پائی جانے والی تمام روہنگیا سیاسی وسماجی، خیری وفلاحی تنظیموں، انجمنوں اور جماعتوں کو خیرخواہی کی بنیاد پر تسلیم کرتے ہوئے قومی مفاد کے پیش نظر ان کے مابین یک جہتی پیدا کرنے کی کوشش کرنا۔

(۱۹) روہنگیا پناہ گزینوں کو پناہ ملنے والے ممالک کے عموما اور مملکتِ سعودی عرب کے خصوصا آئین و قوانین کے پاس ولحاظ کرانے کی کوشش کرنے کے ساتھ ان ممالک کے داخلی امور میں مداخلت سے کلی طور پر مجتنب رکھنے کی کوشش کرنا۔

☆☆☆

جناب ڈاکٹر دین محمد صاحب منگنماوی، منگڈوی،
سیاسی، وانقلابی اور سماجی ورفاہی کارکن:

صاحب زادۂ گرامی جناب ڈاکٹر دین محمد صاحب مولانا سید الامین صاحب منگنماویؒ کی نرینہ اولاد میں سے سب سے بڑے ہیں، ان کی پیدائش ۱۹۶۴ء میں شقدار فارہ منگڈو میں ہوئی، دراں حالیکہ حضرت مولانا جامعہ عالیہ اسلامیہ شقدار فارہ میں مدرس تھے۔

ڈاکٹر صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی مگنما میں ہوئی، گاؤں کے دینی مکتب کے ساتھ ساتھ سرکاری اسکول میں بھی پڑھتے رہے، مکتب کے استاد مولانا سلطان احمد صاحب منگنماوی تھے، جبکہ سرکاری پرائمری اسکول کے استاد ماسٹر نذیر احمد صاحب خایونگ خالوی تھے۔

اس کے بعد آپ پرامپورو آئے، وہاں کے سرکاری پرائمری اسکول میں بھرتی ہوگئے، اور ساتھ ساتھ جامعہ محمدیہ پرامپورو میں اپنے والد نامدار کی زیر نگرانی پڑھتے رہے تھے، چنانچہ آپ نے ایک طرف سرکاری اسکول سے چوتھی جماعت پاس کرلی تو دوسری طرف جماعت ششم تک درس نظامی کی متداول کتابیں بھی ماہر اساتذہ سے پڑھ لیں، ڈاکٹر صاحب کے اس زمانے کے اساتذہ درج ذیل ہیں۔

(۱) ماسٹر ابوالہاشم پرامپوروی۔

(۲) ماسٹر محمد عالم چالی پرانگی۔

(۳) ماسٹر ابوالعباس داروغہ ڈیلوی (ماسٹر صاحب مرحوم حضرت مولانا دین محمد داروغہ ڈیلوی سابق صدر روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے حقیقی چچا تھے۔

(۴) مولانا منیر احمد صاحب رامپور بیلوی۔

(۵) مولانا ابوالحسین صاحب عرب شاہ فاروی۔

(۶) مولانا محمد یوسف صاحب رامپور بیلی۔

(۷) مولانا عبدالحق صاحب پرامپوروی۔

(۸) مولانا سید عالم صاحب منگنماوی۔

(۹) مولانا عبدالرشید صاحب خوار بیلوی۔

(۱۰) مولانا عبدالحکیم صاحب خوار بیلوی۔

دین محمد صاحب سرکاری اسکول سے چوتھی جماعت پاس کرنے کے بعد منگڈو گئے اور کھاری فارہ کے سرکاری اسکول میں بھرتی ہوگئے تھے، یہاں سے آپ نے اٹھویں جماعت پاس کرلی۔ یہاں آپ کے اساتذہ یہ ہیں:

(۱) ماسٹر شوے سا (کمین مسلمان)

(۲) ماسٹر ولی اللہ شجاع فاروی.

اس کے بعد آپ شقدار فارہ ہائی اسکول میں بھرتی ہوگئے، جہاں سے آپ نے ۱۹۸۶ء میں مٹرک کا امتحان امتیازی شان سے پاس کیا تھا۔ اور یہاں کے اساتذہ درج ذیل ہیں:

(۱) ماسٹر جہانگیر عالم بلی بازاری۔

(۲) ماسٹر پے ٹنگ (مسلمان) منگڈوی۔

(۳) ماسٹر محمد یونس منگڈوی۔

(۴) مس ڈواونگ کنگ (مگھ استانی)

(۵) ماسٹر دین محمد ریدوی۔

مٹرک پاس کرنے کے بعد آپ نے ۱۹۸۷ء میں پگو کالج میں داخلہ لیا، مگر اس زمانے کے ایک قومی حادثہ کے دوران آپ کو کالج چھوڑنا پڑا، اور پڑھائی سے نہیں بلکہ آپ کو اپنا وطن بھی چھوڑنا پڑا تھا۔ بعدازاں حضرت مولانا سید الامین صاحب کا مشورہ تھا کہ اگلی تعلیم کے لئے پاکستان یا ترکی چلا جائے، بالآخر مشورہ طے ہوا کہ پاکستان ہی بہتر ہوگا، یوں آپ نے بڑی مشکل سے پاکستان کی راہ لی اور ۱۹۸۷ء کے اواخر میں اسلامیہ سائنس کالج کراچی میں داخلہ لیا، یہاں سے آپ نے (BSC) کی ڈاگری ۱۹۸۴ء میں حاصل کرلی تھی۔

اس کے بعد آپ سعودی عرب گئے، آٹھ نو مہینے تک وہیں گزار کر پھر ۱۹۹۵ء میں کراچی واپس گئے، جہاں بھی آپ نے تقریباً نو مہینے گزار دیئے تھے۔

۱۹۹۶ء میں آپ حضرت مولانا دین محمد صاحب داروغہ ڈیلی وغیرہ کی کوشش کے نتیجے میں سوڈان پہنچے، اور جامعۃ الزعیم الازہری خرطوم میں بھرتی ہوگئے، جو ایک میڈیکل کالج ہے، یہاں مسلسل دوسال

پڑھنے کے بعد ''جامعہ جوبا'' میں منتقل ہو گئے تھے، یہاں بھی دو سال پڑھتے رہے، مگر افسوس ہے کہ معاشی حالات کی خرابی کی وجہ سے آپ کو مزید پڑھائی سے ہاتھ دھونا پڑا تھا۔

۱۹۹۷ء میں آپ سودان سے بنگلہ دیش آ گئے، اسی سال آپ کی شادی شگفتہ جبین بنت مسٹر مظفر احمد (DO) خیر فاروی مرحوم سے بمقام چاٹگام ہوئی، ماشاء اللہ آج تک دو بچوں کے باپ ہیں:

(۱) رومیسا: آٹھویں جماعت کی طالبہ ہے۔

(۲) محمد عمیر: تیسری جماعت میں پڑھتا ہے۔

اللہ تعالی ان دونوں بچوں کی عمر میں برکت دیں اور ہر آلام ومصائب سے محفوظ رکھیں۔

ڈاکٹر صاحب طالب علمی کے زمانے سے روہنگیا مسلمانوں کی نجات اور ان کی بہبودی وترقی کے فکر مند رہے ہیں، غالبا ۱۹۹۳ء میں پاکستان میں تعلیم کے دوران ''اتحاد الطلاب المسلمین'' ارکان، برما (ITM) کی تاسیس ہوئی، آپ اس طلبہ تنظیم کے مؤسسین میں سے ہیں، آپ نے اس مفید اور کام کی تنظیم میں شامل ہو کر قوم کے نوجوان طلبہ کی بہت ساری خدمات انجام دیں، علم و عمل اور قومی سرگرمیوں سے لگن رکھنے والے طلبہ کی بر وقت اور صحیح رہنمائی کی تھی، سودان میں دوران تعلیم آپ نے ایک طرف اتحاد الطلاب المسلمین (ITM) تو دوسری روہنگیا سالیڈ یریٹی آرگنائزیزیشن (RSO) کی نمائندگی کی تھی، وہاں آئی ٹی ایم کے برانچ کھولے، اور بہت سارے روہنگیا طلبہ کو اسکارلرشپ کے ذریعے سوڈان کے مختلف جامعات میں داخلہ دلایا تھا، ماشاء اللہ انہوں نے اس کام کی بنیاد رکھی، بعد میں محترم ڈاکٹر محب الدین عبد السبحان واعظ (پروفیسر ام القری یونیورسیٹی مکہ المکرمہ) اور ان کے احباب و رفقائے کار نے ان تعلیمی پروگراموں کو بطور خاص سوڈان میں آگے بڑھایا، ان کے بعد آج کل غالبا ۲۰۱۳ء کے بعد سے گلوبل روہنگیا سنٹر (GRC) والوں کی خدمات بھی ایک حد تک قابل داد ہیں۔

طالب علمی کے زمانے کے بعد ڈاکٹر صاحب سوڈان کا چند مرتبہ دورہ کیا اور مختلف کانفرسوں میں شرکت کی تھی، روہنگیا طلبا کو مختلف سوڈانی جامعات میں اشکالرشپ دلانے کی کوشش آج بھی ماضی کی طرح کرتے رہے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب طالب علمی کے زمانے سے روہنگیا سالیڈ یریٹی آرگنائزیشن کے حامی اور کارکن رہے ہیں، ۱۹۹۹ء میں مرحوم مولانا دین محمد صاحب کی قیادت میں دوبارہ اس تنظیم کا اعلان ہوا تو آپ شوری کے ممبر چن لئے گئے تھے، اس کے بعد ۲۰۰۴ء میں مرکز میں اس کے شوری کا اجلاس ہوا، جس میں آپ مرکزی مجلس عاملہ (CEC) کے ممبر بنے، جس کے بعد ان کی سرگرمیں علانیہ دکھائی دینے لگیں۔

ڈاکٹر صاحب نے یوں تو سعودی عرب کا مختلف دورہ کیا، لیکن ار ایس او کی مجلس عاملہ کے ممبر ہونے کے بعد سعودی عرب کی طرف ان کی آمد ورفت میں کافی حد تک اضافہ ہوا، ۲۰۰۴ء میں باضابطہ ویزہ حاصل کر کے سعودی عرب میں تنظیم کے مختلف پروگرام لئے آتے رہے، اس سلسلہ میں ۲۰۰۵ء میں ملک فھد بن عبد العزیز مرحوم کی دعوت پر مولانا دین محمد اور مولانا سلیم اللہ عبد الرحمن کے ساتھ ریاض گئے، سرکاری مہمان بنے مختلف سرگرمی میں حاضری بھی دی تھی۔

مولانا دین محمد مرحوم کے اچانک انتقال کے بعد مولانا سلیم اللہ صاحب کے دور قیادت میں آپ نائب صدر منتخب ہوئے، اور مولانا سلیم کے ساتھ منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) کی ورزائے خارجہ کانفرنس صنعاء (یمن) کے علاوہ ۲۰۰۵ء میں منعقدہ اسلامی سربراہی کانفرنس میں بھی شرکت کی تھی۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے روہنگیا سالیڈ یریٹی آرگنائزیزیشن (RSO) کے ایک اعلی ذمے دار کی حیثیت سے ۲۰۰۶ء میں تھائی لینڈ میں منعقدہ ''پروگرام برائے اصلاح وطنی'' (NRP) میں اپنے چند ساتھیوں سمیت شرکت کی اور ملک وقوم کی فلاح اور بہبودی کی خاطر قابل داد خدمات انجام دی تھیں، بعد ازاں آپ نے اپنی تنظیم کے ایک وفد کی قیادت کرتے ہوئے ۲۰۰۸ء میں لال خان بازار چاٹگام والے نیشنل کونونشن میں شرکت کی، مگر افسوس ہے کہ یہ کونونشن مختلف وجوہات کی بنیاد پر ناکام ہو گیا تھا، جس کی تفصیلات راقم سطور کی دیگر تحریر میں ملیں گی، تاہم آپ ہمت ہارے نہ تھے، اور آپ کی قوم کو ایک ہی پلٹ فارم میں جمع کرنے کی کوشش چلتی رہی تھی۔

غالبا ۲۰۰۹ء کے بعد دین محمد صاحب اور مولانا سلیم اللہ صاحب کے مابین اختلاف اس وقت رونما ہوا جب مولانا صاحب نے روہنگیا سالیڈ یریٹی آرگنائزیزیشن میں اصلاح لانے کی کوشش تیز کر دی تھی، بالآخر مولانا صاحب نے ار ایس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، ان میں سے ایک حصہ زیر

زمین کام کرنے والوں کا تھا۔ اول الذکر والوں کا تنظیمی نام تو روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) ہی رہ گیا، جبکہ موخر الذکر والوں کے نام کو مولانا نے اصلاح کے نام پر روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن برائے حقوق (RSOR) سے بدل دیا تھا، بعد میں یہ دونوں حصے دو متحارب جماعتوں میں تقسیم ہو گئے، ان میں سے اول الذکر کی قیادت ڈاکٹر دین محمد اور کمانڈر ایوب کر رہے تھے، جبکہ موخر الذکر کی قیادت مولانا سلیم اللہ صاحب نے سنبھالی تھی۔

مولانا سلیم اللہ صاحب کی علیحدگی کے فوراً بعد ڈاکٹر دین محمد صاحب ارایس او کے صدر بنے، اور آپ نے اپنی تنظیم کے وفد کی قیادت کرتے ہوئے ارکان روہنگیا یونین (ARU) کی تاسیسی اجلاس ۲۰۱۱ء کو منظمۃ التعاون الاسلامی (OTC) کے صدر دفتر میں شرکت کی تھی، مگر افسوس کا مقام یہی تھا کہ ۲۰۱۱ء سے کچھ سال پہلے اور بعد میں بھی روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) مختلف متحارب دھڑوں میں تقسیم ہو چکی تھی، ان میں سے قابل ذکر ایک دھڑے کی قیادت ڈاکٹر دین محمد صاحب کر رہے تھے تو دوسرے دھڑا کی قیادت ڈاکٹر محمد یونس یانگونوی منگڈوی کر رہے تھے، ان دونوں دھڑوں کے علاوہ بھی بعض نام نہاد دیگر دھڑے بھی پائے جاتے تھے، لیکن ۲۰۱۱ء کے مذکورہ اجلاس میں ان دونوں مذکورہ دھڑوں نے باضابطہ شرکت کی تو ان دونوں ارایس او کے دعویداروں کے مابین مخاصمہ ہوا، روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے ڈاکٹر دین محمد اور ان کے حامیوں نے اپنی جماعت کو ماضی سے تسلسل رہنے اور اپنے اصول کے مطابق مسلح ہونے کی حیثیت سے ڈاکٹر محمد یونس صاحب کی قیادت اور ان کی جماعت کو نام نہاد اور کالعدم قرار دیتے ہوئے بتایا کہ:

(۱) ارایس او کے اصول کے مطابق ڈاکٹر یونس صاحب کا گرپ غیر مسلح گروپ ہے۔

(۲) اس گروپ کا ماضی سے کوئی تسلسل نہیں ہے۔

(۳) خود ڈاکٹر محمد یونس صاحب اگرچہ ارایس او کے سابق صدر رہ چکے تھے، لیکن انہوں نے ارایس کو خیر باد کہتے ہوئے مختلف دیگر جماعتوں کا اعلان اور ان کی قیادت کی تھی، جن میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کے علاوہ ارکان لیگ فار جسٹس اینڈ فریڈم (ALJF) قابل یاد ہیں۔

مگر یہ اور ان جیسے اعتراضات کے باوجود یہاں ڈاکٹر محمد یونس کی جیت اور ڈاکٹر دین محمد صاحب کی ہار ہوئی تھی، اس ہار میں ڈاکٹر محمد یونس کی قد آور شخصیت کے علی الرغم ایک بات اصولی حد تک قابل غور تھی کہ اس مذکورہ ارکان روہنگیا یونین (ARU) کے تاسیسی اجلاس میں جتنے گروپ اور جتنی تنظیموں نے شرکت کی تھی، ڈاکٹر دین محمد کی جماعت کے علاوہ ساری کی ساری تنظیمیں اور گروپ غیر مسلح تھے۔ چونکہ اے ار یو کو اپنے اصول موضوعہ کے مطابق پر امن اور سنجیدہ فورم ہونا تھا، اسی لئے بھی ڈاکٹر دین محمد کی جماعت کو اس فورم میں شریک کرنے سے معذرت کر لی گئی تھی۔ ڈاکٹر دین محمد صاحب کے نزدیک یہ ایک افسوس ناک قومی وسیاسی حادثہ سے کسی طرح کم نہ تھا، اب انہوں نے یہ کہہ کر اپنے دل کو قدرے دلاسا اور تسلی دینے کی کوشش کی کہ شہسواران رزم پیکار و کردار و حال کے لئے رندان بزم قال میں جگہ کب اور کیسی ہو سکتی ہے؟

۲۰۱۲ء کے دوران بعض وجوہات کی بنیاد پر آپ نے روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن سے علیحدگی اختیار کر لی، مگر قومی خدمات کے حوالے سے کام کرنے میں مگن رہے، ایک علیحدہ پارٹی کی بنیاد بھی رکھی، تاہم اعلان اب تک نہیں ہو سکا۔

ڈاکٹر دین محمد کا رجحان جہاد اسلامی کی طرف ہمیشہ تھا اور اب بھی رہا ہے، ارکان میں منظم طریقے سے جہاد کرنے کے لئے آپ بڑے کوشاں نظر آتے ہیں، جہاد اسلامی کے کارکنوں اور عاملوں اور مجاہدین کو سرگرم کرنے کے حوالے سے آپ کی خاصی کوشش رہی ہے، اس سلسلے میں بعض اسلامی ممالک سمیت ضروری ملکوں کا مختلف سفر بھی کیا ہے، ارایس او رکے اندر رہتے ہوئے بھی اور آج کل بھی قوم کو متحد کرنے کے لئے آپ بڑے سرگرم تھے اور ہیں، ارکان روہنگیا یونین کی تاسیس کے لئے اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے انہوں نے بہت کوشش کی، مگر بالآخر خود آپ اور آپ کی تنظیم کو شرف باریابی سے بھی محروم کر دیا گیا ہے، آپ ماشاء اللہ بڑے خلیق، صابر وشاکر، ملنسار اور ہنس مکھ ہونے کے علاوہ ذہین وفطین اور سادہ انسان ہیں، ساتھ ساتھ دیندار اور پرہیزگار بھی۔

جناب ضیاء الغفار صاحب (ٹونگ کنگ) رنگیا دنگی، بوسیدنگی،
محرک برائے امور قومی:

حضرت مولانا عبدالغفار صاحب رنگیا دنگی (MP) و پارلیمنٹری سکریٹری کا حقیقی پوتا جناب ضیاء الغفار معروف بہ (ٹونگ کنگ) کی پیدائش بوسیدنگ شہر میں ہوئی، ان کے والد صاحب خاصے پرہیز گار آدمی تھے، اور والدہ بھی بعض ذرائع کے مطابق نیک صفات خاتون تھی۔

ضیاء الغفار صاحب کی ابتدائی تعلیم بوسیدنگ کے مکتب اور سرکاری پرائمری اسکول میں ہوئی، مٹرک کا امتحان بوسیدنگ ہائی اسکول سے پاس کر کے رنگون یونیورسیٹی سے گریجویشن کیا، اس کے بعد وہ لندن پہنچے اور اپنی تعلیم کو آگے بڑھاتے رہے تھے، شاید اس کا سلسلہ اب بھی جاری ہو۔

دوران تعلیم ضیاء الغفار صاحب قومی سیاست سے وابستہ ہو گئے، اس حوالے سے مختلف قومی خدمات انجام دیں، کیوں نہ ہو کہ ان کو سیاست ورثے میں ملا ہے نا!

لندن میں پہنچ کر انہوں نے روہنگیا مسلمانوں کے حق میں جدو جہد شروع کی، وہاں انہوں نے بریٹش روہنگیا آرگنائزیشن آف یوکے (BROUK) نامی ایک سیاسی تنظیم کی بنیاد رکھ کر اس کے پلیٹ فارم سے روہنگیا کے حق میں زوردار آوازیں اٹھائیں، جس کا سلسلہ الحمدللہ تادم تحریر جاری ہے۔

ضیاء الغفار صاحب نے روہنگیا مسئلہ کے حوالے سے یوروپ، امریکہ، کنڈا، ارجن ٹینا سمیت عالم اسلام کے مختلف ممالک کے دورے کئے، اس سلسلے میں غالبا ۲۰۱۳ء میں سعودیہ آئے تو ان سے میری تفصیلی ملاقاتیں رہیں، ماشاء اللہ ان کو نہایت نشیط، فعال اور جواں سال حوصلہ مند قومی محرک ہونے کے ساتھ قومی ہمدردی سے سرشار پایا، اللہ تعالی ان کی حیات دراز کرے۔

۲۰۱۱ء میں ارکان روہنگیا یونین (ARU) کے تاسیسی اجلاس میں ضیاء الغفار صاحب حاضر تھے، انتخابات کے نتیجے میں اس یونین کے سکریٹری برائے امور خارجہ کے عہدہ پر فائز ہوئے تھے، لیکن افسوس ہے کہ باہمی رسہ کشی اور اختلافات کے سبب سے وہ اس میں کام نہیں کر پائے۔

ضیاء الغفار صاحب اب بھی جواں سال ہیں، خدا انہیں مزید قومی خدمات کی توفیق عنایت کرے۔

محترمہ رضیہ سلطانہ، خلیجا بانگاوی منگڈوی،
محرکۃ برائے امور قومی، وسماجی بہبود:

محترمہ رضیہ سلطانہ بنت الحاج محمد عثمان صاحب خلیجا بانگوی کی پیدائش شہر چاٹگام میں ہوئی، آپ کے والد محمد عثمان اور تایا الحاج فضل احمد صاحب کا شمار قوم کے بڑے خداموں میں سے ہیں، ان کی خدمات کی تفصیلات کے لئے میری کاوش ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی'' ملاحظہ ہو۔

رضیہ سلطانہ کا نشوونما اور تعلیم چاٹگام میں ہوئی، وکالت میں گریجویشن (LLB) کرنے کے بعد شہر چاٹگام کے ایک اسکول کی استانی بنی، شادی خانہ آبادی کے بعد بھی عرصۂ دراز تک اسکول میں خدمات انجام دیتی رہی تھیں۔

محترمہ رضیہ سلطانہ ہمارے معروف لیڈر جناب اڈووکٹ نورالاسلام صاحب (حالیہ صدر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن) کے رشتے کی بہن ہیں، یوں آپ نے سیاست وقیادت کی ہوائیں گھر ہی میں سونگھیں، ۲۰۱۲ء میں ارکان کے روہنگیا مسلمانوں کا قتل عام ہوا اور ہزاروں مسلم ماں اور بہنوں کی عصمتیں پامال ہوئیں تو محترمہ رضیہ سلطانہ میدان سیاست میں سامنے آئیں اور ہر کجا ان مظلوم مسلمانوں کے حق میں آوازیں بلند کیں، جس میں محترمہ خاصی کامیاب رہی ہیں۔

محترمہ رضیہ سلطانہ نے ایک رفاہی فورم قائم کیا، آج تک جس کی بڑی بڑی خدمات سامنے آئیں، الحمدللہ اس کا سلسلہ تادم تحریر برابر جاری اور آئے دن ترقی کی طرف گامزن ہے۔

محترمہ کو نورالاسلام صاحب اور ان کی جماعت ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا بھرپور تعاون اور حمایت حاصل ہے، محترمہ نے اپنے فورم کے زیر سائے یوروپ، امریکہ سمیت عالم اسلام کے چند ممالک کا دورہ کیا اور مختلف نمایاں لیڈروں سے ملاقاتیں کیں، جہاں بھی گئیں اپنے قلم اور اپنے زور خطابت سے روہنگیا مظلوموں کے حق میں کامیاب آواز بلند کیں۔

محترمہ رضیہ سلطانہ نہایت غیرت مند ایک مسلم دانشورہ ہیں، اس کے ساتھ نہایت چست وفعال بھی، اللہ تعالی ان کی حیات دراز کرے اور مزید قومی وملی خدمات کی توفیق سے نوازے، آمین۔

محترمہ ڈاکٹر انبیاء پروین، خائندہ فاروی، منگڈوی، محرکہ برائے امور قومی، وسماجی بہبود:

محترمہ ڈاکٹر انبیاء پروین کی پیدائش ۱۹۷۳ء میں ماندلائی میں ہوئی، ان کا آبائی تعلق خائندہ فارہ اورشقدار فارہ سے ہے، محترمہ کے والد جناب انجینئر محمد ہارون بن ماسٹر محمد ہاشم صاحب قوم سے نہایت ہمدردی رکھنے والے دانشور ہیں، ان کے تایا جناب ماسٹر محمد امین بن ماسٹر محمد ہاشم صاحب مرحوم روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کے بانیوں میں سے ایک تھے۔

ڈاکٹر انبیاء پروین کی ابتدائی تعلیم کراچی میں ہوئی، بعد میں اپنے والد کے ساتھ سعودی عرب پہنچیں، مٹرک اورانٹرمیڈیٹ کی تعلیم جدہ میں پاکر اعلی تعلیم کے لئے یوکرین گئیں، جہاں سے انہوں طب میں ایم بی بی ایس (MBBS) کرکے جدہ واپس آگئی تھیں، یہاں انہوں نے کئی سال تک کنگ عبدالعزیز مڈیکل کالج اینڈ ہسپتال میں عام مریضوں کی عموما اور روہنگیا مریضوں کی خصوصا خدمات انجام دیں تھیں۔ ۲۰۰۵ء کے بعد ڈاکٹر پروین جرمنی پہنچیں، جہاں انہوں طب میں ایم ڈی (MD) کی ڈگری لے کر ایک سرکاری ہسپتال میں کام کرنا شروع کردیا، یادرہے کہ ان کی دوبہنیں بھی ڈاکٹر ہیں، ڈاکٹر انیتا ہارون جرمنی میں اورڈاکٹر یاسمین ہارون متحدہ عرب امارات میں مع اہل خانہ مقیم ہیں۔

۲۰۱۲ء میں ارکان میں مسلمانوں کا قتل عام ہواتو ڈاکٹر پروین اوران کی بہن ڈاکٹر انیتاہارون میدان سیاست و قیادت میں نکلیں، یہاں انہوں یوروپین روہنگیا کونسل (ERC) نامی ایک تنظیم قائم کی، بعدمیں اس تنظیم نے ارکان روہنگیا یونین (ARU) سے مل کرقوم کی نمایاں خدمات انجام دیں، جس کا سلسلہ تادم تحریر جاری ہے۔

ڈاکٹر انبیاء پروین نے قومی مسائل کے حوالے سے مختلف مما لک کا دورہ کیا، اورمؤثر شخصیات سے ملاقاتیں کیں، اس حوالے سے بنگلا دیش بھی کئی مرتبہ آئیں اور روہنگیا مہاجرین کی زیارت وخدمات بھی کیں، ڈاکٹر صاحبہ کئی زبانوں کی ماہرہ ہیں، اردو، عربی، انگریزی کے علاوہ جرمن زبان میں بھی فرفر لکھ بول لیتی ہیں، اللہ تعالی ان کی حیات دراز کرے اور ان کو قوم کی مزید خدمات کے لئے قبول فرمائے، آمین۔

ارکان اوراس کے متعلق بعض نمایاں تاریخی واقعات

۲۶۶۶ق م - سے دھنووتی /دھنیاودی پہلے عہد حکومت، جس کا سلسلہ ۸۰۰ق م تک جاری تھا۔

۸۲۵ق م - سے دھنووتی /دھنیاودی دوسرے عہد حکومت، جس کا سلسلہ ۷۸۸ء تک جاری تھا۔

۷۸۸ء - ویسالی دورحکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۰۱۸ء تک جاری تھا۔

۹۵۷ء - ارکانی راجاچولاٹنگ چندرا کے زمانے میں ارکان پر منگولوں کا حملہ، اورارکان کی تاخت وتاراج۔

۱۰۱۸ء - پن ساپہلے دورحکومت کی ابتداء، جو ۱۱۰۳ء میں اپنی انتہاء کو پہنچی تھی۔

۱۱۰۳ء - پارن دورحکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۱۶۷ء تک جاری رہا۔

۱۱۶۷ء - کریٹ دورحکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۱۸۰ء تک جاری تھا۔

۱۱۸۰ء - پن سادوسرے دورحکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۲۳۷ء تک جاری تھا۔

۱۲۳۷ء - لنگریٹ دورحکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۴۰۴ء تک جاری تھا۔

۱۴۰۴ء - برمی غاصب راجا ''من کھاؤن'' کا ارکان پر حملہ، نرامیخلا کی ارکان کی سلطنت سے بے دخلی۔

۱۴۰۴ء - ارکانی باشاہ نرامیخلا (محمد سلیمان شاہ /من سامون) کا ترک وطن یا جلاوطن۔

۱۴۳۰ء - سلیمان شاہ کی ارکان واپسی اور مروکو حکومت کی بنیاد، جس کا سلسلہ ۱۷۸۴ء تک جاری تھا۔

۱۶۶۰ء - بدنصیب مغل شہزادہ شجاع کی ارکان میں آمد، بعدمیں اس کا مع اہل وعیال قتل۔

۱۶۶۶ء - مگھ اور پرتگیز لٹیروں کی وجہ سے مختلف آلام وپریشانیاں۔

۱۷۱۰ء - ارکان میں خانہ جنگی، اوروسیع پیمانے میں نقصانات۔

۱۷۸۴ء - برمی غاصب راجا بودھوپھیا کا ارکان پر حملہ وقبضہ، اوراس کی دہشت گردی، اورقتل عام۔

۱۷۹۶ء - تیس ہزار ارکانیوں (مگھ /مسلمانوں) کا ترک وطن اور بنگال میں ان کی پناہ۔

۱۷۹۸ء - جنرل علیہ بائنگ /علی بھائی (مسلمان) وغیرہ کی برمی غاصبوں سے آزادی کی جدوجہد۔

۱۸۱۱ء - سین فیا (KINGBERING) اورمسلم لیڈروں کی قیادت میں ہونے والے انقلاب کی ناکامی۔

۱۸۲۵ء - پہلی انگلو برمن جنگ۔

۱۸۲۶ - ارکان پر برطانیہ کا قبضہ۔

۱۹۳۰ء - برمی مسلم تاجر'' اوباو ''کے تعاون سے برمامسلم سوسائٹی کا قیام۔

۱۹۳۰ء - مگھ ڈاکو (بورینگ اونگ) اوراس کے حواریوں کی بربریت اورمسلمانوں کی بڑے پیمانے سے ہجرت۔

۱۹۳۰ء - وسطی، تحتی برما اور ارکان میں مسلمانوں کا قتل عام اور مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۳۳ء - روہنگیا جمعیت علمائے اسلام ارکان کی بنیاد۔

۱۹۳۶ء - برطانوی ہند سے برما کی انتظامی علیحدگی، اور ملک بھر سے مسلمانوں کا کریک ڈاؤن۔

۱۹۴۲ء - رنگون پر جاپانیوں کا قبضہ۔

۱۹۴۲ء - ارکانی مسلمانوں کا تاریخی قتل عام، اور بڑے پیمانے پر ان کی ہجرت۔

۱۹۴۲ء - منگڈو، بوسیدنگ اور راسیدنگ پر مشتمل تاریخی ''مسلم ریاست'' کا قیام۔

۱۹۴۵ء - ارکان میں برطانویوں کی دوبارہ واپسی۔

۱۹۴۵ء - ''برما مسلم جنرل کونسل'' نامی تنظیم کا قیام۔

۱۹۴۵ء - مسٹر عبدالرزاق کی صدارت میں برما مسلم کانگرس کا قیام۔

۱۹۴۶ء - مسٹر عبدالرزاق کی سربراہی میں پمنا رپیومنا مسلم کانفرنس کا انعقاد۔

۱۹۴۷ء - سازش پر مبنی بدنام زمانہ ''پیلونگ کانفرنس'' کا انعقاد۔

۱۹۴۷ء - برمی قانون ساز اسمبلی کے انتخابات۔ جس میں ارکانی مسلمانوں کو قانونی طور پر نمائندگی ملی تھی۔

۱۹۴۷ء - محمد جعفر حسین قوال کی زیر قیادت ''جہاد کونسل'' کی تشکیل اور ظالموں کے خلاف اعلان جہاد۔

۱۹۴۸ء - برطانیہ سے برما یا برمیوں کو حصول آزادی۔

۱۹۴۸ء - محمد قاسم بن عطاء الدین کی قیادت میں ''مجاہد پارٹی'' کا قیام۔

۱۹۴۹ء - مولانا مظفر احمد کی زیر صدارت انجمن مہاجرین ارکان کا قیام۔

۱۹۵۰ء - بی ٹی ایف کی بربریت، ہزاروں مسلمانوں کی شہادت اور ہزاروں کی ہجرت۔

۱۹۵۰ء - بانیٔ تحریک آزادیٔ ارکان محمد جعفر حسین قوال کی افسوسناک شہادت۔

۱۹۵۱ء - آزاد برما میں قومی اسمبلی کے پہلے عام انتخابات۔

۱۹۵۴ء - ارکان میں بنگالی مگھوں کا دخول عام، مسلم بستیوں پر قبضہ، مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۵۶ء - برمی قومی اسمبلی کے دوسرے انتخابات۔

۱۹۵۹ء - ارکان میں اور ایک مرتبہ بنگالی مگھوں کا دخول عام، مسلم بستیوں پر قبضہ، مسلمان ترک وطن پر مجبور۔

۱۹۶۰ء - مایو فرنٹیر اڈمنسٹریشن کا نفاذ۔

۱۹۶۱ء - برمی قومی اسمبلی کے تیسرے عام انتخابات۔

۱۹۶۱ء - راغب اللہ مرحوم وغیرہ کی قیادت میں ۲۹۰ سے زائد مجاہدین کا برمی فوجی قیادت کے سامنے سارنڈر۔

۱۹۶۲ء - جمہوری آئین کی معطلی، اور اقتدار پر جنرل نے ون کی قیادت میں برمی فوج کا مکمل قبضہ۔

۱۹۶۲ء - برما میں شوشل ازم کا نفاذ۔

۱۹۶۳ء - نے ون کے نام نہاد قومی اسمبلی کے انتخابات۔

۱۹۶۴ء - روہنگیا انڈیپنڈنٹ فورسس (RIF) کی تشکیل۔

۱۹۶۶ء - مگھ شرپسندوں کی شرپسندی اور برمی بربروں کی بربریت کی وجہ سے مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۶۶ء - محمد جعفر ثانی کی قیادت میں ارکان آزاد فوج (RNLP) کی تشکیل۔

۱۹۷۳ء - نے ون کی قیادت میں برمی فوج اور اس کے لالے پالے غنڈوں کے مظالم، اور مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۷۳ء - محمد جعفر حبیب (رحمہ اللہ) کی زیر قیادت روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تشکیل اور اعلان۔

۱۹۷۵ء - جنرل نے ون کی ایماء پر مسلمانوں کی وسیع پیمانے میں گرفتاریاں اور مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۷۵ء - ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) کا قیام۔

۱۹۷۷ء - روہنگیا مسلم طلبہ تنظیم ''رابطۃ الطلاب المسلمین الروہانجیین کا قیام۔

۱۹۷۸ء - نے ون کے نام نہاد برمی قومی اسمبلی کے انتخابات۔

۱۹۷۸ء - ناگامن آپریشن، برمیوں اور مگھوں کی غارت گری، مسلمانوں کی عام گرفتاریاں، قتل عام اور ہجرت۔

۱۹۷۹ء - روہنگیا جمعیت علماء (مسلح) کی زیر زمین جدوجہد کا آغاز۔

۱۹۸۲ء - روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کی تشکیل۔

۱۹۸۲ء - مولانا عبدالقدوس مجاہد کی امارت میں حرکۃ الجہاد الاسلامی نامی تنظیم کی جدوجہد کا آغاز۔

۱۹۸۲ء - نے ون قومی اسمبلی کے اور ایک نام نہاد انتخابات۔

۱۹۸۶ء - ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کی تشکیل۔

۱۹۸۶ء - مولانا عبدالحمید مجاہد کی زیر امارت ''روہنگیا اسلامی محاذ'' نامی تنظیم کی تشکیل۔

۱۹۸۶ء - روہنگیا طلبہ تنظیم، اتحاد الطلاب المسلمین ارکان۔ برما۔ (ITM) کی بنیاد۔

۱۹۸۸ء - جنرل نیون کی اقتدار سے ہمیشہ کے لئے چھٹی، اور سین لوین کی گدی نشینی۔

۱۹۸۸ء - ڈاکٹر مونگ مونگ کی چند دنوں والی حکومت۔

۱۹۸۸ء - جنرل سامونگ کی قیادت میں اقتدار پر فوج کا دوبارہ قبضہ۔

۱۹۸۸ء - مولانا محمد حنیف راغب ارکانی کی قیادت میں ''اتحاد المجاہدین'' نامی تنظیم کی تشکیل۔

۱۹۸۸ء - روہنگیا لیبریشن آرگنائزیشن (RLO) کا اعلان۔

۱۹۹۰ - ارکانیوں کی نمائندہ جماعت ''نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی فار ہیومن رائٹ (NDPHR) کا قیام۔

۱۹۹۰ء - نام نہاد انتخابات/اقتدار پر فوج کا قبضہ، جس کا سلسلہ تان شوے سے لے کر اب تک جاری ہے۔

۱۹۹۱ء ۔ روہنگیا مسلمانوں پر مظالم اور ان کی بڑے پیمانے پر ہجرت۔
۱۹۹۱ ۔ مسلمانوں کا قتل عام، وسیع پیمانے میں مسلمانوں کی گرفتاریاں، اور ان کی بڑے پیمانے پر ہجرت۔
۱۹۹۵ء ۔ روہنگیا نشنل الائنس (RNA) نامی الائنس کی تشکیل۔
۱۹۹۸ء ۔ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تشکیل اور اعلان۔
۲۰۱۱ء ۔ ارکان روہنگیا یونین (ARU) کی بنیاد اور اعلان۔
۲۰۱۲ء ۔ مسلمانوں کا قتل عام، ہزوروں شہادت، ہزاروں ماں بہنوں کی عصمت دری، اور لاکھوں کی ہجرت۔

مصنف کی بعض مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف:

سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی	سازش کا طوفان عقلیت و مادیت کے روپ میں
روہنگیا مسلمانوں کے جانگسل المیے	تذکرۂ علامہ سید الامینؒ
تذکرۂ حضرت مولانا شاہ عبدالسلام ارکانیؒ	روہنگیا مسلمان اور ان کی ہجرت کے اسباب
ارکان کے عظیم شاعر علاول، حیات و کارنامے	ارکان روہنگیا یونین، ماضی اور حال کے تناظر میں
روہنگیا چیخ و پکار اور مطالبات (ترجمہ)	تذکرۂ رفتگان
وادیٔ پرخار کے گمنام مسافر	سالارِ کارواں محمد جعفر حبیبؒ
سرخیل کارواں	علماء اور جمعیۃ علمائے اسلام ارکان
روہنگیا رسم الخط کا ایک علمی اور فکری جائزہ	روداد سخن
خورشیدِ تاباں	کاروان انسانیت
سفر اور کامیابیاں	اارکان کے چند ندوی فضلاء ایک نظر میں
عظیم ارکانی لیڈران	علماء اور جمعیت علمائے ارکان
مقالاتِ طاہر ندوی	روہنگیا رسم الخط کا ایک علمی اور فکری جائزہ
مدارس اسلامیہ کا نصاب و نظام اور جدید تقاضے	دو نظام تعلیم
ارکان کے روہنگیا مسلمان موت و حیات کی کشمکش میں	ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO)
برما میں خانہ جنگی کا دور دورہ	شعرائے ارکان
تاریخ ارکان کے درخشان ستارے، جلد (۱)	تاریخ ارکان کے درخشان ستارے، جلد (۲)
تاریخ ارکان کے درخشان ستارے، جلد (۳)	تاریخ ارکان کے درخشان ستارے، جلد (۴)
تاریخ ارکان کے درخشان ستارے، جلد (۵)	تاریخ ارکان کے درخشان ستارے، جلد (۶)
تاریخ ارکان کے درخشان ستارے، جلد (۷)	تاریخ ارکان کے درخشان ستارے، جلد (۸)
تاریخ ارکان کے درخشان ستارے، جلد (۹)	تاریخ ارکان کے درخشان ستارے، جلد (۱۰)
تاریخ ارکان کے درخشان ستارے، جلد (۱۱)	تاریخ ارکان کے درخشان ستارے، جلد (۱۲)

تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے
محمد طاہر جمال ندوی